مکتبہ داستان

کہنے والوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ حقیقت افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔
ہمارا معاشرہ انسانوں کا وہ ہجوم ہے جس کے متعلق کوئی جھوٹ گھڑ کر مشہور کر دیا جائے تو کہیں نہ کہیں سے آواز اٹھے گی کہ یہ تو فلاں خاندان کی کہانی ہے۔
جہاں باپ اپنی سگی بیٹی کو ہی داشتہ بنالے،
جہاں سگے بہن بھائی آپس میں ناجائز تعلقات استوار کر لیں،
جہاں جنسیت کا غلبہ اس حد تک پہنچ جائے کہ دوست تہذیبِ جدید کے نشے میں آپس میں بہنوں یا بیویوں کے تبادلے کریں،
اور جہاں ماں اپنے معصوم بچوں اور ان کے باپ کو زہر دے کر یا انہیں چھوڑ کر آشنا کے ساتھ فرار ہو جائے وہاں ہر جھوٹ سچ ہی نکلتا ہے۔
پسماندگی کے دور میں معاشرے میں بداعمالیوں پر پردے پڑے رہتے تھے لیکن جب سے اخبار رسالے گھر گھر پہنچنے لگے ہیں اور اخباروں کے نامہ نگار دور دراز دیہات میں بھی پہنچ گئے ہیں وہاں اب کوئی پردہ نہیں رہا۔ اخباروں میں ایک سے بڑھ کر ایک شرمناک واقعہ خبروں کی صورت میں آتا ہے اور پھر رابطے اتنے آسان ہو گئے ہیں کہ کسی بھی علاقے کی رات کی خبر صبح تک دور دور تک پھیل جاتی ہے۔
یہ بھی کہنا غلط نہیں کہ معاشرہ جتنا پسماندہ اور توہم پرست ہوگا وہاں جذباتیت اور پُراسراریت اتنی ہی زیادہ ہوگی کہ دیکھنے اور سننے والے حیرت زدہ بلکہ بعض حالات میں دہشت زدہ ہو جائیں گے۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ، خصوصاً دیہاتی علاقے پسماندہ ہیں۔
چاردیواری کی دنیا کی دیواروں سے کان لگائیں، آپ کو رونگٹے کھڑے کر دینے

والی سرگوشیاں سنائی دیں گی۔

اور پھر جہاں پیر پرستی، نفسانی خواہشات، توہمات اور تعویذ گنڈوں پر بھروسہ ہو اور دلوں میں اللہ کا نام رسمی سا رہ جائے وہاں ڈرامائی واقعات اور سنسنی خیز وارداتیں جنم لیتی ہیں۔

جہاں خاوند اپنی بیویوں کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنالیں...... اور جہاں ایک خاوند جانتے ہوئے کہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں اپنی بیوی کو بدکار پیر کے پاس بھیج دے، وہاں جھوٹ اور سچ میں تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

افسوس اور بڑے دکھ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ اللہ کے اس عظیم دین کے پیروکاروں کی بدی کی باتیں ہیں جو دین انسانیت کو جاہلیت اور بدی سے نجات دلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر اتارا تھا۔

اگر ناول اور افسانے گھر بیٹھے گھڑنے کی بجائے اپنے معاشرے سے ذرا پردہ اٹھا کر جھانکیں تو سچی کہانیوں کی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ میں جو طویل داستان پیش کرنے لگی ہوں یہ چار دیواری کی دنیا پر پڑے پردوں کے پیچھے کی ایک حقیقی داستان ہے جو دراصل قوم کی ایک بیٹی کی آپ بیتی ہے۔

میں ابتدا میں ہی واضح کر دیتی ہوں کہ اس آپ بیتی میں ایسے مقام اور موڑ آئیں گے جہاں مجھے کچھ کھری باتیں کہنی پڑیں گی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو بعض خواتین وحضرات کے عقیدوں کی نفی کریں گی اور مجھے وہابی اور مرتد کہا جائے گا لیکن میں کسی سے معذرت نہیں کروں گی۔

+++

میں جس آبادی میں رہتی ہوں وہ بڑی صاف ستھری آبادی ہے۔ میرے گھر سے ذرا ہی دور چھوٹے سے ایک مکان میں ایک خاتون رہتی ہے۔ مکان تو اس کا چھوٹا سا ہے، تین کمرے ہیں، برآمدہ ہے اور صحن بھی ہے لیکن اس مکان کے اندر جاؤ تو امیروں کی کوٹھیوں سے زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔ کہنے سے میری مراد یہ نہیں کہ وہاں بڑا ہی قیمتی اور نئی طرز کا فرنیچر ہے یا بڑی مہنگی زیب وزیبائش کا سامان ہے، ایسی کوئی بات نہیں۔ متوسط طبقے کے گھروں جیسا عام سا سامان ہے لیکن صفائی اور سلیقہ ایسا کہ دیکھ کر داد دینے کو جی

چاہتا ہے۔ اتنی صفائی اور سلیقہ شعاری دیکھ کر گھر کی خاتون کی شائستگی اور نفاست کا پتہ چلتا ہے۔

اس خاتون کا نام خوش بخت بیگم ہے لیکن اس کی گزری ہوئی زندگی میں خوش بختی کا ذرا سا شائبہ بھی نہیں ملتا۔ وہ بختی کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ بیشتر لوگ اس کے اصل نام سے واقف ہی نہیں۔ اس کی عمر 70 سال سے اوپر چلی گئی ہے۔ اس میں کوئی ایسا خاص وصف اور خوبی نہیں جس کی بدولت وہ خاص طور پر مشہور ہوتی، البتہ اس کی شہرت کا ایک باعث ہے جسے لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے لیکن بختی اس میں بھی مطمئن نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے میں اس معمر خاتون کو جانتی تھی۔

اس کی شہرت کا یہ باعث اس کا اپنا بیٹا ہے جس کی عمر 40 اور 50 سال کے درمیان پہنچ گئی ہے۔ اس بیٹے کی نہ بیوی ہے نہ بچے۔ سنا ہے بہت پہلے بھی اس نے شادی کی تھی لیکن بیوی کے ساتھ بن نہ سکی۔ پانچ چھ سال بعد بیوی بے اولاد مر گئی اور اس اللہ کے بندے نے شادی سے ایسی توبہ کی کہ دوسری شادی کا نام تک نہ لیا۔

بختی کے اس اکلوتے بیٹے کی شہرت یہ ہے کہ کوئی نشہ کرتا ہے، جوا بھی کھیلتا ہے اور آوارگی کے زمرے میں آتا ہے لیکن وہ اس طرح بدنام نہیں جس طرح اس قماش کے لوگ بدنام ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی مشہور ہے کہ وہ سی آئی ڈی کا مخبر ہے۔ چھوٹی سی اس کی ایک دکان ہے جس میں اس نے ایک نوکر کو یا غالباً کسی حصہ دار کو بٹھا رکھا ہے۔ اس کی بہرحال کچھ نہ کچھ آمدنی ضرور ہے۔ یہ تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ شخص اگر جوئے باز ہے تو کبھی اس کی ساری آمدنی ہاری ہوئی بازی میں نکل جاتی ہوگی اور کبھی وہ بازی جیت بھی جاتا ہوگا۔ آمدنی کا زیادہ حصہ تو نشے کی نذر ہو جاتا ہوگا۔

آمدنی کا ذکر میں اس خیال سے کر رہی ہوں کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جواری اور نشئی صرف کنگال ہی نہیں ہوتے بلکہ مقروض ہوتے ہیں اور دوستوں اور عزیزوں سے پیسے مانگتے نظر آتے ہیں اور ان دونوں عادتوں کے عادی اپنے گھروں سے پیسے اور زیورات اُڑا لے جاتے ہیں، اس طرح یہ لوگ گھر والوں کے لیے ایک بڑی ہی شرمناک اور خطرناک مصیبت بنے رہتے ہیں اور پھر گھر والوں کو کسی کے آگے سر اٹھا کر بات کرنے

کے قابل نہیں رہنے دیتے لیکن بختی اس لحاظ سے خوش بخت ہے کہ بیٹا اسے گھر کے اخراجات سے محروم نہیں کرتا اور ماں کو ایسی شکایت ہونے ہی نہیں دیتا کہ گھر میں کوئی پیسہ نہیں۔

اس شخص کا دوسرا کمال یہ بھی ہے کہ کسی دوست یا رشتہ دار سے ایک پیسے کا قرض بھی نہیں لیتا۔ ایسی بری عادتوں کے باوجود لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر کسی کی عزت کرتا ہے اور ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ دھوکا کھا سکتا ہے دھوکا دیتا نہیں۔

یوں کہہ لیں کہ بختی کے گھر میں گنگا الٹی بہہ رہی ہے۔ وہ اس طرح کہ جواری اور نشئی لازماً بدنام ہوتے ہیں لیکن بختی کا بیٹا انہی دو بری عادات کے ہوتے ہوئے نیک نام ہے۔

ہوسکتا ہے لوگ اس کی عزت اس وجہ سے کرتے ہوں گے کہ وہ سی آئی ڈی کا مخبر ہے لیکن میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اس نے کبھی کسی پر پولیس کا رعب نہیں جھاڑا، اس کی بجائے وہ ان لوگوں کی مدد کو پہنچ جاتا ہے جن کا پولیس کے ساتھ کوئی کام پڑ جاتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ پولیس کے ساتھ کسی کا کوئی اچھا کام نہیں پڑ سکتا۔

میں حقیقت یہ بیان کر رہی ہوں کہ بختی کا یہ بیٹا کسی پہلو شریف آدمی نہیں۔ یہاں تک پتہ چلا ہے کہ ایک غریب سی عورت کے ساتھ اس کے ناجائز مراسم ہیں۔

میں اس شخص کی یہ ہسٹری اس وجہ سے سنا رہی ہوں کہ بختی کو لوگ اس بیٹے کی وجہ سے ہی جانتے ہیں ورنہ وہ ایک عام سی عورت تھی۔ میری نظر میں بھی وہ ایک عام عورت ہے جسے میں نے کبھی کوئی اہمیت نہ دی اور اسے دور کی سلام و دعا کے قابل ہی سمجھا۔

+++

تھوڑا ہی عرصہ پہلے کی بات ہے، میں ایک روز اپنی ایک دوست کے ہاں گئی۔ اس کا گھر بختی کے گھر کے بالمقابل ہے۔ میں اپنی دوست کے ساتھ بیٹھی گپ شپ میں لگ گئی۔ اتنے میں بختی وہاں آگئی اور ہمارے پاس بیٹھ گئی۔ میری دوست نے اس سے خیر خیریت پوچھی اور رسمی سی اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ میں نے پہلی بار دیکھا کہ یہ معمر خاتون جسے اپنے بیٹے کی بری عادتوں کی وجہ سے مغموم اور پریشان ہونا چاہئے تھا، اچھی خاصی خوشگوار عورت ہے۔

''میں تمہاری محفل میں زیادہ دخل اندازی نہیں کروں گی'' ـــــ بختی نے مسکراتے ہوئے کہا ـــــ ''ایک بے اصولی کرنے آئی ہوں...... کل سے میرا بیٹا بخار میں پڑا ہے۔ ڈاکٹر نے دوائیاں لکھ دی ہیں لیکن پیسے کم پڑ گئے ہیں۔ ایک سو روپیہ دے دیں، پرسوں اسی وقت دے جاؤں گی''۔

میری دوست اٹھی اور ایک سو روپیہ لا کر بختی کو دے دیا۔ بختی نے ایک بار پھر کہا کہ وہ پرسوں یہ سو روپیہ لوٹا دے گی۔

''کیا بات کرتی ہیں آپ خالہ!'' ـــــ میری دوست نے کہا ـــــ ''واپسی کی ایسی کوئی جلدی نہیں، پہلے اپنے بیٹے کو دوائیاں دو''۔

''تمہیں جلدی نہیں ہوگی بی بی!'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''مجھے جلدی ہے۔ مجھے قرض اور ادھار اچھا نہیں لگتا۔ بیٹا بیمار نہ پڑ جاتا تو پیسے مانگنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ بیٹا اٹھے گا تو پیسے بھی آ جائیں گے''۔

بختی فوراً ہی جانا چاہتی تھی لیکن میری دوست نے اسے کچھ دیر بٹھائے رکھا اور باتیں شروع ہو گئیں۔ یہ باتیں ایسی نہیں کہ میں یہاں لکھوں لیکن ایک بات ضرور لکھوں گی۔ وہ یہ کہ اس کے انداز میں اور خیالات میں کچھ ایسا تاثر تھا جسے میں نظر انداز نہ کر سکی۔ آپ جانتے ہیں کہ دو تین عورتیں کہیں اکٹھی بیٹھ جائیں تو وہ کسی نہ کسی عورت یا گھر کے خلاف باتیں کریں گی یا اپنے اپنے خاوند کو بد اخلاق اور بے حس اور اپنے آپ کو مظلوم ثابت کریں گی لیکن بختی میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

بختی چلی گئی تو میری دوست نے اس کے متعلق بڑی ہی اچھی باتیں کیں اور کہا کہ بختی پانچ سو روپیہ مانگتی تو میں وہ بھی دے دیتی۔

مختصر یہ کہ میں وہاں سے ایسا تاثر لائی جس نے میرے دل میں یہ خواہش پیدا کر دی کہ بختی کو کبھی ملوں اور اس کے ساتھ ڈھیر ساری باتیں کروں۔

اگلے روز میں گھر کے کام کاج سے فارغ ہوئی تو بختی کے گھر کی طرف چل دی۔ بہانہ معقول تھا کہ اس کے بیٹے کو دیکھنے آئی ہوں۔ میں دراصل اس کے بیٹے کو دیکھنا چاہتی تھی جو اتنے برے اخلاق کا آدمی ہو کر بھی بدنام نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں میں اچھی شہرت رکھتا تھا۔

میری اس دوست کا گھر بختی کے گھر کے سامنے ہے، میں اپنی دوست کو بھی ساتھ لیتی گئی اور ہم دونوں بختی کے ہاں جا پہنچیں۔ اس کا بیٹا کچھ بہتر ہو گیا تھا، صحن میں ٹہل رہا تھا۔ بختی تو ہم دونوں کو دیکھ کر پھولی نہیں سمائی تھی۔ اس نے ہمیں کمرے میں لے جا کر بٹھایا اور خود باورچی خانے میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اس کا بیٹا کمرے میں ہمارے پاس آیا۔

''کل امی آپ سے ایک سو روپیہ لائی تھیں'' ___ اس نے میری دوست سے کہا ___ ''آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا، آج باہر نکلوں گا اور پیسے آ جائیں گے''۔

''بختی خالہ!'' ___ میری دوست نے وہیں سے بڑی بلند آواز میں کہا ___ ''ایک سو روپے کے پیچھے مجھے کیوں شرمسار کر رہی ہیں، دیکھیں، میرے اس بھائی نے بھی وہی بات کہی ہے جو آپ مجھے میرے گھر کہہ کر آئی تھیں...... اور یہ آپ کس تکلف میں پڑ گئی ہیں۔ ادھر آئیں ہمارے پاس بیٹھیں، ہم آپ کے پاس آئی ہیں''۔

باورچی خانے سے بختی کی ہنسی کی آواز آئی۔ اس کا بیٹا کمرے سے نکل گیا تھا۔ مجھے یہ تجربہ ہے اور یہ میرا مشاہدہ ہے کہ اس قماش کے کسی آدمی کے گھر اس کی بیوی، بہن یا ماں سے ملنے ایک دو عورتیں چلی جائیں تو ایسے آدمی کو بار بار اس کمرے میں کوئی کام پڑ جاتا ہے جس کمرے میں عورتیں بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایسا شخص تاک جھانک سے باز رہ ہی نہیں سکتا لیکن بختی کے بیٹے نے آداب اور شائستگی کا یہ مظاہرہ کیا کہ فوراً کمرے سے نکل گیا اور پھر ہم نے اس کی صورت نہ دیکھی۔

میں نے اسے غور سے دیکھ لیا تھا۔ شکل و صورت اور چال ڈھال سے وہ نشئی اور جواری لگتا ہی نہیں تھا۔ یہ تو میرے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ ماں بیٹا ایک بڑی ہی سنسنی خیز اور ڈرامائی کہانی کے کردار ہیں، یہ تو ایسے ہی خیال آ گیا تھا کہ میں بختی سے ملوں۔ یہ خیال دراصل ویسے ہی نہیں آیا تھا، پہلے بتا چکی ہوں کہ اس معمر خاتون سے میں کچھ اور ہی طرح متاثر ہوئی تھی اور اس تاثر کو میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی۔

بختی ٹرے اٹھائے کمرے میں آئی جس میں چائے کی پیالیاں تھیں اور ایک پلیٹ میں بسکٹ رکھے تھے۔

+++

ہم چائے پینے لگیں اور ادھر ادھر کی باتیں بھی شروع ہو گئیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا

کہ تین چار عورتیں اکٹھی بیٹھ جائیں تو ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اکیلی بولتی رہے اور دوسری صرف سنتی رہیں۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ ساری ہی عورتیں بیک وقت بولنے لگتی ہیں یا چھ سات عورتوں کی محفل میں دو عورتیں تو یقیناً بیک وقت بولتی ہیں لیکن ہم تینوں میں میری دوست بات کرتی تھی یا میں بولتی تھی اور بختی صرف سنتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہماری ہر بات انہماک اور دلچسپی سے سن رہی ہو۔ وہ اس وقت بولتی جب ہم دونوں خاموش ہوتی تھیں۔

میری زبان پر ایک سوال بار بار آتا اور میں اس سوال کو نگل لیتی تھی۔ میں بختی سے اس کے بیٹے کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن ڈرتی تھی کہ بختی برا نہ مان جائے۔

''خالہ!'' ___ میری دوست نے اس سے پوچھا ___ ''آپ کے میاں کب فوت ہوئے تھے؟''

''اس وقت میرا زبیر اٹھارہ انیس سال کا تھا'' ___ بختی نے اپنے اس بیٹے کا نام لے کر جواب دیا ___ ''اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس سے بڑی دو بیٹیاں ہیں، دونوں باپ کی زندگی میں ہی بیاہی جا چکی تھیں''۔

اس کے اس بیٹے کا نام زبیر ہے اور یہ بختی کا اکلوتا بیٹا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ زبیر اکلوتا ہونے کی وجہ سے بگڑ گیا ہو گا لیکن بات کچھ اور نکلی۔

''پھر گھر کا سلسلہ کس طرح چلتا رہا؟'' ___ میں نے پوچھا ___ ''بھائی زبیر کی تو ابھی کہیں نوکری نہیں لگی ہو گی!''

''اسے ایک پرائیویٹ فرم میں بڑی اچھی نوکری مل چکی تھی'' ___ بختی نے کہا ___ ''اس کا باپ ریلوے میں تھا۔ ان کی وفات کے بعد خاصی رقم اکٹھی مل گئی تھی۔ اللہ نے ہم پر پردہ ڈالے رکھا اور عزت سے گذارا چلتا رہا اور چل رہا ہے''۔

''زبیر بھائی نے شاید نوکری چھوڑ دی ہے!'' ___ میں نے بات کا رخ زبیر کی طرف موڑنے کے لیے کہا۔

''اس نے تو نہیں چھوڑی تھی'' ___ بختی نے کہا ___ ''حالات کچھ ایسے بدلے کہ اسے نوکری سے محروم ہونا پڑا''۔

بختی نے بات یہیں پر ختم کر دی اور میرا تجسس تشنہ ہی رہا۔ میری دوست نے بختی

سے پوچھا کہ حالات میں ایسی کیا تبدیلی آ گئی تھی کہ زبیر کو نوکری سے محروم ہونا پڑا۔

''بس، ہوگیا جو ہونا تھا''۔۔۔ بختی نے بات کو یہیں پر گول کرتے ہوئے کہا۔۔۔

''میں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے والی عورت ہوں۔ پھر میرا اصول یہ بھی ہے کہ کسی کے آگے اپنا رونا نہیں رونا چاہئے۔ اپنے آپ کو مظلوم بنا کر پیش کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میں اچھا نہیں سمجھتی کہ آپ ہنستی مسکراتی آئی ہیں اور یہاں سے منہ بے مزہ لے کر جائیں۔ اتنا بتا دیتی ہوں کہ حالات کی یہ تبدیلی میرے لئے ایک صدمہ تھی۔ سہہ گزری ہوں اور اللہ کا شکر ہی ادا کرتی رہی جس کا صلہ اس کی ذاتِ باری نے یہ دیا ہے کہ دل میں مسرت ہے ملال نہیں''۔

بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ اس طرح کا اشارہ دے اور ہم نہ پوچھیں کہ ہوا کیا تھا۔ میری دوست کو بھی پوری بات سننے میں دلچسپی تھی لیکن میری دلچسپی کچھ اور ہی تھی۔ لکھنے لکھانے کی لت پڑ گئی تھی اور میں کسی ناول یا افسانے کا پلاٹ ہی ڈھونڈتی پھرتی تھی۔ یہ عادت کم ہونے کی بجائے اور زیادہ جڑ پکڑ چکی ہے جس کا اثر یہ ہے کہ میں ہر جگہ بال کی کھال اتارنے بیٹھ جاتی ہوں۔ بختی نے یہ مختصر سی بات کی تو میں اپنی عادت کے مطابق اس کے پیچھے ہی پڑ گئی۔ میری دوست نے میری ضرورت کو سمجھتے ہوئے میرا ساتھ دیا اور ہم دونوں نے مل کر بختی کو پوری بات سنانے پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی میں نے محسوس کیا جیسے وہ ٹال مٹول کے موڈ میں ہے۔

''بات یہ ہے خالہ!''۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ ''ہمارے دلوں میں آپ کا کچھ پیار، کچھ درد ہے اس لیے آپ کے ہاں چلی آئیں۔ آپ اپنے کسی صدمے کی بات کریں اور ہم اسے نظر انداز کر کے ہنستی کھیلتی رہیں تو میں اسے بداخلاقی سمجھوں گی۔ ہمیں آپ کی ذات کے ساتھ کچھ دلچسپی ہے''۔

بختی نے ساری بات سنا دی جسے وہ حالات کی تبدیلی اور ایک صدمہ کہتی تھی۔ میں اس کی یہ بات اپنے الفاظ میں پیش کرتی ہوں۔

+ + +

زبیر دو بیٹیوں میں اکیلا بیٹا ہونے کی وجہ سے بگڑا نہیں تھا حالانکہ اسے بیٹیوں کے مقابلے میں ماں باپ نے بہت پیار دیا تھا اور اس کی ہر ضد اور ہر فرمائش پوری کی تھی۔ یہ

ماں باپ کی تربیت کا کرشمہ تھا کہ لڑکا بگڑا نہیں البتہ یہ ہوا کہ اس میں سرکشی اور خودسری پیدا ہوگئی۔ اس کا باپ کہتا تھا کہ مرد کو اتنا سرکش اور خودسر ہونا ہی چاہئے۔ شاید یہی وہ اوصاف تھے جنہوں نے زبیر میں جرأت مندی پیدا کر دی تھی۔

زبیر نے میٹرک پاس کر لی تو ماں باپ اسے کالج میں داخل کرانا چاہتے تھے لیکن زبیر نے صاف انکار کر دیا۔ اسے تعلیم کے ساتھ کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کہتا تھا کہ نوکری جیسی کیسی بھی مل جائے وہ کرے گا آگے نہیں پڑھے گا۔

زبیر نے میٹرک پاس کر لی تو ماں باپ اسے کالج میں داخل کرانا چاہتے تھے لیکن زبیر نے صاف انکار کر دیا۔ اسے تعلیم کے ساتھ کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کہتا تھا کہ نوکری جیسی کیسی بھی مل جائے وہ کرے گا آگے نہیں پڑھے گا۔

زبیر ایک سال فارغ رہا پھر باپ نے مل ملا کر اور سفارشیں ڈھونڈ کر اسے ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت دلوادی۔ زبیر پوری دلچسپی سے اس ملازمت کو نبھاتا رہا اور اس طرح ساڑھے چار سال گزر گئے۔

اس دوران ماں نے زبیر کی شادی کر دی۔ ماں اور بہنوں کے دلوں میں زبیر کے باپ کی وفات کا صدمہ از سرِ نو تازہ ہوگیا لیکن زبیر کی شادی کی انہوں نے اتنی خوشیاں منائیں کہ اس صدمے کی شدت کم ہوگئی۔ ماں تلاش بسیار کے بعد اپنے بیٹے کے لیے دلہن لائی تھی اور اسے لاکھوں میں ایک سمجھتی تھی لیکن اس نے صرف شکل دیکھی عقل کی طرف توجہ نہ دی۔

لڑکی والے ان کے لیے اجنبی تھے۔ رشتہ کرانے والوں نے ان کی بہت تعریفیں کی تھیں۔ ماں اور بہنیں لڑکی کی شکل صورت پر ہی مر مٹیں...... بختی جب ہمیں بیٹے کی شادی کے بعد کی بات سنا رہی تھی تو مجھے حضرت عمرؓ کی ایک بات یاد آ گئی۔ آپ سے کسی نے کسی شخص کی تعریفیں کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا، کیا تم نے اس کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا، نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ کاروبار کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا، نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تو پھر تم کس طرح کہتے ہو کہ وہ بڑا اچھا آدمی ہے!

کچھ ایسے ہی زبیر اور اس کی ماں کے ساتھ ہوا۔ لڑکی کی سیرت اپنی صورت سے

بالکل متضاد نکلی۔ لڑکی کے والدین نے جب اپنے رنگ دکھائے تو زبیر، اس کی ماں اور اس کی بہنوں کے رنگ اُڑ گئے۔ لڑکی بالکل ہی پھوہڑ اور نکمی نکلی۔ لڑکی کے والدین صاف نیت کے لوگ نہیں تھے۔ انہوں نے زبیر کو گھر داماد بنانے کے لیے زمین دوز کارروائیاں شروع کر دیں۔ لڑکی میں جو عقل تھی وہ اس نے تخریبی کارروائیوں میں استعمال کرنی شروع کر دی۔

زبیر کے گھر میں لڑائی جھگڑا تو نہ ہوا لیکن گھر میں جو برکت اور رونق تھی وہ کم ہونے لگی۔ عموماً یوں ہوتا ہے کہ لڑکے نئی دلہن سے ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور مکمل طور پر اپنی دلہن کے ہو کے رہ جاتے ہیں۔ زبیر نے ایسی اوچھی حرکت تو نہ کی اور اپنی بیوہ ماں کا پورا پورا خیال رکھا لیکن زبیر کا یہ رویہ اس کی بیوی کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ بیوی اسی کوشش میں لگی رہتی تھی کہ زبیر کے دل میں اس کی ماں کی عداوت پیدا کر دے لیکن زبیر نے اس کی ایسی ہر کوشش ناکام کر دی۔ اس کے نتیجے میں زبیر کے دل میں ماں کا پیار اور وقار اور زیادہ ہو گیا۔

یہ تو ہماری چاردیواری کی دنیا کا ایک پرانا ڈرامہ ہے جو گھر گھر میں کھیلا جاتا ہے۔ لڑکے کی شادی ہوتی ہے تو وہ اپنے ماں باپ اور اپنی بیوی کے ماں باپ کے درمیان اس طرح پسنے لگتا ہے جس طرح چکی کے دو پاٹ دانے کو پیس پیس کر آٹا بنا دیتے ہیں۔ یہ تو ایک ہزار ایک بار سنی اور سنائی ہوئی کہانی ہے۔

یہ بختی کے کردار کی بلندی تھی کہ اس نے ہر لمحہ یہ کوشش کی کہ وہ اپنے بیٹے اور بہو کے درمیان نہ آئے لیکن بہو ایسی بدطینت لڑکی تھی کہ وہ ماں بیٹے میں عداوت کی خلیج حائل کرنے کی کوششوں میں اس طرح لگی رہتی تھی جیسے وہ اسی مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہو اور یہ اس کا مذہبی فریضہ ہو لیکن ہوا یہ کہ وہ خلیج جو وہ ماں بیٹے کے درمیان حائل کرنا چاہتی تھی وہ اس کے اور زبیر کے درمیان حائل ہو گئی اور دن بدن وسیع ہوتی چلی گئی۔

زبیر کی دو بہنیں اپنے گھروں میں آباد تھیں۔ ایک تو اسی شہر میں بیاہی گئی تھی اور دوسری کچھ دور چلی گئی تھی۔ زبیر کی ماں نے اپنے گھر کے ماحول میں جو ٹھہراؤ، سکون اور پیار و محبت رکھا ہوا تھا وہ بری طرح مجروح ہوا اور ہوتا ہی چلا گیا۔ ہمارے ہاں دراصل شادی لڑکی اور لڑکے کی نہیں ہوتی بلکہ یہ دو خاندانوں کا ملاپ ہوتا ہے اور یہ ملاپ شاذ و

نادر ہی خوشگوار ثابت ہوتا ہے۔ ہر گھر کا اپنا اپنا ایک کلچر ہوتا ہے۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ دو کلچر ایک جیسے مل جائیں تو گھر جنت بن جاتا ہے لیکن بختی اور اس کی بہو کے میکے کے کلچر متضاد تھے جو آپس میں ملنے کی بجائے متصادم ہو رہے تھے۔ یہ تو منفی اور مثبت کی ٹکر تھی۔ بختی کی بہو کی جو عادات تھیں وہ دراصل اس کی فطرت تھی جو بچپن سے تشکیل پا چکی تھی۔

انسان کی شکل وصورت بدل سکتی ہے، فطرت نہیں بدل سکتی۔ بعض لوگ اپنے آباؤ اجداد کا مذہب بدل لیتے ہیں، ان کی فطرت پر انگلی رکھو تو وہ تڑپ اٹھتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کو بھی رسمی طور پر مانتے ہیں۔ اپنی ہی ذات کو اولیت اور اہمیت دیتے ہیں خواہ اس میں اللہ کی توہین ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔

زبیر تو اب ایک ایسے چھکڑے کو دھکیل گھسیٹ رہا تھا جس کا ایک پہیہ ٹوٹا پھوٹا تھا اور اکثر یہ پہیہ جام رہتا تھا۔ اگر ماں نہ ہوتی تو وہ اس بیوی کو طلاق دے دیتا لیکن ماں کو یہ صورت منظور نہیں تھی۔

+++

تین سال سے کچھ اوپر عرصہ گزر گیا۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی زبیر کی بیوی میں ماں بننے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ یہ دوسری مایوسی تھی جو بختی کے لیے ایک روگ بننے لگی تھی لیکن عورت صابر اور شاکر تھی اس لیے اس نے یہ مایوسی بھی قبول کر لی اور اللہ پر ہی چھوڑ دیا۔ اس دوران اس پر ایک اور آفت آن پڑی۔

بختی کی ایک بیٹی اسی شہر میں بیاہی ہوئی تھی۔ اس کے سسرال خوشحال لوگ تھے۔ وہ آج بھی خوشحال ہیں۔ وہ شروع سے ہی تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ بختی جس وقت کی بات سنا رہی تھی اس وقت تک اس کی بیٹی کا خاوند ہر لحاظ سے ٹھیک ٹھاک رہا لیکن آگے چل کر اس میں کچھ تبدیلی آنے لگی۔

تبدیلی یہ آئی کہ غالباً پیسہ اس کے دماغ کو چڑھ گیا کہ وہ غلط راستے پر چل نکلا۔ بیٹی نے بختی کو ایک روز بتایا کہ اس کا خاوند اس سے کچھ لاپرواہ ہوتا جا رہا ہے۔ ماں نے بیٹی کو پندونصیحت کی اور کہا کہ عورت چاہے تو بڑے اکھڑ آدمی کو بھی اپنی مٹھی میں رکھ سکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ عورت وہیں اچھی لگتی ہے جہاں اسے بیاہ دیا جاتا ہے۔

بیٹی پہلے تو خاوند کا رویہ برداشت کرتی رہی لیکن اس شخص نے اس کے ساتھ نمایاں طور پر بے رخی شروع کر دی۔ پہلے وہ سورج غروب ہوتے ہی گھر آ جاتا تھا پھر اس نے ذرا دیر سے آنا شروع کر دیا پھر ایسی راتیں بھی آئیں کہ وہ دس بجے اور کبھی گیارہ بجے گھر آتا اور آتا بھی تو یوں لگتا جیسے کسی غلط جگہ آ گیا ہو اور یہ لوگ اسے اچھے نہیں لگتے۔

بختی کی بیٹی نے اپنی ساس کو بتایا کہ اس کا بیٹا بالکل ہی بدل گیا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے ایک چراغ جلتا جلتا ٹمٹمانے لگا ہو اور بجھنے ہی والا ہو۔

''سائرہ بیٹی!''۔۔۔ ساس نے کہا۔۔۔ ''تمہارے ساتھ اس کا خون کا کوئی رشتہ نہیں، میں اس کی ماں ہوں، وہ مجھ سے بھی کھچا کھچا رہنے لگا ہے۔ بہت پوچھا ہے کہ اسے کیا دکھ ستا رہا ہے کہ وہ یوں روٹھا روٹھا سا اور چپ رہنے لگا ہے۔ وہ کچھ بتاتا ہی نہیں بلکہ ایک دو بار غصے میں آ گیا تھا''۔

بختی کی بیٹی سائرہ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ یہ شخص صرف اس سے ہی بے رخی نہیں برت رہا بلکہ اپنی ماں کے ساتھ بھی اس کا یہی سلوک ہے۔ سائرہ کی ساس تو بات کرتے کرتے آنسو بہانے لگی اور ساس نے سائرہ کو یہ بھی بتا دیا کہ سائرہ کا سسر بھی پریشان ہے۔ معلوم ہوا کہ سائرہ کا خاوند کاروبار سے رقمیں اُڑانے لگا ہے اور دن کو بھی بغیر بتائے کہ وہ کہاں جا رہا ہے، غائب ہو جاتا ہے۔

سائرہ اس معاملے میں خوش بخت تھی کہ خاوند کی گمراہی پر اس کی ساس اور سسر اور خاوند کا ایک بھائی سائرہ کے ساتھ تھے۔ عموماً یوں ہوتا ہے کہ کسی کا شادی شدہ بیٹا گمراہ ہو جائے اور بدکاری کی طرف جا نکلے تو اس پر پردے ڈالے جاتے ہیں اور اس کی بیوی شکوہ کرے تو سسرال کا ہر فرد اس کی مخالفت میں اتر آتا ہے لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا جس سے ظاہر تھا کہ یہ کردار والے لوگ ہیں۔

سائرہ کے سسر کو یہ غم لگ گیا تھا کہ اس کا بیٹا حلال کی کمائی اُڑا رہا تھا دوسرا نقصان یہ نظر آ رہا تھا کہ اس پر قابو نہ پایا گیا تو وہ اس مقام تک جا پہنچے گا جہاں اسے بلکہ پورے خاندان کو تباہی سے بچانا ممکن نہیں رہے گا۔ باپ کو یہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ کاروبار کا منافع سکڑتا جا رہا ہے۔ دراصل منافع بیٹا ہضم کر رہا تھا۔ یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کرتا کیا ہے اور جاتا کہاں ہے۔ ایک شک یہ تھا کہ اسے ریس کھیلنے کی لت پڑ گئی ہے یا وہ کسی

نشے کا عادی ہو گیا ہے یا اس کا دوستانہ کسی فاحشہ عورت کے ساتھ ہو گیا ہے۔

نشے والا شک غلط معلوم ہوتا تھا یہ اس طرح کہ وہ جب گھر آتا تھا تو گھر کے تمام افراد اسے غور سے دیکھتے تھے۔ ذہنی طور پر وہ نارمل حالت میں ہوتا تھا لیکن مزاجی طور پر اس میں کچھ غصہ اور کچھ تلخی نظر آتی تھی اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی اس کے ساتھ بات نہ کرے۔ وہ اپنی ماں اور اپنے باپ کو بھی نظر انداز کر دیتا تھا اور غصہ بند کمرے میں سائرہ پر نکالتا تھا۔ یہ دھتکار اور پھٹکار اکیلی سائرہ کے حصے میں آتی تھی اور اس میں کوئی اس کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔

+ + +

سائرہ جب اپنی ماں کے پاس جاتی تو اسے سناتی تھی کہ خاوند اس کے ساتھ کیسی کیسی بدتمیزیاں کرتا ہے۔ زبیر بھی اپنی بہن کا یہ رونا سنتا اور اس کا خون کھولنے لگتا تھا۔ ایک روز زبیر اپنی بہن کے سسر سے ملا اور اس کے ساتھ اس مسئلے پر بات کی۔ اسے غالباً یہ توقع تھی کہ سسر اپنے بیٹے کی وکالت کرے گا اور سائرہ کو قصوروار ٹھہرائے گا لیکن وہاں معاملہ الٹ نکلا۔ سائرہ کے سسر کے آنسو نکل آئے اور اس نے اپنے بیٹے کے خلاف بات کی اور سائرہ کے حق میں ہمدردی کا اظہار کیا۔ یہ تو سائرہ بتاتی تھی کہ اس کی ساس اور سسر اس کے حامی اور غمخوار ہیں۔

''زبیر بیٹے!''۔۔۔ سائرہ کے سسر نے کہا۔۔۔ ''یہ جاسوسی تو کرو کہ میرا بیٹا جاتا کہاں اور اتنی زیادہ رقمیں کہاں پھینک آتا ہے''۔

''چچا جان!''۔۔۔ زبیر نے کہا۔۔۔ ''میں سراغ رسانی کروں گا اور بھائی کو پکڑ بھی لوں گا لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ ہی ناراض ہو جائیں۔ مجھے اجازت دیں کہ میں جو بھی کارروائی کروں اس کی آپ مخالفت نہ کریں اور آپ کو شکایت نہ ہو''۔

''تم نے میرے بیٹے کو بھائی کہا ہے''۔۔۔ سائرہ کے سسر نے کہا۔۔۔ ''بہنوئی ہوتا ہی بھائی ہے۔ تم اگر میرے بیٹے کو مارنا پیٹنا ضروری سمجھو گے تو میں تمہیں اس کی بھی اجازت دیتا ہوں۔ وہ ہے تو عمر میں تم سے کچھ بڑا لیکن اسے سیدھے راستے پر لانے کے لیے میں تمہاری ہر کارروائی کو جائز سمجھوں گا''۔

زبیر نے سسر کی یہ بات اپنی ماں کو اور سائرہ کو بھی بتائی اور کہا کہ اگر اس نے اپنے

بہنوئی کو کسی غلط جگہ پکڑ لیا تو اس کی پٹائی کر دے گا۔

ماں اور سائرہ نے بیک زبان اسے ایسی کارروائی سے روکا اور کہا کہ کوئی ماں باپ اپنے بیٹے کے خلاف نہیں ہوسکتے اور زبیر بہنوئی پر ہاتھ نہ اٹھائے کیونکہ یہ بڑا نازک رشتہ ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملہ کوئی اور ہی صورت اختیار کر لے...... زبیر نے اس کے جواب میں کچھ بھی نہ کہا اور اس پر خاموشی طاری ہوگئی۔

دو تین دن ہی گزرے تھے کہ سائرہ ماں کے پاس آئی اور بلبلا کر رونے لگی۔ اس نے بتایا کہ گذشتہ رات خاوند نے اسے تین چار تھپڑ مارے ہیں اور کہا ہے کہ آئندہ اس نے اس سے باز پُرس کی کہ وہ اتنی دیر کہاں رہا ہے تو وہ اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دے گا۔ سائرہ اس بات پر بھڑکی تو خاوند نے اس کی پٹائی کر دی۔

اتفاق سے اس وقت زبیر گھر ہی تھا اور آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے سائرہ کو تسلی اور دلاسے دیئے اور کہا کہ وہ اپنے سسرال چلی جائے اور بالکل مطمئن رہے، وہ اس شخص کا اب کچھ بندوبست کر کے ہی رہے گا۔ بختی نے زبیر سے کہا کہ وہ ایسا ہرگز نہ کرے کہ اپنے بہنوئی کے گلے جا پڑے۔ ماں نے اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے بہت کچھ کہا لیکن زبیر کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ماں کی کسی بات پر توجہ نہیں دے رہا۔ ماں نے بھی محسوس کیا کہ زبیر کی ذہنی اور جذباتی حالت نارمل نہیں رہی۔ ماں نے اسے کچھ سخت الفاظ کہہ دیئے اور ڈانٹ کر کہا کہ وہ کوئی بدتمیزی نہ کرے۔

''امی جان!'' ـــــ زبیر نے کہا ـــــ ''میرے اس بہنوئی کے باپ نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ اس شخص کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے میں جو بھی کارروائی کرنا چاہوں وہ کر گزروں...... آپ مجھے زنجیریں نہ ڈالیں، میں ایسا احمق نہیں ہوں کہ سوچے سمجھے بغیر کوئی الٹی سیدھی حرکت کر بیٹھوں گا''۔

بختی نے ہمیں بتایا کہ زبیر لڑکپن سے خصوصی ذہانت کا مظاہرہ کرنے لگا تھا اور اس میں اسی عمر میں عقل و دانش نظر آنے لگی تھی۔ وہ جسمانی لحاظ سے بھی پھرتیلا اور طاقتور تھا اور دماغی لحاظ سے بھی وہ کسی سے کم نہ تھا۔

زبیر نے اپنے بہنوئی کی جاسوسی شروع کر رکھی تھی لیکن اتنی سرگرمی سے نہیں کہ وہ بہنوئی کو کہیں پکڑ لیتا۔ وہ بہنوئی کے جاننے والوں سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شخص کی خفیہ

سرگرمیاں کیا ہیں اور یہ کس لائن پر چل نکلا ہے۔ اسے کہیں سے کوئی مصدقہ خبر نہیں مل رہی تھی۔ اب اس نے دیکھا کہ بہنوئی نے اس کی بہن کو مارا پیٹا ہے تو زبیر نے اپنے ایک دوست کو ساتھ ملا کر بہنوئی کا تعاقب شروع کر دیا۔ زبیر کا ارادہ بڑا ہی خطرناک تھا۔ اس کے اندر انتقام کا شعلہ بھڑک اٹھا تھا۔

بختی کو تفصیل سے معلوم نہ تھا کہ زبیر کس طرح اس شخص کا تعاقب کرتا رہا تھا اس لیے وہ مجھے تفصیلات نہ سنا سکی، اسے جس حد تک معلوم تھا ہم کو بتایا تھا۔

+++

سائرہ اپنی ماں کے پاس آئی ہوئی تھی۔ ساس اور سسر کی اجازت سے وہ پانچ سات روز ماں کے پاس گذارنے آئی تھی۔ اس کے خاوند نے تو اس کے ساتھ یہ رویہ اختیار کر رکھا تھا کہ اس کے گھر رہے یا اپنی ماں کے پاس چلی جائے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خاند نے اس کی ذات میں ذرا سی دلچسپی بھی لینی چھوڑ دی تھی۔ اس کے اس رویے نے بختی اور سائرہ کو خاصا مغموم کر رکھا تھا۔

ایک شام گہری ہوچکی تھی، زبیر ابھی گھر واپس نہیں آیا تھا۔

سائرہ کے خاوند کا نام طاہر ہے۔ اس شام زبیر نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج وہ طاہر کو پکڑ کر ہی رہے گا۔ اس نے اپنے ایک دوست کو ساتھ لیا اور اسے کہا کہ وہ طاہر کی دکان سے ذرا کچھ دور کھڑے ہو کر اسے دیکھتا رہے اور طاہر دکان سے نکل کر کسی طرف جائے تو دوست زبیر کو بتا دے۔

زبیر طاہر کی دکان سے زیادہ دور چھپ کر کھڑا تھا۔ وہ دکان کے سامنے ویسے ہی ٹہلتا رہا اور آخر طاہر دکان سے نکلا۔ وہ اپنے گھر کی طرف جانے کی بجائے دوسری سڑک کی طرف چل پڑا۔ زبیر کا دوست کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے گیا۔

زبیر نے دیکھا تو وہ بھی طاہر کے پیچھے چل پڑا۔ طاہر اور ان دونوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔

بڑی سڑک پر جا کر طاہر رک گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے ایک خالی ٹیکسی نظر آئی تو اس نے ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ ٹیکسی مڑی اور اس کے قریب آ رکی۔ طاہر نے ڈرائیور سے کچھ کہا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ٹیکسی چلی ہی تھی کہ زبیر اور اس کا دوست سامنے آ گئے اور ایک رکشا روکا۔ رکشے والے سے زبیر نے کہا کہ وہ جو ٹیکسی سامنے جا رہی ہے اس کے قریب جانا ہے اور پھر اس کے پیچھے ہی رہنا ہے۔

رکشے ٹیکسیوں والے اس قسم کی باتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ رکشا ڈرائیور بھی سمجھ گیا کہ اس ٹیکسی کا تعاقب کرنا ہے۔ تعاقب کا مقصد کچھ بھی ہو سکتا تھا، رکشے والے کو اپنی اجرت کے ساتھ دلچسپی تھی۔

طاہر نے کچھ دور جا کر کوٹھیوں کی ایک کالونی کے باہر ٹیکسی رکوائی۔ زبیر اپنے دوست کے ساتھ رکشے میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس نے رکشہ کچھ آگے لے جا کر رکوا لیا اور رکشے میں بیٹھے بیٹھے پیچھے دیکھنے لگا۔ طاہر ٹیکسی میں ہی بیٹھا رہا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک جواں سال عورت کوٹھیوں کی طرف سے باہر آئی اور ٹیکسی تک آن پہنچی۔ وہ گورے رنگ کی عورت جدید فیشن کے کپڑوں میں ملبوس تھی اور اس کے بال کٹے ہوئے تھے۔ وہ ہر لحاظ سے ماڈرن عورت تھی۔

طاہر نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے دروازہ کھولا اور وہ عورت پچھلی سیٹ پر طاہر کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ٹیکسی چل پڑی اور زبیر کے رکشے کے قریب سے گزری۔

زبیر نے رکشے والے سے کہا کہ وہ اس ٹیکسی کے پیچھے چلے۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ سڑک پر ٹریفک اچھی خاصی تھی۔ رکشے والا بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے ٹیکسی کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

ٹیکسی ایک ماڈرن شاپنگ سنٹر میں جا رکی جہاں گاہک اتنے نہیں ہوتے جتنی کاریں ہوتی ہیں۔ اس شاپنگ سنٹر میں وہ لوگ جو عوام کہلاتے ہیں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ وہاں جا کر انسان بھول ہی جاتا ہے کہ وہ پاکستان میں ہے۔

طاہر اور وہ عورت ٹیکسی سے نکلے اور کپڑوں کی ایک دکان میں چلے گئے۔ زبیر رکشے میں ہی بیٹھا رہا اور دوست سے کہا کہ وہ اس دکان میں گاہک بن کر جائے اور دیکھے کہ وہ کیا شاپنگ کرتے ہیں۔ اس نے رکشہ رکوا لیا تھا۔

''آپ برا نہ جانیں تو ایک بات پوچھوں؟''۔۔۔ رکشہ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر زبیر سے پوچھا۔۔۔ ''کیا یہ آپ کا بھائی ہے یا کوئی دوست ہے جس کا آپ تعاقب کر رہے

ہیں؟''

''بھائی ہے یار!''۔۔۔ زبیر نے جواب دیا۔۔۔ ''بڑا بھائی ہے...... آوارگی میں پڑ گیا ہے، پتہ ہی نہیں چلنے دیتا تھا کہ جاتا کہاں ہے اور اتنے پیسے کہاں ڈبو آتا ہے''۔

''اتفاق کی بات ہے کہ میں اس عورت کو جانتا ہوں''۔۔۔ ادھیڑ عمر رکشہ ڈرائیور نے کہا۔۔۔ ''میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کے بھائی صاحب اتنا پیسہ کہاں ڈبو رہے ہیں۔ میں نے بہت عرصہ ٹیکسی چلائی ہے۔ ٹیکسی بگڑی تو مالک بھی بگڑ گیا۔ وہ کہتا تھا کہ میں اس چھکڑے کو مرمت کروا کروا کے چلاتا رہوں۔ میں نے قسطوں پر رکشہ لے لیا اور دو سال ہوئے مالکوں کی دھونس اور دھاندلی سے محفوظ ہو گیا ہوں''۔

''تم اس ٹیکسی کی بات کرو بھائی!''۔۔۔ زبیر نے کہا۔۔۔ ''کیا یہ بھی کوئی ٹیکسی تو نہیں؟ ہمارا بھائی تو اپنی بیوی کو طلاق دینے پر آ گیا ہے''۔

''آپ مانیں گے نہیں صاحب!''۔۔۔ رکشہ ڈرائیور نے کہا۔۔۔ ''اسے ویسی ہی ٹیکسی سمجھیں جیسی عصمت فروشوں کی دنیا میں چلتی ہیں، فرق ہے کہ یہ ایک کوٹھی میں رہتی ہے اور اس کا خاوند بھی ہے۔ یہ خاوند ایک سرکاری محکمے کا افسر ہے۔ میری ٹیکسی میں یہ کئی بار بیٹھی ہے۔ کبھی اکیلی اور زیادہ تر اپنے کسی آشنا یا گاہک کے ساتھ!''

''کیا اس کے خاوند کو معلوم نہیں یہ کیا کرتی ہے؟''۔۔۔ زبیر نے پوچھا۔

''آپ کس دنیا میں رہتے ہیں صاحب!''۔۔۔ رکشہ ڈرائیور نے کہا۔۔۔ ''کیا آپ نہیں جانتے کہ ہمارے ملک کی سرکاری مشینری میں عورت کا کتنا عمل دخل ہے؟ آپ کو ایسے افسر ملیں گے جو بمشکل کلرکی کے لیے فٹ تھے لیکن عورت کے کندھوں پر بیٹھ کر وہ افسری کی کرسیوں پر جا بیٹھے ہیں۔ کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ ان پر انگلی اٹھائے۔ یہ عورت جس افسر کی بیوی ہے اسے افسری کی کرسی اسی عورت نے دلوائی ہے۔ رشوت صرف روپے پیسے سے نہیں چلتی، اب تو ایک خوبصورت اور جوان عورت کرنسی سے زیادہ کام کرتی ہے''۔

''یہ تو میں جانتا ہوں''۔۔۔ زبیر نے کہا۔۔۔ ''لیکن ایسی عورت کبھی دیکھی نہیں تھی''۔

''ایسی چیزیں سامنے ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آیا کرتیں''۔۔۔ رکشہ ڈرائیور نے

کہا۔۔۔ ''اگر آپ اپنے عوامی معاشرے اور سرکاری طبقے کا اصل رنگ اور روپ دیکھنا چاہتے ہیں تو کچھ عرصے کے لیے ٹیکسی ڈرائیور بن جائیں۔ پسینجر اٹھائیں، آنکھیں سامنے سڑک پر اور کان پچھلی سیٹ پر لگائے رکھیں۔ آپ پر ایسے بھید کھلیں گے، ایسے راز فاش ہو کر آپ کے سامنے آ جائیں گے جن سے ہمارے لوگ بلکہ ہمارا قانون بھی نا آشنا رہتا ہے۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر محبت کے اور عمر بھر ساتھ نبھانے کے عہد و پیمان ہوتے ہیں اور اسی سیٹ پر ان کی آہیں اور سسکیاں سنائی دیتی ہیں جن کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور جو ٹوٹے ہوئے عہد و پیمان کے پرزے ڈھونڈنے نکلتے ہیں۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر فریب کار بھی بیٹھتے ہیں اور فریب خوردہ بھی۔ پچھلی سیٹ پر کبھی کوئی لڑکی کسی آدمی کے ساتھ ایسی بھی آ بیٹھتی ہے جو برقعے میں اس طرح لپٹی ہوئی ہوتی ہے کہ اس کے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے لیکن ڈرائیور کے کان پچھلی سیٹ پر لگے ہوئے ہوں تو کچھ ہی دیر بعد یہی لڑکی جس کے ہاتھ میں نظر نہیں آتے مادر زاد ننگی ہو کر اسے نظر آنے لگتی ہے، اور کبھی کوئی ایسی لڑکی آ بیٹھتی ہے جو لباس میں بھی نیم برہنہ ہوتی ہے، بال کٹے ہوئے اور سر سے ننگی لیکن باتیں سنو تو شرم و حجاب کا بڑا ہی حسین مجسمہ لگتی ہے...... انسان ویسا نہیں ہوتا جیسا نظر آتا ہے''۔

زبیر پورے انہماک سے رکشہ ڈرائیور کی بات سن رہا تھا اور کچھ حیران بھی ہو رہا تھا کہ اس شخص کا مشاہدہ کتنا تیز اور گہرا ہے۔ زبیر نے محسوس کیا کہ یہ شخص تو قابلِ احترام ہے۔

''آپ اس عورت کی بات کر رہے تھے''۔۔۔ زبیر نے کہا۔۔۔ ''اور میں نے اس کے خاوند کی کوئی بات پوچھی تھی''۔

''آپ نے پوچھا تھا کہ اس کے خاوند کو اس کی خفیہ سرگرمیوں کا علم ہے یا نہیں''۔۔۔ رکشہ ڈرائیور نے کہا۔۔۔ ''میں خاوند کو بھی جانتا ہوں اور اس بیوی کو بھی۔ خاوند کو میں نے کئی بار کسی اور عورت کے ساتھ اپنی ٹیکسی پر بٹھایا ہے اور اس کی بیوی کو کسی اور آدمی کے ساتھ اسی ٹیکسی پر اٹھایا اور وہاں تک پہنچایا ہے جہاں تک اسی قسم کے لوگ پہنچا کرتے ہیں۔ اس کا خاوند اتنی جرأت کر ہی نہیں سکتا کہ اپنی اس بیوی کو اس طرح اکیلے یا دوسروں کے ساتھ گھومنے پھرنے سے روکے کیونکہ وہ خود اسی قماش کا آدمی ہے۔ اسی خوبصورت بیوی نے اسے اس کرسی پر بٹھایا ہے جو یہ صرف خواب میں ہی دیکھ سکتا تھا۔ میں یہاں تک کہوں گا

کہ اس کا خاوند خوش ہوگا کہ اس کی بیوی شکار کھیل رہی ہے اور اس سے خرچہ نہیں مانگتی نہ کبھی کپڑوں کی نہ کبھی زیورات کی فرمائش کرتی ہے''۔

''ہاں بھائی صاحب!''۔۔۔ زبیر نے کہا۔۔۔ ''فرمائشیں پوری کرنے والے مل جائیں تو خاوند کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے!''

''اور میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں''۔۔۔ رکشہ ڈرائیور نے کہا۔۔۔ ''آپ کے بھائی صاحب پہلے شخص نہیں جس کے ساتھ اس عورت نے دوستی لگائی ہے۔ اس سے پہلے یہ عورت نہ جانے کتنے ہی دوست بنا کر انہیں یوں چوس چکی ہے جس طرح جالے میں آئی ہوئی مکھی کو مکڑی چوس لیا کرتی ہے۔ چند مہینے تو یہ میری مستقل پسینجر بنی رہی ہے جس طرح کوئی شخص کسی ایک دکان کا مستقل خریدار بن جاتا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اس عورت کو جتنا میں جانتا ہوں اور کوئی نہیں جان سکتا...... اپنے بھائی صاحب کو اس کے جال سے نکالیں ورنہ اس کا نتیجہ آپ کے پورے خاندان کے لیے بڑا ہی بھیانک ہوگا''۔

''ایک اور بات بتائیں''۔۔۔ زبیر نے پوچھا۔۔۔ ''اگر اس عورت کی اتنی کمائی ہے اور خاوند بھی اچھے عہدے پر ہے تو کیا ان کی اپنی گاڑی نہیں؟ یہ ٹیکسیوں پر کیوں آتے جاتے ہیں؟''

''آپ تو بالکل ہی سیدھے آدمی ہیں''۔۔۔ رکشہ ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔ ''یہ اپنی گاڑی استعمال کریں تو پہچانے جاتے ہیں۔ دور سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ فلاں گاڑی ہے اور اس میں کوئی غیر مرد یا بیوی کی صورت میں کوئی غیر آدمی ساتھ بیٹھا ہے۔ ٹیکسی میں بیٹھو تو کوئی دھیان ہی نہیں دیتا۔ دوسری بات یہ کہ گاڑی خاوند لے جائے تو بیوی اپنے شکار کے ساتھ ٹیکسی پر آتی جاتی ہے''۔

اتنے میں زبیر کو اپنا دوست آتا نظر آیا۔ طاہر اس عورت کے ساتھ دکان سے نکلا۔ عورت نے شاپنگ بیگ اٹھا رکھا تھا۔ وہ دونوں باہر آ کر رک گئے اور طاہر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شاید کوئی ٹیکسی دیکھ رہا تھا۔

''حد ہو گئی بھائی!''۔۔۔ زبیر کے دوست نے قریب آ کر کہا۔۔۔ ''اس ذلیل عورت نے بڑے ہی قیمتی دو سوٹ خریدے ہیں اور پیسے طاہر بھائی نے ادا کئے ہیں''۔

طاہر نے ایک ٹیکسی روکی اور اس عورت کو ساتھ لے کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ زبیر نے

رکشہ ڈرائیور سے کہا کہ ان کے پیچھے چلے۔

+++

اب تو رکشہ ڈرائیور کا انداز ہی بدل گیا تھا جیسے وہ ذاتی دلچسپی سے اور دل و جان سے اس تعاقب میں شامل ہو۔ تعاقب کا مقصد معلوم ہونے سے پہلے وہ اپنے آپ کو اُجرتی ڈرائیور سمجھتا تھا۔ سڑکوں پر رات کی رونق شروع ہوگئی تھی جس سے ٹریفک میں اضافہ ہوگیا تھا اور ٹریفک تیز بھی ہوگئی تھی۔ ٹریفک کے اس رش میں خطرہ یہ تھا کہ ٹیکسی نظروں سے اوجھل ہو جائے گی لیکن رکشہ ڈرائیور نے نہایت چابکدستی اور مہارت سے ٹیکسی کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا اور فاصلہ بھی صحیح رکھا۔

کئی موڑ مڑ کر اور دو تین بڑے ہی مصروف چوک کراس کر کے گاڑی ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کے احاطے میں داخل ہوگئی۔ رکشہ ڈرائیور نے کہے بغیر ہی رکشہ ذرا آگے جا کر روک لیا۔ یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں تھا کہ طاہر اور یہ عورت ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔

اب رکشہ کو روکے رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ زبیر نے ڈرائیور سے پیسے پوچھے اور جتنے بھی اس نے کہے وہ زبیر نے دے دیئے۔

زبیر نے اسی وقت مشتعل ہوگیا تھا جب شاپنگ سنٹر میں دوست نے بتایا تھا کہ کپڑے اس عورت نے خریدے ہیں اور پیسے طاہر نے دیئے ہیں۔ وہ خوبصورت اور جوان عورت تھی۔ طاہر کی ہم عمر ہی لگتی تھی۔ تیس سال سے کچھ کم ہی ہوگی لیکن اب زبیر کو یہ عورت ایک چڑیل کے روپ میں دکھائی دینے لگی۔ اس نے جب طاہر اور اس عورت کو اتنے اعلیٰ اور اتنے مہنگے ہوٹل میں جاتے دیکھا تو اس کا اشتعال غصے کی صورت اختیار کر گیا اور اس غصے میں قہر اور غضب بھرتا گیا۔

وہ ہوٹل کے احاطے سے باہر کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کے دوست نے اسے کہا کہ یہ پتہ چل گیا ہے کہ طاہر بھائی کہاں جاتا ہے اور حلال کی کمائی اُڑاتا ہے۔ بہتر ہے اب چلیں اور اس کے باپ کو بتا دیں۔

''ابھی نہیں!''۔۔۔ زبیر نے کہا۔۔۔ ''میں انتظار کر رہا ہوں کہ یہ کھانا شروع کر دیں تو میں ان کے پاس جا کھڑا ہوں اور انہیں پتہ چلے کہ میں نے انہیں دیکھ لیا ہے''۔

''یوں نہ کرو''۔۔۔ دوست نے کہا۔۔۔ ''ایسا نہ ہو کہ طاہر بھائی برا مان جائے اور

اس میں اپنی توہین سمجھے۔ بات بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ ہوسکتا ہے وہ تمہارے ساتھ بدتمیزی کر بیٹھے''۔

''بدتمیزی تو میری طرف سے ہوگی''۔۔۔ زبیر نے کہا۔۔۔ ''مجھے اس کا کوئی غم نہیں کہ یہ اپنی اور باپ کی آمدنی ایک عورت پر اُڑا رہا ہے، میرے لیے تو اس کی یہ حرکت اس لیے ناقابلِ برداشت ہے کہ اس نے میری بہن کو مارا پیٹا ہے اور اس کی ازدواجی زندگی میں زہر گھول رہا ہے۔ میں تو چاہتا ہی یہی ہوں کہ یہ شخص میرے ساتھ بدتمیزی کرے''۔

دوست اسے روک رہا تھا لیکن زبیر کا خون ایسا کھولا کہ اس کا دماغ اس کے قابو سے نکل گیا۔ غصے نے اسے باؤلا کر دیا تھا۔ زبیر نے دوست سے کہا کہ بہتر ہے وہ چلا جائے، نہ جانے وہ کیا کر بیٹھے اور دوست خواہ مخواہ اس کے ساتھ پکڑا جائے گا۔

''میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا زبیر!''۔۔۔ دوست نے کہا۔۔۔ ''اس ذہنی کیفیت میں تمہیں میری ضرورت پڑے گی''۔

پندرہ بیس منٹ انتظار کر کے زبیر ہوٹل کے اندر جانے لگا تو اس کا دوست بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ زبیر نے اسے روک لیا اور کہا کہ وہ باہر گیٹ پر انتظار کرے۔ دوست مان تو نہیں رہا تھا لیکن زبیر نے اسے منوالیا اور دوست گیٹ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

زبیر اس ہوٹل میں پہلی بار گیا تھا۔ یہ تو اسے معلوم تھا کہ اس ہوٹل میں بڑے ہی امیر کبیر لوگ آتے ہیں لیکن اندر کی شاہانہ شان و شوکت دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ کسی محل میں آ گیا ہے۔ اندر گھومتے پھرتے آدمی تھے تو اسی جیسے تھے لیکن ان میں اور اپنے آپ میں وہ زمین و آسمان جتنا فرق محسوس کر رہا تھا۔ اسے کچھ غیر ملکی سفید فام لوگ بھی نظر آئے۔ اس نے ایک بیرے سے پوچھا کہ کھانا کس کمرے میں کھاتے ہیں۔ بیرے نے پہلے تو اسے اوپر نیچے سے دیکھا اور پھر سر کا اشارہ کر کے کہا، ادھر چلے جاؤ۔

زبیر شکل و صورت کا اچھا تھا اور اس کا لباس غریبانہ بھی نہیں تھا لیکن یہ بیرا اسے کمتری کے احساس میں مبتلا کر گیا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ ان لوگوں کی برابری نہیں کر سکتا جو یہاں کھانا کھانے آتے ہیں۔

وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ الگ الگ میزوں پر بیٹھی عورتیں اور مرد کھانے میں مصروف تھے۔ ایسی سجاوٹ اور ماحول میں اتنی دلکشی اس نے پہلی بار

دیکھی تھی۔ بیروں نے اس کی طرف دیکھا۔ بیروں کی دلچسپی تو یہ تھی کہ یہ شخص کھانا کھائے گا اور بل کے ساتھ ٹپ دے گا لیکن زبیر یوں محسوس کرنے لگا جیسے یہ بیرے اسے اس لیے دیکھ رہے ہیں کہ اسے شرافت سے باہر نکال دیں یا دھکیل کر باہر نکالیں۔

اس نے اپنے بہنوئی طاہر کو دیکھ لیا۔ وہ اور عورت ایک کونے والی میز پر آمنے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ زبیر کے سب احساس مٹ گئے اور ایک ہی حس زندہ و بیدار رہی جس کا تعلق اس کی بہن سائرہ اور طاہر کے ساتھ تھا۔ یہ حس ایک شعلہ بن کر بھڑکی اور زبیر ان کی طرف چل پڑا۔

طاہر نے اسے اپنی طرف آتے دیکھ لیا، عورت کی طرف جھک کر کچھ کہا اور زبیر کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔

''آؤ زبیر بھائی!'' ___ طاہر نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا ___ ''تم یہاں کیسے؟ ..... آؤ بیٹھو، ہم تمہیں کھانا کھلائیں گے''۔

''میں کھانا کھانے نہیں آیا'' ___ زبیر نے کہا ___ ''میں باہر آپ کا انتظار کروں گا''۔

زبیر نے اس عورت کو گھور کر دیکھا اور پیشتر اس کے کہ طاہر اسے کچھ کہتا زبیر وہاں سے نکل آیا۔ اس کا دوست باہر والے گیٹ کے پاس کھڑا تھا۔ دوست نے پوچھا کہ وہ کیا کر آیا ہے۔

''اسے اطلاع دے آیا ہوں'' ___ زبیر نے کہا ___ ''جو کرنا ہے وہ یہاں سڑک پر کروں گا''۔

زبیر کی ذہنی حالت پہلے سے زیادہ بگڑ گئی تھی۔ اس کے دوست نے ایک بار پھر کوشش کی کہ اسے وہاں سے لے جائے۔ دوست جانتا تھا کہ زبیر غصے میں آجائے تو کس حد تک پہنچ سکتا ہے۔ اب تو زبیر اپنے دوست کی کسی بات کا جواب دے ہی نہیں رہا تھا جیسے اس کی سن ہی نہ رہا ہو۔ وہ گیٹ کے باہر فٹ پاتھ پر اس طرح ٹہلنے لگا۔ جس طرح سنتری کسی گودام کے باہر ٹہلتا ہے لیکن زبیر کے ٹہلنے کا انداز سنتری والا نہیں تھا بلکہ اس کے چہرے اور چلنے کے طریقے سے پتہ چلتا تھا کہ اس آتش فشاں کے اندر لاوا ابل رہا ہے اور کسی بھی وقت دہانہ پھاڑ کر باہر آجائے گا۔

انہیں کم وبیش ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ آخر طاہر اور وہ عورت گیٹ سے باہر نکلے۔ انہیں ٹیکسی کے انتظار میں وہاں رکنا تھا۔ وہ رکے یا نہ رکے، زبیر نے آگے بڑھ کر انہیں روک لیا۔ اس نے عورت کو بازو سے پکڑا اور گھسیٹ کر چند قدم پرے ایک درخت کے نیچے لے گیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے زبیر!'' ___ طاہر نے ان کے پیچھے جاتے ہوئے کہا۔

''میں تجھے جانتا ہوں تُو کون ہے'' ___ زبیر نے اس حسین اور ماڈرن عورت سے کہا ___ ''تُو مہذب قسم کی عصمت فروش عورت ہے...... آئندہ میں تجھے اس شخص کے ساتھ نہ دیکھوں''۔

زبیر جس عورت کو دھمکی دے رہا تھا وہ تھی تو عورت ہی لیکن وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو کسی مرد کی دھمکی سے ڈر جایا کرتی ہیں۔ وہ تو مردوں کو انگلیوں پر نچانے اور پھر تگنی کا ناچ نچانے کی مہارت رکھتی تھی۔ اس نے اپنی عزت و آبرو تو سرِ بازار رکھی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں عزت وغیرت کا تصور کچھ اور تھا۔ زبیر کا خیال یہ تھا کہ یہ آبرو باختہ عورت ہے اور ڈر جائے گی کہ اس کا بھانڈہ پھوٹ جائے گا۔ یہ زبیر کی سادگی تھی کہ اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ یہ عورت اپنا بھانڈہ چوراہے میں کبھی کا پھوڑ چکی ہے۔

''تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ میرا بازو چھوڑ دو'' ___ عورت نے ذرا تحمل سے کہا ___ ''ورنہ پچھتاؤ گے اور میرے پاؤں میں سر رکھ کر ناک رگڑو گے تو پھر بھی میں تمہیں معاف نہیں کروں گی''۔

''زبیر!'' ___ طاہر نے اسے بڑے بھائیوں کی طرح ڈانٹتے ہوئے کہا ___ ''چھوڑ اسے، میرے ساتھ بات کرو''۔

زبیر نے طاہر کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اتنی زور سے دھکا دیا کہ طاہر تین چار قدم پیچھے پیٹھ کے بل جا گرا۔ زبیر پھر اس عورت کی طرف متوجہ ہوا۔

''سنا تم نے!'' ___ زبیر نے اس عورت سے کہا ___ ''یہ شخص تمہارے پیچھے میری بہن کی ازدواجی زندگی جہنم بنا رہا ہے''۔

''میں اس شخص کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی'' ___ عورت نے پوری دلیری سے کہا ___ ''اپنی بہن سے کہو کہ میری طرح کسی اور کے ساتھ دوستی کرلے پھر اس کی زندگی جنت بن

جائے گی''۔

زبیر نے اس عورت کا بازو چھوڑ کر پوری طاقت سے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔عورت تیورا کر درخت کے ساتھ جا لگی۔ ابھی وہ سنبھل ہی رہی تھی کہ زبیر نے ایسا ہی ایک اور تھپڑ دوسرے ہاتھ سے اس کے دوسرے گال پر مارا۔اُدھر سے اس کا بہنوئی طاہر آ گیا۔ جب وہ قریب آیا تو زبیر نے اس کے منہ پر گھونسہ مارا۔ وہ جس طرح پہلے زبیر کے دھکے سے پیچھے جا گرا تھا اسی طرح اس گھونسے نے بھی اسے گرا دیا۔

زبیر نے اس عورت کو دونوں ہاتھوں سے تھپڑ مارنے شروع کر دیئے۔عورت چیخنے چلانے لگی۔ طاہر اٹھ کر پھر زبیر کی طرف آنے لگا تو زبیر کے دوست نے اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔

''ہوش میں آئیں طاہر صاحب!''۔۔۔ دوست نے اسے کہا۔۔۔ ''یہ آپ کی بیوی کا بھائی ہے اور آپ کس عورت کے پیچھے اپنے بھائی سے لڑائی مول لے رہے ہیں؟''

طاہر کو زبیر کے ساتھ اپنے رشتے کا خیال آیا تھا یا نہیں، یہ بات مشکوک تھی لیکن زبیر کا تہر دیکھ کر وہ یقیناً ڈر گیا اور پھر زبیر کی طرف نہ آیا۔

زبیر نے اس حسین و جمیل عورت کی پٹائی تو کر دی تھی اور ابھی جاری رکھی ہوئی تھی لیکن جس طرح یہ عورت چلائی اور اس نے بار بار بھاگنے کی کوشش کی وہ اس کی پٹائی سے کئی درجے زیادہ تھی۔ یہ ہوٹل شہر کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ مصروف سڑک پر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کاریں رک گئیں اور پیدل چلنے والوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

لوگوں نے آگے بڑھ کر عورت کو چھڑا تو لیا لیکن وہ روتے، چیختے اور چلاتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ یہ غنڈہ بدمعاش ہے اور اسے زبردستی اٹھا کر گاڑی میں ڈالنا چاہتا ہے۔

لوگوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا کہ اس کی گاڑی کہاں ہے۔عورت کو معلوم ہو گا کہ زبیر کی گاڑی نہیں، اس نے ابلیسیت اور خباثت کے کمالات دکھانے شروع کر دیئے۔

''اس کے ساتھ دو اور آدمی تھے''۔۔۔ عورت نے چلاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''وہ گاڑی میں بیٹھ کر بھاگ گئے ہیں''۔

یہ ایک فائیو سٹار ہوٹل تھا جس میں دنیا بھر کی بڑی بڑی شخصیتیں آ کر قیام کرتیں اور کھانا

کھاتی تھیں۔ ہوٹل کی اس اہمیت کی وجہ سے وہاں پولیس موجود رہتی تھی۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل اور دو کانسٹیبل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے زبیر کو پکڑ لیا۔ طاہر اور زبیر کا دوست وہاں سے کھسک گئے تھے۔

شکل وصورت اور لباس سے یہ عورت کوئی معمولی عورت نہیں لگتی تھی۔ اس نے ہیڈ کانسٹیبل کو حکم کے لہجے میں کہا کہ زبیر کو فوراً گرفتار کر کے تھانے پہنچایا جائے اور وہ ابھی اپنے خاوند کو فون کرتی ہے۔

کاروں والے تو خاص طور پر اس عورت کے ہمدرد بن گئے تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ اس نے ایک کار یہاں سے جاتی دیکھی ہے جو پہلے یہاں رکی ہوئی تھی۔ کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے خود دیکھا ہے کہ دو آدمی اس عورت کو کار کی طرف گھسیٹ رہے تھے۔ زبیر یہی رٹ لگائے جا رہا تھا کہ یہ فاحشہ اور عصمت فروش عورت ہے اور وہ اس کی پرائیویٹ اور در پردہ زندگی سے اچھی طرح واقف ہے لیکن زبیر کی کوئی سن ہی نہیں رہا تھا۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی کی چھیڑ خانی پر کوئی لڑکی شور مچا دے تو وہ لوفر لفنگے بھی اس لڑکی کے حمایتی اور محافظ بن جاتے ہیں جو سڑکوں پر لڑکیوں کو صرف چھیڑنے کے لیے ہی نکلتے ہیں۔ یہاں بھی تماشائی یہی مظاہرہ کر رہے تھے۔ ہر کوئی زبیر کو ہی برا بھلا کہے جا رہا تھا اور کچھ آدمی ہیڈ کانسٹیبل سے کہہ رہے تھے کہ اسے تھانے لے جائے۔

+ + +

رات کے دس بج چکے تھے اور زبیر ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ وہ اتنی دیر باہر کبھی نہیں رہا تھا۔ اس نے ماں کو ایسی پریشانی کبھی نہیں دی تھی کہ اسے بتائے بغیر کہیں چلا جاتا اور اپنی مرضی سے جتنی دیر چاہے باہر ہی رہتا۔ بختی اور سائرہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ سوجھ نہیں رہی تھی کہ وہ زبیر کا پتہ کہاں سے کروائیں۔

اس پریشانی کے عالم میں دروازے پر دستک ہوئی۔ بختی اور سائرہ اکٹھی دوڑتی گئیں اور دروازہ کھولا۔ باہر زبیر کا دوست کھڑا تھا۔

''زبیر تو ابھی آیا ہی نہیں''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''معلوم نہیں کہاں رک گیا ہے''۔

''اندر چلیں خالہ!''۔۔۔ دوست نے کہا۔۔۔ ''میں یہی بتانے آیا ہوں وہ کہاں ہے''۔

دوست نے اندر جا کر ماں بیٹی کو ساری بات کہہ سنائی۔ یہ بھی بتایا کہ زبیر نے اس عورت کو مارا پیٹا ہے اور پھر پولیس زبیر کو پکڑ کر لے گئی ہے۔

طاہر اور زبیر کا دوست وہاں سے اس وقت چل پڑے تھے جب زبیر اس عورت کو مار پیٹ رہا تھا۔ کچھ دور جا کر طاہر نے رکشہ پکڑ لیا اور دوست سے کہا کہ وہ ابھی آ جائے لیکن دوست کو اچھا نہ لگا کہ زبیر کو اکیلا چھوڑ کر چلا جائے۔ وہ واپس ہوٹل کی طرف چلا گیا اور طاہر اپنے گھر آ گیا۔

دوست جب پھر وہاں پہنچا تو ہیڈ کانسٹیبل اور دو کانسٹیبل زبیر کو پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ دوست پیچھے پیچھے گیا اور تھانے تک جا پہنچا۔ وہ اکیلا ہی نہیں گیا تھا، چار پانچ بڑے معزز قسم کے آدمی بھی عینی شاہد بن کر ساتھ چلے گئے تھے اور وہ عورت بھی ساتھ تھی۔

تھانے جاتے ہی اس عورت نے اپنے خاوند کا تعارف کروایا اور کہا کہ وہ اسے اطلاع دینا چاہتی ہے۔ تھانیدار نے جب یہ سنا کہ اس کا خاوند سرکاری افسر ہے تو اس نے فون اس عورت کے آگے رکھ دیا۔

عورت نے اپنے خاوند کا نمبر ملا کر بتایا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے اور اب وہ فلاں تھانے میں ہے۔ اس نے خاوند سے کہا کہ وہ جلدی اس تھانے میں آ جائے۔

جتنے آدمی ساتھ گئے تھے، سب نے زبیر کے خلاف گواہی دی اور اسے غنڈہ اور بدمعاش ظاہر کیا۔ تھانیدار نے زبیر سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور حکم دیا کہ اسے حوالات میں بند کر دیا جائے، چنانچہ اسے حوالات میں بند کر دیا گیا۔

تصور میں لایا جا سکتا ہے کہ ماں اور بہن کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ آنسو تو ان کے بہنے ہی تھے، اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ کریں کیا۔ ماں بیوہ تھی اور بہن خاوند کی ٹھکرائی ہوئی ماں کے ہاں آن بیٹھی تھی۔ زبیر کا دوست وہیں بیٹھا رہا، انہیں وہ اس جذباتی حالت میں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ بختی اس کی منتیں کرنے لگی کہ اسے وہ تھانے لے جائے اور وہ اپنا سارا زیور تھانیدار کو دے کر اپنے بیٹے کو رہا کروا لائے گی۔

دوست بختی کو بتانا نہیں چاہتا تھا کہ جس عورت کو زبیر نے مارا پیٹا ہے وہ بڑی پہنچ والی عورت ہے اور تھانیدار اس کے ساتھ کوئی دھوکہ اور ایسی کارروائی نہیں کرے گا جو اس کے خلاف جاتی ہو۔ چونکہ یہ دوست زبیر کا ہمراز اور صحیح معنوں میں دردمند تھا اس لیے اسے

معلوم تھا کہ طاہر کا باپ، بھائی اور طاہر کی ماں سب سائرہ کے حمایتی ہیں اور طاہر سے نالاں ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ طاہر انہیں کمر توڑ مالی نقصان پہنچا چکا ہے اور اس کا باعث صرف یہ عورت ہے۔

''ایک بات ذہن میں آتی ہے خالہ!''۔۔۔ زبیر کے دوست نے کہا۔۔۔ ''چلیں، طاہر کے باپ کو جا کر بتاتے ہیں کہ کیا ہوا ہے اور ہم نے طاہر کو کہاں کہاں ایک عورت کے ساتھ دیکھا ہے۔ میں ساتھ ہوں گا اور ساری بات سنا دوں گا''۔

بختی کو یہ بات بڑی اچھی لگی وہ فوراً اُٹھی اور سائرہ کو گھر چھوڑ کر زبیر کے دوست کے ساتھ طاہر کے گھر چلی گئی۔

طاہر کا باپ ابھی ابھی سویا تھا اور باقی گھر والے سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ جب دروازے پر بختی نے دستک دی۔ دروازہ طاہر کے بڑے بھائی نے کھولا۔ بختی کے ساتھ ایک آدمی کو دیکھ کر اس نے پریشان سا ہو کر پوچھا کہ خیریت تو ہے؟ بختی نے کہا کہ اپنے ابو اور امی کو اٹھا دو، ان کے ساتھ ایک ضروری بات کرنی ہے۔ اسے بتایا گیا کہ ابو تو سو گئے ہیں تو بختی نے کہا کہ انہیں جگا لو۔ طاہر کی ماں بھی باہر نکل آئی۔ بختی کو دیکھ کر کچھ پریشان ہوئی۔ انہوں بختی اور زبیر کے دوست کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور تھوڑی ہی دیر بعد طاہر کا باپ بھی آ گیا۔

''کیوں خوش بخت بہن!''۔۔۔ طاہر کے باپ نے حیران سا ہو کے پوچھا۔۔۔ ''اس وقت کیوں زحمت کی؟ خیریت تو ہے؟''

''طاہر کہاں ہے؟''۔۔۔ بختی نے پوچھا۔

''بہت دیر ہوئی گھر آ گیا تھا''۔۔۔ طاہر کے باپ نے جواب دیا۔۔۔ ''سو گیا ہوگا ...... یہ صاحب کون ہیں؟''

''یہ زبیر کا دوست ہے''۔۔۔ بختی نے جواب دیا۔۔۔ ''زبیر حوالات میں بند ہو گیا ہے''۔

سب چونک اٹھے، ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور ان کے چہروں پر حیرت زدگی اور پریشانی کا تاثر آ گیا۔

''طاہر کو بلا لیں''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''بات اس کے سامنے ہو تو ہی ٹھیک رہے

گی...... زبیر کا یہ دوست ساری بات سنائے گا اور آپ کو بتائے گا کہ زبیر کو تھانے پہنچانے میں طاہر کا کتنا ہاتھ ہے''۔

ماحول میں تلخی اور تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ یہ تو سب کو معلوم تھا کہ طاہر کس قدر گمراہ ہو گیا ہے اور اسی سلسلے میں اس کی اور زبیر کی ٹکر ہو گئی ہو گی۔

''دیکھتی کیا ہو!''۔۔۔ طاہر کے باپ نے اس کی ماں سے کہا۔۔۔ ''جاؤ اور اسے یہاں لے آؤ۔ سویا ہوا ہے تو جگا لاؤ''۔

طاہر آنکھیں ملتا ہوا آ گیا۔ اس کے باپ نے زبیر کے دوست سے کہا کہ وہ بتائے یہ کیا ہوا ہے اور کوئی بات چھپائے نہیں۔

دوست نے پوری تفصیل سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اس نے جو باتیں بختی کو نہیں بتائی تھیں وہ بھی سنا ڈالیں۔ طاہر اسے گھور گھور کر دیکھتا رہا لیکن اپنے دفاع میں کچھ بولا نہیں۔ زبیر کے دوست کو تو یہ غم و غصہ بھڑکا رہا تھا کہ اس کا اتنا عزیز دوست گرفتار ہو گیا تھا۔

یہ دوست یوں پردے اٹھا رہا تھا کہ طاہر کا باپ، اس کی ماں اور بھائی طاہر کو بار بار دیکھتے اور ان کے چہروں کے رنگ بدلتے جا رہے تھے۔ یہی تو وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ طاہر کس تباہی میں جا گرا ہے۔ اب پہلی بار ان پر راز کھل رہا تھا۔ راز بھی ایسا کھلا کہ اچھا خاصا حادثہ بن گیا جس کے انجام کا کسی کو بھی علم نہیں تھا۔

طاہر کوئی پیدائشی لوفر لفنگا نہ تھا نہ اس کے خاندان کا کردار ایسا تھا کہ وہ زبیر کے دوست پر برس پڑتا اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اسے جھٹلاتا۔ وہ تو سادگی میں ایک فاحشہ عورت کے چکر میں آ گیا تھا، البتہ یہ اس روپے پیسے کا فتور تھا جو کاروبار میں اس کے ہاتھوں سے گزرتا تھا۔ یہ تو ایک ندی تھی جو اس خاندان کو سیراب کر رہی تھی۔

باپ کا تو سر ہی جھک گیا تھا۔ کچھ دیر وہ سر ہاتھوں میں تھامے بیٹھا رہا۔ ماں یکلخت پھٹ پڑی اور اس نے طاہر کو بے طرح سنانی شروع کر دیں۔ ماں کو زیادہ غصہ تو اس بات پر آ رہا تھا کہ اسے اپنی بہو اور بہو کی ماں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑ رہی تھی۔ طاہر نے اپنی وکالت میں کچھ بھی نہ کہا۔ اس کا چہرہ تو لاش کی طرح بے نور ہو گیا تھا۔

پھر بھائی بولنے لگا اور اس کے منہ میں جو آیا کہا۔

''دیکھو طاہر!''۔۔۔ آخر باپ بولا اور بڑے ہی تحمل سے اس نے کہا۔۔۔ ''تمہیں

خود اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تم کاروبار کو اور خاندان کو کتنا نقصان پہنچا چکے ہو اور جو بے عزتی اور بدنامی ہوئی ہے وہ الگ ہے۔ اگر اب بھی تم ندامت اور پچھتاوا محسوس کرو اور اپنے خاندانی وقار میں واپس آنے کا وعدہ کرو تو میں خود بھی تمہیں معاف کر دوں گا اور خوش بخت بہن سے بھی معافی دلوا دوں گا۔ اگر نہیں تو میں تمہارا حصہ جتنا بھی بنتا ہے الگ کر دوں گا اور تم کو اس گھر سے نکال دوں گا۔ اس صورت میں سائرہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ اسے طلاق دے دو۔ وہ میری بہو نہیں میری بیٹی ہے اور میں اس کی دوسری شادی خود کر دوں گا''۔

''یہ میرا بیٹا ہے بھائی جان!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''میں اپنے دل میں اس کے خلاف کوئی ناراضگی نہیں رکھوں گی۔ انسان کبھی بھولے بھٹکے شیطان کے اثر میں آ جاتا ہے...... پہلے تو یہ سوچیں کہ میرے بیٹے کا کیا بنے گا!''

طاہر کا باپ یوں چونک پڑا جیسے اسے بجلی کا جھٹکا پڑا ہو۔ زبیر کو تو جیسے وہ بھول ہی گیا ہو۔ اب تو اس نے قہر بھری نظروں سے طاہر کی طرف دیکھا۔ طاہر کا سر جھکا ہوا تھا۔ باپ نے اسے کہا کہ اس نے اپنے بھائی کو حوالات میں بند کروا دیا ہے۔ طاہر نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ یہ ندامت کے آنسو تھے۔ باپ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو میرے ساتھ...... دونوں چلو''۔۔۔ باپ نے کہا۔۔۔ ''تھانے چل کر دیکھتے ہیں''۔۔۔ اس نے بختی سے کہا۔۔۔ ''خوش بخت بہن! سائرہ گھر میں اکیلی ہے، تم اس کے پاس جاؤ اور ہم پوری کوشش کریں گے کہ زبیر بیٹے کو ساتھ لے آئیں''۔

''پہلے میرے گھر چلیں''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''میرے پاس جو کچھ ہے وہ لے جائیں اور تھانیدار کو دے کر میرے بیٹے کو لے آئیں''۔

''تم کیوں دو گی؟''۔۔۔ باپ نے کہا۔۔۔ ''جو دینا دلانا ہوا وہ میں دوں گا۔ تمہارے بیٹے نے تو مجھ پر احسان کیا ہے اور اس نے جو کچھ بھی کیا ہے اچھا کیا ہے اور میرے خاندان اور کاروبار کا بھلا کیا ہے''۔

''میں بھی ساتھ چلوں گا''۔۔۔ دوست نے کہا۔

''میں بھی چلوں گا''۔۔۔ طاہر بولا۔۔۔ ''میں تھانیدار کو بتاؤں گا کہ اصل واقعہ کیا ہوا تھا''۔

وہ سب بڑی تیزی سے تیار ہوئے اور چلے گئے۔ بختی اپنے گھر چلی گئی۔ طاہر اس قدر نادم تھا کہ اس نے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا تہیہ کر لیا تھا لیکن انہیں پوری طرح اندازہ نہ تھا کہ تھانے میں جا کر رائی کا پہاڑ بھی بن سکتا ہے اور پہاڑ رائی کے برابر بھی بن جایا کرتا ہے اور اس کا پورا پورا اختیار تھانیداروں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔

وہ جب تھانے پہنچے تو آدھی رات گزر چکی تھی۔ طاہر کے گھر باتیں اتنی لمبی ہو گئی تھیں کہ کسی کو وقت کا احساس ہوا ہی نہیں تھا۔

تھانے میں ایک ہیڈ کانسٹیبل کرسی پر بیٹھا اور سر میز پر رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔ یہ لوگ کمرے میں داخل ہوئے تو وہ بیدار ہو گیا اور بڑی ہی بے نیازی اور بے پروائی سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں۔ طاہر کے باپ نے بتایا کہ وہ کیوں آئے ہیں۔

''صبح ملزم کو کورٹ میں پیش کیا جائے گا''۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔۔۔ ''وہاں جا کر معلوم کر لینا کیا ہوا تھا اور کیا ہو گا۔ وکیل کر لینا''۔

ہیڈ کانسٹیبل نے سر پھر میز پر رکھ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا انسپکٹر صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے؟'' طاہر کے باپ نے پوچھا۔

''نہیں بھائی صاحب، نہیں!''۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے میز سے سر اٹھائے بغیر اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔۔۔ ''وہ گھر چلے گئے ہیں، صبح آ کر ان سے مل لینا''۔

''صبح تو ہم مل ہی لیں گے''۔۔۔ طاہر کے بڑے بھائی نے کہا۔۔۔ ''ہم چاہتے تھے کہ ابھی مل جاتے تو ان کے ساتھ معاملہ طے کر لیا جاتا''۔

''یہ معاملہ مشکل سے ہی طے ہو گیا میاں جی!''۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے سر اٹھا کر کہا۔۔۔ ''آپ کے بندے نے کوئی چھوٹا موٹا جرم نہیں کیا، بڑی سنگین واردات کی ہے۔ ایک عورت کو جبری اغوا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب تشریف لے جائیں اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں''۔

''پھر ایک مہربانی کریں''۔۔۔ طاہر کے باپ نے کہا۔۔۔ ''دو منٹ کے لیے زبیر سے ملوا دیں''۔

''یہ تھانہ ہے میاں جی! راج واڑہ نہیں''۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے بے رخی اور بیگانگی کے لہجے میں کہا۔۔۔ ''آدھی رات کو چلے آئے ہیں اپنے ملزم سے ملنے!''

طاہر کے باپ نے جیب سے ایک سو روپے کا نوٹ نکالا اور ہیڈ کانسٹیبل کے آگے رکھ دیا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے میز سے سر اٹھایا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ نوٹ پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کر لیا۔

''آپ بڑے ہی شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں''۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔۔۔ ''میری نوکری خطرے میں پڑ جائے گی...... آپ کو ٹکا سا جواب دینا بھی اچھا نہیں لگتا۔ ایک سو روپیہ اور دے دیں، اس سنتری کو بھی راضی رکھنا ہو گا جو حوالات کے دروازے پر کھڑا پہرہ دے رہا ہے''۔

باپ نے سو روپے کا ایک اور نوٹ نکال کر ہیڈ کانسٹیبل کے آگے رکھ دیا۔ ہیڈ کانسٹیبل کرسی سے یوں اٹھا جیسے اسے سپرنگ لگ گئے ہوں۔

''آپ شریف لوگ معلوم ہوتے ہیں''۔۔۔ ہیڈ کانسٹیبل نے کمرے کے دروازے کی طرف چلتے ہوئے کہا۔۔۔ ''میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ آئیں، آپ کے بندے سے ملوا دیتا ہوں''۔

وہ انہیں حوالات تک لے گیا اور سلاخوں والے دروازے کے سامنے جا کھڑا کیا۔ حوالات میں چار پانچ ملزم بند تھے جن میں زبیر بھی تھا۔ وہ سب فرش پر سوئے ہوئے تھے لیکن زبیر دیوار کے ساتھ پیٹھ لگائے بیٹھا تھا اور اس نے سر گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل کی آواز پر اس نے سر اٹھایا اور سائرہ کے سسر وغیرہ کو دیکھ کر دروازے تک آ گیا۔ ان کے درمیان مقفل سلاخیں حائل تھیں۔ زبیر کے چہرے پر قہر و غضب کا تاثر بڑا صاف تھا۔

''زبیر بھائی!''۔۔۔ سب سے پہلے طاہر نے سلاخوں سے ہاتھ اندر کر کے زبیر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔۔۔ ''مجھے معاف کر دینا۔ تمہیں اس ذلت میں پہنچانے کا مجرم میں ہوں''۔

''زبیر بیٹا!''۔۔۔ طاہر کے باپ نے کہا۔۔۔ ''جو ہو گیا وہ ہو گیا، میں کل کورٹ میں وکیل کو لے کر آ جاؤں گا اور تمہاری ضمانت کرا لیں گے۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں کوئی فکر نہ کرنا۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم نے جو کیا وہ اچھا ہی کیا ہے۔ اللہ تمہیں اس کا اجر اور صلہ دے گا''۔

طاہر اور سائرہ کے سسر کی یہ باتیں سن کر زبیر کے چہرے سے تناؤ بہت کم ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اس کی ماں اور سائرہ بہت پریشان ہوں گی۔

''تم ان کی فکر نہ کرو'' ـــــ طاہر کے باپ نے کہا ـــــ ''میں انہیں پوری طرح تسلی دے آیا ہوں اور اب جا کر بھی ان کا حوصلہ مضبوط کر دوں گا۔ تم بھی مطمئن رہنا۔ تمہاری ماں کو تمہارے اس کیس میں پریشان نہیں ہونے دوں گا، یہ سب میری ذمہ داری ہے''۔

وہاں سے ہٹے تو ہیڈ کانسٹیبل ان سب کو الگ لے گیا۔ اس نے سنتری کے لیے جو ایک سو روپیہ لیا تھا وہ بھی اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ دو سو روپوں میں تو طاہر کے باپ نے جیسے اس ہیڈ کانسٹیبل کو خرید ہی لیا تھا۔

''آپ بہت ہی شریف لوگ معلوم ہوتے ہیں'' ـــــ ہیڈ کانسٹیبل نے طاہر کے باپ سے کہا ـــــ ''میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ یہ چکر کیا چلا ہے۔ آپ کے بیٹے زبیر نے اصل بات بتا دی ہے۔ ہمارے سامنے ایسی کوئی شہادت نہیں آئی کہ آپ کا بیٹا اس عورت کو اغوا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عورت کا اپنا بیان بھی مشکوک نظر آتا ہے لیکن صاحب یہ بڑی ہی کائیاں اور نوسرباز عورت ہے۔ اس کی اصل طاقت یہ ہے کہ اس کا خاوند گورنمنٹ آفیسر ہے اور افسر کوئی اتنا بڑا نہیں جتنے اس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ وہ تھانے میں آیا اور تھانے سے ہی اس نے ہمارے ڈی ایس پی صاحب کو گھر فون کیا اور پھر دو اور بڑے افسروں کو فون کیا اور ان سب کو ایسی سنگین واردات سنائی جیسے آپ کے بیٹے نے اس عورت کی جبری آبرو ریزی کر ڈالی ہو...... پھر ان تینوں افسروں کے باری باری تھانے میں فون آئے اور ہر ایک نے یہی کہا کہ یہ ملزم جو کوئی بھی ہے اسے چھوڑنا نہیں اور ضمانت بھی نہیں ہونے دینا۔ اب آپ اپنا زور لگا لیں لیکن میں آپ کو صاف بتا دیتا ہوں کہ یہ کیس آپ کو چکرا دے گا وکیل کوئی بہت ہی قابل اور دھڑلے والا کرنا''۔

طاہر کا باپ ایسی ذلت آمیز صورتِ حال میں کبھی نہیں پڑا تھا۔ اس کے پاس روپیہ پیسہ تھا جس کے زور پر وہ مقدمہ لڑ سکتا تھا لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ جس ملک میں عورت چلتی ہے وہاں قانون ذرا لنگڑا کر ہی چلا کرتا ہے اور عموماً دور پیچھے رہ جاتا ہے یا راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔

کہنے والے ٹھیک کہتے ہیں کہ قانون اندھے کی لاٹھی ہے جس کے آگے آنے والا

اس لاٹھی سے بچ نہیں سکتا۔ ہمارے ملک میں بھی قانون کے متعلق یہی کہا جاتا ہے لیکن ہوتا یوں ہے کہ پولیس جس کسی کو بھی پکڑ کر اس اندھے کے آگے کھڑا کر دیتی ہے وہ اس کی لاٹھی کی زد میں آ جاتا ہے۔

طاہر کا باپ اور دوسرے دو سو روپوں میں زبیر سے دو منٹ کی ملاقات کر کے اور ہیڈ کانسٹیبل سے صحیح صورتِ حال معلوم کر کے مایوس و نامراد گھر واپس آ گئے۔

زبیر نے اپنا سکون اور چین بلکہ اپنا مستقبل بھی اور اپنی ماں کا سکھ چین بھی اپنی بہن پر قربان کر دیا۔ اللہ نے یہ قربانی اس طرح قبول کی کہ طاہر تھانے سے واپس جاتے ہوئے اپنے گھر نہ گیا، زبیر کے گھر چلا گیا اور اس نے بختی سے معافی مانگی اور سائرہ کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ گھر لے جا کر اس نے سائرہ سے وعدہ کیا کہ اس نے سائرہ کو جو ذہنی اور روحانی اذیت دی ہے اس کا وہ ازالہ کرے گا اور آئندہ اسے کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔

+++

بختی ہمیں بہت سے برس پہلے کی یہ بپتا سنا رہی تھی اور اس کے آنسو بہے جا رہے تھے۔ میں اور میری دوست پورے انہماک سے اس کی داستان سن رہی تھیں۔ وہ تو اس ابتلا کے لمحے لمحے کی بات سنا رہی تھی اور سنانے کا انداز ایسا تھا جیسے اسی دور میں واپس چلی گئی ہو اور ازسرِ نو وہی زندگی گزار رہی ہو۔

''میں تو رات بستر سے اٹھ کھڑی ہوتی اور فرش پر لیٹ جاتی تھی'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''یہ اس وقت ہوتا تھا جب خیال آ جاتا کہ میرا بیٹا حوالات کے فرش پر پڑا ہے...... میں اذیت میں مبتلا، سائرہ کے سسرال کا ہر فرد زبیر کے لیے پریشان تھا لیکن ہمارے خاندان میں صرف ایک روح تھی جو ہماری اس مصیبت سے لاتعلق نظر آتی تھی۔ یہ تھی زبیر کی بیوی۔ زبیر نے اسے دل سے قبول نہیں کیا تھا اور میری بہو نے بھی کوشش نہیں کی تھی کہ زبیر کے لیے اپنے آپ کو قابلِ قبول بنائے اور اس طرح ان دونوں کی بن ہی نہ سکی۔ اس رات جس رات زبیر گرفتار ہوا میری بہو اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔ اگلے روز آئی تو اس نے بڑے سرد سے لہجے میں رسمی سی ہمدردی کا اظہار کیا پھر وہ الگ ہو کے بیٹھ گئی۔ میں نے کہا بیٹی، زبیر کے لیے دعا کرو۔ اس نے کہا، میں بددعا بھی تو نہیں دے رہی...... اس سے

اندازہ کرو کہ یہ کس ذہنیت کی لڑکی تھی''۔

اگلے روز طاہر کا باپ، طاہر کا بڑا بھائی مجسٹریٹ کی عدالت میں گئے۔ انہوں نے ایک بڑے اچھے اور تجربہ کار وکیل کی خدمات حاصل کر لی تھیں اور اسے منہ مانگی فیس ادا کر دی۔ عدالت میں ابھی اس کیس کا کوئی اشارہ بھی نہیں آیا تھا۔ دو اڑھائی گھنٹے انتظار کے بعد انہوں نے زبیر کو ہتھکڑی میں بندھا دیکھا۔ پولیس اسے عدالت میں لا رہی تھی۔

طاہر کا بھائی دوڑا گیا اور وکیل کو ڈھونڈ کر لے آیا لیکن جتنی دیر میں وہ پہنچتا تھا مجسٹریٹ زبیر کا سات دنوں کا ریمانڈ دے چکا تھا اور زبیر کو باہر لے آئے تھے۔ وکیل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا اور ضمانت کی درخواست دی۔ مجسٹریٹ نے یہ درخواست مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ابھی چالان ہی نہیں آیا اور کیس کی نوعیت ریمانڈ کی درخواست سے سنگین معلوم ہوتی ہے۔ پولیس نے اسے جبری اغوا اور متعلقہ عورت کو زدوکوب کرنے کا کیس بنایا تھا۔

طاہر کا باپ زبیر سے دو چار باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن جو اے ایس آئی زبیر کو عدالت میں لایا تھا وہ کچھ ناز نخرے دکھانے لگا۔ شاید رات والے ہیڈ کانسٹیبل نے اسے بتا دیا ہوگا کہ ملزم کے وارث ''شریف'' لوگ ہیں۔ اس شریف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نذرانہ دینے والی پارٹی ہے۔

وکیل جا چکا تھا۔ طاہر کے باپ نے سو سو کے دو نوٹ تعویذ کی طرح تہہ کئے اور اپنی مٹھی میں رکھ لئے۔ اے ایس آئی کے ساتھ چلتے چلتے اس نے اے ایس آئی کے ہاتھ میں اپنی مٹھی دے کر مٹھی کھول دی۔ اب اے ایس آئی کی مٹھی بند ہوگئی اور یہ مٹھی اس کی جیب میں چلی گئی۔ اے ایس آئی نے باپ کو اشارہ کیا کہ کینٹین کی طرف چلے۔ اس طرح وہ سب کچہری کی کینٹین کے ایک کونے میں جا بیٹھے۔ طاہر کے باپ نے پُرتکلف چائے کا آرڈر دیا جس کے اثر سے اے ایس آئی نے کانسٹیبل سے کہا وہ زبیر کے دونوں ہاتھوں سے ہتھکڑی کھول کر صرف ایک ہاتھ کو لگا دے۔

یہ بہت بڑی رعایت تھی جو اے ایس آئی نے ان لوگوں کو دی۔ چائے آئی، اے ایس آئی اور ہتھکڑی پکڑے ہوئے کانسٹیبل چائے پر ٹوٹ پڑے اور طاہر کا باپ اور کا بھائی زبیر کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے زبیر کو بتایا کہ طاہر نے اس کی ماں سے اور

سائرہ سے بھی معافی مانگ لی ہے اور طاہر سائرہ کو اپنے گھر لے گیا ہے اور اب سائرہ خوش اور مطمئن ہے۔

''اللہ کرے طاہر اور سائرہ اسی طرح خوش اور مطمئن رہیں''۔۔۔ زبیر نے مسکراتے ہوئے شگفتہ سے لہجے میں کہا۔۔۔ ''اب تو میں ہنسی خوشی پھانسی کے تختے پر بھی جا کھڑا ہوں گا''۔

دو تین منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اے ایس آئی اور کانسٹیبل نے کھانے کی ان تمام چیزوں کا صفایا کر دیا جو چائے کے ساتھ آئی تھیں۔ پھر طاہر کے بھائی نے کچھ اور چیزیں منگوائیں اور زبیر کو کھلائیں۔ اے ایس آئی کی جیب میں دو سو روپیہ اور پیٹ میں سموسے، شامی کباب، پیسٹریاں اور فروٹ کیک گیا تو اس کا ایمان تازہ ہوگیا۔ اس کی تمام ہمدردیوں کا رخ طاہر کے باپ اور زبیر کی طرف ہوگیا۔

''بزرگو!''۔۔۔ اے ایس آئی نے طاہر کے باپ سے کہا۔۔۔ ''ہم اندر کی بات ملزموں کے وارثوں کو نہیں بتایا کرتے لیکن آپ شریف لوگ ہیں اس لیے میں آپ کو ایک دو باتیں بتا دیتا ہوں...... آپ کو شاید معلوم نہیں آپ کس کے ساتھ ٹکر لے بیٹھے ہیں۔ اس عورت کی اصلیت کو ہم جانتے ہیں اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ اس کا خاوند کیا چیز ہے لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمارے ڈی ایس پی صاحب اس عورت کی مٹھی میں بند ہیں، ڈپٹی کمشنر اس عورت کے زیر اثر ہے اور اس کے اثرات اوپر تک گئے ہوئے ہیں۔ مجسٹریٹ ضمانت نہیں لے گا۔ جب چالان پیش ہوگا تو آپ سیشن کورٹ میں ضمانت کی درخواست دے دیں۔ ضمانت شاید وہاں سے بھی منظور نہ ہو۔ اس صورت میں ہائی کورٹ میں چلے جانا...... یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں جس کے ہاتھ میں اوپر سے دباؤ ڈلوانے کی طاقت ہے اور پھر جس کے ہاتھ میں اتنی خوبصورت اور جوان عورت ہے اور جس میں عزت اور غیرت کا نام ونشان ہی نہیں، قانون اس کا اور انصاف بھی اسی کا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ کا بندہ آخر میں بری ہی ہو جائے لیکن ڈیڑھ دو سال اور شاید اس سے بھی زیادہ عرصہ آپ کو کچہریوں میں ذلیل خوار ہونا پڑے گا''۔

ان لوگوں کی ذلت وخواری تو گزشتہ رات سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ چار سو روپیہ پولیس کھا گئی، ایک سو کے قریب قریب چائے کا بل بنا اور دس ہزار روپیہ وکیل نے اپنی فیس

پیشگی وصول کر لی تھی۔ یہ ابتدا تھی۔ اگلی پیشی کی تاریخ پندرہ دنوں کی تھی۔

اگلی پیشی پر بھی یہی کچھ ہوا۔ تبدیلی صرف یہ آئی کہ زبیر کا ریمانڈ ختم ہو گیا اور اُسے جیل کی حوالات میں بھیج دیا گیا۔ وکیل نے ضمانت کی درخواست دی جو مجسٹریٹ نے مسترد کر دی۔ مجسٹریٹ کے رویے سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ ضمانت پر رہا کرنے سے ڈر رہا ہے۔

وکیل نے سیشن کورٹ میں ضمانت کی درخواست دی اور وہاں سے بھی درخواست نامنظور ہو گئی۔ ہائی کورٹ میں گئے تو سرکاری اٹارنی نے اس قدر مخالفت کی اور ایسے ایسے دلائل پیش کئے کہ جن کی بنیاد بہت ہی کمزور تھی لیکن اس کی یہ دلیل بڑی وزنی تھی کہ ملزم بہت برے چلن کا آدمی ہے اور پولیس ابھی تک تفتیش کر رہی ہے۔ خطرہ ہے کہ ملزم گواہوں کو ہراساں کرے گا اور تفتیش محال ہو جائے گی۔ جج کو تو ایسے ہی دلائل سن کر فیصلہ دینا تھا۔ ججوں کو کیا معلوم کہ پس پردہ پولیس اور سرکاری وکیل کیسے کیسے لالچ اور کیسے کیسے دباؤ کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ جج نے ضمانت کی درخواست مسترد کر دی۔

یہ قانون، کچہریوں اور کرپشن کی چکی تھی جو چل پڑی تھی اور دو معزز خاندان اس چکی کے دو پاٹوں میں پسنا شروع ہو گئے تھے۔ دن ہفتوں مہینوں کی صورت اختیار کرتے گزرتے جا رہے تھے۔ زبیر کی ضمانت نہیں ہو رہی تھی اور وہ جیل کی حوالات میں بڑا جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ شب و روز گذار رہا تھا۔ مہینے میں ایک بار اس کے عزیز رشتہ دار اس سے چند منٹوں کی ملاقات کر سکتے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ درمیان میں سلاخیں اور ایک باریک جالی حائل ہوتی تھی۔

اس انتہائی روح کُش اور تکلیف وہ صورتِ حال میں دو افراد تھے جو دوسروں سے زیادہ اذیت برداشت کر رہے تھے۔ ایک تھی زبیر کی ماں جو بیٹے کو سلاخوں اور جالی کے پیچھے دیکھ کر تڑپ تڑپ جاتی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ تو یوں قہر اور غضب میں آ جاتی تھی جیسے ان سلاخوں کو اور اس آہنی جالی کو ناخنوں سے ادھیڑ کر الگ کر دے گی اور اپنے اکلوتے بیٹے کو نکال لائے گی۔

پھر جس کے حصے میں زیادہ اذیت آئی تھی وہ طاہر تھا۔ یہ سارا کیا دھرا اسی کا تھا۔ وہ پچھتاوے میں جل بھن رہا تھا۔ ان لمحوں کو یاد کر کے پچھتا رہا تھا جب اس کا پہلا تعارف اس

فاحشہ عورت کے ساتھ ہوا تھا۔ کبھی اس عورت کی اور کبھی اپنی جان لینے کی سوچوں تک پہنچ جاتا تھا۔ سائرہ اس کی یہ جذباتی کیفیت سمجھ گئی اور اس نے طاہر کو جذباتی سہارا دینا شروع کر دیا۔

طاہر اپنے اس گناہ کا کفارہ اس طرح ادا کرنے لگا تھا کہ اس نے سائرہ کو ہی اپنے پیار و محبت کا مرکز بنا لیا اور گھر میں اسے اونچا مقام دے دیا۔ اس نے اپنی روحانی تسکین کا ایک ذریعہ یہ بھی اختیار کر لیا کہ سائرہ کے ہاتھ وقتاً فوقتاً کچھ پیسے اس کی ماں کو بھیجنے لگا۔

بختی کے گھر کا گذارہ زبیر کی تنخواہ پر چلتا تھا اور باعزت طریقے سے چل رہا تھا۔ اب تو گھر میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں آتی تھی۔ طاہر نے بختی کے گھر کے اخراجات اپنے ذمے لے لئے۔ زبیر کا ایک بہنوئی اور بھی تھا۔ وہ زبیر کی بہن اور بچوں کے ساتھ شہر سے دور ایک اور شہر میں رہتا تھا۔ کبھی کبھار آتا تو وہ بھی کچھ مالی امداد دے جاتا تھا لیکن بختی کے لیے یہ صورتِ حال کوئی اچھی نہیں تھی۔ کبھی وہ یوں محسوس کرتی جیسے وہ ان لوگوں کی خیرات پر زندگی بسر کر رہی ہو لیکن پیٹ کا تنور جلائے رکھنے کا اور کوئی ذریعہ بھی نہ تھا۔ وہ تو ایسی زندگی سے بیزار ہو کر موت کی آغوش میں چلی جانا چاہتی تھی لیکن ایک بار اپنے بیٹے کو جیل سے باہر دیکھنے کے لیے اپنے آپ کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔

''ایک بات تھی جو ذہن میں آتی تو روح بھی کھل اٹھتی تھی''۔۔۔ بختی نے ہمیں اپنی اس مصیبت کی داستان سناتے ہوئے کہا۔۔۔ ''میں جب سوچتی تھی کہ میرے بیٹے نے چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا اور کسی سے فریب کاری نہیں کی اور اس نے اپنا اور اپنی ماں کا مستقبل اپنی بہن کا گھر بسانے پر قربان کر دیا ہے تو میرے سارے دکھ اور رنج مٹ جاتے تھے...... صرف یہ بات مجھے شرمسار کرتی تھی کہ میں اپنی بیٹیوں کے سسرال کی محتاج ہو گئی تھی۔ میں نے ضد کی تھی کہ اپنے طور پر محنت مزدوری کر کے گھر چلا لوں گی لیکن دونوں بیٹیوں کے سسرال مجھے سختی سے روکتے تھے اور سائرہ کا سسر اور خصوصاً طاہر تو ایسی باتیں کر جاتے تھے کہ میں چپ بیٹھ جاتی تھی۔ انہوں نے کبھی احسان نہیں جتایا تھا لیکن میری غیرت مجروح ہوتی جا رہی تھی''۔

+ + +

تین چار مہینوں بعد زبیر کے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ ضمانت نہیں ہو رہی

تھی۔ اس عورت کا اور اس کے خاوند کا اثر ورسوخ پورا پورا کام کر رہا تھا۔ زبیر پر یہ فردِ جرم عائد ہوئی تھی کہ اس نے اس عورت کو زدوکوب کیا اور زبردستی کار میں ڈالنے کی کوشش کی۔ دو چار جھوٹے گواہ پیش کئے گئے لیکن تاریخیں بڑی لمبی لمبی دی جاتی تھیں۔

ہم سمجھ گئیں کہ یہ عورت زبیر کو بڑی ہی اذیت ناک سزا دلوا رہی تھی۔ اس عورت کو یہی ایک شکایت نہیں تھی کہ زبیر نے اسے مارا پیٹا تھا بلکہ اس کا اصل نقصان تو یہ ہوا تھا کہ طاہر جیسا موٹا شکار اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ طاہر تو اس پر دولت لٹا رہا تھا۔

طاہر خاندانی طور پر لوفر لفنگا اور آوارہ نہیں تھا۔ وہ تو ایک معزز اور پُروقار خاندان کا بیٹا تھا۔ اس میں خامی یہ تھی کہ طبیعت کا سادہ تھا اور فریب کاریوں کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہی نہیں تھا۔ اس قسم کی شکاری عورتوں کا شکار ایسے ہی آدمی ہوا کرتے ہیں۔

آٹھویں مہینے زبیر کی ضمانت ہو گئی اور وہ باہر آ گیا۔ وہ ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم تھا۔ وہاں اس توقع پر گیا کہ اسے وہی ملازمت پھر مل جائے گی لیکن اس کی جگہ ایک اور آدمی لے لیا گیا تھا۔ زبیر نے بھاگ دوڑ کر کے ایک عارضی سی نوکری کا بندوبست کر لیا لیکن اس کے دشمنوں نے جب دیکھا کہ یہ تو پھر زندگی کے راستے پر رواں دواں ہو گیا ہے تو انہوں نے اس کے مقدمے کا فیصلہ جلدی کروا دیا۔

عدالت میں یہ ثابت نہ کیا جا سکا کہ زبیر اس عورت کو اغوا کر رہا تھا کیونکہ وہ کار برآمد نہیں کی جا سکی تھی جس کے متعلق جھوٹے گواہوں نے کہا تھا کہ اس میں زبیر عورت کو گھسیٹ کر ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا اور کار میں ایک آدمی بیٹھا تھا اور دوسرا زبیر کی مدد کر رہا تھا، البتہ یہ ثابت ہو گیا کہ زبیر نے اس عورت کو زدوکوب کیا تھا۔

استغاثہ کی درخواست پر طاہر اور زبیر کے دوست کو بھی عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔ دونوں نے اس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ طاہر تو یہ بیان دینا چاہتا تھا کہ زبیر اسے اس عورت کے چنگل سے چھڑانا چاہتا تھا اور وقوعہ کا باعث یہی تھا لیکن وکیل نے اسے کہا تھا کہ وہ کوئی بیان نہ دے اور اس طرح کہے کہ وہ حیران ہے کہ اسے ایسی واردات کے سلسلے میں بیان دینے کے لیے طلب کیا گیا ہے جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا نہ اسے یہ معلوم ہے کہ یہ واردات کب ہوئی اور کہاں ہوئی تھی۔

عدالت نے زبیر کو ڈیڑھ سال سزائے قید بامشقت دے دی۔ بیس ہزار روپیہ

جرمانہ بھی کیا گیا اور فیصلے میں لکھا گیا کہ عدم ادائیگی جرمانہ مزید چھ مہینوں کی سزائے قید بھگتنی ہوگی۔

زبیر ایک بار پھر جیل میں بند ہو گیا۔ بختی کی یہ حالت جیسے مرتی بھی نہیں جیتی بھی نہیں تھی۔ زبیر کی بیوی کی طرف سے نہ اسے جذباتی سہارا ملتا تھا نہ مالی۔ بختی چاہتی ہی نہیں تھی کہ اس بہو کا احسان لے۔ اس نے بہو کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ اس کے ہاں رہے یا اپنے ماں باپ کے پاس چلی جائے۔

یہ بھی اچھا ہوا کہ زبیر کا ابھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اب بختی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی کسی بیٹی کے سسرال سے ایک پیسہ بھی نہیں لے گی۔ وہ سلائی کڑھائی کر سکتی تھی۔ اس نے محلے کی عورتوں سے کہا کہ اسے سلائی کڑھائی کا کام دیا کریں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ لوگوں کے گھروں میں جا کر برتن اور جھاڑ پونچھ کا کام کرتی اچھی نہیں لگتی۔ دوسری بیٹی نے اسے اپنی سلائی مشین دے دی تھی۔

سارا محلہ جانتا تھا کہ زبیر کو سزا کیوں ہوئی ہے۔ ہر کوئی اس واقعہ سے واقف تھا۔ زبیر نے تو سزائے قید لے کر اپنی اور اپنی ماں کی عزت میں اضافہ کر دیا تھا۔ عورتوں نے اسے ایک نیکی سمجھ کر بختی کو کام دینا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ دونوں بیٹیاں بختی کو اپنے طور پر کچھ نہ کچھ دے جاتی تھیں۔ طاہر کے ماں باپ کو تو اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ باقی عمر ان کے احسان نہیں بھولے گی اور اب اسے احسان کے مزید بوجھ سے بچائیں اور اسے آزادانہ زندگی بسر کرنے دیں۔

ان لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اسے اس طرح مالی امداد دینے کا سلسلہ روک دیا جس طرح وہ اسے باقاعدگی سے دیتے تھے لیکن بختی کا وہ بہت ہی خیال رکھتے اور اس کا احترام حد سے زیادہ کرتے تھے۔ انہوں نے سائرہ کو کہہ دیا تھا کہ وہ خیال رکھے کہ اس کی ماں کی کوئی ضرورت اس وجہ سے نہ رہ جائے کہ اس کے پاس پیسے نہیں۔

اس طرح بختی نے ایک سال اور آٹھ مہینے گذار دیئے اور ایک روز زبیر گھر آ گیا۔ ڈیڑھ سال تو اس کی سزائے قید تھی اور بیس ہزار جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید چھ مہینے سزا تھی۔ وہ جرمانہ ادا نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس کی سزا دو سال ہوگئی تھی۔ جیل میں اچھے چال چلن کی وجہ سے اسے چار مہینے معافی مل گئی اس طرح وہ دو سال سے چار مہینے

پہلے ہی گھر آ گیا۔ بختی کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ بختی نے تو جیسے برسوں پر پھیلی ہوئی تاریک رات دیکھی تھی۔ اچانک صبح طلوع ہوگئی اور اجالا نکھرنے لگا۔ بختی کی بیٹیوں کے سسرال کے تمام افراد آن پہنچے۔ وہ مٹھائیوں کے ڈبے اور زبیر کے لیے نئے ان سلے کپڑے لائے تھے۔ طاہر کے باپ نے اگلے روز ان سب کو اپنے ہاں دعوت پر مدعو کیا...... تین چار دن جشن کا سماں بندھا رہا اور دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔

+ + +

زبیر کا خوش ہونا ایک قدرتی امر تھا لیکن اس کے دوست اور کچھ قریبی رشتہ دار بھی محسوس کرنے لگے تھے کہ زبیر میں ذہنی طور پر کوئی تبدیلی ضرور آئی ہے اور اس کی یہ خوشی، ہنسی اور مسکراہٹیں کوئی اور ہی رنگ لئے ہوئے ہیں۔ اس کے قدرتی انداز کو تو سب جانتے ہی تھے لیکن اب اس کا انداز ہ کچھ بدلا بدلا سا تھا۔

اب زبیر کو نئی زندگی کا آغاز کرنا تھا۔ ماں اسے کہتی تھی کہ وہ کوئی نوکری تلاش کرے۔ زبیر ہر روز باہر نکل جاتا اور جب گھر آتا تو ماں پہلا سوال یہ کرتی کہ نوکری ملی ہے یا نہیں؟...... زبیر کا یہی جواب ہوتا تھا کہ نہیں ملی تو مل جائے گی۔ ماں اس جواب سے مایوس ہو جاتی تھی لیکن زبیر کے چہرے پر مایوسی کا ہلکا سا تاثر بھی نہیں ہوتا تھا۔

زبیر نے ماں سے پوچھا کہ اس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کا گھر میں رویہ اور سلوک برتاؤ کیسا رہا ہے۔ ماں نے اسے بتایا کہ اس کی بیوی اس کے گھر رسمی طور پر کچھ دنوں کے لیے آتی اور زیادہ دن اپنے ماں باپ کے ہاں گذارتی تھی۔

زبیر کو ماں کے اس جواب سے ذرا سی بھی حیرت نہ ہوئی نہ افسوس ہوا۔ اپنی بیوی سے اسے یہی توقع تھی۔ اس نے اس بیوی کو ذہنی طور پر قبول ہی نہیں کیا تھا اور اس نے کبھی یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ اس کی بیوی اس کے گھر میں ہے یا اپنے گھر گئی ہوئی ہے۔ اب اس نے ماں سے سنا کہ اس کی بیوی کا رویہ بے رخی اور سرد مہری والا رہا ہے تو اس کے دل میں اگر بیوی کے لیے کوئی ذرا سی جگہ بھی تھی تو اس پر مٹی ڈال دی۔ اس نے بیوی سے کہا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ہاں رہنا چاہتی ہے تو بیشک چلی جائے اور جب کبھی جی میں آئے یہاں آجایا کرے۔

اس کی بیوی نے کوئی بات نہ کی اور اپنے ماں باپ کے ہاں چلی گئی۔ اسے معلوم تھا

کہ زبیر اس کا برائے نام خاوند ہے اور میاں بیوی والا کوئی تعلق نہیں۔

دن گزرتے چلے گئے اور سات آٹھ مہینے گزر گئے۔ بختی نے ابھی زبیر کی زبان سے یہ خبر نہیں سنی تھی کہ اسے نوکری مل گئی ہے لیکن ایک روز زبیر باہر سے آیا تو ماں کو تقریباً تین ہزار روپیہ دیا۔

''یہ پیسے کہاں سے آئے؟''۔۔۔ بختی نے پوچھا۔

''ایک کام مل گیا ہے''۔۔۔ زبیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔۔۔ ''یہ کوئی پکی نوکری تو نہیں لیکن کام ملتا رہے گا اور پیسے آتے رہیں گے''۔

بختی نے زبیر کی اس بات کو سچ مان لیا۔ اس نے پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی کہ اسے ایسا کون سا کام مل گیا ہے جو اس نے ابھی کیا ہی نہیں اور اتنی زیادہ رقم پہلے ہی مل گئی ہے۔

اس روز کے بعد زبیر کا یہ معمول بن گیا کہ عام طور پر دن کو سویا رہتا اور شام کو باہر نکلتا اور دس بجے کے بعد اور کبھی آدھی رات کے وقت گھر آتا تھا۔

''زبیر بیٹا!''۔۔۔ ایک روز بختی نے اسے کہا۔۔۔ ''تم جب رات اتنی دیر باہر رہتے ہو تو میرے دل پر خوف بیٹھ جاتا ہے کہ اللہ نہ کرے آج پھر کچھ ہو گیا ہے''۔

''امی جان!''۔۔۔ زبیر نے احترام اور مسرت سے کہا۔۔۔ ''میں جو ٹھوکر کھا چکا ہوں وہ میری زندگی کی پہلی اور آخری ٹھوکر تھی۔ اس ٹھوکر سے میں گرا نہیں بلکہ اور زیادہ بیدار ہو کر کھڑا ہو گیا ہوں۔ یہ دل میں بٹھا لیں کہ میں کبھی پوری رات بھی باہر گذاروں تو پریشان نہیں ہونا نہ کوئی خوف دل پر بٹھا لینا۔ میرا کام ہی ایسا ہے''۔

ماں نے بیٹے پر اعتبار تو کر لیا لیکن بیٹا یہ نہیں بتاتا تھا کہ باہر اسے کیا مصروفیت ملی ہے کہ وہ رات بھر باہر بھی رہے گا اور پیسے بھی ملیں گے۔

آہستہ آہستہ زبیر کے متعلق کچھ مشکوک سی باتیں ہونے لگیں اور پھر یہ باتیں بختی کے کانوں تک بھی پہنچنے لگیں۔ ماں زبیر سے پوچھتی تھی تو زبیر ہنس کر ٹال دیتا اور ماں کو بڑے پیار اور احترام سے تسلی دے دیتا تھا۔

آگے تفصیلات تو بڑی لمبی ہیں جو بختی نے سنائی تھیں، مختصر بات یوں ہوئی کہ زبیر کا اٹھنا بیٹھنا بلکہ دوستانہ چند ایسے لوگوں کے ساتھ ہو گیا تھا جن کی سرگرمیاں شریفانہ نہیں

تھیں۔ ان لوگوں کا قریبی تعلق پولیس کے ساتھ بھی اور استاد قسم کے جرائم پیشہ افراد کے ساتھ بھی تھا۔ زبیر کو ایک تھانے میں بھی آتے جاتے دیکھا گیا تھا اور سی آئی ڈی کے ہیڈ کوارٹر میں بھی۔

وہ ماں کو پیسے لا کر دیتا رہتا تھا۔ محلے میں زبیر کے خلاف کبھی کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی بلکہ لوگ اس کے اخلاق کی تعریفیں کیا کرتے تھے۔ وہ ہر کسی کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا تھا اور اس طرح اس نے اپنے آپ کو ملنسار اور ہر دلعزیز بنا لیا تھا۔

اپنی دونوں بہنوں کے سسرال میں بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور کوئی بھی نہیں سوچتا تھا کہ یہ شخص آخر کام کیا کرتا ہے اور اس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ مالی لحاظ سے اس نے اپنی ماں کو اپنی بہن کے سسرال کے برابر کر دیا تھا۔

+++

زبیر دراصل جیل کی اونچی اونچی دیواروں کے اندر ایک ایسے نفسیاتی عمل سے گزرا تھا جو باہر کی آزاد دنیا والوں کو نظر نہیں آیا کرتا۔ زبیر اس عمل اور ردِعمل کی صحیح تصویر تھا جو معاشرے میں چلتی پھرتی اور سرگرم رہتی تھی لیکن کوئی اس کی طرف دھیان نہیں دیتا تھا کہ ایک اچھا بھلا آدمی جو ایک معزز ذریعہ معاش سے باعزت زندگی بسر کر رہا تھا وہ جرائم پیشہ لوگوں اور پولیس کا دوست کس طرح بن گیا۔

زبیر کی طرح جب کوئی اچھے کردار کا آدمی کبھی مخصوص حالات میں کوئی جرم کر بیٹھتا ہے یا کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا ہو جاتا ہے تو بات اگر تھانے تک پہنچ جائے تو وہ آدمی گرفتار ہوتا اور کچھ دنوں بعد اسے جیل کی حوالات بھی بھیج دیا جاتا ہے، جیل میں اسے ان قیدیوں کے درمیان چھوڑ دیا جاتا ہے جن میں جرائم پیشہ ہوتے ہیں اور ان کے استاد بھی۔ پھر خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا جاتا ہے۔

زبیر اس کی ایک زندہ مثال ہے۔ اس عورت اور اس کے خاوند جیسے بدکردار اور بے غیرت افراد معاشرے میں موجود ہیں لیکن ان پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ زبیر نے اپنی بہن کی ازدواجی زندگی کو تباہی سے بچانے کے لیے اور اپنے بہنوئی کو راہِ راست پر لانے کے لیے اس عورت کو مارا پیٹا تھا لیکن اس کی کسی نے نہ سنی اور اس پر جبری اغوا کا الزام لگ گیا۔

پولیس نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا اور جس طرح قانون کو اس کے خلاف موڑا

توڑا اس سے زبیر کے ذہن میں تلخیاں بھر گئیں اور اس میں انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا لیکن وہ کسی سے انتقام لینے کی ہمت اور طاقت نہیں رکھتا تھا۔

عقلی طور پر وہ کوئی گیا گزرا آدمی نہیں تھا۔ اس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی کہ رونے یا آہیں بھرنے بیٹھ جاتا یا پچھتانے لگتا کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ وہ صحت مند جوان تھا اور اس نے اپنی ذہنی صحت کو بھی صحیح حالت میں رکھا ہوا تھا۔ پھر بھی وہ نارمل ذہنی حالت میں نہیں رہتا تھا۔ یہ نشانی جسمانی نہیں ذہنی تھی۔ اسے جس بیرک میں رکھا گیا تھا وہ بڑی لمبی بیرک تھی۔ انگریزوں نے کبھی یہ بیرک ساٹھ ستر قیدیوں کے لیے بنائی تھی لیکن اس میں سوا سو سے زیادہ قیدی رہتے تھے۔ رات کو وہ فرش پر اس طرح سوتے تھے جیسے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔

یہ جیل کا معمول ہے کہ جب کوئی نیا قیدی وہاں جاتا ہے تو پہلے قیدی اس کے اردگرد اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ وہ کس الزام میں پکڑا گیا ہے۔ قیدیوں نے زبیر کا استقبال بھی ایسے ہی کیا تھا۔ اس بیرک میں سب حوالاتی تھے یعنی ان کے مقدمے چل رہے تھے یا ابھی شروع ہی نہیں ہوئے تھے۔ قیدیوں نے جب زبیر سے اس کے الزام اور کیس سے متعلق پوچھنا شروع کیا تو اسے ایک ہی کہانی کئی کئی بار سنانی پڑی۔ اس نے دیکھا کہ کسی بھی قیدی نے اسے یہ نہیں کہا کہ اسے برداشت اور صبر و تحمل کرنا چاہئے تھا بلکہ جس کسی نے اس کی بات سنی اس نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور بے ساختہ داد دی۔

وہ جرائم پیشہ لوگوں کی زمین دوز دنیا میں داخل ہو چکا تھا۔ اس بیرک میں زیادہ تر قیدی جرائم پیشہ تھے۔ ان کی زندگی جرم اور جیل کے چکر میں گزر رہی تھی۔ ان میں کچھ استاد بھی تھے جنہوں نے باقاعدہ گروہ بنا رکھے تھے۔ جیل کے اندر بھی وہ جوا کھیلتے تھے اور اپنے جرائم کی کہانیاں بڑے فخر سے سناتے اور سننے والے لطف اٹھاتے تھے۔

ان سب کے لیے وہاں فراغت تھی۔ سزا یافتہ ہوتے تو دن بھر مشقت کرتے رہتے اور شام کو تھکے ماندے سو جایا کرتے لیکن ان کے لیے یہی ایک کام تھا کہ دن بھر ایک دوسرے کو اپنی وارداتیں سناتے اور ایک دوسرے کی خامیوں اور خوبیوں سے سبق اور تجربہ حاصل کرتے تھے۔ ان میں شاید ہی کوئی ہو گا جسے یہ پچھتاوا ہوتا کہ اس نے جو کیا تھا وہ غلط کیا تھا اور اب وہ شریفانہ زندگی کا آغاز کرے گا۔ زبیر بھی نادانستہ طور پر ان میں جیسا ہوتا

گیا اور ان کی وارداتیں دلچسپی سے سننے لگا۔

وقت گذارنے کے لیے ایک روز وہ بھی تاش کھیلتے قیدیوں میں جا بیٹھا اور کھیلنے لگا۔ جیل میں جوا بازی تو دور کی بات ہے، کوئی قیدی اپنے پاس تاش کا ایک پتہ بھی نہیں رکھ سکتا لیکن وہاں سب چلتا تھا۔ زبیر تاش کے کھیل سے تو واقف تھا بلکہ اسے اس کھیل میں دلچسپی بھی تھی لیکن اس نے جوا کبھی نہیں کھیلا تھا۔ کوئی قیدی اپنے پاس پیسے بھی نہیں رکھ سکتا بعض قیدیوں نے پیسے چھپا رکھے تھے جو وہ بازی پر لگاتے تھے۔

زبیر فطری طور پر خوش طبع اور ملنسار آدمی تھا۔ کچھ دنوں میں ہی وہ ان جرائم پیشہ قیدیوں میں گھل مل گیا اور اس طرح اس کا تعارف تجربہ کار اور منجھے ہوئے استادوں سے ہو گیا۔ ان میں سے اسے ایک شخص سب سے زیادہ اچھا لگا۔ وہ کچھ تعلیم یافتہ بھی تھا اور خوش طبع ایسا کہ اس کے ہونٹوں پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی تھی۔ ایسے آدمی زبیر کو اچھے لگا کرتے تھے۔

زبیر اس شخص کے قریب ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ حوالاتی قیدی اس کے ساتھ اس طرح بات کرتے تھے جیسے وہ کوئی پیر و مرشد یا بہت ہی پہنچ والا شخص ہو۔ اس شخص کا انداز ہی کچھ ایسا تھا جیسے وہ دوسروں سے برتر ہو۔ زبیر اس کے قریب ہوا تو اس شخص نے زبیر کے ساتھ چند باتیں کر کے اسے بڑی تیزی سے اپنے قریب کر لیا۔

اس شخص نے زبیر سے پوچھا کہ اس نے کیا جرم کیا ہے۔ اس نے ایسی دلچسپی سے پوچھا تھا جیسے وہ اس کے جرم کی تفصیل سننا چاہتا ہو۔ زبیر نے اسے اپنی واردات بھی سنائی اور واردات کا پس منظر بھی سنایا پھر کہا کہ اس کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے اور اس کی کوئی سن ہی نہیں رہا۔

''سنانے سے کوئی سنا نہیں کرتا'' ـــــ اس شخص نے اسے یوں کہا جیسے پہلا سبق پڑھانا شروع کیا ہو ـــــ ''جو سنتے ہیں انہیں سنانے کے کچھ اور طریقے ہیں۔ میں جانتا ہوں تم انتقام کی آگ میں جل رہے ہو۔ بہتر ہے اس آگ میں انہیں جلاؤ جنہوں نے تمہارے اندر یہ الاؤ بھڑکایا ہے۔ یہاں قانون اور کرپشن کا، پولیس اور پیسے کا، عہدے اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پردوں کے پیچھے دیکھو۔ پردوں کے آگے سٹیج پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہروپ ہے، میک اَپ ہے، اصل رنگ پردوں کے پیچھے نظر آیا کرتے ہیں اور

ڈراموں کی تخلیق وہیں ہوتی ہے''۔

زبیر کچھ دیر اس شخص کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اس کی بات پوری طرح سمجھ نہیں سکا تھا اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ یہ بات اچھی طرح سمجھے۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے گناہوں کا بوجھ ضمیر پر نہیں پڑنے دیا کرتے۔ ضمیر کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ ان گناہوں کو ہنسی خوشی قبول کرے۔

زبیر اسی شخص کا ہو کے رہ گیا اور ضمانت پر رہا ہونے تک اس کا مرید بن چکا تھا اور اس کے پیر و استاد نے اس کے سامنے نئے راستے کھول دیئے تھے۔ زبیر محسوس ہی نہ کر سکا کہ وہ جرم و گناہ کی دنیا میں اگر عملاً نہیں تو ذہنی طور پر خاصی دور نکل گیا ہے۔

اس استاد نے اسے جوا کھیلنا نہیں بلکہ جوا کھلانا سکھلا دیا جس میں اہم سبق یہ تھا کہ جوئے میں ڈنڈی کس طرح ماری جاتی ہے اور کس طرح دھوکے فریب سے دوسروں کی جیبیں خالی کی جاتی ہیں۔ پھر اس استاد نے اسے معاشرے کے کچھ ایسے گوشے دکھائے جو عام لوگوں کے لیے تاریک ہوتے ہیں لیکن یہ استاد زبیر کو ان تاریک گوشوں میں لے گیا تو پتہ چلا کہ اس تاریکی میں اجالے چھپے ہوئے ہیں اور جو اس راز کو پا جاتا ہے اس کی دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ پھر قانون بھی اس کا اور عدل و انصاف بھی اسی کا ہو جاتا ہے۔

پھر زبیر کو سزائے قید ہوئی اور وہ ایک سال آٹھ مہینے جیل میں گذار کر آیا۔ وہ خوش تھا، بہت ہی خوش۔ اس نے وہ راز پا لیا تھا اور وہ راستہ بھی دیکھ لیا تھا جو تاریک اجالوں کی طرف جاتا تھا۔ وہ اس راستے پر چل پڑا تھا۔

اور اب زبیر کی عمر چالیس سے اوپر ہو گئی تھی۔ اس کی بیوی کو فوت ہوئے بہت سے سال گزر گئے تھے۔ ماں نے اور بہنوں نے اسے دوسری شادی کے لیے کہا تھا لیکن وہ نہیں مانا تھا۔ اس کی ماں اور بہنوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کام کیا کرتا ہے اور اتنے پیسے کہاں سے لاتا ہے۔ جس آبادی میں وہ رہتا تھا وہاں کا ہر فرد و بشر اسے احترام کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ وہ عام فہم زبان میں سفید پوش تھا۔ دراصل وہ سفید پوش جرائم پیشہ بن گیا تھا۔ اس کا درپردہ رابطہ بلکہ دوستانہ پولیس کے ساتھ تھا اور سی آئی ڈی کے ساتھ تو اس کا بڑا ہی گہرا تعلق تھا۔ اس نے جوئے بازی کا بھی اہتمام کر رکھا تھا لیکن یہ عام قسم کے لوگوں کے لیے نہیں بلکہ امیر کبیر لوگوں کے لیے تھا۔ یہ بھی ایک ذریعہ آمدنی تھا جس سے زبیر بڑی

خوش حال زندگی گذار رہا تھا۔

+ + +

ہمیں محسوس ہی نہ ہوا کہ بختی کے پاس بیٹھے اور اس کی باتیں سنتے اڑھائی گھنٹے گزر گئے ہیں۔ میں نے چونک کر کہا کہ اتنا زیادہ وقت گزر گیا ہے، اب چلنا چاہیے۔

''میرے پاس سوائے باتوں کے اور ہے ہی کیا ہے!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''کبھی کانوں میں کچھ اس قسم کی آواز پڑ جاتی ہے کہ میرا بیٹا زبیر ہے تو شریف اور معزز آدمی لیکن در پردہ اس کی زندگی غیر شریفانہ اور مجرمانہ ہے...... میں یہ بات ایک کان سنتی اور دوسرے کان نکال دیتی ہوں۔ اللہ نے میری قسمت میں شرافت لکھی ہی نہیں۔ میں ایک گناہ کی پیداوار ہوں۔ یہ گناہ میری ماں نے بہ رضا و رغبت نہیں کیا تھا بلکہ اس کے اپنے خاوند اور خاوند کے ماں باپ نے اسے اس گناہ میں دھکیلا تھا اور میں جس گناہ کی پیداوار ہوں وہ اب بھی ہو رہا ہے اور ہمارے معاشرے میں نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو اسی گناہ کی پیداوار ہیں''۔

بختی کی اس بات نے مجھے اور میری دوست کو چونکا دیا۔ ہم بختی کے چہرے پر نظریں گاڑے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے اس خاتون کا رنگ روپ میں ہی بدل گیا ہو۔

''یہ بھی سنا دوں گی''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''کبھی وقت لے کر آنا، ضرور سناؤں گی''۔

✻ ✻ ✻

اس معزز خاتون کے ان الفاظ نے کہ میں ایک گناہ کی پیداوار ہوں، میری جذباتی دنیا میں زلزلے بپا کر دیئے۔ تجسس کی رگ ایسی پھڑکی کہ میں اس سے اسی وقت اس گناہ کی کہانی بھی سننے کو بے تاب ہو گئی جس گناہ کی وہ پیداوار تھی لیکن پہلے ہی بہت وقت گزر چکا تھا اور مجھے اپنے گھر کو بھی جا کر دیکھنا تھا۔

اس سے اگلی ملاقات تک میرے ذہن میں سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اس کے ہی الفاظ گونجتے رہے۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ ہر انسان اپنی ذات میں نہ جانے کیسے کیسے عجیب و غریب ڈراموں کا کردار رہا ہے یا اب بھی ہے لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پتہ ہی نہیں چلنے دیتے کہ ان کے اندر مسرتوں کا خزانہ بھرا پڑا ہے یا رنج و آلام کے الاؤ سلگ رہے ہیں۔ بعض لوگ سینوں میں غموں اور دکھوں کو دبائے ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے پھرتے ہیں اور بعض لوگ مسرت و کامرانی سے مالا مال ہوتے ہیں لیکن ایسے ناشکرے کہ رونی سی صورت بنائے رکھتے ہیں۔

خوش بخت بیگم کے متعلق میں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس کے متعلق تو میری یہ رائے پکی ہو گئی تھی کہ یہ جیسی باہر سے ہے ویسی ہی اندر سے ہے لیکن اس خاتون نے اپنی ذات کے ایک اور پہلو سے پردہ اٹھا دیا۔ یہ خیال بھی آیا کہ بختی نے کہا ہے کہ وہ گناہ کی پیداوار ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ گناہ اس نے خود نہیں کیا تھا۔ ایسے ہی کچھ خیال اور کچھ وسوسے تھے جو میرے ذہن میں کلبلاتے اور مجھے بے چین کرتے رہے۔

میں اگلے روز گھر کے کام کاج بڑی تیزی سے ختم کر کے اپنی دوست کے ہاں پہنچی، اسے ساتھ لیا اور ہم دونوں بختی کے گھر جا بیٹھیں۔ وہ جہاندیدہ عورت تھی۔ ہمیں دیکھ کر ایسے انداز سے مسکرائی جیسے جان گئی ہو کہ ہم کل بھی آئی تھیں اور آج کیوں آ گئی ہیں۔ اس

عورت نے بڑی خندہ پیشانی اور تپاک سے ہمیں بٹھایا اور کل کی طرح باورچی خانے میں دوڑی گئی۔ میں اس کے پیچھے گئی اور بہت زور دیا کہ وہ کسی تکلف میں نہ پڑے لیکن وہ حسبِ عادت ہنستی رہی۔

''آپ چل کے بیٹھیں'' ـــ اس نے کہا ـــ ''آج میں آپ کو اتنی جلدی جانے نہیں دوں گی۔ میرے لیے یہ خوشی کچھ کم تو نہیں کہ دل میں میرا درد لے کر بھی میرے گھر کوئی آیا ہے...... چلیں، آپ بیٹھیں میں آتی ہوں''۔

اس نے زیادہ دیر لگائی ہی نہیں، ٹرے اٹھائے ہمارے پاس آ گئی اور چائے بنا کر پیالیاں ہمارے آگے کر دیں۔ اس دوران وہ ہماری خیر خیریت پوچھتی رہی۔

''خالہ!'' ـــ میں نے کہا ـــ ''یہ تو آپ جان ہی گئی ہوں گی کہ ہم کیوں آئی ہیں۔ کل آپ نے زبیر بھائی کی اتنی لمبی داستان سنا کر آخر میں ایسی بات کہہ دی تھی جس نے اب تک مجھے بے چین کر رکھا ہے''۔

''بخدا خالہ!'' ـــ میری دوست نسیمہ نے کہا ـــ ''میری اپنی حالت ایسی ہی رہی ہے جیسی سلمٰی نے بتائی ہے۔ بہتر ہے آپ ہمیں وہ بات سنا دیں''۔

''اور پوری تفصیل سے سنائیں خالہ!'' ـــ میں نے کہا ـــ ''ذرا سا بھی شرم و حجاب نہ ہو، ایک ایک بات سنائیں''۔

''میری عزیز بہنو!'' ـــ بختی نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا ـــ ''میں تو کہتی ہوں کہ میری پوری بات سنیں، کتابیں لکھیں اور میری آپ بیتی سارے پاکستان میں گھر گھر پہنچا دیں۔ ہمارے اسلامی ملک میں وہی شرک ہو رہا ہے جو اُس وقت بھی تھا جب ہم کفار کے غلام تھے''۔

''ایک بات پہلے ہی طے کر لیں'' ـــ میں نے کہا ـــ ''کیا آپ مجھے اجازت دیتی ہیں کہ میں آپ کی یہ کہانی یا آپ بیتی لکھوں اور کہیں چھپوا دوں؟''

''آپ کو پوری پوری اجازت ہے'' ـــ بختی نے کہا ـــ ''لیکن ایک احتیاط ضروری ہے۔ میں بھارتی پنجاب یعنی مشرقی پنجاب میں ضلع ہوشیار پور کے ایک قصبے میں پیدا ہوئی تھی اور وہاں سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ ایک تو اس قصبے کا نام نہیں لکھنا۔ پھر اس علاقے کے ایک پیر کا ذکر آئے گا اس کا نام بتا دوں گی لیکن لکھنا نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس پیر

کی اولاد پاکستان میں آ گئی تھی اور آتے ہی پیری مریدی کا ایسا چکر چلایا کہ یہاں بھی اس نے وہی شہرت حاصل کر لی۔ اس نے اپنا کاروبار پیری مریدی تک ہی نہ رکھا بلکہ سیاست میں بھی آ گیا اور ایک بیٹا ایم این اے بن کر مرکزی اسمبلی میں جا بیٹھا۔ پھر اس نے سیاسی اور معاشرتی غنڈہ گردی میں نام پیدا کیا۔ ہمارے لوگ ایسے جاہل ہیں کہ اس کی یا کسی بھی پیر کے کرتوت اور کرامات میں فرق سمجھتے ہی نہیں۔ اگر آپ نے اس کا نام لکھ دیا تو سمجھو کہ میرا بیٹا زبیر چند دنوں کا مہمان ہو گا یا میری بیٹیوں کے بچوں میں سے کوئی اُڑ جائے گا۔ آپ جانتی ہیں کہ اب زیادہ تر فیصلے پستول کرتا ہے یا کلاشنکوف!''

میں نے اور نسیمہ نے بڑے ہی پُرزور انداز سے یقین دلایا کہ یہ احتیاط لازماً کی جائے گی۔ اس کے بعد اس نے اپنی داستان شروع کر دی۔ یہ میں اپنی زبان سے پیش کر رہی ہوں۔

بختی پاکستان کی پیدائش سے بیس اکیس سال پہلے ضلع ہوشیار پور (بھارت) کے ایک قصبے میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کا نہ کوئی بھائی پیدا ہوا نہ کوئی بہن۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد رہی۔ اس نے خاص طور پر ہمیں بتایا کہ اسے جتنا پیار ملا وہ صرف ماں کی طرف سے ملا، باپ نے اسے نہ کبھی گودی اٹھایا تھا نہ کبھی پیار کیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ باپ اسے دھتکارتا تھا یا اس لیے ناپسند کرتا تھا کہ یہ لڑکی ہے لڑکا نہیں۔ باپ سے وہ جو بھی فرمائش کرتی باپ وہ فرمائش پوری کر دیتا تھا۔

ہر لڑکے کو اپنی ماں کے ساتھ اور ہر لڑکی کو اپنے باپ کے ساتھ پیار ہوتا ہے۔ بختی بھی باپ کے ساتھ پیار کرنے کو اور اس کا پیار لینے کو تڑپتی تھی لیکن ترستی ہی رہ جاتی تھی۔ یہ کمی ماں پوری کر دیتی تھی پھر بھی بختی باپ کے پیار کی تشنگی بری طرح محسوس کرتی رہی۔

اس قصبے میں لڑکیوں کا ایک مڈل سکول تھا۔ اگر وہ علاقہ مسلمانوں کی اکثریت کا ہوتا تو لڑکیوں کا سکول سرے سے ناپید ہوتا کیونکہ مسلمان ابھی تعلیم کی طرف راغب نہیں ہوئے تھے اور لڑکیوں کو سکول کی تعلیم دلانے کو گناہ سمجھتے تھے۔ وہ ہندوؤں اور سکھوں کی اکثریت کا علاقہ تھا اس لیے انہوں نے آٹھ جماعتوں تک ایک سکول کھول لیا تھا۔ ماں نے بختی کو اس سکول میں داخل کروا دیا۔ سکول میں مسلمان لڑکیوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔

مسلمان پسماندگی میں خوش اور مطمئن تھے۔ یہ صحیح تھا کہ اس سکول میں دینیات

کا مضمون تھا ہی نہیں کیونکہ یہ ہندوؤں اور سکھوں کا سکول تھا لیکن دوسرے مضامین تو تھے لیکن مسلمانوں کی اپنی ہی سوچ تھی اور اپنا ہی انداز تھا اور اسی کو وہ اسلام کہتے تھے۔

دینیات کی کمی ماں خود گھر میں پوری کر دیتی تھی۔ ماں نے بختی کو قرآن پڑھایا اور ختم کروایا اور دینِ اسلام کا جتنا علم اس کے پاس تھا وہ بختی کے ذہن میں منتقل کرتی گئی۔ ماں نے ایک سبق بڑا ہی لازمی سمجھ کر بختی کو دیا۔ وہ یہ تھا کہ پیر پرستی حرام ہے۔ اس علاقے کے لوگ اس طرح پیر پرست اور مزار پرست تھے جیسے یہ بھی اسلام کا حکم ہو۔ بختی کو ماں یہ سبق دیتی تھی کہ پیر ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور وہی سب کی مرادیں پوری کرتا ہے اور جس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہے اور اللہ ہی ہر مصیبت سے نجات دلاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ پسماندگی کا دور تھا اور ویسے بھی مسلمان تعلیم میں دلچسپی نہیں لیتے تھے اس لیے پیر پرستی عام تھی لیکن آج تو مسلمان پسماندہ نہیں رہے۔ میں صرف پاکستان کی بات کر رہی ہوں۔ دور دراز دیہات میں بھی سکول کھل گئے ہیں۔ شہروں میں یونیورسٹیاں ہیں اور کالج ہیں لیکن یوں لگتا ہے جیسے پیر اور مزار پرستی پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے۔

یہ بدعت اور یہ شرک ذہنوں میں اتنی دور تک پہنچ گیا ہے کہ کسی پیر پرست کے ساتھ بات کرو تو وہ کہتا ہے کہ وہ جعلی پیر ہوتے ہیں لیکن ہمارے پیر صاحب تو اصلی پیر ہیں جنہیں اللہ نے خود پیری عطا فرمائی ہے۔ پھر ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ایک وسیلہ اور ذریعہ ضروری ہوتا ہے اور یہ ذریعہ پیر ہی ہو سکتا ہے۔ یہی وہ باطل نظریہ ہے جس نے بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی پیر پرست بنا رکھا ہے۔

بختی نے اپنی ماں کے متعلق یہ بتایا کہ وہ اسے پیر پرستی کے خلاف سبق دیتی تھی تو میں نے اپنے آپ سے بے ساختہ کہا کہ وہ کوئی عظیم عورت تھی۔ بختی سے پوچھا کہ وہ بہت بڑی پڑھی لکھی ہو گی۔ بختی نے بتایا کہ وہ کوری اَن پڑھ تھی، لکھنا پڑھنا جانتی ہی نہیں تھی، البتہ قرآن پڑھ سکتی تھی اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھی اور دینِ اسلام کے متعلق روشن خیال تھی۔

بختی کی بدبختی دیکھیں کہ اس کی شادی ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو کٹر پیر پرست تھا۔ وہ بھی اسی قصبے کے رہنے والے لوگ تھے۔ پیر پرستی بھی ایسی کہ اللہ سے پہلے اپنے پیر

کا نام لیتے تھے۔

وہ اس علاقے کا مشہور پیر تھا اور اس کی مریدی کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا جس کا یہ خاندان مرید تھا۔ شبِ عروسی کے بطن سے صبح طلوع ہوئی تو بختی کی ساس اس طرح گھبرائی گھبرائی سی بختی اور اس کے دولہا کو جگانے آئی جیسے کوئی انہونی ہو گئی ہو۔ اس وقت بختی رات بھر کی جاگی ہوئی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی کہ ساس کو ہو کیا گیا ہے۔ ساس نے اسے کہا کہ وہ فوراً نہا دھو کر کپڑے بدل لے، پیر صاحب کے سلام کو جانا ہے۔ اس کے بعد اس نے بختی کو بتانا شروع کر دیا کہ پیر صاحب کے پاس جا کر کیا کرنا ہے۔

''سنا ہے تمہاری ماں پیر صاحب کو نہیں مانتی'' ــــ ساس نے کہا ــــ ''تم یہ گناہ نہ کرنا۔ پیر صاحب گول تکیہ لگائے قالین پر بیٹھے ہوں گے۔ ان کے آگے گھٹنے ٹیک کر ان کے پاؤں پکڑ لینا اور پھر سر اس طرح جھکا دینا جس طرح سجدہ کیا جاتا ہے۔ پیر صاحب دعا دیں گے تو دیکھو گی کہ تمہاری زندگی جنت جیسی گزرے گی۔ پیر صاحب خوش ہوئے تو سمجھو کہ اللہ بھی خوش ہو گیا اور پھر اللہ تمہیں سب سے پہلے ایک بیٹا دے گا''۔

بختی نے یوں محسوس کیا جیسے بڑا اچھا مشروب پیتے پیتے منہ میں مکھی چلی گئی ہو۔ ماں نے بختی کو شروع دن سے ہی جو دینی تعلیم دی تھی وہ زندگی کے اس موڑ پر آ کر رک گئی اور بختی کو دوسرے رستے پر ڈال دیا گیا۔ اسے یاد آ گیا کہ ماں نے کہا تھا کہ تمہارے سسرال میں پیر پرستی مذہبی فریضے کی طرح ہوتی ہے، یوں نہ کرنا کہ ان کے ساتھ بحث مباحثے میں الجھ جاؤ۔ اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑا ہو گا وہ لوگ مانیں گے نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ جس طرح وہ کرتے ہیں تم بھی اسی طرح کرنا لیکن دل سے اس بدعت کو قبول نہ کرنا۔ ماں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ لوگ تمہیں اپنے پیر کے پاس لے جائیں تو چلی جانا اور اسی روز نماز پڑھ کر اللہ سے معافی مانگ لینا۔ اللہ تمہاری مجبوری سمجھتا ہے اور وہ تمہیں بخش دے گا۔

بختی کو پیر کے ہاں لے گئے۔ اس کے ساتھ اس کا خاوند تھا، ساس تھی اور سسر بھی تھا۔ کچھ تحفے تحائف اور مٹھائی بھی ساتھ لے گئے تھے۔ پیر ابھی ملاقات والے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ کچھ لوگ وہاں فرش پر بیٹھے تھے۔ اندر اطلاع بھجوائی گئی کہ ایک دولہا اپنی دلہن کو ساتھ لایا ہے۔

پیر شاید اتنی جلدی نہ آتا لیکن یہ سن کر کہ دولہا اور دلہن آئے ہیں وہ اتنی جلدی آیا جیسے قریب ہی کواڑ کے پیچھے کھڑا اسی دلہن کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور رکوع میں چلے گئے۔ بختی کو بھی اسی طرح جھکنا پڑا۔ پیر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور پیٹھ گول تکئے کے ساتھ لگالی۔

پہلے دولہا نے آگے ہو کر پیر کے پاؤں پر ہاتھ رکھے اور سجدہ کیا پھر دولہا کے اشارے پر بختی نے دل پر پتھر رکھ کر خاوند کی تقلید کی۔ پیر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور جب بختی سیدھی ہو کر بیٹھی تو پیر نے نظر بھر کر دیکھا۔

بختی نے بھی پیر کو بہت غور سے دیکھا۔ وہ پہلے پیر کو دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ پیروں کی صرف باتیں سنتی رہی تھی۔ یہ پیر نوجوان تھا۔ داڑھی بڑے سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ اس کی صحت قابلِ رشک تھی۔ چہرہ اس لیے بھی صحت مند نظر آتا تھا کہ اس چہرے پر فرعونوں والا جلال تھا اور یہ غرور و تکبر کہ وہ لوگ کے دلوں پر حکومت کرتا تھا اور لوگ اس کے آگے رکوع و سجود کرتے تھے۔ شکل وصورت کوئی بُری تو نہ تھی لیکن بختی کے دل سے نفرت وحقارت کا طوفان اٹھ آیا۔ یہ شخص اپنے آپ کو اللہ کا ایلچی سمجھتا تھا۔

بختی کا بس چلتا تو وہاں سے بھاگ جاتی لیکن بہت ہی مجبور تھی اور کچھ اس طرح محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے ہاتھ ہتھکڑیوں اور پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں۔

آخر پیر نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دعا کے بعد بختی کو چھٹی ملی۔

+++

بختی اس لحاظ سے یقیناً خوش بخت تھی کہ اسے خاوند جو ملا تھا وہ محبت کرنے والا شخص تھا۔ محبت بھی ایسی کہ وہ بختی کے آگے بچھ بچھ جاتا تھا۔ ساس بھی اچھی عورت تھی۔ روایتی ساسوں کی نسبت بہت ہی بھلی عورت تھی۔ اس خوش بختی میں اس کی اپنی فطرت کا عمل دخل زیادہ تھا۔ وہ خوش طبع تھی اور وہ اپنی منوانے کی بجائے دوسروں کی مان لیا کرتی تھی۔ اس میں عقل و دانش کی کمی ہوتی تو اسی بات پر گھر میں بے مزگی پیدا کر سکتی تھی کہ وہ پیر پرستی کو نہیں مانتی اور آئندہ پیر کے پاس نہیں جایا کرے گی۔ اس کی بجائے اس نے ایسا رویہ رکھا جیسے وہ اپنے سسرال کی ہم خیال ہو۔

اس کا خاوند تو اس پر جان بھی نثار کرتا تھا اور ان دونوں میں مکمل طور پر بے تکلفی پیدا

ہوگئی تھی جو اس دور میں میاں بیوی میں کم ہی ہوا کرتی تھی۔ بختی نے اپنے خاوند کو بھی پتہ نہ چلنے دیا کہ وہ پیر پرستی کے معاملے میں اس کی ہم خیال نہیں۔ بختی دراصل ان نیک بخت لوگوں میں سے تھی جو بری صورتِ حال میں سے بھی کوئی اچھی اور خوشگوار بات نکال لیا کرتے ہیں۔

ڈیڑھ سال ہنستے مسکراتے گزر گیا۔ اس دوران بختی کو خاوند چند مرتبہ پیر کے سلام کو لے گیا۔ اس نوجوان پیر نے اس کے سر پر ہی ہاتھ نہ پھیرا بلکہ اس کے گالوں پر بھی ہاتھ پھیرتا رہا اور ایک بار تو اس نے بختی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔ پیر کے گھر سے باہر آ کر خاوند نے بختی سے بڑی خوشی کے لہجے میں کہا کہ پیر صاحب تم پر بہت خوش ہیں اور پیر صاحب جس پر خوش ہوتے ہیں اس کی ہر مراد اپنے آپ ہی پوری ہو جاتی ہے۔ بختی نے خاوند کی یہ بات سنی اور مسکرا دی، بولی کچھ بھی نہیں۔

''بختی بیٹا!'' ـــــ ایک روز ساس نے مسکراتے ہوئے کہا ـــــ ''ڈیڑھ سال گزر گیا ہے، اب تک کچھ تو ہو جانا چاہئے تھا''۔

''کیا ہو جانا چاہئے تھا خالہ!'' ـــــ بختی نے ساس کی بات سمجھنے کے باوجود پوچھا۔

''کیا ہرے بوٹے پھول نہیں دیا کرتے؟'' ـــــ ساس نے اپنی مسکراہٹ اور زیادہ پھیلاتے ہوئے کہا ـــــ ''ایک کلی تو اب تک کھل آنی چاہئے تھی''۔

''میری اچھی خالہ جان!'' ـــــ بختی نے ہنستے ہوئے کہا ـــــ ''ابھی تو کل شادی ہوئی ہے۔ ایک نہیں نہ جانے کتنی کلیاں کھلیں گی۔ آپ دعا کریں''۔

''اتنا انتظار نہ کراؤ بیٹی!'' ـــــ اب کے ساس نے سنجیدگی سے کہا۔

ساس نے یوں بات کی جیسے بچے پیدا کرنا بختی کے اپنے اختیار میں ہے، جب چاہے گی بچہ ہو جائے گا۔

اس روز تو بات آئی گئی ہوگئی اور کچھ مذاق میں ٹل گئی لیکن ایک دو مہینے اور گزرے تو خاوند نے بختی سے کہا کہ ماں بڑی بے تابی سے ایک بچے کی منتظر ہے۔ بختی نے کہا کہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، جب اس کا کرم ہوگا تو بچہ بھی مل جائے گا۔

دو مہینے اور گزرے تو ایک نند نے ذرا شگفتہ لہجے میں بختی سے یہی بات کہی۔

''ہم تو پوری کوشش کر رہے ہیں آپا!'' ـــــ بختی نے حسبِ عادت ہنستے ہوئے

کہا——''مجھے کہنے کی بجائے اللہ سے کہیں کہ ہماری کوششیں کامیاب کرے''۔

بہت دنوں بعد بختی اپنے معمول کے مطابق ایک روز اپنی ماں سے ملنے گئی۔ ماں نے اسے بتایا کہ اس کے محلے کی ایک عورت سے اتفاقیہ ملاقات ہوگئی تھی۔ اس عورت نے بتایا ہے کہ بختی کی ساس اور نندیں کہتی پھرتی ہیں کہ بختی ابھی تک نئی نویلی دلہن بنی پھرتی ہے اور گود ہری ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے، شادی کا دوسرا سال بھی ختم ہو رہا ہے۔

بختی نے ماں کی یہ بات ہنسی مذاق میں اُڑا دی اور اسے بتایا کہ ساس، نندوں اور خاوند کے ساتھ اس مسئلے پر بات ہو چکی ہے اور کوئی فکر والا معاملہ نہیں...... دراصل بختی اپنی ماں کو پریشانی سے بچانا چاہتی تھی۔ بختی کوئی بچی تو نہیں تھی، سب سمجھتی تھی۔ اسے پورا پورا احساس تھا کہ آج اسے جو بات ساس اور نندیں بڑے شگفتہ انداز میں کہہ رہی ہیں وہی بات تھوڑے ہی عرصے بعد ایک جرم اور ایک طعنہ بن جائے گی۔

بختی اسی معاشرے کی لڑکی تھی جس میں عورت سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ شادی کے فوراً بعد اس میں ماں بننے کے آثار نظر آنے لگیں۔ اس کے بعد وہ اپنے خاوند کی تفریحِ طبع کا ذریعہ بنی رہے...... جب خاوند چاہے اور جس طرح چاہے...... اور عورت بچے بھی پیدا کرتی چلی جائے اور سارا گھر بار بھی سنبھالے رکھے۔

دو سال سے دو اڑھائی مہینے اوپر گزر گئے تو ایک روز ساس بختی کو پیر صاحب کے ہاں لے گئی۔ ساس نے اسے سب سے زیادہ قیمتی اور اپنی پسند کا سوٹ پہنایا تھا پھر اس کا بناؤ سنگھار بڑی غور سے چیک کیا تھا جیسے اسے تحفے کے طور پر کہیں پیش کرنا چاہتی ہو۔ بختی کو اللہ نے بڑی پُرکشش شکل وصورت اور بڑا ہی جاذب نظر قد کاٹھ دیا تھا۔ اس کی خوبصورتی قیمتی کپڑوں اور زیورات کی محتاج تھی ہی نہیں۔

نوجوان پیر مریدوں کی محفل میں بیٹھا تھا۔ بختی اپنی ساس کے ساتھ اندر گئی تو ہر بار کی طرح دونوں نے پیر کے پاؤں چھوئے اور سجدہ کیا۔ پھر نقد نذرانہ پیر کے پاؤں کے قریب رکھ دیا۔ ایک خاص مرید نے آ کر یہ پیسے اٹھائے اور اندر چلا گیا۔ پیر نے ان پیسوں کی طرف دیکھا ہی نہیں جیسے اسے ان چیزوں کے ساتھ ذرا سی بھی دلچسپی نہ ہو۔

''یا پیر دستگیر، غریبوں کی مرادیں پوری کرنے والی سرکار!''—— بختی کی ساس نے پیر کے آگے ہاتھ جوڑ کر التجا کی—— ''یہ میری بہو ہے۔ شادی کو سوا دو سال ہو گئے ہیں،

ابھی گود ہری نہیں ہوئی نہ کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے''۔

پیر اٹھ کھڑا ہوا اور بختی کی ساس کو سر سے اشارہ کیا کہ اندر چلو۔ وہ ساتھ والے کمرے میں چلا گیا۔ ساس بختی کو اس کے پیچھے پیچھے ساتھ لئے کمرے میں چلی گئی۔ بختی نے ان پیروں کی کچھ کہانیاں سن رکھی تھیں۔ اسے ذرا سا محسوس ہوا کہ پیر اس کے ساتھ لمبی ہی دست درازی کرے گا لیکن اسے حوصلہ یہ دیکھ کر ہوا کہ پیر نے کمرے کا دروازہ بند نہ کیا اور اس کی ساس اس کے ساتھ تھی۔

بڑا ہی سجا سجایا کمرہ تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ اعلیٰ قسم کا پلنگ پڑا تھا اور اس پر خوشنما پلنگ پوش بچھا ہوا تھا۔ پیر ٹانگیں لٹکا کر اس پلنگ پر بیٹھ گیا اور پلنگ کے قریب رکھی کرسی گھسیٹ کر اپنے سامنے کر لی اور بختی کو اشارہ کیا کہ وہ کرسی پر بیٹھ جائے۔ بختی نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کی ساس فرش پر بچھی دری پر بیٹھ گئی۔

اس نوجوان، ہٹے کٹے اور خوبصورت پیر نے بختی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور ذرا اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اپنا چہرہ بختی کے چہرے کے بالکل قریب لے گیا۔ پھر وہ بختی کی دونوں کنپٹیاں اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے گولائی میں ملنے لگا۔ اس کے ساتھ وہ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ پھر اس نے بختی کی دونوں آنکھوں کے نیچے اپنے انگوٹھے رکھے اور ذرا نیچے کو کھینچے جس طرح ڈاکٹر آنکھوں کا معائنہ کیا کرتا ہے۔

آنکھوں میں جھانکنے کے بعد پیر نے بختی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سیدھے کئے اور بختی کی ہتھیلیوں کو دیکھنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اوپر چھت کی طرف دیکھا۔ بختی کے ہاتھ چھوڑ کر پیر نے تین بار تالی بجائی۔

''ٹھیک ٹھیک بتا''—— پیر نے آنکھیں بند کیے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا—— ''بالکل ٹھیک بتا۔ ذرا ہیرا پھیری کی تو جلا کر راکھ کر دوں گا...... ہاں ہاں...... بولتا جا میں سن رہا ہوں''۔

وہ کسی ایسی چیز سے مخاطب تھا جو کسی اور کو نظر نہیں آتی تھی۔ وہ کوئی جن بھوت ہی ہو سکتا تھا جسے پیر اور عامل وغیرہ مؤکل کہا کرتے ہیں۔

''سنو اماں!''—— پیر نے بختی کی ساس سے کہا—— ''تمہاری بہو ہے تو بھاگوان، بڑی اچھی قسمت لے کر آئی ہے لیکن کسی دشمن اور حاسد نے بندش لگا دی ہے۔ بندش بھی

ایسی سخت ہے کہ اتر تو جائے گی لیکن بڑا ہی زور لگانا پڑے گا‘‘۔

’’یا پیر دستگیر!‘‘ ـــــ ساس نے خوفزدگی کی کیفیت میں ہاتھ جوڑ کر عرض کی ـــــ ’’آپ ہی آپ تو ہیں، ہمارا کون دستگیر ہے۔ آپ حکم دیں تو ستارے آسمان سے ٹوٹ کر زمین پر بکھر جائیں۔ میں اپنی جان بھی آپ کی پاک ذات پر قربان کردوں گی، میرے بیٹے کو اس بدبختی سے بچالیں‘‘۔

’’وہ تو میں کروں گا ہی‘‘ ـــــ پیر نے ایسے لہجے میں کہا جس میں نشے کی بدمستی کا تاثر بڑا صاف تھا ـــــ ’’اس لڑکی کو میرے پاس چند مرتبہ آنا پڑے گا۔ گھبراؤ نہیں، آج ہی مؤکل حاضر کر کے سارا راز لے لوں گا اور پھر اس بندش کو تڑوالوں گا۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ اس کے ہاتھ پر تین بیٹے لکھے ہوئے ہیں لیکن جب تک بندش قائم ہے کچھ بھی نہیں ہو گا‘‘۔

’’یا دستگیر!‘‘ ـــــ بختی کی ساس نے پوچھا ـــــ ’’یہ پتہ چل سکتا ہے کہ یہ بندش کس نے لگوائی ہے؟‘‘

’’کیا کرو گی پوچھ کر اماں!‘‘ ـــــ پیر نے کہا ـــــ ’’یہ لڑکی تو ایک ہیرا ہے...... بڑا ہی قیمتی ہیرا...... نہ جانے اس کی ماں نے کس کس کو اس کے رشتے سے مایوس کر کے تمہارے بیٹے کے ساتھ بیاہ دیا ہے۔ ان میں سے کسی نے یہ انتقامی کارروائی کی ہے۔ پتہ تو چل سکتا ہے لیکن تم اپنے مطلب سے مطلب رکھو‘‘۔

’’حضور!‘‘ ـــــ ساس نے کہا ـــــ ’’سرکار جو خدمت کہیں گے کروں گی......‘‘

’’ہمیں کسی خدمت کی ضرورت نہیں‘‘ ـــــ پیر نے جلالی سی کیفیت میں کہا ـــــ ’’ہم وہی کرتے ہیں جو اللہ ہمیں حکم دیتا ہے۔ ابھی ابھی میں نے اللہ کا حکم لے لیا ہے اور اس کی ذاتِ اعلیٰ نے مجھے جو طاقت عطا فرمائی ہے اس سے پتہ چل گیا ہے کہ اس لڑکی کے راستے میں کانٹے بکھیر دیئے گئے ہیں۔ اس کا راستہ صاف کرنا میرا کام ہے اور یہ میرا فرض ہے‘‘۔

بختی جب اپنی اس آپ بیتی کا یہ حصہ سنا رہی تھی تو وہ ہنس پڑی۔ یہ تو بختی کی فطرت میں شامل ہے کہ بات کتنی ہی پریشان کن یا سنجیدہ کیوں نہ ہو، اس کا انداز شگفتہ رہتا ہے اور اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب نہیں ہوتی۔

’’دیکھنے اور سننے میں زمین و آسمان جتنا فرق ہے‘‘ ـــــ بختی نے کہا ـــــ ’’میں ٹھیک

طرح بیان نہیں کر سکی کہ اس وقت پیر پر کیسی کیفیت طاری تھی اور وہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا تھا۔ میں اس جیسی ایکٹنگ نہیں کر سکتی، اس کے بغیر آپ صحیح تصویر دیکھ نہیں سکیں گی۔ کبھی تو ایسے لگتا جیسے نشے میں جھوم رہا ہے اور کبھی اس کا انداز ایسا ہو جاتا جیسے اپنے آپ کو آسمان سے اتری ہوئی مخلوق سمجھتا ہے اور زمین پر رہنے والے انسانوں سے وہ بڑا ہی اعلیٰ اور برتر ہے۔ میں سمجھ گئی کہ اب اس کے دماغ میں کیا ہے اور مجھے کس طرف لے جا رہا ہے۔ ماں نے مجھے یہ جو کہانیاں سنائی تھیں وہ بالکل سچ معلوم ہونے لگیں‘‘۔

اس پیر کے متعلق مشہور تھا کہ اکثر اوقات جلالی اور وجدانی کیفیت میں رہتا ہے جسے مراقبہ کہتے تھے۔ کسی مرید کو زیادہ وقت نہیں دیتا تھا اور بات بھی کم ہی کرتا تھا۔ مراد سن کر ہاتھ اوپر کر کے ذرا سر ہلا دیتا تھا کہ کام ہو جائے گا لیکن بختی اور اس کی ساس کو اس نے اتنا زیادہ وقت دیا تھا کہ انہیں الگ کمرے میں لے جا کر بٹھا لیا۔ اس کی اصل وجہ تو یہ تھی کہ بختی حسین اور نوجوان لڑکی تھی اور دوسری وجہ یہ کہ اس گھر سے پیر کو اچھے خاصے نذرانے ملتے تھے۔ پیر نے بختی کے لیے دو تعویذ دیئے اور اس کی ساس کو عمل وغیرہ بتایا اور کہا کہ اب وہ بختی کو دوسرے چوتھے روز لایا کرے۔

+ + +

یہ اتنی اہم بات تھی جو بختی اپنی ماں کو سنانا ضروری سمجھتی تھی۔ بختی کچھ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے پیر سے یہ ملاقات اور اس کی تشخیص سناتے ہوئے کہا تھا کہ پیر کا انداز ایسا پُراثر تھا کہ بختی کے دل میں ناپسندیدگی ہوتے ہوئے بھی اس کا دل پیر کا اثر قبول کر رہا تھا۔ بختی نے ہپناٹائز ہونے کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا لیکن اس کے بیان سے میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ پیر نے اسے ہپناٹائز کر لیا تھا اور وہ پیر کی تشخیص کو ٹھیک سمجھنے لگی تھی۔

بختی کی دوسری پریشانی یہ تھی کہ پیر نے اپنی نیت کا اظہار بڑے ہی واضح طریقے سے کر دیا تھا اور پیر کی اب خواہش اور کوشش یہ تھی کہ بختی اس کے پاس اکیلی آئے۔ بختی باعصمت لڑکی تھی۔ اسے یہ سوچ پریشان کرنے لگی کہ اپنی ازدواجی زندگی کو اجڑنے سے بچانے کے لیے اور ایک بچے کے لیے کیا وہ اپنی عصمت قربان کر دے؟ اسے معلوم تھا کہ بعض عورتوں کو اولاد پیدا نہ کرنے کے جرم میں طلاق مل جاتی ہے اور یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ نقص خاوند میں ہو سکتا ہے۔ بختی طلاق سے بہت ہی ڈرتی تھی۔

اس نے یہ ساری بات ماں کو سنائی اور پوچھا، کیا یہ ضروری ہے کہ شادی کا پہلا سال پورا ہوتے ہی بچہ ہو جائے؟

''ہاں بختی بیٹی!''۔۔۔ ماں نے کہا۔۔۔ ''سسرال والے یہی توقع رکھا کرتے ہیں جیسے بچہ پیدا کرنا بہو کے اپنے اختیار میں ہو۔ دور نہ جاؤ، اپنے اس قصبے میں ایسی عورتیں زندہ موجود ہیں جن میں سے ایک کا پہلا بچہ تین سال بعد اور ایک اور عورت کا پہلا بچہ پانچ ساڑھے پانچ سال بعد پیدا ہوا تھا۔ ان کے خاوند اچھے تھے جنہوں نے صبر کیے رکھا اور اللہ پر بھروسہ کرتے رہے''۔

بختی نے ماں کو بتایا کہ اپنے خاوند کو وہ اس بات پر لا سکتی ہے کہ اللہ پر چھوڑے اور کچھ عرصہ اور صبر اور انتظار کر لے لیکن خاوند کی ماں اور بہنوں نے اسے پیر تک پہنچا دیا ہے...... اس کے بعد بختی نے ماں کو بتایا کہ ساس اسے پیر کے پاس لے گئی تھی اور پیر اسے الگ کمرے میں لے گیا اور اس نے کیا کیا حرکتیں کیں، کیا باتیں کیں اور آخر میں کیا تشخیص کی۔

''کبھی یوں لگتا ہے جیسے پیر نے جو کہا ہے وہ ٹھیک ہے''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''اور کبھی یوں ڈر آتا ہے جیسے آپ کی سنائی ہوئی کہانیوں میں ایک اور کہانی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ پیر بالکل نوجوان ہے۔ اس کی نیت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ آپ ہی کچھ بتائیں امی! اگر پیر مجھے بلا کر تنہا اس کمرے میں لے گیا اور دست درازی پر اُتر آیا تو میں کیا کروں گی؟''

ماں کو تو چپ ہی لگ گئی۔ اس کا سر جھک گیا اور بختی اس کے اس ردِعمل سے پریشان ہوگئی۔ ماں نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے جو بختی نے دیکھے تو سر تا پا ہل گئی۔

''معلو ہوتا ہے بیٹی!''۔۔۔ بختی کی ماں نے کہا۔۔۔ ''تم بھی میری ہی قسمت لے کر پیدا ہوئی ہو۔ یہ میری غلطی ہے کہ میں نے تمہیں اس گھر میں بیاہ دیا ہے جس گھر میں اللہ کی بجائے پیروں کی پرستش ہوتی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ لوگ اچھے ہیں، تم سکھی رہو گی۔ اگر ان کا عقیدہ کچھ اور ہے تو اس کا ان کا اخلاق اور کردار پر اور تمہارے ساتھ ان کے سلوک اور برتاؤ پر کچھ اثر نہیں پڑے گا لیکن بات وہیں پر آ گئی ہے جو مجھ پر آ چکی ہے''۔

''اسے غلطی نہ کہیں امی!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے سسرال بہت ہی اچھے لوگ ہیں۔ خاوند کا سارا پیار صرف میرے لئے ہے اور ساس تو ایسی

ہے کہ آپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتی لیکن یہ جو بچے اور پیر کا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے، میں اس سے کچھ پریشان ہو گئی ہوں۔ کیا میں خاوند سے کہہ کر اپنا اور اس کا ڈاکٹری معائنہ اور ٹسٹ نہ کروا لوں؟''

''میں اس چکی میں پس چکی ہوں بیٹی!''۔۔۔ ماں نے ذرا بوجھل آواز میں کہا۔۔۔ ''یہ ایک راز تھا جو میں اپنے ساتھ قبر میں لے جانا چاہتی تھی لیکن یہ تم پر کھول دینا ضروری ہو گیا ہے۔ پہلے یہ سن لو پھر سوچیں گے کیا ہو سکتا اور کیا کیا جائے''۔

بختی ہمیں وہ بات سنانے لگی جو اسے اس کی ماں سنائی تھی۔ بختی کی آپ بیتی کے پیچھے ایک اور کہانی تھی جسے ایک واردات کہوں تو زیادہ اچھا ہو گا۔ یہاں میں ایک بات کہنا چاہوں گی، بختی اور اس کی ماں پر جو بیتی تھی وہ کوئی عجیب وغریب کہانی نہیں۔ شہروں کے محلے اور دیہات کے گاؤں ایسی بے شمار داستانیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے شہری اور خصوصاً دیہاتی معاشرے کی ایک عام داستان ہے، البتہ بختی اور اس کی ماں کی آپ بیتی ان داستانوں سے اس فرق کے ساتھ مختلف ہو جاتی ہے کہ بختی ہمیں آپ بیتی سنا رہی تھی اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کہانی پاکستان کے گھر گھر پہنچا دو۔ میں تو یہاں تک کہتی ہوں کہ یہ کہانی ان گھروں میں سے کئی ایک گھروں کی کہانی ہے جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے پیروں کو معبود بنائے ہوئے ہیں۔

اب میں ماں کی کہانی پیش کرتی ہوں جو ماں نے اپنی بیٹی خوش بخت بیگم کو سنائی تھی۔

ماں کی شادی بھی ایسے ہی گھرانے میں ہوئی تھی جو اسی پیر کا مرید تھا۔ اس وقت یہ پیر نہیں تھا جو بختی کی شادی کے وقت تھا۔ اس وقت اس کا باپ پیر تھا۔ بختی کو تو ماں نے پیر پرستی کے سخت خلاف کر دیا تھا اور اسے وہ کفر کہتی تھی۔ آپ جب یہ کہانی پڑھیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ یہ عورت پیر پرستی کو حقارت اور نفرت کی نگاہوں سے کیوں دیکھتی تھی لیکن جب وہ خود نوجوان تھی تو پیر پرستی کے اتنا خلاف نہیں تھی۔ اگر وہ خلاف نہیں تو پیروں کو مانتی بھی نہیں تھی، یعنی وہ اس کے گھر کا کوئی ایک بھی فرد کسی پیر کا مرید نہیں تھا۔

میں حیران ہوں کہ پسماندگی کے اس دور میں جب مسلمان گھرانوں میں تعلیم کا نام و نشان نہ تھا، بختی کی ماں کے گھرانے میں یہ روشن خیالی کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ پیر پرستی کو نہیں مانتے تھے۔ سوچ سوچ کر بات یہاں پر آتی ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ ابن کی

ذاتِ باری جسے چاہے شمع ہدایت سے روشنی عطا کردے اور جسے چاہے اندھیروں میں پھینک دے...... میرا خیال ہے کہ اللہ اندھیروں میں انہیں ہی پھینکتا ہے جو بار بار اندھیروں کی طرف ہی لپکتے ہیں اور اس روشنی کی طرف توجہ دیتے ہی نہیں جو اللہ ان کے لیے روشن کرتا ہے۔

ماں نے بختی کو سنایا کہ وہ ایک پیر پرست گھرانے میں بیاہی گئی۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کہ اسے سسرال والے ازدواجی زندگی کی پہلی صبح دولہا کے ساتھ پیر کے آستانے پر لے گئے۔ عجیب اس لیے نہیں کہ اس علاقے کا رواج تھا کہ جس گھر میں شادی ہوتی تھی ان گھر والوں کا فرض تھا کہ دولہا اور دلہن کو ولیمے کی صبح پیر کے پاس لے جائیں اور اس کی قدم بوسی کریں۔ دولہا دلہن کے ساتھ کپڑوں اور کرنسی کی صورت میں تحفے یا نذرانے بھی جایا کرتے تھے۔ ساتھ ایک بڑا تھال جاتا تھا جس میں مٹھائی اور ڈرائی فروٹ ہوتا تھا۔

جس طرح بختی اور اس کے دولہا نے اس نوجوان پیر کے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر سجدہ کیا تھا اسی طرح یہ دولہا اور دلہن کرتے تھے۔ بختی کی ماں سے بھی اسی طرح سجدہ کروایا گیا۔

''بختی!''—— ماں نے اپنے اس وقت کو یاد کرتے ہوئے بختی سے کہا—— ''میں نے جب ایک انسان کے پاؤں پر سجدہ کیا تو میرا وجود اندر سے لرز گیا اور دل پر ایسا بوجھ آپڑا کہ مجھ سے جو گناہ کروایا گیا ہے یہ خدا معاف نہیں کرے گا لیکن میں سسرال کو ناراض کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ سوچا یہاں کون سا روز روز آکر سجدہ کرنا ہے''۔

بختی جب ہمیں ماں کی یہ بات سنا رہی تھی تو ایسے لگ رہا تھا جیسے اپنی سنائی ہوئی بات دوہرا رہی ہو۔ ماں نے اسے سنایا کہ پیر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دوسرا ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر چہرہ اوپر اٹھایا جیسے وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھنا چاہتا ہو۔

وہ کوئی جواں سال پیر نہیں تھا بلکہ بڑھاپے کے مرحلے سے کچھ آگے نکل گیا تھا۔ اس کی داڑھی کے زیادہ تر بال سفید ہو چکے تھے اور چہرے پر عمر کی لکیریں گہری ہو رہی تھیں لیکن آنکھوں میں نور کی بجائے ہوس کی چمک تھی۔ پیر نے دعا کی اور دولہا اور دلہن کی طرف پھونک ماری۔ پھر پیر نے سر سے اشارہ کیا کہ اب وہ جاسکتے ہیں۔ بختی کی ماں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہاں سے اسے چھٹی ملی۔

پیر کے گھر سے نکلے تو بختی کی ماں کو مبارک مبارک کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ مبارک اس لیے نہیں دی جارہی تھی کہ ان لوگوں کا بیٹا بیاہا گیا ہے بلکہ اس لیے کہ پیر صاحب نے انہیں دعا دی ہے۔

''اب تو بیڑی ہی پار ہے''—— بختی کی ماں کو کسی آدمی کی بات سنائی دی—— ''اب کوئی جن بھوت، چڑیل ڈائن ان کے قریب نہیں آئے گی اور زندگی تو ایسے گزرے گی جیسے دنیا میں ہی جنت دیکھ لی ہو''۔

یہ سارے لوگ پیدل گئے تھے اور پیدل ہی واپس آرہے تھے۔ فاصلہ کوئی زیادہ نہ تھا اور وہ پیدل چلنے کا ہی دور تھا۔ راستے میں سسرال کا ہر فرد خوشی کا اظہار کررہا تھا اور یہ خوشی اس لیے نہیں تھی کہ گھر میں شادی ہوئی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ پیر صاحب کی خوشنودی اور رضا حاصل کرکے آئے ہیں۔

اسی روز ظہر کی نماز پڑھ کر بختی کی ماں نے دو نفل اضافی پڑھے اور سجدے میں جاکر روتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس گناہ کی بخشش مانگی کہ وہ ایک انسان کے آگے مجبوری کے عالم میں سجدہ کرآئی ہے۔ یہ دعا کرکے اسے کچھ دلی تسکین محسوس ہونے لگی۔

''بختی بیٹی!''—— ماں نے کہا—— ''وہ بدبو مجھے آج تک یاد ہے جو پیر کے ننگے پاؤں سے اٹھ رہی تھی۔ میں نے اس کے پاؤں پر ہاتھ رکھا تو پاؤں پر ہلکا ہلکا پسینہ آیا ہوا تھا۔ بڑا ہی بدبودار پسینہ تھا۔ میں تو کہتی ہوں کہ یہ اس شخص کے اندر کی بدبو تھی۔ میں بعد میں یہ سن کر حیران رہ گئی تھی کہ عقیدت مند مرید پیر کے پاؤں چومتے بھی ہیں''۔

بختی کے سسرال کی طرح اس کی ماں کے سسرال والے بھی اچھے لوگ تھے۔ اس کی ساس ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو اپنی بہوؤں میں کیڑے ہی نکالتی رہتی ہیں۔ اگر کوئی کیڑا نظر نہ آئے تو وہ اپنی ذات کے کیڑے نکال کر بہوؤں کی ذات میں ڈال دیتیں اور انہیں ذلیل ورسوا کرتی رہتی ہیں۔

+++

بختی کی ماں نے اسے اس پیر کی کچھ کرامات سنائی تھیں جو اس سارے علاقے میں مشہور و مقبول تھیں اور شرمناک بات یہ ہے کہ لوگ یہ کرامات سن کر نہ صرف انہیں صحیح مانتے تھے بلکہ جھومتے اور دوسروں کو سناتے تھے۔ میں ان میں سے کچھ کرامات پیش کرنا چاہوں

گی۔ جانتی ہوں کہ یہ معجزہ نما قصے آپ نے اکثر سنے ہوں گے لیکن ذرا غور کریں کہ لوگ انہیں بالکل سچ مانتے ہیں۔

بختی کی ماں کے پیر کے متعلق یہ مشہور تھا کہ کبھی جلال میں آکر ننگی اور فحش گالیاں بکنے لگتا تھا۔ محفل میں عورتیں موجود ہوتیں تو اس کی گالیاں اور زیادہ فحش ہو جاتی تھیں۔ لوگ انہیں ''معرفت'' کی گالیاں کہا کرتے تھے اور یہ بھی مشہور تھا کہ پیر صاحب کسی سائل اور حاجت مند کو گالیاں دینے لگیں تو اس شخص کا سمجھو بیڑہ ہی پار ہے اور اس کی ہر مراد پوری ہوگئی ہے۔

یہ بھی لوگ مانتے تھے کہ پیر صاحب پر ''معرفت'' کی یہ کیفیت کبھی کبھی طاری ہوتی ہے۔ ان کے ہاں جانے والے مرید اس انتظار میں رہتے تھے کہ وہ اس کیفیت میں آئیں تو ان کے سامنے اپنی مراد رکھیں۔ اس پیر کے بعض تعلیم یافتہ مرید پیر کی اس کیفیت کا تجزیہ یوں کرتے تھے کہ پیر صاحب کو شیطان نظر آجاتا ہے یا شیطان کے چیلے یا وہ جنات نظر آتے ہیں جو لوگوں کے حالات بگاڑ کر خوش ہوتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مریدوں کی مرادیں پوری نہ ہوں اور انہیں کوئی خوشی نصیب نہ ہو۔ پیر صاحب ان نظر نہ آنے والی منحوس چیزوں کو گالیاں دیتے ہیں اور یہ چیزیں بھاگ جاتی ہیں۔

اس پیر کا ایک واقع تو بہت ہی مشہور تھا۔ یہ اس طرح تھا کہ ایک روز پیر صاحب اپنے اس کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جس کمرے میں مرید سلام اور حاضری کے لیے آکر بیٹھا کرتے تھے۔ اتنے میں ایک عورت اس کمرے میں آئی۔ وہ رو رہی تھی۔ پیر صاحب نے پوچھا کیا بات ہے۔

عورت نے روتے ہوئے کہا، یا سرکار، میرے دو ہی بھائی ہیں اور دونوں کو ایک آدمی کے قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا ہوگئی ہے۔ آپ کے ہاتھ میں کوئی طاقت ہے [illegible] میرے بھائیوں کو بچالیں۔

پیر صاحب نے آنکھیں بند کرلیں اور ان پر جلالی کیفیت طاری ہوگئی۔ انہوں نے دو تین گالیاں دے کر کہا، شلوار اتار دو...... وہ جوان عورت اتنے سارے مردوں کے درمیان کھڑی بھلا شلوار کیسے اتار دیتی۔ وہ جھجک گئی۔

پیر صاحب آنکھیں بند کئے چہرہ چھت کی طرف کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے پو

کہ اس نے شلوار اتار دی ہے یا نہیں۔ عورت نے ابھی شلوار نہیں اتاری تھی اور چہرے پر شرم وحجاب اور پریشانی کا تاثر لئے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ مریدوں کی بے غیرتی کا یہ عالم کہ وہ اس عورت کے پیچھے پڑ گئے اور اسے کہنے لگے کہ بھائیوں کی زندگی چاہئے تو پیر صاحب کا حکم مانو اور شلوار اتار دو۔ اس عورت کے کانوں میں یہی ایک آواز پڑ رہی تھی___ ''اتار دو، اتار دو''۔

اس عورت نے جھجکتے شرماتے نہایت آہستہ آہستہ شلوار کا صرف ایک پائنچہ اتارا اور پھر اس سوچ میں پڑ گئی کہ ساری کی ساری شلوار اتار دوں یا نہیں۔ اتنے میں پیر صاحب ایک دو گالیاں دے کر پھر گرجے کہ اس نے شلوار اتار دی ہے یا نہیں۔ کسی مرید نے کہا، سرکار، اس نے ایک پائنچہ اتارا ہے۔

''جا دفع ہو جا، نکل جا یہاں سے''___ پیر صاحب نے ایک دو گالیاں دے کر کہا___ ''جا تیرا ایک ہی بھائی پھانسی سے بچے گا اور دوسرا پھانسی چڑھ جائے گا''۔

پیر صاحب نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس کیفیت سے نکل آئے اور اس عورت کی طرف دیکھا بھی نہیں کہ وہ کون ہے اور کیوں آئی تھی۔ عورت نے شلوار پہنی اور باہر نکل گئی۔

لوگوں نے یہ روایت مشہور کر دی تھی اور اسے وہ بالکل سچ مانتے تھے کہ عورت دونوں پائنچے اتار دیتی تو اس کے دونوں بھائی پھانسی سے بچ کر گھر آجاتے لیکن دیکھو اس عورت کی بدقسمتی کہ اس نے پیر صاحب کا حکم نہ مانا اور اس کا ایک بھائی پھانسی چڑھ گیا اور دوسرا گھر آگیا۔

بختی نے جب پیر کی یہ کرامات سنائی تو مجھے یاد آگیا کہ میں نے ''حکایت'' میں بالکل یہی ''کرامات'' پڑھی تھی جو ادھر کے کسی پیر سے منسوب تھی۔ میں نے ذہن پر زور دیا تو یاد آگیا کہ ''حکایت'' کے ابتدائی شماروں میں ایک پیر کی باتیں شائع ہوئی تھیں۔ یہ بھی یاد آگیا کہ ضلع راولپنڈی میں ایک گاؤں ہے جس کا نام کلیام اعوان ہے۔ یہ راولپنڈی سے پندرہ میل دور لاہور کی طرف ایک ریلوے سٹیشن ہے لیکن اس نام کا گاؤں کچھ دور ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دور میں وہاں عنایت شاہ نام کا ایک پیر دیکھتے ہی دیکھتے مشہور ہو گیا۔ اس کی نوسر بازی کو لوگ معجزے کہتے تھے اور یہ نوسر بازی اتنی تیزی سے مشہور ہوئی

کہ دور دور کے لوگ اس کے سلام کو آنے لگے اور اس کی مریدی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس کی شہرت اور مقبولیت کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ پوٹھوہار کا علاقہ ہے۔ جس کے لوگ فوج میں بھرتی ہونے کو ایک روایت سمجھتے ہیں۔ جنگِ عظیم میں ہر گھر کے ایک دو آدمی اور بعض گھروں کے اس سے بھی زیادہ آدمی فوج میں مختلف محاذوں پر گئے ہوئے تھے۔ ان کے والدین پیر کے پاس جاتے اور اپنے بیٹوں کی زندگی کی دعائیں کرواتے تھے اور پھر ان کی خیر خیریت پوچھتے تھے۔ اس پیر نے علاقے کے کچھ غنڈے بدمعاش اور بڑے چالاک مخبر اکٹھے کر لئے تھے اور یہ گروہ ایسے لوگوں کے گھروں کے اندر کے حالات بتاتا رہتا تھا اور اس پیر کے سائلوں کے پوچھے بغیر ان کے گھروں کے حالات بتا دیتا تھا۔

اس پیر کی فریب کاری اور اس کے جرائم کی داستان بڑی ہی طویل اور شرمناک ہے جو میں یہاں پیش نہیں کر سکتی، میں صرف یہ بتا رہی ہوں کہ بختی بھارت کے ضلع ہوشیار پور کے ایک علاقے کے ایک پیر کی برسوں پہلے کی باتیں سنا رہی تھی اور بالکل وہی باتیں پاکستان کے ایک پیر کی سنیں۔ نقشے پر ہوشیار پور اور راولپنڈی کا فاصلہ دیکھیں۔ دو پیر اتنی دور دور بیٹھے تھے اور ان کی ''کرامات'' ایک جیسی تھیں۔

اصل بات یہ ہے کہ پیری مریدی ایک کاروبار ہے جو جہاں بھی چلے اور کوئی بھی چلائے، اس کے کاروباری راز اور انداز ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ ان پیروں کی کامیابی میں ان کا کوئی کمال نہیں۔ کمال اگر ہے تو ان خفیہ گروہوں کا ہے جن میں جرائم پیشہ اور بڑے ہی فریب کار لوگ ہوتے ہیں اور وہ ان پیروں کی تشہیر کرتے ہیں۔ اصل حماقت اور پسماندگی تو لوگوں کی ہے جو ان پیروں کو نبیوں اور پیغمبروں کا درجہ دے دیتے ہیں۔

اگر میں صرف پیر پرستی پر لکھ رہی ہوتی تو اس کے دینی پہلو کے ساتھ ساتھ نفسیاتی پہلو بھی پیش کرتی اور کچھ تجزیہ عمرانیات کی روشنی میں بھی پیش کر کے ایک کتاب لکھ ڈالتی لیکن یہاں میں بختی اور اس کی ماں کی ایسی کہانی سنا رہی ہوں جو پڑھنے والوں کو چونکا دے گی اور ان کی جذباتی دنیا میں ہلچل مچا دے گی۔ البتہ یہ توقع عبث معلوم ہوتی ہے کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں گے۔

معلوم نہیں میں کیوں ضروری سمجھ رہی ہوں کہ آپ کو بتاؤں کلیام اعوان والے پیر عنایت شاہ کا انجام کیا ہوا تھا۔ جنگِ عظیم کے دوران وہ بس میں جہلم کو جا رہا تھا۔ جنگ کی

وجہ سے فوجی گاڑیوں کی ٹریفک جی ٹی روڈ پر زیادہ رہتی تھی اور فوجی ڈرائیور ٹریفک کے اصولوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ جان بوجھ کر شرارت کے طور پر مسافر بسوں کو پریشان کرتے تھے۔ عنایت شاہ جس بس میں جا رہا تھا وہ جہلم سے ابھی دور تھی کہ پیچھے سے ایک فوجی ٹرک آیا۔ اس ٹرک نے بس کو اوورٹیک کیا اور ڈرائیور نے دانستہ بس کو سائیڈ ماری۔

بس اچھی خاصی رفتار سے جا رہی تھی۔ اس کا ڈرائیور گھبرا گیا اور بس سڑک سے اتار دی لیکن یہ نہ دیکھ سکا کہ اس طرف ڈھلان ہے۔ بس اسی رفتار سے ڈھلان سے اتری اور سامنے شیشم کے ایک درخت سے اتنی زور سے ٹکرائی کہ اس کا انجن بس کی باڈی کے اندر چلا گیا۔ تصور میں لایا جا سکتا ہے کہ مسافر کس موت مرے ہوں گے۔

پیر عنایت شاہ بھی ایسی ہی بری موت مرا۔ اس کی لاش کچلی گئی اور اس کے ساتھ جو خاص مرید تھے وہ بھی مارے گئے۔ اس کی لاش واپس گاؤں لائی گی۔ علاقے میں اس کے جو مرید تھے ان میں کہرام بپا ہو گیا اور عنایت شاہ کے خاص مریدوں نے اعلان کیا کہ جہاں شاہ صاحب کی موت واقع ہوئی ہے وہاں بھی ان کی نشانی کے طور پر مزار یعنی مقبرہ تعمیر کریں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اس جگہ مقبرہ تعمیر کیا تھا یا نہیں، میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر وہ اتنا برگزیدہ اور پہنچ والا پیر تھا اور خدا کا راز دان تھا تو وہ جب بس میں بیٹھا تھا تو اسے اتنا سا بھی اشارہ نہ ملا کہ وہ اس بس میں نہ بیٹھے ورنہ وہ بہت ہی بُری موت مرے گا۔

+++

بختی کو اس کی ماں نے ہوشیار پور والے اس بوڑھے پیر کی دو اور کرامات سنائیں۔

ایک یہ کہ اس پیر کے گھر کے صحن میں ایک طرف ایک دیوار یا دیوار کا ٹکڑا کھڑا تھا۔ اس کی بلندی چار ساڑھے چار فٹ تھی اور چوڑائی پانچ چھ فٹ کے درمیان تھی۔ یہ اینٹوں کی دیوار تھی۔ اس کے متعلق ایک روایت سارے علاقے میں مشہور تھی۔

روایت یہ تھی کہ دیوار کا یہ ٹکڑا رسوئی کی اوٹ کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس پیر کا ایک بچہ تھا جس کی عمر اس وقت چار سال کے قریب تھی۔ وہ اس پر چڑھ بیٹھا اور دیوار سے کہا، چل میرے گھوڑے...... بچے نے دیوار کو اسی طرح ایڑ لگائی جس طرح گھوڑ سوار گھوڑے کو ایڑ

لگاتے ہیں۔ پیر نے بچے کو یوں کھیلتے دیکھ لیا۔ پیر نے دیوار سے کہا۔۔۔۔ ''تھوڑی دور تک چل پڑ، بچہ خوش ہو جائے گا''۔۔۔۔ دیوار نے پیر کا حکم مانا اور وہ چل پڑی اور وہاں جا رکی جہاں بختی کی ماں نے دیکھی تھی۔

پیر کا دوسرا معجزہ مشہور تھا کہ اس کا ایک مرید اس کے سلام کے لیے بڑی دور سے پیدل آ رہا تھا۔ اس کا راستہ بڑے خطرناک جنگل میں سے گزرتا تھا۔ ابھی آدھا راستہ ہی طے ہوا تھا کہ ایک شیر اس مرید کے سامنے آ گیا اور اس کا راستہ روک کر غرانے لگا۔

مرید کے لیے اب صرف موت تھی اور موت بھی ایسی کہ شیر نے اسے چیر پھاڑ دینا تھا اور پھر پیٹ کی نذر کر دینا تھا۔ مرید نے ہاتھ جوڑ کر پیر کو پکارا اور کہا کہ میرے پیر کامل اگر تیرے ہاتھ میں خدائی طاقت ہے تو اس شیر سے بچا لے۔

اس وقت پیر میلوں دور اپنے گھر میں مٹی کے کوزے میں پانی ڈالے وضو کر رہا تھا۔ اسے اشارہ ملا کہ اس کا کوئی مرید آ رہا ہے اور اسے شیر نے روک لیا ہے۔ پیر نے کوزہ ہاتھ میں لے کر سر سے اوپر اٹھایا اور بڑی ہی زور سے فرش پر مارا۔ اس کوزے کا ایک ٹکڑا اُڑتا ہوا گیا اور پیشتر اس کے کہ شیر اس کے مرید پر حملہ کرتا کوزے کا یہ ٹکڑا شیر کے سر میں لگا اور شیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مرید وہاں سے چل پڑا اور پیر کے آستانے پر پہنچا۔ پیر نے اس سے پہلی بات یہ پوچھی کہ شیر گرا تھا یا نہیں؟...... مرید پیر صاحب کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا۔

اب اس کا کیا علاج کہ لوگ ان من گھڑت قصوں کو سو فیصد سچ مانتے ہیں۔ یہ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے پیروں کی ایسی ''کرامات'' سناتے ہیں تو اس میں زیب داستان کا سامان زیادہ ہوتا ہے۔ وہ جھوم جھوم کر سناتے اور ایسا تاثر پیدا کرتے ہیں کہ کمزور یقین والے متاثر ہو جاتے ہیں۔

کیا کوئی مسلمان کسی پیر کا یہ معجزہ صحیح تسلیم کر سکتا ہے کہ دریا میں سیلاب آیا ہوا ہو اور یہ دریا پیر کو اس طرح راستہ دے دے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل نے اللہ کے حکم سے اپنی روانی روک کر راستہ دے دیا تھا؟...... بختی کی ماں نے اسے اس بوڑھے پیر کا یہ ''معجزہ'' سنایا تھا۔

یہ یوں تھا کہ وہ پیر اپنے مریدوں کے کسی گاؤں گیا ہوا تھا۔ موسم برسات کا تھا اور

بارشیں بہت ہی برس رہی تھیں۔ پیر کسی مرید کے گھر میں سویا ہوا تھا، بارش بہت ہی تیز برس رہی تھی، اتنی تیز کہ مکان کی چھت گر پڑی اور پیر اس کے نیچے آ کر دب گیا اور جب ملبہ ہٹا کر اسے نکالا گیا وہ مر چکا تھا۔

اس کی لاش اگلے روز واپس اس قصبے میں لائی گئی تھی۔ لاش چارپائی پر ڈالی گئی اور مریدوں کا ایک جلوس اس کے پیچھے چل پڑا۔ سفر پیدل طے کرنا تھا۔

راستے میں ایک دریا آتا تھا جس میں اپنا زیادہ سیلاب آیا ہوا تھا کہ پل بھی ڈوب گیا تھا۔ یہ سڑک کا پل تھا۔ کوئی انسان اس پل سے گزرنے کی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

پیر کی لاش جب دریا کے قریب پہنچی تو دریا کی روانی رک گئی اور پل سے پانی اتر گیا۔ پیر کی لاش اٹھا کر لوگ چل پڑے۔ جب مریدوں کا یہ سوگوار جلوس پل سے گزر گیا تو دریا پھر چل پڑا اور پل کے اوپر سے گزرنے لگا۔ پیر کا یہ معجزہ اتنا مشہور ہوا کہ لاش کے ساتھ جو آدمی تھے انہوں نے بھی اس کی تردید نہ کی۔ اصل میں یہ ہوا ہو گا کہ سیلاب اتر رہا ہو گا اور اس کی سطح پل سے نیچے چلی گئی۔ بختی نے ہمیں بتایا کہ وہ جب پاکستان کو ہجرت کر رہی تھی اس وقت تک لوگ اس معجزے کو برحق مانتے تھے اور اس معجزے نے پیر کے مریدی کے حلقے کو اور زیادہ وسیع کر دیا تھا۔

+ + +

میں معذرت خواہ ہوں کہ پیروں کے من گھڑت معجزے سنا سنا کر بات کو طول دے رہی ہوں۔ پیر پرستی ہماری قوم کی اتنی بڑی اور اتنی زیادہ خطرناک ٹریجیڈی ہے کہ اس کے خاتمے کے لیے جتنا بھی واویلا بپا کیا جائے کم ہے...... میں اب اس کہانی کو آگے چلاتی ہوں۔

بختی کو اس کی ماں نے سنایا کہ بختی ہی کی طرح اسے بڑے اچھے اخلاق والے خاندان میں بیاہ دیا گیا ہے۔ اسے بھی پیار کرنے والا خاوند ملا اور ساس تو بہت ہی اچھی عورت تھی اور اس کوشش میں رہتی تھی کہ بختی کی ماں اپنے خاوند کے ساتھ ہنستے کھیلتے زندگی گزارے۔ خرابی صرف یہ تھی کہ وہ لوگ بری طرح پیر پرست تھے اور پورا خاندان اس پیر کا مرید تھا۔

جس طرح بختی کے ساتھ ہوا تھا بالکل اسی طرح اس کی ماں کے ساتھ ہوا۔ شادی

کے دوسال پورے ہوگئے تو سسرال میں کھسر پھسر ہونے لگی کہ ان کی بہو میں ماں بننے کی
ابھی کوئی نشانی ظاہر نہیں ہوئی۔ اس قسم کے معاملات میں ساسیں کوئی اور ہی رول ادا کیا
کرتی ہیں۔ بختی کی ماں سے ساس نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ وہ ابھی تک ماں بننے
والی نہیں ہوئی۔ بختی کی ماں نے کہا کہ اس کا خاوند جسمانی لحاظ سے بالکل ٹھیک اور صحت مند
ہے لیکن یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ کب کرم کرے گا۔

دو چار مہینے اور گزر گئے تو ساس اسے اپنے پیر کے پاس لے گئی۔ بختی کو بھی ساس ہی
پیر کے پاس لے گئی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ بختی جس پیر کے پاس گئی تھی وہ تقریباً اسی کی عمر
کا نوجوان تھا لیکن بختی کی ماں کو جس پیر کے پاس لے جایا گیا وہ بوڑھا تھا۔ وہ اس نوجوان
پیر کا باپ تھا لیکن اس نے حرکتیں وہی کیں جو نوجوان پیر نے بختی کے ساتھ کی تھیں۔ بختی کی
ماں کے ساتھ بھی ویسے ہی ہوا کہ پیر اسے اور ساس کو کمرے میں لے گیا۔ خود پلنگ پر بیٹھ
اور بختی کی ماں کو اپنے سامنے کرسی پر بٹھا لیا۔ پھر وہی حرکتیں اس بوڑھے پیر نے کیں جو بختی
کے ساتھ اس کے نوجوان بیٹے نے کی تھیں۔ اس بوڑھے پیر نے یہاں تک کیا کہ بختی کی
ماں کی قمیض سامنے سے اوپر کر کے اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور پھر ہاتھ اوپر اس کی
چھاتیوں تک لے گیا۔

بختی کی ماں جان گئی کہ یہ بوڑھا پیر اسے کس طرف لے جا رہا ہے لیکن وہاں سے
بھاگ نہیں سکتی تھی۔ بوڑھا پیر بھی آخر منجھا ہوا استاد تھا۔ بختی کی ماں کے جسم پر ہاتھ پھیر پھیر
کر اسے ذرا پیچھے کیا اور اپنے آپ پر وہی کیفیت طاری کر لی جو میں پہلے سنا چکی ہوں
آنکھیں بند کر کے کچھ بڑبڑاتا رہا۔

اس نے بھی جنات کے ساتھ کچھ باتیں کیں اور حکم دیا کہ وہ بتائیں کہ اس لڑکی کی
گود کیوں ہری نہیں ہوتی۔ پیر کچھ دیر یوں چپ رہا جیسے کسی اور طرف متوجہ ہو گیا ہو یا کچھ
بات سن رہا ہو۔ آخر اس نے وہی تشخیص کی جو اس بوڑھے پیر کے نوجوان بیٹے نے بختی کی
تھی۔ یعنی کسی دشمن یا حاسد نے بندش لگا دی ہے کہ اس لڑکی کی گود ہری نہ ہو۔

پھر پیر نے تعویذ دیئے اور کہا کہ یہ لڑکی اس کے پاس آتی رہے اور وہ پوری کوشش
کرے بندش توڑ دے گا لیکن ابھی یہ معلوم کرنا ہے کہ بندش کس قسم کی ہے۔ خاصی دیر بعد
نے انہیں چھٹی دی اور پھر بڑی بختی سے کہا کہ اس لڑکی کو لاتے رہنا ورنہ یہ بندش سار

خاندان کو پریشان کرے گی۔

بختی کی ماں بھی بختی ہی کی طرح نوجوان اور کچھ زیادہ ہی خوبصورت تھی۔ اس نے
اپنا اخلاق ایسے اونچے مقام پر رکھا ہوا تھا کہ ایک بچے کی خاطر وہ ایک ہوس کار پیر کی تفریح
کا ذریعہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے اپنے خاوند پر ہی بھروسہ تھا
کہ وہ اسے ایسی اجازت ہرگز نہیں دے گا اور غیرت پر مر مٹے گا لیکن خاوند کے ساتھ بات
کرتے ہوئے وہ جھینپ گئی۔

خاوند نے اس سے خود پوچھا تھا کہ پیر صاحب نے کیا کہا ہے۔ اس نے بتا دیا کہ
انہوں نے کیا کہا ہے اور شرماتے ہوئے بتایا کہ پیر صاحب نے اس کے منہ پر اور جسم پر
کہاں کہاں ہاتھ پھیرے تھے اور پھر انہوں نے اور کیا حرکتیں کی تھیں۔ اس کا بولنے کا
انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی اور آدمی کے متعلق بات کر رہی ہو اور وہ آدمی ایسی حرکتیں کرتا اسے
اچھا نہ لگا ہو۔ خاوند کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ یہ بیوی پیروں کو نہیں مانتی۔ اسے شک ہوا کہ وہ
پیر کو بدنام کرنا چاہتی ہے۔ خاوند نے اسے پیار پیار میں ڈانٹ دیا اور کہا کہ پیر صاحب کو
وہ عام انسانوں کی سطح پر نہ لائے۔

بختی کی ماں ان پڑھ عورت تھی اور اس کی یہی کمزوری کافی تھی کہ وہ عورت تھی اور
ایک بیوی۔ یہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ خاوند اس کے ساتھ بہت پیار کرتا تھا اس لیے وہ
خاوند کے ساتھ ذرا کھل کر بات کر لیا کرتی تھی لیکن خاوند نے پیر کے معاملے میں ایک حد
قائم کر دی جسے بختی کی ماں سمجھ گئی۔

ادھر اس کی ساس سب کو بڑی خوشی سے سنا رہی تھی کہ پیر صاحب نے کتنا وقت لگا کر
اور کتنی دلچسپی سے بہو کو دیکھا ہے اور بڑی محنت سے اصل بات معلوم کی اور بتائی ہے۔ بختی
کی ماں سن رہی تھی کہ پیر کی جن حرکتوں کو وہ بدنیتی کی حرکتیں سمجھتی تھی وہ اس کی ساس بڑے
فخر سے سب کو سنا رہی تھی۔ اس روز گھر میں محلے کی کوئی بھی عورت آئی ساس نے اسے یہ
ساری بات سنائی۔ ہر عورت نے حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ اب پیر صاحب کا دامن نہ چھوڑنا۔
ساس تو کئی بار کہہ چکی تھی کہ پیر صاحب بچہ ضرور دیں گے۔

بختی کی ماں نے جو بات بڑے دکھ سے محسوس کی وہ یہ تھی کہ یہ جتن ایک بچے کی
خاطر کیے جا رہے تھے اور ایک بچے کی بھیک مانگی جا رہی تھی لیکن کسی ایک کی بھی زبان

پر اللہ کا نام نہ آیا۔ ہر کسی کے الفاظ مختلف تھے لیکن ظاہر یہی ہوتا تھا کہ بچہ پیر ہی دے گا اور اگر بچے اللہ ہی دیتا ہے تو وہ پیر کے حکم سے دے گا۔

بختی کی ماں کو دوسرا دکھ یہ دیکھ کر ہوا کہ گھر کے مرد بھی خوش تھے کہ پیر صاحب ان کی بہو پر مہربان ہو گئے ہیں اور اس کی گود ہری کر دیں گے۔ کسی بدبخت مرد نے یہ نہ پوچھا نہ ضرورت محسوس کی کہ پیر صاحب نے اس نوجوان اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور انہوں نے کوئی نازیبا حرکت تو نہیں کی تھی، آخر پیر غیر مرد ہے۔

مختصر یہ کہ بختی کی ماں نے دیکھا کہ اگر وہ پیر کو یا پیر پرستی کو ناپسند کرتی ہے اور اگر اس بوڑھے پیر کی نیت بد کو وہ بھانپ گئی تھی تو اس معاملے میں وہ اکیلی اور تن تنہا تھی۔ اگر وہ احتجاج کرتی یا اپنی رائے ہی دے دیتی کہ اس پر پیر کی نظر اچھی نہیں تو شاید اسی بات پر اسے اطلاق دے دی جاتی۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے اور کچھ مثالیں آپ کے سامنے آتی ہوں گی کہ کوئی عام آدمی خصوصاً کوئی غریب سا آدمی اس شک میں پکڑا جائے کہ اس نے شراب پی ہے یا کوئی نشہ کیا ہے تو ہر کوئی اسے سنگسار کرنے پر اتر آتا ہے لیکن کوئی پیر مریدوں کی بھری محفل میں شراب کی پوری بوتل چڑھا جائے تو لوگ اسے شرابی نہیں کہتے بلکہ اسے ''معرفت کی شراب'' کہتے ہیں۔ کم از کم میں اس ''معرفت'' کے معنی اور اس کا مفہوم نہیں سمجھتی۔ کہا جاتا ہے کہ اس معرفت کا تعلق اللہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اللہ کی نگاہ میں یہ شراب جائز ہوتی ہے۔

ایسے ہی پیر صاحب جلال میں بلکہ ترنگ میں آ کر کسی غیر عورت یعنی مریدنی کے ساتھ نازیبا حرکتیں کرنے لگے تو یہ اس عورت کی خوش قسمتی ہوگی اور اس میں بدی کا ذرا سا بھی عنصر نہیں ہوگا۔ یہ بھی پیر صاحب ''معرفت'' کا اظہار کریں گے اور یہ ایک روحانی عمل ہوگا۔ اگر کوئی آدمی کسی عورت کو بری نظر سے دیکھ بھی لے تو بات خون خرابے تک پہنچ جاتی ہے اور غیرتیں بیدار ہو جاتی ہیں لیکن پیر کے اثرات ایسے ہیں کہ جاگی ہوئی غیرتیں بڑی میٹھی اور گہری نیند سو جاتی ہیں۔

بختی کی ماں تعلیم سے بے بہرہ تھی اور پھر اسے کسی کی بھی سپورٹ حاصل نہیں تھی۔ اس کے والدین نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ بیٹی بڑے اچھے گھر میں بیاہی گئی ہے ورنہ اس کا

باپ تو اس غم میں گھلنے لگا تھا کہ بیٹی کی شادی نہ جانے کب ہو اور اگر ہو بھی تو نہ جانے کیسے لوگ ملیں۔ اللہ نے کرم کیا، شادی بھی ہو گئی اور مخلص قسم کے لوگ مل گئے۔ بختی کے باپ کی نگاہ میں پیر پرستی کوئی خامی نہیں تھی۔ اس نے اس طرف کوئی توجہ دی ہی نہیں تھی۔

بختی کی ماں ایک سیلاب میں بہنے لگی یا ایک تنکے کی طرح آندھی میں اُڑنے اور بھٹکنے لگی۔ اس کے لیے ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ وہ اس طوفانِ بدتمیزی کو قبول کر لے اور اس کا حصہ بن جائے۔

+++

تین چار دنوں بعد ساس اسے پھر پیر کے پاس لے گئی۔ پیر نے پانی میں گھول کر پینے والے جو تعویذ دیئے تھے وہ اتنے ہی دنوں کے تھے۔ ایک تعویذ گلے میں باندھا ہوا تھا جو باندھا ہی رکھنا تھا۔ پیر اس روز بھی دونوں کو اسی کمرے میں لے گیا اور بختی کی ماں کو اپنے سامنے بٹھا کر وہی حرکتیں شروع کر دیں جو اس نے تین چار روز پہلے کی تھیں۔ اس کی یہ حرکتیں کچھ اور آگے بڑھ گئی تھیں۔ اگر کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ ایسی حرکتیں کرے تو اسے دست درازی کہا جاتا ہے لیکن وہ پیر تھا اور ساس پاس بیٹھی ہوئی تھی اس لیے وہ بوڑھا شخص ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ جو کچھ بھی کر رہا تھا وہ نہ صرف یہ کہ جائز تھا بلکہ مقدس تھا۔

بختی نے بتایا کہ اس کی ماں کی آنکھیں نشیلی اور مخموری تھیں اور بہت ہی اچھی لگتی تھیں۔ پیر نے ان آنکھوں میں جھانکا اور اپنا منہ آہستہ آہستہ آنکھوں کے قریب لے گیا حتیٰ کہ اس کے ہونٹ پہلے ایک آنکھ سے لگے پھر دوسری آنکھ سے۔ پیر اس طرح بدک کر پیچھے ہٹ گیا جیسے ان آنکھوں نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔

''بدبخت ابھی یہیں ہے''۔۔۔ پیر نے یوں کہا جیسے اپنے آپ کے ساتھ بات کی ہو۔۔۔ ''اسے جلانا پڑے گا۔۔۔۔۔۔ بڑی سخت بندش لگائی گئی ہے۔۔۔۔۔۔ خیر، سنبھال لوں گا''۔

پھر پیر نے بختی کی ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کچھ بڑبڑانے لگا۔ اس نے اپنے آپ پر مراقبے کی کیفیت طاری کر لی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ لڑکی کے ہاتھ اپنے ہاتھوں آہستہ آہستہ ملتا رہا۔

آخر پیر نے آنکھیں کھولیں اور ایک پھونک بختی کی ماں کے چہرے پر ماری پھر اس کی قمیض اوپر کر کے ایک پھونک اس کے ننگے سینے پر ماری اور تیسری پھونک اس کے سر

سے پاؤں تک ماری اور کہا مراد پوری ہو جائے گی لیکن کچھ وقت لگے گا۔

"یا دستگیر!" ___ ساس نے التجا کے لہجے میں پوچھا___ "آخر کتنا عرصہ اور لگے گا؟"

"بندش لگانے والے نے ایک مؤکل اس کے وجود میں داخل کر دیا ہے" ___ پیر نے کہا___ "اس مؤکل نے رحم کا منہ بند کر رکھا ہے۔ اسے اندر سے نکالنے کے لیے ہم بھی کوئی پختہ عمل کریں گے پھر کامیابی حاصل ہو گی اور تمہاری مراد پوری ہو جائے گی...... یہ بڑی بھاگوان اور معصوم لڑکی ہے۔ اسے جو کہیں مان لیتی ہے اور یہی اس کی خوش قسمتی کی نشانی ہے۔ تین چار دنوں بعد اسے پھر لے آنا، میں پینے کے لیے تعویذ اور دے رہا ہوں۔ یہ پانی میں ڈال دینا اور یہ پانی اسے پلاتی رہنا"۔

اب تو بختی کی ماں اور ہی پریشان ہو گئی اور سوچنے لگی کہ اس پیر سے بچنے کا کوئی طریقہ ہے بھی یا نہیں۔ اس نے اپنی ماں کے ساتھ بات کی تھی لیکن اتنی تفصیل سے نہیں کہ ماں پریشان ہو جاتی۔ اس نے زیادہ زور اس بات پر دیا تھا کہ اس کے سسرال والے بہت بری طرح پیر پرست ہیں۔ ماں نے اسے بڑی ہی سنجیدگی اور فکرمندی سے کہا تھا کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، انہیں اس نے بڑے مسئلوں جیسی شکل دے دی تو پھر سسرال میں گزارا مشکل ہو جائے گا اور ایک دن خاوند کی محبت سے بھی وہ محروم ہو جائے گی۔ ماں کا مطلب یہ تھا کہ لڑکیاں جس گھر میں دے دی جاتی ہیں انہیں اس گھر کی ہر قباحت بھی قبول کر لینی چاہئے کیونکہ زندگی وہیں گزارنی ہے۔

میں نے پہلے کہا ہے کہ بختی کی ماں اس مسئلے میں بالکل تنہا تھی اور اس کی حالت اس سپاہی جیسی تھی جو گرما گرم میدانِ جنگ میں کسی ہتھیار کے بغیر چلا گیا ہو۔

بختی کی ماں نے کم از کم یہ صورت قبول کر لی کہ عورت کو ہر حکم ماننے کے لیے پیدا کیا گیا اور اگر وہ بچہ پیدا نہیں کر سکتی تو پھر وہ دھتکار دی جائے گی۔ اس نے یہ حقیقت بھی قبول کر لی کہ اسے ایک بچہ پیدا کرنا پڑے گا۔ اس نے بختی کو یہ قصہ سناتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا کہ اس نے اس پر بھی غور کیا کہ وہ پیر کا ہی بچہ پیدا کر دے تو اس کا خاوند اور سسرال کا کوئی بھی فرد شک نہیں کرے گا بلکہ سب خوش ہوں گے کہ پیر کے تعویذ نے بچہ دے دیا ہے۔

یہی خیال دل میں رکھ کر اس نے پیر کو تصور میں دیکھا کہ اس شخص کو وہ قبول کر سکتی ہے یا نہیں۔ پیر تصور میں آیا تو بختی کی ماں کو یوں لگا جیسے کوئی میٹھی چیز کھاتے کھاتے یکلخت اس میں کڑواہٹ آ گئی ہو۔ پیر کی بظاہر صحت اچھی تھی لیکن اس کی عمر اس کے باپ سے بھی کچھ زیادہ تھی اور پھر اس کی داڑھی جس کے زیادہ تر بال سفید تھے، ایسا تاثر پیدا کرتی تھی جسے کم از کم بختی کی ماں جیسی نوجوان لڑکی قبول نہیں کر سکتی تھی۔

پھر اسے یہ خیال آ گیا کہ وہ بچہ پیدا کرنے کا کوئی ناجائز طریقہ تو تب سوچے جب اسے یقین ہو کہ اس کا خاوند بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں یا خود اس میں کوئی ایسا نقص ہے جس نے اسے بچے جیسی نعمت سے محروم کر رکھا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خاوند اور سسرال کو خوش کرنے کے لیے ایک کبیرہ گناہ کر بیٹھے اور اس سے وہ نتیجہ بھی حاصل نہ ہو جس کے لیے اس کا ذہن اس طرف آ گیا تھا۔ اس نے تو یہ بھی سوچ لیا تھا کہ بچہ پیدا کئے بغیر اس کی ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں رہ سکتی اور طلاق کا خطرہ بھی نظر آتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ اس بوڑھے پیر کا ہی بچہ پیدا کرے بلکہ اپنی پسند کے کسی جوان آدمی کے ساتھ خفیہ دوستی کر لے۔

وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی اس مسئلے میں الجھی ہوئی تھی۔ اس محلے میں تین لڑکیاں اس کی سہیلیاں تھیں جن کے ساتھ وہ راز کی ہر بات کر سکتی تھی لیکن یہ بات ایسی تھی جو وہ کسی کے بھی ساتھ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ ایک گناہ کے ارتکاب کی سوچ رہی تھی۔ اکیلے سوچتے سوچتے اس کے آنسو نکل آئے۔ عین اس وقت اس کا خاوند کمرے میں داخل ہوا۔ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ اس کے خاوند نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔

خاوند تو جیسے تڑپ ہی اٹھا ہو۔ اس نے پوچھا کہ کس روگ نے اس کے آنسو نکال دیئے ہیں۔

بختی کی ماں نے دو تین مرتبہ اپنا روگ خاوند کو بتانے کی کوشش کی تھی لیکن بات کچھ اشاروں میں کی تھی۔ خاوند نے یہ تاثر دیا تھا کہ وہ پیر کے خلاف کوئی بات نہیں سنے گا۔ یہی تو وہ بات تھی جو خاوند کو سنانا چاہتی تھی۔ اب خاوند نے پوچھا کہ اس نے کیا روگ لگا لیا ہے تو بھی اس نے اصل روگ نہ بتایا۔

"اللہ آپ کو میرے سر پر سلامت رکھے" ___ بختی کی ماں نے آنسو پونچھ کر کہا___ "آپ ہیں تو مجھے کیا روگ لگ سکتا ہے، صرف یہ سوچ پریشان کر دیتی ہے کہ مجھ میں کوئی

نقص ہوا تو پھر بچہ کس طرح پیدا ہو گا۔ قدرت نے اگر نقص پیدا کر رکھا ہے تو پیر صاحب بے چارے کیا کر لیں گے!''

بختی کی ماں نے یہ دانشمندی کی کہ خاوند سے یہ نہ کہا کہ اس میں بھی کوئی نقص ہو سکتا ہے اور وہ اپنا ڈاکٹری معائنہ کرائے۔ اس نے اپنی بات کی۔ یہ بات خاوند کو کچھ اچھی لگی۔ اس نے فوراً ہی یہ نہ کہہ دیا کہ نقص ہو بھی تو پیر صاحب بچہ پیدا کرا دیں گے۔ اس کی بجائے اس نے اس پہلو پر بات کی کہ وہ اسے شہر لے جائے گا اور میڈیکل ٹسٹ کروائے گا۔ بختی کی ماں کو اطمینان ہو گیا کہ اس کا خاوند اس طرف آیا تو ہے۔ وہ اپنا ٹسٹ کروائے گی تو خاوند سے کہے گی کہ وہ اپنا بھی ٹسٹ کروائے۔ خاوند کوئی اَن پڑھ آدمی نہیں تھا، دس جماعتیں پاس تھا جو اس دور میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی تعلیم سمجھی جاتی تھی۔ ایک سرکاری محکمے میں ملازم بھی تھا۔ اتنی سی بات تو سمجھتا تھا کہ بچہ نہ ہونے کی صورت میں ٹسٹ کروائے جاتے ہیں۔ ایک مشکل ضرور تھی کہ اس قصبے میں اس قسم کے ٹسٹ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

خاوند نے کہا کہ تین چار دنوں بعد وہ اسے شہر لے جائے گا۔ اس نے بتایا کہ کچھ ہی دن پہلے کسی نے بتایا تھا کہ ہوشیار پور میں حال ہی میں ایک ہندو ڈاکٹر نے ان ٹسٹوں کا انتظام کیا ہے۔

اتنے میں پیر کے ہاں تیسری بار جانے کا دن آ گیا۔ ساس اسے پیر کے پاس لے گئی اور پہلی بار یوں ہوا کہ ساس باہر بیٹھی رہی اور پیر بختی کی ماں کو اکیلے اندر لے گیا۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ ساس خود ہی باہر رہی تھی یا پیر نے اسے اشارہ کر دیا تھا کہ وہ باہر ہی انتظار کرے۔ بختی کی ماں کو یہی شک تھا۔

بختی کی ماں نے بختی کو سنایا کہ اس روز پیر نے اس کی آبرو ریزی تو نہ کی لیکن حرکتیں ایسی بیہودہ اور شرمناک کیں کہ اسے ہر لمحہ یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ آج یہ پیر اس کی عصمت داغدار کر کے ہی رہے گا۔ بختی کی ماں نے بتایا کہ ان عریاں حرکتوں کے ساتھ ساتھ وہ ذرا اونچی آواز میں قرآن کی آیات کا ورد بھی کئے جا رہا تھا۔ کوئی نئی حرکت کرنے سے پہلے وہ بسم اللہ شریف پڑھتا تھا۔ بختی کی ماں اس قدر مجبور اور بے بس تھی کہ بھاگ بھی نہیں سکتی تھی اور ٹھہر بھی نہیں سکتی تھی۔ پیر نے یہ تو دیکھ ہی لیا تھا کہ اس لڑکی کا پورا خاندان اس کا مرید

ہے اور اس خاندان کو اس پر اعتماد بھی ہے۔

بختی کی ماں نے اس وقت اللہ کا شکر ادا کیا جب پیر نے اسے جانے کی اجازت دی۔ اب اس نے یقین دلایا کہ بچہ ضرور پیدا ہو گا لیکن مؤکل ابھی اس کے وجود سے نکلا نہیں، بہت جلدی اسے بھی نکال دیا جائے گا۔ پیر نے یہ خوشخبری سنائی کہ مؤکل کو اتنا کمزور کر دیا گیا ہے کہ اس نے رحم میں جو رکاوٹ پیدا کر رکھی تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ ساس کو اندر بلا کر پیر نے اسے بھی یہی خوشخبری سنائی۔

بختی کی ماں نے بتایا کہ عجیب بات یہ ہوئی کہ وہ اس روز پیر کی اتنی بیہودہ حرکتوں کے باوجود اتنی پریشان نہ ہوئی جتنی پہلے دو مرتبہ ہوئی تھی۔ اسے کچھ ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کا ذہن پیر کی خباثت کو قبول کر رہا ہو۔ یہ شاید بختی کی ماں کی مجبوری اور کسمپرسی کی انتہا تھی جہاں پہنچ کر انسان ہتھیار ڈال دیا کرتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ بختی اور اس کی ماں نے برین واشنگ کی اصطلاح کبھی سنی ہی نہ ہو گی۔ وہ اس نفسیاتی عمل سے بالکل ہی بے خبر تھی کہ بعض حالات میں انسان دانستہ طور پر یا لاشعوری طور پر کسی ماحول کے اثرات قبول کرتا جاتا ہے اور اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ اسی ماحول کا ایک حصہ بن گیا ہے یا یوں کہیں کہ اس ماحول میں جسے وہ سخت ناپسند کرتا تھا تحلیل ہو کر اپنی ذات اور شخصیت کھو بیٹھا ہے۔

آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ اپنے کمرے میں کوئی بدبو چھوڑ دیں۔ کچھ دنوں تک آپ یہ بدبو محسوس کرتے رہیں گے۔ اسے کمرے سے ختم کرنے کے لیے کچھ بھی نہ کریں۔ آہستہ آہستہ آپ اس مقام تک پہنچ جائیں گے جہاں آپ یقین کے ساتھ کہیں گے کہ بدبو ختم ہو گئی ہے۔ دراصل بدبو ختم نہیں ہو گی بلکہ آپ کے ذہن میں رچ بس جائے گی اور آپ کا ذہن اسے ایک معمول کے مطابق قبول کر لے گا۔ کچھ ایسا ہی بختی کی ماں کے ساتھ ہوا۔

+++

خاوند اسے ٹسٹ کے لیے ہوشیار پور لے گیا۔ اس نے غالباً سوچا ہو گا کہ نقص اسی میں ہے اور جب ڈاکٹر یہی بات کہہ دے گا تو خاوند سب کو بتا سکے گا کہ وہ خود بالکل ٹھیک ہے لیکن ڈاکٹر نے اور اس کے ساتھ جو ایک لیڈی ڈاکٹر تھی، اس نے بھی رپورٹ دے دی کہ یہ لڑکی بالکل ٹھیک ہے اور اولاد پیدا کر سکتی ہے۔

خاوند کو خوش ہونے کی بجائے افسوس ہونے لگا کہ ٹسٹ کا رزلٹ اس کی توقع کے خلاف آیا ہے۔ اس نے ایسا نہ کیا کہ کہتا کہ چلو کسی اور ڈاکٹر سے ٹسٹ کروا لیتے ہیں۔ اس نے اسی ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر کی رپورٹ صحیح مان لی۔ اس نے واپسی پر بختی کی ماں سے منت سماجت کے لہجے میں کہا کہ کسی کو یہ نہ بتائے کہ وہ بالکل ٹھیک ہے بلکہ یہ بھی نہیں بتانا کہ وہ ہوشیار پور کیوں گئے تھے۔ وہ جب گھر سے چلے تھے تو یہ کہہ کر چلے تھے کہ ویسے ہی سیر سپاٹے کے لیے جا رہے ہیں۔

بختی کی ماں نے اسے کہا کہ وہ بھی احتیاطاً اپنا ٹسٹ کروالے۔ ہوسکتا ہے کوئی معمولی سا نقص ہو جو دوائیوں سے ٹھیک ہو جائے گا۔

''کیا میں تمہیں کمزور لگتا ہوں؟''۔۔۔ خاوند نے کہا۔۔۔ ''دو سال سے اوپر عرصہ گزر گیا ہے، کیا تم نے کبھی محسوس کیا ہے کہ میں شادی کے قابل تھا ہی نہیں؟''

بختی کی ماں اس کے سوا کوئی جواب نہ دے سکی کہ خاوند ہر لحاظ سے اس کے قابل اور بالکل تندرست ہے۔ بختی کی ماں کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ بیوی کے قابل ہونا اور بات ہے اور اولاد پیدا کرنا بالکل مختلف بات ہے۔ اس کا انحصار جرثوموں پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو اولاد نہیں ہوسکتی۔ بعض ایسے مرد ہوتے ہیں جو ہر لحاظ سے صحیح ہوتے ہیں لیکن ان میں اولاد پیدا کرنے والی قدرتی صلاحیت نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے اس خاوند کو بھی معلوم نہ ہو۔ یہ اس دور کی بات ہے جب اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی ڈاکٹری کی معمولی معمولی باتوں سے واقف نہیں ہوا کرتے تھے۔

اپنی چار دیواری کی دنیا میں دیکھا گیا کہ خاوند عموماً اپنا ٹسٹ نہیں کرواتے بلکہ ٹسٹ کروانا اپنی توہین سمجھتے ہیں جیسے ان کی مردانگی پر شک کیا جا رہا ہو۔ یہ خاوند اتنے ڈھیٹ ہوتے ہیں کہ بے اولاد رہنا قبول کر لیتے ہیں اپنا ٹسٹ نہیں کرواتے۔ وہ اپنی بیویوں کا صرف یہ سرٹیفکیٹ کافی سمجھتے ہیں کہ وہ ہر لحاظ سے یعنی جسمانی تسکین کے لیے بالکل صحیح ہیں۔

بختی کی ماں تو بجھ کے رہ گئی۔ اتنی سی خوشی اسے ضرور ہوئی کہ وہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس میں کوئی معمولی سا نقص بھی نہیں لیکن خاوند نے اپنا ملبہ اس پر ڈال دیا۔ اس نوعمر بیوی نے اسے یہ بھی کہا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر اپنا ٹسٹ کروالے اور اگر

اس میں نقص نکلا تو وہ کسی کے ساتھ ذکر نہیں کرے گی لیکن خاوند نے اس کی کوئی ایک بھی دلیل نہ مانی۔

''تم پیر کے پاس جاتی رہو''۔۔۔ خاوند نے کہا۔۔۔ ''پیر صاحب نے ٹھیک کہا ہے کہ تم پر بندش لگی ہوئی ہے۔ غور کرو کہ تم بھی ٹھیک ہو اور میں بھی ٹھیک ہوں پھر بھی بچی بچہ نہیں ہو رہا۔ یہ کسی دشمن نے بندش لگوائی ہے۔ پیر صاحب کبھی رات کو بلالیں تو بھی چلی جایا کرو''۔

بختی کی ماں کو یوں محسوس ہوا جیسے خاوند نے اسے یہ اجازت دے دی ہو کہ پیر صاحب جو کچھ بھی کریں انہیں کرنے دو اور اپنا آپ ان کے حوالے کر دو۔

دو دنوں بعد بختی کی ماں کو پیر صاحب کے ہاں جانا تھا۔ اس روز بجائے اس کے کہ ساس اسے کہتی کہ چلو چلیں، اس نے ساس سے چلنے کو کہا۔ ساس نے اسے بتایا کہ پیر صاحب نے کہا تھا کہ بہو کو اب اکیلے بھیج دیا کرو، تمہاری کوئی ضرورت نہیں، یہ کوئی بچی تو نہیں کہ اکیلے آنے سے ڈر لگے گا...... بختی کی ماں نے کچھ بھی نہ کہا اور اکیلی چل پڑی۔

وہ جب مریدوں اور ملاقاتیوں والے کمرے میں داخل ہوئی تو پیر صاحب حسب معمول سامنے بیٹھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی پیر نے بختی کی ماں کو اشارہ کیا کہ کمرے میں چلی جائے۔ وہ اس کمرے میں چلی گئی اور کھڑی رہی۔ ذرا ہی دیر بعد پیر کمرے میں داخل ہوا اور پہلی بار اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے زنجیر چڑھا لی۔

بختی کی ماں کو توقع تھی کہ پہلے کی طرح پیر پلنگ پر بیٹھے گا اور اسے اپنے سامنے کرسی پر بٹھالے گا لیکن پیر نے بختی کی ماں کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر پلنگ پر بٹھا لیا۔ پھر وہ خود ٹانگیں پلنگ پر کر کے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور بختی کی ماں کو اسی طرح اپنے سامنے بٹھا لیا۔

پہلے کی طرح اس نے بختی کی ماں کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر کچھ پڑھ کر پھونکا اور پھر اپنے آپ پر مراقبہ طاری کر لیا۔ بختی کی ماں اسے دیکھتی رہی۔

دیکھتے ہی دیکھتے پیر کا جسم آہستہ آہستہ تھرکنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور اس کے ہونٹ یوں ہل رہے تھے جیسے کوئی ورد کر رہا ہو۔ ایک بار اس نے اپنے آپ سے باتیں کرنے کے انداز سے کہا۔۔۔ ''آج تجھے نکال کر ہی دم لوں گا''۔۔۔ اس کا جسم پہلے سے

زیادہ تھرکنے لگا اور اس کے ہاتھ ذرا اوپر اٹھے اور بختی کی ماں کے کندھوں پر چلے گئے۔

بختی نے ہمیں یہ بات سناتے ہوئے کہا کہ ماں نے اسے سنایا تھا کہ پیر کی ایکٹنگ تھی یا جو کچھ بھی تھا، اس سے وہ کچھ ڈری بھی اور کچھ متاثر بھی ہوئی۔ پیر نے اچانک اس کے کندھوں سے اپنے ہاتھ ہٹا کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اپنی طرف کھینچ کر اسے بڑی زور سے بھینچا۔ اس کے ساتھ وہ ذرا بلند آواز سے کچھ پڑھ رہا تھا اور دو تین مرتبہ اس نے کہا کہ آج تُو رہے گا یا میں۔ بختی کی ماں کی حالت یہ تھی کہ وہ مزاحمت بھی نہیں کر رہی تھی اور کچھ سوچ بھی نہیں رہی تھی۔ اس پر خود سپردگی کی سی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ پیر غالباً یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس مؤکل سے دھینگا مشتی کر رہا ہے جو اس کی تشخیص کے مطابق بختی کی ماں کے وجود میں داخل ہو گیا تھا۔

ہو سکتا ہے یہ پیر ہپناٹزم کا عمل کر رہا ہو، بختی کی ماں کو ایسے لگا کہ اب اسے اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں اور اپنے دماغ پر بھی اس کا کنٹرول نہیں رہا اور اب اسے وہی کرنا چاہئے جو پیر چاہے گا۔

اس روز تو وہ نہ ہوا جو پیر چاہتا تھا، اس نے بختی کی ماں کو اپنے بازوؤں میں لے کر بڑی زور زور سے دائیں بائیں جھنجوڑا اور ایک بار اسے پیٹھ کے بل پلنگ پر گرا کر اس کے اوپر یوں چڑھ بیٹھا جس طرح پہلوان کشتی لڑا کرتے ہیں۔ فوراً ہی ہٹ کر اسے اٹھایا اور پھر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ پھر پیر نے بختی کی ماں کو پلنگ سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔

اب وہ نارمل حالت میں آ گیا تھا۔

''گھبرانا نہیں!'' ـــ پیر نے اسے کہا۔ ـــ ''میں نے تمہیں بہت تکلف دی ہے لیکن اسے سمجھنے کی کوشش کرنا۔ ایسے شیطان جنات آسانی سے نکلا نہیں کرتے ...... پرسوں اسی وقت آ جانا''۔

''یا سرکار!'' ـــ بختی کی ماں نے پیر سے پوچھا ـــ ''میری ساس اور میرا خاوند مجھ سے پوچھیں گے کہ آج سرکار نے کیا کیا ہے تو کیا میں انہیں یہ سب بتا دوں؟''

''ضرور بتانا!'' ـــ پیر نے پُرجوش آواز میں کہا ـــ ''میں اس عمل کے دوران مرد نہیں تھا اور تمہیں عورت نہیں سمجھا تھا۔ میری روح اس ابلیس سے لڑ رہی تھی جو دشمنوں نے تمہارے اندر بٹھا دیا ہے...... انہیں نہیں بتاؤ گی تو اور زیادہ اچھا ہو گا۔ کبھی ایسا ہو جاتا ہے

کہ اس کمرے کی بات باہر کسی کے ساتھ کرو تو میرے روحانی عمل کا اثر زائل ہو جاتا ہے''۔

پیر نے بختی کی ماں کو تسلی دلاسا دے کر رخصت کر دیا۔

تین روز بعد وہ پھر اکیلی پیر کے ہاں گئی۔ پیر اسے اسی کمرے میں لے گیا، دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھائی اور بختی کی ماں کو پلنگ پر بٹھا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ پہلے وہی حرکتیں کیں جو پچھلی ملاقات میں کی تھیں لیکن اب ان میں وہ شدت نہیں تھی۔ اب پیر کی سانسیں اکھڑی ہوئی تھیں اور کبھی تو لگتا تھا جیسے وہ پھنکار رہا ہو۔ مجھے تو شک ہے کہ پیر بختی کی ماں کو ہپناٹائز کر لیا کرتا تھا۔ یا کچھ بھی تھا ہوا یہ کہ بختی کی ماں بے حس ہو گئی اور پیر کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گئی اور اس طرح اس روز وہ بھی ہو گیا جو پیر چاہتا تھا اور جس سے بختی کی ماں بچنے کی بڑی ہی ناکام کوششیں کرتی رہی تھی۔ اس پیر نے بختی کے سسرال سے نقدی، کپڑوں اور دیگر تحفوں کی صورت میں بہت کچھ وصول کر لیا تھا لیکن بختی کی ماں سے وہ قیمت وصول کر لی جس پر بختی کی ماں کو ہمیشہ ناز رہا تھا اور ہر با اخلاق عورت کو ناز ہوتا ہے۔

بختی کی ماں جب پیر کے گھر سے اپنے گھر کو واپس آ رہی تھی تو اسے یوں لگا جیسے اس کی شناخت مشکوک ہو گئی ہو۔ وہ یوں محسوس کرنے لگی کہ اس کا جو وجود اپنے گھر کو چلا جا رہا ہے یہ دراصل اس کا نہیں۔ وجود کسی اور کا ہے اور خود کوئی اور ہے۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو ساس نے بے تابی سے اس کا استقبال کیا اور پوچھا آج کیا ہوا ہے۔

''آج سب کچھ ہو گیا ہے خالہ!'' ـــ بختی کی ماں نے سپاٹ سے لہجے میں کہا ـــ ''پیر صاحب نے کہا ہے کہ تین چار مرتبہ یہی عمل ہو گا اور پھر ہماری جھولی بھر جائے گی''۔

ساس اور نندیں خوش ہو گئیں مگر اس طنز کے زہر کو محسوس نہ کر سکیں جو بختی کی ماں کے الفاظ میں لپٹا ہوا تھا۔

شام کو اس کا خاوند آیا تو اس نے بھی اس سے یہی سوال کیا کہ آج پیر صاحب نے کیا کیا ہے۔ بختی کی ماں کے ہونٹوں پر آ گئی تھی کہ وہ سب کچھ خاوند کو سنا دے اور صاف الفاظ میں کہے کہ اب دیکھتے ہیں کہ خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل ہے یا پیر لیکن اس نے ہونٹ بھینچ لئے کہ ایسی بات زبان پر نہ آ جائے۔

بختی کی ماں کے تو زمین و آسمان تہہ و بالا ہو گئے تھے لیکن پیر کے لیے یہ ایک معمول

تھا۔ اس کے مریدی کے وسیع حلقے میں اسی جیسی نئی نویلی دلہنوں کی کمی نہیں تھی جنہیں ساس اور خاوند خود پیر کے ہاں بھیجا کرتے تھے۔

ایسی ساسیں اور ایسے خاوند آج بھی موجود ہیں۔ ان میں اضافہ ہوا ہوگا، کمی نہیں آئی۔ یہ لوگ اپنی جوان بہو بیٹیوں کو اپنے پیر کے پاس بھیج کر اپنے آپ پر یہ خود فریبی طاری کرلیا کرتے ہیں کہ ان کے پیر صاحب اللہ کے ایلچی ہیں اور ان کی مرادیں اللہ سے پوری کرواتے ہیں۔ میں نے خود دو تعلیم یافتہ حضرات اور تین تعلیم یافتہ خواتین کی زبانی یہ فلسفہ سنا ہے کہ خدا تک رسائی کسی وسیلے سے ہی ہوسکتی ہے اور وسیلہ صرف پیر ہوتا ہے۔

+++

''میری عزیز بہنو!'' ۔۔۔ بختی نے یہ داستان سناتے ہوئے کہا ۔۔۔ ''میں نے ماں کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں نے اپنے آپ میں لرزہ محسوس کیا جو کچھ دیر بڑھتا ہی رہا اور بڑی مشکل سے میں نے اپنے آپ پر قابو پایا۔ ماں نے ٹھیک کہا تھا کہ ماں بیٹی ایک ہی جیسی قسمت لے کر آئی ہیں۔ میں تو ماں سے یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس نوجوان پیر سے اپنے آپ کو کس طرح بچاؤں لیکن ماں کو ایسا تجربہ ہوا تھا جس سے میں بہت ہی خائف تھی''۔

بختی نے اپنی ماں کی آپ بیتی سناتے ہوئے بات آگے چلائی کہ اس کی ماں تین چار مرتبہ پھر پیر کے ہاں گئی۔ اب وہ پیر کی عارضی داشتہ تھی۔ پیر نے اس کی جلدی چھٹی کرادی جس کی وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ پیر کو اس جیسی کوئی اور مل گئی ہوگی۔

بختی کی ماں میں جب ماں بننے کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اس کے سسرال میں خوشیاں منائی گئیں۔ ان کی مراد پوری ہورہی تھی۔ خاوند بھی خوش تھا اور اس نے پہلی بات بختی کی ماں سے یہ کہی کہ دیکھا نا، میں نہ کہتا تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ سب بندش کے اثرات تھے۔ بختی کی ماں کے دل میں آئی کہ وہ اسے ابھی بتادے کہ وہ اب بھی اسے ماں بنانے کے قابل نہیں اور اس کی یہ مراد پیر نے خود پوری کی ہے۔ بختی کی ماں نے سوچا کہ یہ راز کسی اگلے مرحلے اور موقعے پر فاش کرے گی۔

پھر وہ دن آیا جب بختی کی ماں نے ایک بیٹی کو جنم دیا۔ دائی کے منہ سے بیٹی کا لفظ سن کر سسرال پر مایوسی طاری ہوگئی لیکن سسر نے یہ کہہ کر گھر کے ماحول پر چھائی ہوئی مایوسی

صاف کرڈالی کہ یہ بچی ہمارے لیے مبارک شگون ہے۔ یہ پیر صاحب کی کرامت ہے، اب اللہ بیٹے بھی دے گا۔ شکر ادا کرو کہ بندش ٹوٹ گئی ہے۔

''بختی بیٹی!'' ۔۔۔ ماں نے اسے اپنی زندگی کا یہ واقعہ سناتے ہوئے کہا ۔۔۔ ''یہ بچی تم تھیں۔ تم اس بوڑھے پیر کی بیٹی ہو۔ وہ مرگیا ہے اور اس کا یہ نوجوان بیٹا اس کی جگہ گدی نشین ہوگیا ہے''۔

ماں کا یہ انکشاف بختی پر بم کی طرح گرا۔ ایسا زوردار دھماکہ کہ بختی کی ذات اور وجود کے پرخچے اُڑ گئے۔ کچھ دیر تو وہ اپنی ماں کے منہ کی طرف دیکھتی رہی جیسے اسے توقع ہو کہ ماں ابھی ہنس پڑے گی اور کہے گی کہ اس نے یہ بات مذاق میں کہی ہے، لیکن ماں کے آنسو بہے جارہے تھے۔ یہ مذاق نہیں بلکہ اس کی زندگی کی ایک بڑی تلخ اور روح کُش حقیقت تھی۔

''اور بختی بیٹی!'' ۔۔۔ ماں نے کہا ۔۔۔ ''یہی وجہ ہے کہ تمہارے باپ نے تمہارے ساتھ کبھی پیار نہیں کیا تھا''۔

''کیا انہیں معلوم ہوگیا تھا؟'' ۔۔۔ بختی نے ماں سے پوچھا ۔۔۔ ''انہیں کس طرح پتہ چلا تھا؟''

ماں نے بختی کو اس سوال کا تفصیلی جواب دیا۔ یہ تو مسلمانوں کی روایت ہے کہ گھر میں بچی کی پیدائش پر خوشی نہیں منائی جاتی۔ بعض گھروں میں تو باقاعدہ ماتم کی فضا بن جاتی ہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ کسی گھر میں بچی پیدا ہو تو عورتیں وہاں جاتی ہیں اور بعض عورتیں یہ الفاظ ازراہِ افسوس کہتی ہیں ۔۔۔ ''اللہ کو یہی منظور تھا''۔

لڑکی کی پیدائش کے معاملے میں ہمارا آج بھی رویہ اور ہماری ذہنیت طلوعِ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت کے عربوں جیسی ہے۔ اس زمانے میں لوگ بیٹی کو زندہ دفن کردیا کرتے تھے۔ آج کل یہ ظلم تو نہیں ہوتا لیکن اکثر گھرانوں میں بچیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے وہ دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ آج کل لڑکیوں پر زیادہ ظلم ہوتا ہے۔ لڑکی کو ہر وقت یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ ماں باپ پر ایک بوجھ ہے اور اسے پرائے گھر جانا ہے۔ اکثر گھرانوں میں لڑکیوں کی جو روزمرہ ضروریات پوری کی جاتی ہیں وہ ایک احسان کے طور پر کی جاتی ہیں۔ ان کے سامنے بیٹوں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک ہوتا ہے۔ بعض گھروں

میں بیٹیوں کو غذا بھی کم دی جاتی ہے کہ انہیں تو پرائے گھر جانا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ لڑکی کو وہ عرب زندہ درگور کر دیتے تھے؟

ماں نے بختی کو بتایا کہ اس کی پیدائش پر صرف اس وجہ سے خوشی منائی گئی کہ بندش ٹوٹ گئی ہے اور بختی کی ماں کا خاوند اس وجہ سے خوش تھا کہ وہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی مردانگی کی نمائش اور فخریہ ذکر شروع کر دیا تھا۔ ہر روز موقع بے موقع ایک آدھ بار بختی کی ماں سے یہ الفاظ کہتا تھا۔۔۔۔ ''دیکھا نا، میں کہتا نہ تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں!''۔۔۔۔ اس وقت وہ بچی کو اٹھا کر پیار بھی کیا کرتا تھا۔

بختی کی ساس اور نندیں اچھی عورتیں تھیں لیکن بچی کی پیدائش کے بعد انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ بندش تو لگی ہوئی تھی لیکن بختی کی ماں میں کوئی نقص تھا جو پیر صاحب نے ٹھیک کر دیا ہے۔ بختی کی ماں کے متعلق یہ بات سارے قصبے میں مشہور گئی اور پیر کے مریدوں نے اسے پیر کی تشہیر کا ذریعہ بنا لیا۔

بختی کی ماں کی سہیلیوں نے اسے بتایا کہ اس کے متعلق مشہور ہو گیا ہے کہ اس لڑکی میں کوئی ایسا اندرونی نقص تھا جس سے اولاد ہو ہی نہیں سکتی تھی، یہ پیر صاحب کا کرشمہ اور ان کی کرامت ہے کہ انہوں نے یہ نقص رفع کر دیا ہے۔

بختی کی ماں یہ باتیں سنتی تو جل بھن کر رہ جاتی اور اس کے جی میں آتی کہ صحن میں کھڑے ہو کر اعلان کر دے کہ اصل نقص اس کے خاوند میں ہے اور یہ بچی تمہارے پیر کی ہے۔ ایک دو مرتبہ اس نے سوچا کہ اپنی رازدان سہیلیوں کو ہی بتا دے لیکن اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ پھر بھی وہ محسوس کر رہی تھی کہ اسے اصل حقیقت سے ایک نہ ایک دن پردہ اٹھانا پڑے گا۔ اس کے ضمیر پر اور اس کی روح پر یہ چوٹ کوئی معمولی ضرب نہیں تھی۔ اس سے ایک کبیرہ گناہ کروایا گیا تھا۔ اس کے اپنے خاوند اور خاوند کے لواحقین نے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ یہ گناہ کر گزرے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اپنی عقل پر پردہ ڈال لیا اور آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔

اس کی آبروریزی ہوئی تھی۔ اس کے اس زخم پر نمک پاشی یوں ہوئی تھی کہ جس نے اس کی آبروریزی کی تھی اس کی لوگ بھی اور اس کے سسرال والے بھی پرستش کرتے تھے۔ پھر یہ بھی ایک اذیت تھی کہ بختی کی ماں حرام کی بچی کی پرورش کر رہی تھی۔ چونکہ وہ ماں تھی

اور اس بچی نے اسی کی کوکھ سے جنم لیا تھا اس لیے وہ بچی سے دستبردار نہیں ہو سکتی تھی۔ صرف یہ مامتا تھی جو اسے کچھ تسکین دیتی تھی۔

+++

بچی یعنی بختی کی عمر تین مہینوں سے اوپر ہو گئی۔ ایک روز بختی کی ماں کی ساس ان کے کمرے میں آن بیٹھی۔ خاوند بھی وہیں تھا۔ ساس نے کہا کہ وہ آج پیر صاحب کے سلام کو گئی تھی اور پیر صاحب نے کہا ہے کہ بہو کو بھیجو۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے عمل سے تو بندش دور ہوئی تھی، اب وہ ایک اور عمل کرنا چاہتے ہیں جس سے لازماً بیٹا پیدا ہو گا۔

''ہاں ہاں!''۔۔۔۔ خاوند نے بختی کی ماں سے کہا۔۔۔۔ ''تم کل صبح صبح ہی پیر صاحب کے سلام کو چلی جانا۔ بیٹا پیدا ہونا چاہئے''۔

بختی کی ماں بڑا ہی کڑوا گھونٹ نگل کر رہ گئی۔ اس کے تن بدن کو جیسے آگ لگ گئی ہو۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ اچھا ہوا ساس جلدی کمرے سے نکل گئی ورنہ اس روز کوئی ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔

ساس کے جانے کے بعد بختی کی ماں کے خاوند نے کچھ ایسی باتیں شروع کر دیں اور ایسے انداز سے بولنے لگا جیسے بختی کی ماں کمزور سی ایک عورت ہو اور وہ اس کی زرخرید لونڈی ہو اور خاوند اس دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور انسان ہو۔ اس نے یہ الفاظ بھی کہہ ڈالے کہ پیر صاحب کی دعا لینا ضروری ہے، میں نے جہاں ایک بچی پیدا کی ہے وہاں ایک لڑکا بھی پیدا کر سکتا ہوں۔

''نہ آپ نے بچی پیدا کی ہے نہ آپ بیٹا پیدا کر سکتے ہیں''۔۔۔۔ بختی کی ماں نے بے قابو ہو کر کہہ دیا۔۔۔۔ ''نہ ہی یہ بچی پیر کی دعاؤں سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ بچی ہے ہی آپ کے پیر کی''۔

''کیا بک رہی ہو؟''۔۔۔۔ خاوند نے رعب سے نہیں دبی دبی زبان سے کہا۔

''میں اپنے سینے میں ایک آگ روکے ہوئے ہوں''۔۔۔۔ بختی کی ماں نے کہا اور اس کے آنسو بہہ نکلے۔ کہنے لگی۔۔۔۔ ''بہت کوشش کی ہے کہ اس آگ میں اکیلی ہی جلتی رہوں لیکن آپ نے اور آپ کے گھر کے لوگوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ یہ شعلے اگل دوں۔۔۔۔ میری بات تحمل سے سنیں''۔

خاوند کی تو جیسے زبان ہی اکڑ گئی ہو۔ حیرت اور جذباتی دھچکے سے اس کی آنکھیں کھلیں اور کھلی ہی رہ گئیں۔ میاں بیوی آپس میں کبھی نہیں لڑے تھے۔ ان میں دلی پیار تھا۔ بختی کی ماں نے کبھی ایسی بات منہ سے نہیں نکالی تھی۔ خاوند جان گیا کہ کوئی بات ضرور ہے ورنہ یہ یوں پھٹ کر نہ بولتی۔ اس نے بڑی آہستہ سے بختی کی ماں سے کہا کہ آرام اور اطمینان سے سنائے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور یہ کیا معاملہ ہے۔

بختی کی ماں نے سب پردے اٹھا دیئے۔ کوئی ایک بھی بات نہ چھپائی۔ اس کے انداز اور لب و لہجے میں غصے کا شائبہ تک نہ تھا۔ ایسا تاثر تھا جو خاوند کو مجبور اور بے بس کرتا جا رہا تھا۔

اقبال نے کہا تھا، بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سینے کے اندر سے نکلی ہوئی بات اپنا تاثر پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بختی کی ماں نے جو زخم کھائے تھے اور جو چوٹیں سہی تھیں ان کی ٹیسوں کو وہ سینے کے اندر دباتی رہی تھی۔ اب جو سینے سے ابال نکلنے لگا تو اس کا خاوند ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ اگر اس گناہ میں جس کا وہ شکار ہوئی تھی، بختی کی ماں بہ رضا و رغبت شامل ہوتی تو پھر اس کی آواز میں اور اس کے انداز میں ذرا سا بھی تاثر نہ ہوتا، اس کی آواز کھوکھلی اور بے جان ہوتی۔

خاوند پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ اس نے ایک بار بھی نہ کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس نے بختی کی ماں کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

"میں اب اس پیر کے گھر نہیں جاؤں گی"۔۔۔ بختی کی ماں نے کہا۔۔۔ "مجھے ب نہیں چاہیے۔ مجھے اگر بیٹا چاہیے تو وہ آپ کا بیٹا چاہیے۔ اگر آپ اس قابل نہیں تو مجھے کو گلہ اور کوئی شکوہ نہیں۔ یہ اللہ اور اس کی قدرت کی باتیں ہیں اور میں اسے دل و جان سے قبول کرتی ہوں"۔

"اب میری سنو"۔۔۔ خاوند نے ہاری ہوئی سی آواز میں کہا۔۔۔ "تم اب ا پیر کے گھر نہیں جاؤ گی۔ میں نے اللہ کے نام پر اس شیطان پر لعنت بھیجی۔ میری ماں یا کو بھی تمہیں ساتھ لے جانا چاہے گا تو میں روک لوں گا لیکن ایک خیال رکھنا"۔۔۔ خاوند نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔۔۔ "میرا پردہ رکھنا۔ کسی کو پتہ نہ چلے کہ یہ بچی میری نہیں"۔

بختی کی ماں نے قرآن کی قسم کھا کر کہا کہ وہ اسے کم از کم اس معاملے میں بدنام نہ

ہونے دے گی۔ اس نے بختی کو یہ بات سناتے ہوئے کہا کہ وہ حیران تھی کہ یہ شخص خاوند ہوتے ہوئے جھک گیا تھا ورنہ خاوند اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے نہیں جھکا کرتے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ بختی کو اس لیے یہ راز دے رہی ہے کہ اس کی اپنی بیٹی ایک پیر کی زد میں آ گئی ہے۔ جسے خبردار کرنا ضروری ہے۔ اس نے بختی سے وعدہ لیا کہ وہ یہ راز کسی کو نہیں دے گی۔

"میری بہنو!"۔۔۔ بختی نے ہمیں یہ واقعہ سناتے ہوئے کہا۔۔۔ "ان میں سے آج کوئی بھی دنیا میں موجود نہیں اس لیے میں یہ راز فاش کر رہی ہوں ورنہ کبھی زبان پر نہ لاتی...... ماں نے مجھے یہ بات سنائی تو میں سمجھ گئی کہ باپ مجھ سے پیار کیوں نہیں کرتا تھا۔ وہ میرا باپ تھا ہی نہیں"۔

ماں نے بختی کو خاص طور پر بتایا تھا کہ یہ راز کھلنے سے پہلے اس کا خاوند بچی سے بہت پیار کرتا تھا لیکن راز کھلا تو اس نے بختی کو ہاتھ لگانا بھی چھوڑ دیا۔ یہ اس کے کردار کی بلندی تھی اور بختی کی ماں سے محبت ہی اتنی زیادہ تھی کہ اس نے بختی کی ہر ضرورت اور ہر فرمائش پوری کی۔

+++

اگلے روز خاوند دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ اس کی ماں آ گئی اور بختی کی ماں سے کہا چلو پیر صاحب کے ہاں چلیں۔ بیٹے نے کہا یہ آج نہیں جائے گی اور شاید کبھی بھی نہ جائے۔ ماں نے حیرت زدگی کے عالم میں بیٹے کی طرف دیکھا۔ بیٹے نے پھر کہا کہ یہ نہیں جائے گی۔

"یہ بات بڑی لمبی ہے"۔۔۔ بختی نے ہمیں اپنی داستانِ حیات سناتے ہوئے کہا۔۔۔ "ماں نے مجھے پوری بات سنائی تھی کہ اس کی ساس، سسر، نندیں وغیرہ میری ماں اور اس کے خاوند سے ایسی ناراض ہوئیں جیسے خونی دشمنی پیدا ہو گئی ہو۔ میری ماں کے ساتھ ساس، سسر وغیرہ کا رویہ ناگوار بلکہ ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ ایک بار پیر نے میری ماں کے خاوند کو بلایا تو وہ نہ گیا۔ میں یہ ساری چپقلش اور کھینچا تانی نہ سناؤں تو بہتر ہے کیونکہ یہ بڑی لمبی ہے"۔

میں خود ہی چاہتی ہوں کہ اس داستان کا یہ حصہ حذف کر کے مختصراً بیان کر دوں۔ مسلمانوں کی پسماندگی کے اس دور میں (آج کے دور میں بھی) ماں باپ تو کیا اللہ کو بھی ناراض کیا جا سکتا ہے، پیر کو ناراض کرنا گناہِ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔ بختی کی ماں اور اس کے

خاوند کی حالت تصور میں لائیں کہ گھر میں خون کے سگے رشتے ناراض اور باہر پیر ناراض۔ ان کی تو حالت یہ تھی کہ لوگ انہیں گھور گھور کر دیکھتے تھے جیسے ان کا وجود انہیں بھلا نہ لگتا ہو اور وہ انہیں زمین کے تختے سے اٹھا دینا چاہتے ہوں۔ بختی کی ماں کے خاوند کی جرأت مندی اور مردانگی کی پختگی ملاحظہ ہو کہ وہ ہر کسی کا مقابلہ کر رہا تھا۔

پیر کے تین چار خاص مرید بختی کی ماں کے خاوند سے وقتاً فوقتاً ملتے رہے اور اسے تلقین کرتے رہے کہ وہ پیر صاحب کے ہاں جایا کرے۔ خاوند نے صاف الفاظ میں کہا کہ اس نے اس پیر کی مریدی ترک کر دی ہے۔ پھر پیر کے دو غنڈوں نے بختی کی ماں کے خاوند کو دھمکیاں دیں کہ وہ پیر کی مریدی سے دستبردار رہا تو اس کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ خاوند نے کہا کہ وہ تھانے میں ان کے خلاف رپورٹ لکھوا دے گا کہ ان لوگوں کی طرف سے اسے جان کا خطرہ ہے۔ اس سے وہ کچھ ڈر گئے لیکن پیر کی طرف سے کسی نہ کسی ذریعے بختی کی ماں کے خاوند کو کوئی نہ کوئی دھمکی اور وارننگ ملتی رہتی تھی۔

یہ شخص تن تنہا رہ گیا۔ اس نے اپنے ہندو اور سکھ دوستوں کے آگے یہ مسئلہ رکھا۔ وہ بہت خوش ہوئے کہ کم از کم ایک آدمی تو ایسا ملا جو پیر کے خلاف ہے یعنی پیر پرستی کو نہیں مانتا۔ انہوں نے اسے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ وہ یہاں سے ٹرانسفر کرا لے اور گھر سے ہمیشہ کے لیے چلا جائے۔ دراصل بختی کی ماں اور اس کے خاوند کے لیے کچھ ایسی ہی صورت پیدا ہوگئی تھی جیسے لوگوں نے اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیا ہو۔ اس میں اس پیر کی غنڈہ گردی زیادہ تھی۔

ان ہندوؤں کی کوشش سے بختی کی ماں کے خاوند کی ٹرانسفر جالندھر ہوگئی۔ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ سامان اپنے ساتھ لے گیا کیونکہ اس کا ارادہ اب واپس آنے کا نہیں تھا۔ بیوی کے تمام کپڑے اور زیورات ساتھ لے گیا۔

نئی جگہ جا کر اس نے پہلے یہ دیکھا کہ سٹاف میں کون سے ایسے مسلمان ہیں جو پیر پرستی کے منکر ہیں۔ ایسے دو آدمی اسے مل گئے۔ پھر اس نے دو تین ہندوؤں کے ساتھ دوستی کر لی اور ان مسلمانوں اور ہندوؤں کو بتایا کہ وہ اپنے آبائی شہر سے بھاگ کر آیا ہے اور اب یہیں آباد ہونا چاہتا ہے۔ اس نے اصل وجہ نہ بتائی، صرف یہ بتایا کہ وہاں کے پیر کے ساتھ اس کی عداوت ہوگئی ہے اور پیر اسے قتل کروانا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ پیر عورتوں کا شکاری ہے اور جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو اگلے روز دلہن کو اس کے آستانے

پیش کیا جاتا ہے اور وہ کسی نہ کسی دھوکے میں اس دلہن کو بے آبرو کر دیتا ہے۔ اس نے کچھ جھوٹ بھی شامل کیا اور مظلوم بن گیا۔ اس کے نئے دوستوں نے اسے کہا کہ وہ اسے یہیں آباد کر لیں گے۔

یہاں سے میں اس داستان کو اور زیادہ مختصر کر رہی ہوں۔ بختی کی ماں کا خاوند پورا ایک سال گھر نہ گیا تو اس کا باپ اسے ملنے آیا اور کہا کہ وہ کبھی چھٹی لے کر آئے۔ اس شخص نے جھوٹا وعدہ کیا اور چھٹی نہ لی۔ ایک بار اس کا بڑا بھائی آیا تو بھائی سے بھی اس نے یہی وعدہ کیا لیکن نہ گیا۔ حد یہ کہ اس نے پورے آٹھ سال وہیں گزار دیئے اور ایک دن کی بھی چھٹی لے کر اپنے گھر نہ گیا۔

اسے اطلاع ملی کہ اس کا باپ فوت ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے بھائی کو افسوس کا خط لکھا اور یہ بھی لکھ دیا کہ وہ نہیں آئے گا۔ پھر اس کی ماں فوت گئی تو بھی وہ نہ گیا۔ بچی یعنی بختی دس گیارہ سال کی ہوگئی تھی۔

ایک اور سال گزر گیا تو اس کا بھائی اسے ملنے آیا اور یہ خبر سنائی کہ پیر مر گیا ہے اور اس کا بیٹا جس کی عمر تیرہ چودہ سال ہے اس کی گدی پر بٹھا دیا گیا ہے اور لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ بھائی نے کہا کہ اب اسے واپس آ جانا چاہئے۔ یہ شخص پھر بھی جانے پر رضامند نہ ہوا۔

ایک سال اور گزر گیا بلکہ تین چار مہینے اور زیادہ گزر گئے تو اس کا بھائی پھر آیا اور اب وہ جو مسئلہ لے کر آیا اس پر اس شخص نے غور کیا۔ بھائی نے کہا کہ جائیداد کی تقسیم ضروری ہو گئی ہے کیونکہ ایک چچا زاد بھائی کچھ بدمعاشی پر اترا ہوا ہے۔ جائیداد میں ایک تو یہ حویلی تھی جس میں یہ سارا خاندان رہتا تھا اور کچھ زرعی زمین تھی۔ بڑے بھائی کا خیال یہ تھا کہ دونوں بھائی اپنا اپنا حصہ الگ کر لیں تاکہ چچا زاد بھائی کو بددیانتی یا خباثت کا موقع نہ ملے۔ بھائی نے اسے پھر کہا کہ وہ پیر مر چکا ہے جس نے اس کے خلاف عداوت رکھ لی تھی، اب وہ واپس اپنے گھر آ جائے۔

یہ بات اس شخص کو اچھی لگی اور وہ چھٹی لے کر گیا اور دونوں بھائیوں نے سرکاری طور پر جائیداد تقسیم کر لی اور پھر بختی کی ماں کے خاوند نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ واپس آ جائے گا۔ اس نے واپس اپنے قصبے میں ٹرانسفر کی بہت کوشش کی لیکن نہ ہو سکی۔ وہ جالندھر میں

نوکری کرتا رہا اور چھٹی بھی آتا رہا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ ریٹائرمنٹ تک جالندھر میں ہی نوکری کرتا رہے گا۔ وہاں اسے اچھی ترقی مل گئی تھی۔

بختی کی عمر بیس اکیس سال ہوگئی تو بختی کی ماں کا خاوند ریٹائر ہوگیا۔ اسے ریٹائرمنٹ سے پہلے کی تین مہینوں کی چھٹی مل گئی اور وہ اپنا تمام سامان سمیٹ کر واپس اپنے گھر آگیا۔ حویلی کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہوگئی تھی لیکن اس میں دروازہ رکھ دیا گیا تھا اس طرح دونوں بھائی حویلی میں اکٹھے رہتے رہے۔

پھر بختی کی شادی کر دی گئی۔ وہاں اور کچھ مہینے گزرے تو ماں کی تاریخ اپنے آپ کو بیٹی کی ازدواجی زندگی میں دوہرانے لگی۔ یہ میں بتا چکی ہوں کہ ماں کی طرح وہ بھی پیر کے جال میں آگئی اور اس جال میں ماں کی طرح اس کے سسرال نے پھینکا تھا۔ فرق یہ تھا کہ ماں کا پیر بوڑھا تھا اور اس بوڑھے کا جانشین نوجوان تھا۔

ماں کی اتنی لمبی اور اتنی تلخ داستان سن کر بختی نے اسے پوچھا کہ اب اسے یہ بتائے کہ اب وہ کیا کرے۔ اس پیر کی نیت میں کوئی شک نہیں رہا۔

''بغاوت!'' ___ ماں نے کہا ___ ''میں نہیں سمجھ سکی کہ میں نے کیوں ہتھیار ڈال دیئے تھے، تم یوں نہ کرنا۔ اللہ پر یقین رکھنا اور اس پیر کو صاف جواب دے دینا اور اگر تمہیں طلاق ہوگئی تو میں تمہیں اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گی اور یہ شخص جو تیرا باپ نہیں، تمہیں اپنی پناہ میں رکھے گا کیونکہ اس کے ساتھ جو بیتی ہے وہ تم نے سن لی ہے، تمہیں پیر کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑے گا''۔

بختی واپس اپنے سسرال آئی تو دو دنوں بعد ساس اسے پیر کے ہاں لے گئی۔ وہی کمرہ تھا، وہی پلنگ تھا اور وہی کرسی تھی۔ فرق صرف یہ کہ اب پیر نوجوان اور قوی ہیکل اور تندرست تھا۔ پہلے پھیرے پر تو اس پیر نے اپنی نیت کا اظہار کیا تھا۔ اس دوسری ملاقات میں اس نے اپنا آپ بالکل ننگا کر دیا۔ اس کے باپ نے بختی کی ماں کو آہستہ آہستہ پھانسا اور خراب کیا تھا لیکن اس کا یہ بیٹا دوسری ملاقات میں ہی بے قابو ہوگیا اور بختی سے کہا کہ وہ پلنگ پر لیٹ جائے۔

بختی اٹھ کھڑی ہوئی اور پلنگ پر لیٹنے سے انکار کر دیا۔ پیر کو غصہ آگیا۔ اس نے بختی کو بازو سے پکڑا اور زور سے جھٹکا دے کر اسے پلنگ پر گرا دیا اور خود نیم برہنہ ہو کر پلنگ پر

چڑھنے لگا تو بختی پلنگ کی دوسری طرف سے اتر کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے پیر سے کہا کہ وہ پہلے ایک بات سن لے۔ اس پیر کا حال یہ تھا کہ چہرہ لال سرخ اور وہ پھنکار رہا تھا۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ یہ حیوانی جذبات کی شدت کی انتہا تھی۔

''پیر صاحب!'' ___ بختی نے کہا ___ ''اگر میں آپ کے سامنے ایک آدمی پیش کروں اور کہوں کہ یہ شخص اپنی بہن کے ساتھ بدکاری کرنا چاہتا ہے تو آپ اسے کیا سزا دیں گے؟''

''میں اسے اپنے ہاتھوں بندوق سے گولی مار دوں گا'' ___ پیر نے کہا ___ ''جلدی کرو اور پلنگ پر آؤ''۔

''پیر صاحب!'' ___ بختی نے کہا ___ ''میں نہیں چاہتی کہ آپ اپنے آپ کو گولی ماریں، میں صرف یہ بتا رہی ہوں کہ میں آپ کی بہن ہوں...... آپ کے باپ کی بیٹی ہوں۔ اگر یقین نہ آئے تو میں اپنی ماں کو ساتھ لے آتی ہوں، وہ آپ کو بتائے گی''۔

''بکواس بند کر کافر کی بچی!'' ___ پیر نے گرج کر کہا ___ ''میرے مرحوم باپ کو بدنام کر رہی ہو؟''

''ہاں!'' ___ بختی نے کہا ___ ''وہ تمہارا ہی نہیں میرا بھی باپ تھا...... میں جا رہی ہوں''۔

بختی دروازے کی طرف کھڑی تھی۔ وہیں سے گھومی اور دوڑنے کی رفتار سے دروازے سے نکلی، مریدوں والے کمرے سے بھی نکل گئی اور باہر جا کر دوڑ پڑی۔ اُسے معلوم تھا کہ پیر اتنی جلدی باہر نہیں آسکے گا کیو وہ نیم برہنہ تھا اور اس حالت میں اس کمرے سے جلدی نہیں نکل سکتا تھا۔

بختی گھر پہنچ گئی اور پیر نے اپنے دو غنڈوں کو بلایا اور اس کمرے میں بٹھا کر کہا کہ یہ لڑکی جو ابھی یہاں سے گئی ہے، اسے اغوا کرنا ہے اور میں تمہیں بتاؤں گا کہ اغوا کر کے رکھنا کہاں ہے۔

''جو حکم سرکار!'' ___ ایک غنڈے نے کہا ___ ''جب اشارہ کریں گے لڑکی اُڑا لی جائے گی''۔

* * *

بختی نے بات یہاں تک سنائی تو اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی۔ یہ میری نظر کا فریب بھی ہو سکتا تھا لیکن میں نے صاف طور پر دیکھا کہ اس مسکراہٹ سے بختی کا بڑھاپے سے مرجھایا ہوا چہرہ کھل اٹھا جسے اللہ کا نور کہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

میں ایک بار پھر کہوں گی کہ بختی اور اس کی ماں عالم فاضل نہیں تھی اور وہ دین اسلام کے اسرار و رموز کو نہیں سمجھتی تھیں پھر بھی انہیں یقین تھا کہ پیر پرستی شرک اور کفر ہے۔ بختی ہمیں وہ سنا رہی تھی جو اس کی ماں پر اور اس پر بیتی تھی اور وہ ایک پیر کی صورت میں ہمیں وہ سارے پیر دکھا رہی تھی جنہوں نے اللہ کے بندوں کو اپنی ابلیسیت کے جال میں پھنسا رکھا ہے اور ان کے لیے خدا بنے ہوئے ہیں۔

میں بہتر یہ سمجھتی ہوں کہ اپنی رائے نہ دوں اور بختی نے جو ''ہڈ بیتی'' سنائی ہے وہ پیش کر دوں۔ رائے آپ خود قائم کریں۔

یہ تو بختی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ پیر نے اس کے لیے اپنے غنڈوں کو کیا حکم دیا ہے۔ بختی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ پیر کے یہ غنڈے اغوا اور قتل کی وارداتیں ایسے ماہرانہ طریقے سے کر سکتے ہیں جن کا کوئی سراغ ہی نہیں ملتا۔ اپنا کوئی کھرا کھوج پیچھے چھوڑتے ہی نہیں تھے...... اگر بختی کو معلوم ہوتا بھی تو وہ شاید ان سے نہ ڈرتی۔ اس کی بجائے احتیاط کرتی کہ باہر نکلتی ہی نہ تاکہ اس کے اغوا کی نوبت ہی نہ آئے۔ اسے اصل ڈر اور خطرہ اپنے سسرال سے تھا جو پیر کو ''خدا'' سمجھتے تھے۔ وہ تو پیر کے خلاف ہلکا سا اشارہ بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔

بختی پیر سے اپنی عصمت تو بچا لائی تھی لیکن اس کی اسے ذرا سی بھی خوشی نہیں تھی اسے معلوم تھا کہ اپنی ساس، سسر اور اپنے خاوند کو وہ بتائے گی کہ پیر نے اس کے ساتھ

حرکت کی ہے تو وہ کہیں گے کہ یہ بھی ''معرفت'' ہے اور پیر صاحب جب اس کیفیت میں آتے ہیں تو وہ خدا کے اور زیادہ قریب ہو جاتے ہیں اور خدا ان کی ہر بات مان لیتا ہے۔

بختی شدت سے محسوس کرنے لگی کہ اس کا کوئی محافظ ہو جو اسے اس پیر سے بچا لے۔ اس کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ باپ پر اسے بھروسہ نہیں تھا۔ پیچھے رہ گیا خاوند، خاوند تو پیر کے پاؤں پر سجدے کرنے والا آدمی تھا۔ صرف ماں تھی جو اس کے اس مسئلے کو سمجھتی تھی اور بختی کو امید تھی کہ ماں شاید کوئی راہِ نجات نکال لے۔

ہانپتی کانپتی سانسوں کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بختی اپنی سسرال گھر میں داخل ہوئی۔ ساس اور نندیں بے تابی سے اس کی منتظر تھیں۔ اس پر جیسے ٹوٹ پڑی ہوں اور سوالوں کی بوچھاڑ کر دی...... پیر صاحب نے کیا کہا؟ کچھ امید دلائی؟ وغیرہ وغیرہ...... بختی کے جی میں آئی کہ انہیں صحیح واردات سنا دے لیکن اس نے اپنے احساسات اور دماغ کو قابو میں رکھا اور ان عورتوں کو امید افزا جواب دیئے۔ اس کا خاوند گھر نہیں تھا۔ اسے شام کو آنا تھا۔ بختی اپنی ماں کے پاس جانے کو بے تاب تھی۔ اس نے بہانہ یہ گھڑ لیا کہ اپنی ماں کو یہ خوشخبری سنانا چاہتی ہے کہ پیر صاحب نے یقین سے کہا ہے کہ بہت جلدی میری مراد پوری ہو جائے گی۔

ساس نے اسے بخوشی اجازت دے دی اور وہ فوراً وہاں سے چل پڑی...... ماں کے ہاں پہنچی تو ماں نے اس کے چہرے پر افسردگی، تذبذب اور ایسے ہی کچھ تاثرات دیکھ کر کہا، لگتا ہے لڑ کر آئی ہو!

''لڑ کر تو نہیں آئی امی!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''لڑائی تو اب ہوگی۔ آپ کو ایک نئی واردات سنانے آئی ہوں، بتائیں میں کیا کروں!''

بختی کی یہ بات سن کر ماں جس طرح پریشان ہوگئی ہوگی وہ تصور میں لایا جا سکتا ہے۔ بختی نے ماں کو ساری واردات سنا دی اور پوچھا کہ کیا کرے۔ ماں تو یہ بات سننے کے دوران ہی گہری سوچ میں چلی گئی تھی اور پھر اس کا سر جھک گیا۔ بختی نے ماں کو اس کیفیت میں دیکھ کر ایک بار پھر پوچھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

''یہی سوچ رہی ہوں بیٹی!''۔۔۔ ماں نے اپنی سوچوں سے بیدار ہو کر کہا۔۔۔ ''لیکن مسئلہ یہ نہیں کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے، اب تو یہ دیکھنا ہے کہ وہ لوگ کیا کریں گے اور کیا

ہوگا۔ تم شاید نہ جانتی ہو کہ یہ پیر کے بدمعاش ہی نہیں ہوتے بلکہ سنگین سے سنگین تر جرم کرنا
بھی جانتے ہیں اور کروانا بھی۔ انہوں نے جرائم پیشہ گروہ پالا ہوا ہوتا ہے''۔

''تو کیا پیر مجھے اغوا کرا دے گا؟''۔۔۔ بختی نے پوچھا۔۔۔ ''یا زبردستی کرے گا؟''

''یہ تو بعد کی بات ہے''۔۔۔ ماں نے کہا۔۔۔ ''سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ
تمہارے سسرال کا اور خاص طور پر تمہارے خاوند کا ردِعمل اور رویہ کیا ہوگا...... کیا تم نے
اپنے خاوند کو یہ بات بتائی ہے؟''

''خاوند تو شام کو گھر آئے گا''۔۔۔ بختی نے جواب دیا۔۔۔ ''ساس اور نندوں کو نہیں
بتایا بلکہ انہیں یہ بتایا ہے کہ پیر نے خوشخبری سنائی ہے کہ مراد بہت جلدی پوری ہو جائے
گی''۔

''خاوند کو صاف بتا دینا''۔۔۔ ماں نے کہا۔۔۔ ''اسے یہ کہنا کہ پیر نے یوں کیا ہے
اور اگر تم اجازت دیتے ہو تو پیر کی یہ خواہش پوری کر دوں''۔

''میرا فیصلہ سن لیں امی!''۔۔۔ بختی نے دوٹوک لہجے میں کہا۔۔۔ ''آپ نے تو اس
خبیث کے باپ کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور میرے وجود کو جو اس گناہ کی یادگار ہے
پالتی رہیں، میں موت قبول کر لوں گی یہ ذلت قبول نہیں کروں گی''۔

''اور میں باقی عمر تم پر فخر کرتی رہوں گی''۔۔۔ ماں نے کہا۔۔۔ ''اور تمہاری قبر پر
پھولوں کی چادریں چڑھاتی رہا کروں گی''۔

اس کے بعد ماں بیٹی سر جوڑ کر غور کرنے لگیں کہ عملاً اس کا سدِباب کیا ہو۔ کوئی
صورت نجات کی نظر نہیں آتی تھی۔ دونوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ بختی اپنے خاوند کو بتا دے اور
پھر اس کے ساتھ کیا باتیں کرے۔

بختی شام کو ماں سے رخصت ہوئی اور اپنے سسرال پہنچی۔

+++

تھوڑی ہی دیر بعد بختی کا خاوند آ گیا۔ وہ حسبِ معمول اپنے کمرے میں چلا گیا جہاں
بختی بھی تھی۔ اس وقت ان کے کمرے میں کوئی نہیں جایا کرتا تھا لیکن اس روز بختی پیر کے
پاس گئی تھی اور بختی کے بیان کے مطابق پیر نے فیصلہ کر دیا تھا کہ مراد پوری ہونے والی ہے
اس لیے بختی کی ساس اور نندیں دوڑی آئیں کہ یہ خبر وہ خود بختی کے خاوند کو سنائیں۔ ان

کے ذہن و اعصاب پر تو وہ پہلا بچہ سوار تھا جو بختی نے پیدا کرنا تھا۔

سب نے مل کر اور ایک دوسرے کی بات کاٹ کاٹ کر سنایا کہ بختی کو پیر صاحب نے
کیا خوشخبری سنائی ہے۔ خاوند کو تو خوش ہونا ہی تھا، اس کی باچھیں کھل گئیں۔ آخر بختی کی
ساس اور خاوند کی بہنیں کمرے سے نکلیں تو بختی نے دروازہ بند کر کے خاوند کو الگ بٹھا لیا۔

''اب اصل بات مجھ سے سنیں''۔۔۔ بختی نے خاوند سے کہا۔۔۔ ''امی اور باجیاں
جو سنا گئی ہیں یہ میں نے انہیں سنایا تھا اور یہ سب جھوٹ ہے۔ وہاں جو ہوا اور میں کس طرح
وہاں سے اپنی عزت بچا کر نکلی وہ سنیں''۔

بختی نے خاوند کو پیر کی ہر بات اور ہر حرکت واضح کر کے ذرا ذرا تفصیل سے سنائی
اور یہ بھی کہ وہ کس طرح وہاں سے بھاگ کر نکلی ہے۔ خاوند کا ردِعمل یہ تھا کہ اس کے
ہونٹوں پر تبسم سا آیا جو ذرا سی دیر بعد غائب ہو گیا اور اس کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئے پھر
شکن صاف ہو گئے اور خاوند دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ بختی کی یہ
بات ماننا نہیں چاہتا تھا یا یہ کہ وہ بختی کو کس طرح سمجھائے کہ یہ اسے وہم ہو گیا ہے کہ پیر
صاحب کی نیت اس پر خراب ہو گئی تھی۔

''میری بات توجہ سے سنو بختی!''۔۔۔ خاوند نے کہا۔۔۔ ''تم پیر صاحب کی نیت پر
اس لیے شبہ کر رہی ہو کہ تم پیر پرستی کو نہیں مانتیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تم نوجوان اور
خوبصورت لڑکی ہو۔ کوئی بھی تمہاری طرف دیکھتا ہے تو تم اس کی نیت پر شک کرتی ہو لیکن یہ
نہیں سوچتیں کہ پیر صاحب میں اور عام لوگوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا آسمان اور زمین
میں ہے۔ پیر دراصل آسمان کی مخلوق ہیں اور ہم زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے ہیں۔
مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں تمہارا یہ وہم کس طرح دور کروں۔ تمہاری تربیت ماں نے کی ہے
اور وہ بھی بے پیری عورت ہے''۔

''مجھے آپ سے اسی جواب کی توقع تھی''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''میں آپ کی محبت
کے صدقے پیر صاحب کے پاس پھر چلی جاؤں گی لیکن میری ایک شرط ہے۔ شرط یہ ہے
کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ پیر صاحب مجھے شلوار اتارنے کے لیے کہیں تو میں آپ کی
موجودگی میں شلوار اتار دوں گی بلکہ آپ سے اجازت لوں گی۔ آپ یہ بھی سوچیں کہ میں
آپ کی منکوحہ بیوی ہوں پیر کی نہیں۔ اگر آپ مجھے ایسی بدی کی اجازت دیتے بھی ہیں تو

بھی یہ گناہ ہے۔ آپ کی محبت کی خاطر میں یہ بھی کر گزروں گی لیکن آپ کی موجودگی میں''۔

اگر خاوند میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو وہ فوراً کہہ اٹھتا کہ پیر کی پیری ایک الگ چیز ہے لیکن وہ بہرحال اس کی بیوی کے لیے ایک غیر مرد ہے لیکن اس غیرت مندی کے اظہار کی بجائے اس نے ذرا دبی سی زبان میں بختی کو قائل کرنا شروع کر دیا کہ پیر کو ایک موقع اور دیا جائے۔ بختی جانتی تھی کہ اس کا خاوند پیر، اپنی ماں، اپنے باپ اور بہنوں کے ہاتھوں میں مجبور ہے اور یہ لوگ اس شرک سے کسی قیمت پر ہٹنے والے نہیں۔ بختی نے خاوند کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ جانتی تھی کہ ایسی کوشش محض بے کار ہے اور اسے آخر ناکام ہی ہونا ہے۔ اس نے خاوند کی یہ بات مان لی کہ اس کے ساتھ پیر کے ہاں جائے گی۔

بختی کی داستان جب اس مقام پر پہنچی تو میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے آخر سوچا کیا تھا!

''سوچا تو یہی تھا کہ اس پیر کی ہوس کاری کو اپنے پاؤں تلے مسل ڈالوں گی''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''مگر مجھے اپنی کامیابی کی توقع کم ہی نظر آتی تھی۔ میرے سامنے کوئی واضح سکیم نہیں تھی کہ یوں کروں گی اور اگر صورتِ حال کچھ اور رنگ اختیار کر گئی تو میں فلاں چال چلوں گی البتہ یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ خاوند کو پیر کے خلاف بھروں گی اور اس کے دل میں پیر کی نفرت پیدا کروں گی۔ کامیابی کی امید تو پھر بھی نہیں تھی لیکن میں یہ جانتی تھی کہ خاوند میری محبت میں دیوانہ ہوا جاتا تھا۔ یہی ایک حربہ تھا جو مجھے استعمال کرنا تھا''۔

+ + +

بختی کو معلوم تھا کہ خاوند کو یہ غم کھا رہا ہے کہ بختی پیر صاحب کو ناراض کر کے بھاگ آئی تھی اور اس سے زیادہ توہین پیر صاحب کی اور کیا ہو سکتی تھی۔ اگلے روز خاوند اپنے روزمرہ کا کام دھندا چھوڑ کر بختی کو ساتھ لیے پیر صاحب کے ہاں جا پہنچا۔ راستے میں وہ بختی کو لیکچر دیتا گیا کہ پیر صاحب کے دل سے ناراضگی نکالنی ہے۔ اس نے بختی سے یہ بھی کہا کہ پیر صاحب سے معافی مانگ لینا۔

بختی نے خاوند سے کہا کہ وہ خاوند کی ان باتوں پر عمل کرے گی لیکن پیر صاحب کے پاس تنہا نہیں ٹھہرے گی، اپنے خاوند کی موجودگی لازمی سمجھے گی۔ بختی نے یہ بات اسے پہلے

بھی کہی تھی اور اب پیر کے ہاں جاتے ہوئے پُرزور طریقے سے کہی۔ بختی نے ہمیں سنایا کہ جب بھی اس نے خاوند سے یہ بات کہی تو خاوند کھوکھلی سی ہنسی ہنس پڑا تھا۔

پیر مریدوں کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس نے بختی کو اپنے خاوند کے ساتھ دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔ خاوند اور بختی نے دستور کے مطابق پیر کے قدموں میں جا سجدہ کیا اور پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ پیر نے دونوں کو نظر بھر کر دیکھا۔ یہ تو اس کا وہ شکار تھا جو وہ سمجھتا تھا کہ ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس نے ان دونوں کو سر کی جنبش سے اشارہ کیا کہ اندر چلیں۔ دونوں اٹھے اور اس مخصوص کمرے میں چلے گئے۔

چند منٹ بعد پیر بھی اس کمرے میں داخل ہوا اور دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پیر کا انداز ایسا تھا جیسے کل کوئی خاص بات ہوئی ہی نہیں تھی۔

''یہ تو کوئی بڑا ہی کافر جن ہے بھائی!''۔۔۔ پیر نے کہا۔۔۔ ''شاہ جی مرحوم نے مجھے اس قسم کے جنات کے متعلق خاص طور پر خبردار کیا تھا اور کہا تھا کہ ایسے جنات کو قابو میں لانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے لیکن ایسی بات نہیں کہ قابو میں آتے ہی نہ ہوں۔ مرحوم کہتے تھے کہ ایسا جو بھی جن قابو میں آ جائے اس کا کوئی وعدہ قبول نہیں کرنا بلکہ اسے جلا کر راکھ کر دینا...... تمہاری بیوی پر ایسے ہی جن کا قبضہ ہے۔ کل یہ میرے پاس بیٹھی تھی اور وہ بدبخت آ پہنچا اور اسے بھگا کر لے گیا۔ یہ بیچاری سمجھتی ہوگی کہ میری کسی بات سے یہ خود بھاگی ہے لیکن یہ ساری کارستانی اس جن کی تھی...... فکر نہ کریں، اسے سنبھال لوں گا اور اس لڑکی کی گود ہری کر کے ہی دم لوں گا''۔

پیر نے اپنے آپ پر ایسی کیفیت طاری کر لی تھی جس سے لوگ متاثر ہوتے بلکہ ہپناٹائز ہو جایا کرتے تھے۔ بختی پر تو کچھ اثر نہ ہوا لیکن اس کا خاوند مسحور ہو گیا۔ پیر نے زبان کا کچھ اور جادو جگایا تو خاوند کی روح بھی پیر کے قدموں میں جا گری۔

''یا دستگیر!''۔۔۔ خاوند نے خریدے ہوئے غلاموں کی طرح کہا۔۔۔ ''حکم ہو تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔ آپ اسے دیکھیں۔ میری تو یہ درخواست ہے کہ اس جن سے ہمیں رہائی دلائیں''۔

''ایک عرض میری بھی ہے یا سرکار!''۔۔۔ بختی نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔۔۔ ''اگر آج آپ نے مجھ سے شلوار اتروانی ہے تو میں عرض کرتی ہوں کہ میرا خاوند اس کمرے میں

موجود رہے گا اور جب تک یہ مجھے اجازت نہیں دے گا میں شلوار نہیں اتاروں گی‘‘۔

پیر ہنس پڑا جیسے بختی نے اسے کوئی لطیفہ سنایا ہو۔

’’او ہو بختی! اللہ تیرے بخت اور اچھے کرے‘‘۔۔۔۔ پیر نے کہا۔۔۔۔ ’’میں جانتا تھا تم یہی کہو گی لیکن میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ وہ میں نہیں تھا جو تمہیں برہنہ کرنا چاہتا تھا۔ جن تو کسی کو نظر نہیں آتے، تمہارے سامنے میں بیٹھا تھا اور جن کا حکم میری زبان سے نکل رہا تھا۔ اگر تم بھاگ نہ جاتی تو کل ہی میں اپنی جان کی بازی لگا کر اس جن کو پکڑ لیتا‘‘۔

پیر یقیناً سمجھ گیا ہو گا کہ بختی اپنے عقیدے کی بڑی ہی پکی ہے اور یہ اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گی جتنا وہ سمجھتا رہا ہے۔ اس روز اس نے وہی عمل کیا جو پہلے کرتا رہا تھا۔ سامنے بٹھا کر اس کی کنپٹی میں پھر ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور پھر آنکھوں میں جھانک کر پھونکیں ماریں اور کہا کہ دو روز بعد پھر لایا جائے پھر اس نے دو تعویذ بھی لکھ دیئے۔

گھر واپس جاتے ہوئے خاوند نے بختی کو لیکچر دینا شروع کر دیا۔ وہ بختی کو قائل کر رہا تھا کہ پیر صاحب ٹھیک کہتے ہیں کہ کل اس کافر جن نے اسے پیر صاحب کے کمرے سے بھگایا تھا۔ بختی خاموشی سے یہ لیکچر سنتی رہی اور آخر خاوند نے ایسی بات کہہ دی جو بختی کو گر گئی۔

’’میری ایک بات سن لیں‘‘۔۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔۔ ’’میں پیر کو چیلنج کرتی ہوں کہ اس کے تعویذ اور عمل میری گود ہری کر دیں اور دوسرا یہ کہ یہ پیر میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر یہ دونوں کام کر دے تو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جب تک یہ پیر چاہے گا میں اس کی داشتہ بنی رہوں گی‘‘۔

بختی کی اس بات سے خاوند کو صدمہ تو بہت ہوا ہو گا لیکن اس کا خاموش ردِعمل ایسا تھا جیسے دبک گیا ہو۔ بختی نے ہمیں بتایا تھا کہ اس کا خاوند عام قسم کے خاوندوں جیسا نہیں تھا۔ وہ جبر نہیں کرتا تھا اور ان خاوندوں میں سے نہیں تھا جو اپنا غلط حکم بھی منوایا کرتے ہیں اور بیوی کو زر خرید لونڈی سمجھتے ہیں۔ وہ تو کبھی کبھی بختی کا زر خرید غلام بن جاتا تھا۔

+++

وہ سکھوں کی اکثریت کا علاقہ تھا اور اس قصبے میں ہندو بھی آباد تھے۔ بختی کی سہیلیوں میں ایک دو سکھ لڑکیاں بھی تھیں ایک دو ہندو بھی۔ بختی نے انہیں یہ تو بتا دیا تھا کہ

اس کے سسرال اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں کہ وہ جلدی ایک بچہ پیدا کرے تا کہ انہیں یہ یقین ہو جائے کہ وہ بچے پیدا کرنے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ اس کی ساس اور سسر دادی دادا بننے کے لیے بے تاب تھے۔ یہاں تک تو بختی نے سکھ اور ہندو سہیلیوں کو بتا رکھا تھا لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے پیر کے پاس اس مقصد کے لیے لے جایا جاتا ہے۔ پیر نے اپنی نیت کا اظہار عملی طور پر کر دیا تو اس نے ان غیر مسلم سہیلیوں کو ساری بات بتا دی۔

یہ بھی سہیلیوں کو بتایا کہ اس نے خاوند سے کہا ہے کہ وہ اس پیر کو چیلنج کرتی ہے کہ اپنے تعویذوں کے زور پر اولاد پیدا کر کے دکھا دے۔ اس نے کہا کہ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہے کہ اس پیر سے کس طرح بچے۔ وہ کہتی تھی کہ اس کا خاوند ہی اگر ہم خیال ہو جائے تو شاید نجات کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اس نے اپنی ماں کے متعلق بتایا کہ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا اور یوں سمجھیں کہ ماں کی تاریخ اپنے آپ کو بیٹی کی ازدواجی زندگی میں دہرا رہی ہے۔

’’دیکھو بختی!‘‘۔۔۔۔ ایک ہندو سہیلی نے کہا۔۔۔۔ ’’اگر تم مذہب کو درمیان میں نہ لے آؤ تو میں تمہاری کچھ نہ کچھ مدد کر سکتی ہوں‘‘۔

’’تم بات کرو‘‘۔۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔۔ ’’میرا مذہب کہتا ہے کہ پیروں کو ماننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ پیر ہر مراد پوری کرتے ہیں گناہ ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی بات کہنا چاہتی ہو تو ضرور کہو‘‘۔

’’میں تمہیں ایک ہندو جوتشی کے پاس لے جانا چاہتی ہوں‘‘۔۔۔۔ ہندو سہیلی نے کہا۔۔۔۔ ’’وہ نجومی بھی ہے اور رمل فال کا ماہر ہے۔ وہ تمہارا زائچہ بنائے گا اور جو بتائے گا وہ سولہ آنے صحیح ہو گا‘‘۔

’’کیا وہ میری مراد پوری کر دے گا؟‘‘۔۔۔۔ بختی نے پوچھا۔

’’یہ تو وہی بتائے گا‘‘۔۔۔۔ سہیلی نے جواب دیا۔۔۔۔ ’’مراد پوری ہونے والی ہوئی تو بتا دے گا کہ پوری ہو جائے گی ورنہ صاف کہے گا کہ یہ مراد پوری نہیں ہو سکتی‘‘۔

دوسری سہیلیوں نے اس ہندو لڑکی کی تائید کی اور بختی سے کہا کہ وہ اس جوتشی کے پاس ضرور جائے۔ اس سے کم از کم یہ معلوم ہو جائے گا کہ بختی کی زندگی میں بچہ لکھا بھی ہوا ہے یا نہیں۔

ماں کے ہاں یا کسی سہیلی کے ہاں جانے سے بختی کو سسرال میں کوئی نہیں روکتا تھا۔

دوسرے دن وہ دو سہیلیوں کے گھروں میں جانے کا کہہ کر گھر سے نکل گئی اور اس ہندو سہیلی کے ہاں پہنچی۔ اس ہندو لڑکی نے ایک اور ہندو عورت کو ساتھ لیا اور یہ عورت بختی اور اس کی سہیلی کو ایک برہمن کے گھر لے گئی۔ اس عورت کی باتوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس برہمن جوتشی کے ساتھ اس کی خاصی بے تکلفی ہے۔

''پنڈت جی مہاراج!'' ــــ عورت نے جوتشی سے کہا ــــ ''یہ لڑکی مسلمان ہے۔ اسے ہم آپ کے پاس لائی ہیں۔ یہ ایسے گھر میں بیاہی گئی ہے جو ایک پیر کو مانتے ہیں اور سارا خاندان اس پیر کا مرید ہے لیکن یہ لڑکی خدا کی ذات کے سوا کسی اور کو نہیں مانتی۔ آپ شاید جانتے ہوں گے کہ یہ پیر ابھی نوجوان ہے اور وہ اس لڑکی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ اب آپ نے اس پر ثابت کرنا ہے کہ پیر سچا ہے یا جھوٹا اور وہ اسے جو کچھ بتا رہا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے''۔

یہ تو آپ جانتے ہی کہ ہندو مسلمانوں کے معاملے میں کتنے متعصب ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ تعصب اس وقت سے چلا آ رہا ہے جب پہلے مسلمان نے اس ملک میں قدم رکھا تھا۔ پھر یہ تعصب اس وقت شدت اختیار کر گیا جب پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا تھا۔ بختی نے ہمیں بتایا کہ اس عورت کی زبان سے پنڈت نے یہ بات سنی تو اس کے چہرے پر ایسا تاثر آ گیا جیسے وہ اس معاملے کو ایک چیلنج سمجھ کر زائچہ بنائے گا اور ثابت کرے گا کہ مسلمانوں میں پیر پرستی والا عقیدہ محض بے بنیاد ہے۔

پنڈت نے بختی کا دایاں ہاتھ اپنے سامنے پھیلا کر لکیریں دیکھنی شروع کر دیں اور وہ ان لکیروں پر جھکتا ہی گیا۔ اس نے بہت ہی غور سے بختی کے ہاتھ کی ہر ایک لکیر دیکھی اور پھر ایک سلیٹ پر خانے سے بنائے اور ہندی میں ہر خانے میں کچھ لکھا۔ پھر سلیٹ پر اس نے پانسہ پھینکا اور اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ آخر اس نے ایک کاغذ نکالا اور بختی سے اس کا نام، پیدائش کا مہینہ اور سال پوچھا جو اس نے لکھ لیا پھر بختی کی ماں کا پورا نام پوچھ کر لکھا اور پھر اس سے پوچھا کہ اس کے باپ کا نام کیا ہے۔

''پنڈت جی مہاراج!'' ــــ بختی نے بلا جھجک کہا ــــ ''کیا آپ میرے اس باپ کا نام لکھنا چاہیں گے جو میری ماں کا خاوند ہے یا اس شخص کا نام لکھیں گے جو میرا صحیح باپ

ہے اور میں جس کے گناہ کی پیداوار ہوں؟''

پنڈت نے ہی نہیں بلکہ اس عورت نے اور بختی کی سہیلی نے بھی چونک کر بختی کی طرف دیکھا۔ اپنی سہیلی پر بھی وہ پہلی بار یہ انکشاف کر رہی تھی کہ وہ موجودہ پیر کے باپ کی بیٹی ہے۔

''کون ہے تمہارا باپ؟'' ــــ پنڈت نے پوچھا۔

''موجودہ پیر کا باپ جو مر چکا ہے'' ــــ بختی نے جواب دیا ــــ ''میں کسی شک اور شبے میں بات نہیں کر رہی، میں بالکل سچی بات کہہ رہی ہوں اور یہ مجھے میری ماں نے بتایا ہے''۔

''اسی کا پورا نام بتاؤ'' ــــ پنڈت نے کہا ــــ ''مجھے اس باپ کا نام چاہئے جس کا خون تمہاری رگوں میں رواں دواں ہے۔ اسی کا خون تمہیں دنیا میں لایا تھا''۔

اس کے بعد پنڈت نے کاغذ پر ہندی میں کچھ الفاظ لکھے اور ہندسے لکھے اور پھر اپنا کوئی حساب کتاب کرتا اور جوڑتا رہا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس کام میں ڈوب گیا ہے اور دنیا کی اسے کوئی ہوش نہیں۔ بختی نے ہمیں یہ بات خاص طور پر بتائی کہ اس پنڈت نے اس کے جسم کو سوائے ہاتھ اپنے ہاتھ میں پھیلا کر دیکھنے کے ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کی آنکھوں میں پھونکیں نہیں ماریں نہ اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے چہرے کے قریب کیا اور نہ اس نے اس کی لمبوتری اور مرمریں گردن پر ہاتھ پھیرا۔ وہ تو بختی سے جیسے لاتعلق ہو گیا تھا۔

اس نے نصف گھنٹے سے زیادہ وقت گذار دیا اور آخر نظریں کاغذ سے ہٹا کر بختی کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی کرن نمودار ہوئی۔

''اب غور سے سن لڑکی!'' ــــ پنڈت نے کہا ــــ ''تیرے اندر کبھی کوئی جن داخل نہیں ہوا نہ تجھ پر کسی جن کا قبضہ ہے۔ کسی جن نے تیرے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں کو نہیں روکا نہ ہی جن انسانوں کے ساتھ ایسا ظلم کیا کرتے ہیں۔ تیرے ہاتھ میں بچے تو لکھے ہوئے صاف نظر آ رہے ہیں لیکن وہ اس خاوند کے نہیں ہوں گے۔ تُو ایک فریب کاری اور نوسربازی کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ پیر تیرے بطن سے اپنا بچہ پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ تیرے حسن اور تیری جوانی سے پورا پورا لطف اٹھانا چاہتا ہے۔ تُو نے یہ

اچھا کیا کہ مجھے اپنے اصل باپ کا نام بتا دیا تھا ورنہ یہ سارا زائچہ غلط ہو جاتا‘‘۔

’’پنڈت جی مہاراج!‘‘ ___ بختی نے پوچھا ___ ’’اگر میں بچوں کو جنم دوں گی اور وہ اس خاوند کے نہیں ہوں گے تو اور کس کے ہوں گے؟ کیا میں بچے پیدا کرنے کے لیے اپنے خاوند کو دھوکہ دوں گی؟‘‘

’’یہ ضروری نہیں‘‘ ___ پنڈت نے جواب دیا ___ ’’ہو سکتا ہے تیرا یہ خاوند دنیا سے اٹھ کر تجھے بیوہ کر جائے اور تُو دوسری شادی کر لے...... شاید ایسا ہی ہوگا‘‘۔

’’کب؟‘‘ ___ بختی نے پوچھا۔

’’صحیح دن یا صحیح مہینے نہیں بتائے جا سکتے‘‘ ___ پنڈت نے کہا ___ ’’کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ تیری اولاد ناجائز نہیں ہوگی...... ایک طوفان سا یا ایک زلزلہ سا آتا نظر آتا ہے جو قیامت جیسی صورت پیدا کر دے گا۔ حالات بہت بڑی کروٹ بدلتے نظر آتے ہیں۔ یہ حالات تجھے ایک اور ہی زندگی میں پھینک جائیں گے‘‘۔

’’تو کیا میں در بدر ٹھوکریں کھاتی پھروں گی؟‘‘ ___ بختی نے پوچھا۔

’’ٹھوکریں کم ہی نظر آتی ہیں‘‘ ___ پنڈت نے کہا ___ ’’ایک سفر نظر آتا ہے جو بڑا ہی لمبا اور بڑا ہی کٹھن ہوگا۔ تُو نے حوصلہ قائم رکھا تو یہ سفر کر جاؤ گی اور منزل پا لو گی...... اگر تیرا پیر یہ کہتا ہے کہ تیرے بطن سے اس خاوند کے بچے پیدا ہوں گے تو وہ بالکل غلط کہتا ہے۔ اس کے پاس سوائے پیری مریدی اور گدی نشینی کے اور کچھ بھی نہیں‘‘۔

’’پنڈت جی مہاراج!‘‘ ___ بختی نے کہا ___ ’’کوئی طریقہ بتائیں کہ میں اپنے آپ کو اس پیر سے بچا کر رکھوں۔ کیا آپ اس طرح کے تعویذ نہیں دیا کرتے جو پیر وغیرہ مسلمانوں کو دیا کرتے ہیں؟‘‘

’’نہیں!‘‘ ___ پنڈت نے جواب دیا ___ ’’کاغذ کے پرزے کسی کی قسمت بدل نہیں سکتے۔ میں تجھے ایسا کوئی تعویذ نہیں دوں گا...... تُو نے پوچھا ہے کہ اس پیر سے تُو کیسے بچ سکتی ہے۔ یہ تیری اپنی ہمت ہے اور تیرا اپنا دماغ۔ اگر تیرا خاوند اس پیر میں یہ یقین رکھتا ہے کہ اس خاوند کا بچہ پیدا ہو جائے تو اسے کسی طریقے سے، بہلا پھسلا کر اور اپنی مٹھی میں لے کر ہوشیار پور لے جاؤ اور اس سے اس کا ڈاکٹری معائنہ کرا لے۔ صاف نظر آ جائے گا کہ یہ اولاد پیدا کرنے کا وصف اور صلاحیت رکھتا بھی ہے یا نہیں اور تجھے یہ بھی پتہ چل جائے

کہ میں نے پردوں کے جو پیچھے دیکھا ہے وہ صحیح تھا یا غلط‘‘۔

بختی نے ہمیں سنایا کہ اس پنڈت نے زبان کا کوئی جادو نہ چلایا نہ اس کے انداز میں چرب زبانی کا شبہہ تھا۔ وہ سیدھی سادی بات کرتا تھا جیسے ڈاکٹر مریض کو بتاتا ہے کہ اسے کون سا مرض لاحق ہے اور پھر اس پنڈت نے ایسی باتیں کیں کہ بختی کے دل میں پیروں کے خلاف جو نفرت بھری ہوئی تھی وہ اور زیادہ ہو گئی۔ وہ جب اس پنڈت کے گھر سے نکلی تو اس کے عقیدے اور حوصلے میں نئی تازگی اور نئی تقویت آ گئی تھی۔

+++

اس رات بختی نے اپنے خاوند کو شیشے میں اتارنا شروع کر دیا۔ اس کا حسن اور اس کا شباب اور پھر بختی کا والہانہ انداز طلسماتی سے اثرات کے حامل تھے۔ اس نے خاوند کو یہ نہ بتایا کہ وہ ایک جوتشی سے کیا کچھ معلوم کر آئی ہے۔ اس نے پیر کے رویے کے متعلق بات چھیڑ دی۔ خاوند کو خوش کرنے کے لیے اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ پیر پرستی کو وہ مان لیتی ہے لیکن جہاں تک تعلق اس نوجوان پیر کا ہے، یہ بدکردار اور بدمعاش آدمی ہے۔

خاوند اس کا ہم خیال نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ابھی تک یہ توقع لیے ہوئے تھا کہ پیر کوئی ایسا تعویذ دے گا اور کوئی ایسا عمل کرے گا کہ اسے باپ بنا دے گا۔ بختی کہتی تھی کہ پیر کے ہاتھ میں ایسی کوئی طاقت نہیں۔ وہ صاف کہتی تھی کہ یہ اوچھا اور نوجوان پیر اس کے بطن سے اپنا بچہ پیدا کر کے کہے گا کہ لو تم باپ بن گئے۔

’’پھر میری ایک بات مان لیں‘‘ ___ بختی نے کہا ___ ’’کسی بہانے ہوشیار پور چلتے ہیں۔ سنا ہے وہاں میڈیکل ٹسٹ کے ماہر ڈاکٹر موجود ہیں۔ وہاں سے ہم دونوں اپنے اپنے ٹسٹ کرواتے ہیں۔ ساری بات کھل کر سامنے آ جائے گی۔ ہو سکتا ہے نقص مجھ میں ہی ہو اور آپ بالکل ٹھیک ہوں اور معاملہ الٹ بھی ہو سکتا ہے‘‘۔

خاوند ذرا جھینپ سا گیا اور ٹال مٹول کرنے لگا لیکن اس نے صاف انکار نہ کیا۔ بختی نے ناز و انداز کے ذریعے اسے منوا لیا۔

دو ہی دنوں بعد خاوند نے اپنی ماں سے کہا کہ وہ بختی کے ساتھ ہوشیار پور جانا چاہتا ہے۔ اس نے مقصد سیر و تفریح بتایا۔ ماں نے اور باپ نے بھی انہیں اجازت دے دی۔ اگر وہ اکھڑ قسم کا خاوند ہوتا تو پھر بختی کے لیے مشکل پیدا ہو جاتی۔ پھر بھی ایک مشکل موجود

تھی جو کسی طور ٹل نہیں سکتی تھی۔ وہ یہ کہ ایک ہی روز بعد پیر کے ہاں جانا تھا۔ بختی نے خاوند سے کہا کہ پہلے ہوشیار پور چلتے ہیں اور پھر پیر صاحب کے ہاں جائیں گے لیکن خاوند پیر کے حکم کو ٹالنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بختی سے کہا کہ پیر صاحب کے ہاں جانا ضروری ہے کیونکہ یہ ان کا حکم ہے جو ٹالا نہیں جا سکتا۔ بختی نے زیادہ زور اس لیے نہ دیا کہ خاوند نے اس کی یہ بات مان لی تھی کہ ٹسٹ کروالیں گے۔

پیر کے ہاں جانے کا دن آ گیا اور دونوں چلے گئے۔ پیر حسب معمول دونوں کو اسی کمرے میں لے گیا۔ اس نے وہی حرکتیں اور وہی اداکاری کی جو بختی کو زبانی یاد ہو گئی تھی۔ بختی نے صاف طور پر محسوس کیا جیسے پیر کچھ غصے میں ہو۔ اگر وہ غصے میں ہی تھا تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ یہ لڑکی اس کے ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ یہ پیرا ابھی نوجوانی کی عمر میں تھا اور اسے ابھی باپ والا تجربہ اور تحمل حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کے باپ نے بختی کی ماں کو رام کر لیا تھا جو اس کی استادی کا کمال تھا۔ یہ استادی ابھی اس نوجوان بیٹے کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہ بے تاب ہو گیا اور صبر کا دامن چھوڑ دیا۔ اس نے بختی کے خاوند سے کہا وہ ذرا سی دیر کے لیے باہر چلا جائے کیونکہ وہ اس کافر جن کو حاضر کرنا چاہتا ہے اور جن خاوند کی موجودگی میں نہیں آ رہا۔

خاوند اٹھا تو بختی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پیر نے اسے بیٹھے رہنے کو کہا تو بختی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ خاوند وہاں موجود رہے۔ پیر نے ڈانٹ کر اپنا حکم دہرایا۔

''نہیں یا سرکار!'' ___ بختی نے کہا ___ ''میری روح بھی آپ کو سلام کرتی ہے لیکن میں جانتی ہوں آپ کہیں گے کہ شلوار اتار دو۔ میں خاوند کی اجازت سے اور اس کی موجودگی میں اپنے آپ کو برہنہ کروں گی''۔

''لو، وہ آ گیا ہے'' ___ پیر نے کھوکھلی سی ہنسی ہنس کر کہا ___ ''میں آج دیکھتا ہوں یہ تمہیں کس طرح برہنہ ہونے کو کہتا ہے...... یہاں بیٹھ جاؤ اور میرے آگے سر جھکا لو''۔

بختی نے ایسا ہی کیا۔ پیر حسب معمول پلنگ پر بیٹھا تھا اور بختی کو اس نے اپنے سامنے کرسی پر بٹھا کر اس کا سر اپنے آگے یعنی اپنی گود میں جھکا لیا پھر دونوں ہاتھوں سے اس کی کنپٹیاں آہستہ آہستہ ملنے لگا۔ ایک دو منٹ بعد اس نے بختی کا سر اوپر اٹھایا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

''اتنی اکڑ نہ بنو بختی!'' ___ پیر نے اب اپنے قدرتی انداز سے کہا ___ ''اگر تم نے بچہ پیدا نہ کیا تو تمہیں طلاق مل جائے گی اور اتنا اچھا گھرانہ تمہیں نہیں ملے گا۔ ہو سکتا ہے تمہاری دوسری شادی ہی نہ ہو''۔

بختی پیر کا یہ انداز جان گئی اور اب پیرا سے ایک آوارہ ذہن نوجوان کی صورت میں نظر آنے لگا۔ بختی اسے اسی مقام پر لانا چاہتی تھی۔

''مجھے صاف صاف بتا دیں'' ___ بختی نے کہا ___ ''آپ میرے بطن سے اپنا بچہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ میں کسی قیمت پر قبول نہیں کروں گی''۔

اس کے بعد پیر کے ساتھ بختی کی ذرا لمبی مکالمہ بازی ہوئی اور پیر پیری کے جلال میں آ گیا اور اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے وہ کسی اور دنیا میں پہنچ گیا ہو۔ یہی وہ انداز تھا جس سے لوگ مسحور ہو جاتے اور اس کی ہر بات کو آسمان سے اتری ہوئی بات سمجھتے تھے۔

''پیچھے دیکھو'' ___ پیر نے کہا ___ ''تمہارا خاوند کہاں ہے؟''

خاوند وہاں نہیں تھا۔ نہ جانے کس وقت چپکے سے وہاں سے کھسک گیا تھا۔ پیر نے یوں بات کی تھی جیسے اس نے ایک یہ معجزہ کر دکھایا تھا کہ اس کے خاوند کو غائب کر دیا تھا۔

''کیا آپ مجھے سیدھی سادی دیہاتن سمجھتے ہیں؟'' ___ بختی نے کہا ___ ''میں آپ سے کہتی ہوں کہ آپ کے پاس اگر خدائی طاقت ہے تو مجھ سے اپنا یہ حکم منوائیں کہ میں برہنہ ہو کر پلنگ پر لیٹ جاؤں...... میں صرف اللہ کی ذات کو مانتی ہوں اور اسی کی مدد اور حفاظت کی طلبگار رہتی ہوں''۔

''ساری عمر پچھتاؤ گی بختی!'' ___ پیر نے کہا ___ ''میں تمہیں سوچنے کی مہلت دیتا ہوں''۔

یہ کہہ کر پیر اٹھا اور بختی کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ خود آگے آگے چلا اور بختی اس کے پیچھے چلتی کمرے سے نکل گئی۔ خاوند اس کا منتظر تھا۔ دونوں پیر کے اشارے پر وہاں سے نکل آئے۔

بختی نے راستے میں اپنے خاوند کو ایسی ڈانٹ پلائی جس میں پیار کی جھلک نمایاں تھی۔ اس نے غصہ دبا لیا تھا۔ خاوند پر تو وہ برس پڑنا چاہتی تھی کہ وہ اتنا بے غیرت ہو گیا ہے کہ اسے ایک نوجوان بدکار کے پاس چھوڑ کر دبے پاؤں نکل آیا تھا لیکن اس نے غصہ یہ

سوچ کر دبا لیا تھا کہ خاوند کو وہ اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتی تھی لیکن اسے مٹھی میں رکھنے کا کام کچھ مشکل ہو گیا تھا کیونکہ خاوند نے دیکھ لیا تھا کہ پیر صاحب کچھ خفا سے لگتے تھیں بختی نے بھی تو ان کے ساتھ کوئی اچھی باتیں نہیں کی تھیں۔

خاوند کو چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ جب بولا تو بختی کی تائید میں نہیں بلکہ مایوس سے لہجے میں کہا کہ بختی ایک بار پھر سوچ لے۔ خاوند کی مجبوری یہ تھی کہ اس کا شعور بیدار ہوا تو اس نے اپنے والدین کو پیر کے آستانے پر جاتے اور ماتھے رگڑتے دیکھا تھا۔ پیر پرستی تو اس کی فطرت میں شامل ہو گئی تھی۔ پھر وہ جب باتیں سمجھنے کی عمر کو پہنچا تو اس نے اپنے ماں باپ خصوصاً ماں سے، پیر کی ایسی کرامات سنی تھیں جیسے اللہ نے ''کن فیکون'' کی طاقت صرف اس پیر کو عطا کر رکھی ہو۔ یہ مفروضہ کرامات بختی کے خاوند کے ذہنِ لاشعور میں اتری ہوئی تھیں۔

پیر پرستی نے ہمارے معاشرے میں جڑ اسی وجہ سے پکڑی ہے کہ بزرگ اگلی نسل کے ذہنِ لاشعور میں اس بدعت اور شرک کو نہایت پُراثر طریقے سے اتارتے رہے اور جب اگلی نسل بزرگی کے مقام پر پہنچی تو اس نے یہ ورثہ اگلی نسل کے ذہنِ لاشعور میں محفوظ کر دیا اور دنیا سے اٹھ گئی۔

قرآن حکیم شاہد ہے کہ کوئی بھی نبی اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے تو لوگوں نے انہیں پہلی بات یہ کہی کہ ہمارے بزرگ کیا ہمیں غلط باتیں بتاتے رہے اور غلط راستے پر ڈال گئے ہیں؟ ہم ان کی باتوں کو نہ جھٹلائیں گے نہ ان کے دکھائے ہوئے راستے سے ہٹیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں کے اسی استدلال کا سامنا ہوا تھا۔ آج بھی وہی استدلال ہمارے معاشرے کو اپنی بڑی ہی مضبوط گرفت میں لئے ہوئے ہے اور اَن پڑھ بھی اور پڑھے لکھے بھی ایک ہی ڈگر پر چلے جا رہے ہیں۔

بختی کے خاوند کا ذہن اسی گرفت میں آیا ہوا تھا۔ اس پر کلام نرم و نازک بے اثر ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں بختی کو ماں نے کوئی اور ہی راستے دکھا دیا تھا جو اس کے ذہن لاشعور پر نقش تھا۔ یہ تھا وہ راستہ جس پر اللہ والے چلا کرتے ہیں۔

دو دن بعد خاوند بختی کو ساتھ لے کر ہوشیار پور چلا گیا۔ وہ طلوع آفتاب سے خا پہلے روانہ ہو گئے تھے۔ ہوشیار پور پہنچتے تک دکانیں، بازار اور ڈاکٹروں کے کلینک کھل گئے

تھے۔ وہ اس ڈاکٹر تک پہنچ گئے جو کلینک اور ٹسٹ لیبارٹری چلاتا تھا۔ خاوند نے ڈاکٹر سے کہا کہ انہیں شام سے پہلے واپس بھی جانا ہے اس لیے انہیں رپورٹ اسی روز مل جائے تو بہتر ہے۔

ڈاکٹر نے ارجنٹ رپورٹوں کے لیے ان سے تقریباً دوگنی فیس جھاڑی۔

وہ دن بھر سیر سپاٹا کرتے رہے اور ڈاکٹر کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق اس کے کلینک پر پہنچ گئے۔ ڈاکٹر نے خاوند کو صاف الفاظ میں بتایا کہ وہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے قدرتی طور پر محروم ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں۔ ڈاکٹر نے یہ بھی کہا کہ وہ کہیں سے بھی ٹسٹ کروا لے، انگلینڈ چلا جائے خواہ امریکہ جا کر ٹسٹ کرا لے، اس کی رپورٹ یہی ہو گی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ کوئی اگر اسے کہتا ہے کہ وہ خامی کا علاج کر سکتا ہے تو وہ بہت بڑا دھوکہ باز ہو گا۔

بختی کی رپورٹ بالکل صاف تھی۔ اس میں ایسا کوئی نقص نہیں تھا۔

''ڈاکٹر صاحب!'' ___ خاوند نے پوچھا ___ ''اگر کسی پیر یا پہنچ والے کسی بزرگ کی دعاؤں سے یا تعویذوں سے اولاد ہو جائے تو کیا یہ ممکن ہے؟''

''اسی بیوی سے اولاد کا ہونا ممکن ہے'' ___ ڈاکٹر نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا ___ ''لیکن یہ اولاد تمہاری نہیں ہو گی۔ ہوں تو میں ہندو لیکن خدا کو مانتا ہوں۔ خدا نے تمہیں اس وصف کے بغیر پیدا کیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی پیر یا کوئی پنڈت یا کوئی بزرگ خدا کے لکھے کو بدل ڈالے یا خدا کے بنائے ہوئے قوانین کو بدل دے اور وہ کام کر دکھائے جو خدا نے خود بھی نہیں کیا''۔

خاوند کے دماغ پر ابھی تک پیر سوار تھا۔ اس نے شاید مایوسی یا محرومی سے گھبرا کر اپنے پیر ہی کی باتیں شروع کر دیں۔ ڈاکٹر ایک تو ڈاکٹر تھا اور دوسرے وہ ہندو تھا۔ اس نے بڑے واضح الفاظ میں کہا کہ وہ خاوند کے جذبات کو ٹھیس تو نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن اسے کسی دھوکے میں بھی نہیں رکھنا چاہتا۔

''کسی دھوکے میں نہ آ جانا میرے بھائی!'' ___ ڈاکٹر نے کہا ___ ''جو پیر یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ تمہیں باپ بنا سکتا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ وہ بچہ تمہارا نہیں بلکہ اس پیر کا نطفہ ہو گا''

وہ ہوشیار پور سے اس کیفیت میں واپس آئے کہ بختی بہت خوش تھی لیکن اس کا خاوند مایوس و نامراد تھا۔ اس نے بختی کے باپ بلکہ اس کی ماں کے خاوند کی طرح یہ نہ کیا کہ بختی اس کے اس راز سے پردہ اٹھا دے۔ وہ کچھ اور سوچنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا، اس کے پاؤں کے نیچے زمین ہل رہی تھی۔

+++

''اب میری سنو'' ___ خاوند نے رات بختی سے کہا ___ ''میں نے تمہاری بات مان لی تھی اور ٹسٹ کروا لیا ہے۔ اب میری بات مانو اور کل پیر صاحب کے ہاں چلو۔ میں انہیں یہ رپورٹ دکھاؤں گا۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ پیر صاحب اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔ اللہ کی درگاہ میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ ہوسکتا ہے پیر صاحب کو ہم پر رحم آجائے اور وہ کوئی معجزہ کر دکھائیں''۔

''میں آپ کی یہ بات مان لیتی ہوں'' ___ بختی نے کہا ___ ''آپ کی پیدائش اور تربیت ایسے ماحول میں ہوئی ہے جس کے اثرات سے آپ کو نکالا نہیں جاسکتا۔ یہ سوچ لیں کہ میں اس پیر کی اولاد پیدا نہیں کروں گی''۔

اگلے ہی روز دونوں پیر کے ہاں چلے گئے۔ پیر انہیں اس خاص کمرے میں لے گیا۔ خاوند نے ٹسٹ رپورٹ پیر کے آگے رکھ دی۔ پیر انگریزی پڑھا لکھا نہیں تھا۔ خاوند نے اسے بتایا کہ ڈاکٹر نے یہ رپورٹ دی ہے اور کہا ہے کہ پیدائشی نقص ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

''کیا کفر بک رہے ہو!'' ___ پیر نے رپورٹ بڑے غصے سے فرش پر پھینکتے ہوئے کہا ___ ''تم ایک کافری باتوں میں آگئے ہو۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ مجھ سے پوچھتے تو میں تمہارا یہ سارا خرچہ بچا لیتا اور تمہیں خود ہی بتا دیتا کہ تم اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں لیکن میں یہ بھی ممکن کر دکھاؤں گا۔ تمہارے لیے مجھے چالیس راتوں کا چلہ کرنا پڑے تو بھی کروں گا لیکن یہ شرط پوری کر دو کہ بختی اکیلی میرے سامنے بیٹھے تاکہ میری پڑھائی اور عمل کے اثرات اس کی ذات میں اترتے رہیں''۔

''یا سرکار!'' ___ بختی نے کہا ___ ''نقص تو ان میں ہے، میں تو بالکل ٹھیک ہوں آپ انہیں اپنے سامنے کیوں نہیں بٹھاتے؟ آپ کے عمل اور آپ کی پڑھائی کے اثرات

ان کے جسم میں اترنے چاہئیں تاکہ یہ اولاد پیدا کرسکیں''۔

''او کم عقل لڑکی!'' ___ پیر نے کہا ___ ''یہ میرا اور خدا کا معاملہ ہے۔ اس میں دخل اندازی کر کے خدا کی ذات کو ناراض نہ کرو۔ یہیں بیٹھی رہو اور تم میاں، باہر انتظار کرو''۔

''یہ یہیں بیٹھیں گے'' ___ بختی نے کہا ___ ''یہ باہر جائیں گے تو میں بھی باہر چلی جاؤں گی''۔

پھر وہی چپقلش شروع ہوگئی۔ پیر جلالی غصے میں آگیا اور اس نے بختی کے خاوند سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اس کا دماغ درست کر کے لاؤ۔ یہ کافروں کی باتوں میں آگئی ہے۔

بختی نے پیر کو ابھی یہ تو بتایا ہی نہیں تھا کہ وہ ایک ہندو جوتشی سے بھی مل آئی ہے جس نے اس کے مستقبل کے پردے چاک کر کے بہت کچھ دکھا دیا ہے...... وہ خاوند کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل آئی۔ خاوند تو بڑی ہی تکلیف دہ اور روح کُش کیفیت میں مبتلا ہوگیا تھا۔

''میری سنو بختی!'' ___ گھر آ کر خاوند نے کہا ___ ''اگر اس رپورٹ کو دیکھیں تو میں تمہیں بچہ نہیں دے سکتا۔ تو کیا بہتر نہیں کہ تم طلاق لے لو ورنہ ساری عمر بغیر بچے کے رہو گی''۔

''مجھے بچہ نہیں آپ کی محبت چاہئے'' ___ بختی نے کہا ___ ''آپ بچے کی بات کرتے ہیں، میں آپ کی محبت اور آپ کی جان کی خاطر دنیا بھر کے خزانے ٹھکرا سکتی ہوں۔ بچے کے لیے آپ کی امی اور بہنیں بے تاب ہیں۔ اگر آپ یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر دوسری شادی کرلیں گے تو آپ صاحبِ اولاد ہو جائیں گے تو میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ یہ بھی کرلیں''۔

خاوند نے حلفیہ کہا کہ وہ بختی کو نہیں چھوڑ سکتا بلکہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا...... خاوند کے لیے بڑی ہی تکلیف دہ صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی لیکن سب سے زیادہ مشکل کا سامنا بختی کو تھا۔ اس نے تو جیسے پتھروں سے دشمنی مول لے لی تھی جو از خود ہی برسنا جانتے تھے۔ بختی اس مہم اور معرکے میں بالکل تنہا تھی اور وہ عورت تھی اور پھر اس کی کمزوری یہ بھی تھی کہ وہ بیوی تھی۔ پھر بھی وہ اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی تھی۔ اسے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا یا وہ اپنی ماں کو تازہ بہ تازہ خبریں سناتی اور اس سے مشورے اور حوصلہ لیتی رہتی تھی۔

ساس اور اس کی بیٹیوں نے کسی طرح محسوس کر لیا کہ بختی کچھ گڑبڑ کر رہی ہے اور انہیں بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ اب تو بختی کا خاوند بھی انہیں ادھوری سی بات سناتا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ اکھڑا اکھڑا سا ہے اور ضرور اندر خانے کوئی بھید ہے جو چھپایا جا رہا ہے۔

ایک روز بختی کی ساس اور اس کی بیٹیاں پیر کے ہاں چلی گئیں۔ پیر پہلے ہی بختی کے خلاف بھڑکا بیٹھا تھا اور اس کے ارادے بڑے ہی خطرناک تھے۔ ساس نے ابھی بات شروع کی ہی تھی کہ پیر پھٹ پڑا۔ اس نے جو زہر اگلا وہ کسی نہ کسی ذریعے سے بعد میں بختی کے کانوں تک پہنچ گیا۔ ذریعہ یہی تھا کہ اس کی ساس اور نندوں نے سارے محلے میں یہ باتیں پھیلا دیں کہ پیر صاحب نے بختی کے متعلق یہ اور یہ بات کہی ہے۔

پیر نے کہا تھا کہ اس بہو کو چلتا کرو ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ بختی کو اس نے بے پیری اور بددعائی ہوئی کہا۔ یہ بھی کہ یہ بڑی منحوس روح ہے اور جس گھر پر اس کا سایہ پڑے گا وہاں بے برکتی اور نحوست ڈیرہ جما لیں گی۔

ساس اور نندوں نے بختی سے آنکھیں پھیر لیں اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ بختی نے ہمیں سنایا کہ ایک روز ایک قیمتی پلیٹ ٹوٹ گئی اور اسی شام انڈے دینے والی ایک مرغی جو ایک دو دنوں سے بیمار تھی، مر گئی۔ بختی کی ساس نے یہ بھی سارے محلے میں پھیلا دی کہ اس کے گھر میں بختی کی نحوست صاف ظاہر ہونے لگی ہے، آج صبح اتنی قیمتی پلیٹ ٹوٹی اور شام کو انڈے دینے والی مرغی مر گئی۔

صرف خاوند تھا جس کا رویہ بختی کے ساتھ پہلے جیسا رہا۔ بختی کو اس کی سہیلیاں اور ملنے والی لڑکیاں بتاتی رہتی تھیں کہ اس کی ساس اور نندیں اس کے خلاف کیا کیا باتیں کر رہی ہیں۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ اس کی ساس پیر سے کوئی ایسا عمل یا دعا کرانے گئی تھی کہ اس کا بیٹا بختی کو طلاق دے دے۔ ظاہر ہے پیر نے ضرور کوئی عمل کیا ہوگا اور ساس سے نذرانہ وصول کر لیا ہوگا۔ بختی نے یہ بات اپنے خاوند کو بتائی۔

''ہاں، میں اب سمجھا'' ___ خاوند نے کہا ___ ''آج دوسرا دن ہے امی مجھے کو خاص پانی پلا رہی ہے۔ مجھے الگ بلاتی ہے اور ایک پیالی میرے ہاتھ میں دے کر کہتی کہ یہ پی لو...... میں پی لیتا ہوں۔ اب پتہ چلا ہے کہ اس پانی میں پیر کے تعویذ گھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا میں یہ پانی پینے سے انکار کر دوں؟''

''انکار نہ کرنا'' ___ بختی نے کہا ___ ''پیتے رہیں اور دیکھیں کہ کوئی اثر ہوتا ہے!...... خاک اثر نہیں ہوگا۔ میں چاہتی ہی یہی ہوں کہ پیر کے تعویذ بھی آزما لیں''۔

''خدا کی قسم بختی!'' ___ خاوند نے کہا ___ ''ماں باپ اور بہنوں کو اور اس گھر کو چھوڑ دوں گا، تمہیں نہیں چھوڑوں گا''۔

بختی نے اپنی ماں کو یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے خلاف کیا کچھ ہو رہا ہے اور اس کی ساس اور نندیں کیسا پروپیگنڈہ کر رہی ہیں۔ ماں نے اسے کہا کہ حوصلہ قائم رکھنا اور اللہ کو دل سے نہ نکلنے دینا۔ اس سے پہلے بختی نے نماز کبھی باقاعدگی سے نہیں پڑھی تھی اب اس نے نماز میں باقاعدگی اختیار کر لی اور ہر نماز کے بعد اس کے سینے سے دعائیں نکلنے لگیں۔ اس نے پیر کے ہاں جانا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ دو تین مرتبہ ساس نے کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ نتیجہ ظاہر ہے، گھر میں بختی کی وہ پہلے والی حیثیت رہی ہی نہیں بلکہ خاصی حد تک اسے ایک اچھوت کی حیثیت دے دی گی۔

+ + +

ایک روز ایک ادھیڑ عمر عورت بختی کے پاس آ بیٹھی۔ یہ عورت کوئی بھکارن یا لوگوں کے گھروں میں کام کرنے والی تو نہیں تھی لیکن کچھ ایسے ہی درجے کی عورت تھی اور اس نے اپنا وقار قائم رکھا ہوا تھا۔ کسی کو شبہ تک نہ تھا کہ یہ عورت مجرمانہ ذہنیت کی بھی ہو سکتی ہے۔ اس عورت نے بختی کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کیا اور اس کی ساس اور نندوں کے خلاف جی بھر کے باتیں کیں اور پھر پیر کے خلاف بھی ایک دو باتیں کہہ ڈالیں۔ ظاہر ہے بختی کو یہ باتیں اچھی لگی ہوں گی اور اس نے اس عورت کو قابلِ قدر سمجھا ہوگا۔ بختی نے اس کے ساتھ اپنے دل کی باتیں کیں اور غبار نکالا۔

''یہ پیر ابھی بچہ ہے'' ___ اس عورت نے کہا ___ ''اس کے ہاتھ میں ابھی باپ والا علم اور عمل پوری طرح نہیں آیا۔ میری مانو تو ایک اور ذریعہ آزما دیکھتے ہیں۔ قبرستان کے ایک کونے میں گمنام سی ایک خانقاہ ہے۔ اس سے تھوڑی ہی دور ایک بہت ہی پرانی قبر ہے جو پکی نہیں، صدیوں سے کچی آ رہی ہے۔ اس قبر کی کرامت یہ ہے کہ اس کے اردگرد کی تمام قبریں بارشوں میں بہہ گئی ہیں لیکن یہ ابھی تک قائم ہے۔ یہ سوچو کہ دوسری قبروں کی طرح یہ بھی مٹی کی ڈھیری ہے لیکن بارشیں اور طوفان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ میں جانتی ہوں کہ

اس قبر پر جس کسی نے جو بھی دعا کی وہ قبول ہوئی۔ بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے''۔

''تو کیا مجھے اس قبر پر جانا چاہیے؟''___ بختی نے پوچھا۔

''یہی تو کہنے آئی ہوں''___ عورت نے جواب دیا___ ''قبر کچھ دے گی نہیں تو تم سے کچھ مانگے گی بھی نہیں...... اس قبر پر جانے کے لیے ایک خاص دن اور وقت مقرر ہے۔ دن منگل کا ہو اور وقت عصر کی اذان کے کچھ بعد کا۔ وہاں جانا چاہو تو پرسوں منگل ہے، اکیلی چلی جانا۔ قبر پر جانے سے پہلے خانقاہ میں جا کر فاتحہ پڑھنا۔ اس کے بعد قبر پر جانا اور فاتحہ پڑھ کر صرف اتنا کہنا، یا سخی، میری گود ہری کر دے...... چلی جانا، تمہارا کوئی خرچ نہیں ہوگا نہ کوئی اور نقصان ہوگا''۔

اس عورت نے اس خانقاہ اور قبر کی باتیں ایسے پُر اثر انداز میں کیں کہ بختی متاثر ہو گئی اور اس نے وہاں جانے کا پکا ارادہ کر لیا۔

''یہ خیال رکھنا''___ عورت نے کہا___ ''نہا کر جانا اور کپڑے اور دوپٹہ بالکل سفید ہو اور ہاتھ میں چنبیلی کا پھول ہو۔ دعا کے بعد پھول قبر کے سرہانے کی طرف رکھ آنا...... سب سے ضروری احتیاط یہ کرنی ہے کہ کسی کو بتا کر گھر سے نہیں نکلنا، اپنے خاوند کو بھی نہیں بتانا اور جب واپس آؤ تو کسی کے ساتھ ذکر نہ ہو''۔

منگل کا دن آیا اور عصر کی اذان ہوتے ہی بختی گھر سے نکل گئی۔ اس نے غسل پہلے ہی کر لیا تھا اور سفید کپڑے پہنے اور ایک سہیلی کے گھر سے چنبیلی کا پھول پہلے لے لیا تھا۔ اس نے پہلے خانقاہ پر جا کر فاتحہ پڑھی اور پھر اس عورت نے قبر کی جو نشانیاں بتائی تھیں ان کے مطابق قبر تک پہنچی۔ وہاں یہی ایک قبر تھی جس کی تلاش میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ قبر سے تھوڑے ہی فاصلے پر زمین نیچے چلی جاتی تھی جس میں چھوٹے بڑے کھڈ تھے اور یہ بالکل ویران علاقہ تھا۔ اس سے آگے ٹیلے اور ٹیکریاں تھیں اور بہت دور تک علاقہ ایسا ہی کٹا پھٹا اور اونچا نیچا تھا۔

بختی قبر کے قریب کھڑی فاتحہ پڑھ رہی تھی۔ اس پر جذبات کا ایسا غلبہ طاری ہوا کہ اس کے آنسو بہنے لگے۔ وہ دعا بھی مانگ رہی تھی اور آنسو بھی بہے جا رہے تھے۔ اس نے دوپٹہ اس طرح آگے کر لیا جس طرح گھونگھٹ نکالا جاتا ہے۔ آنسو پونچھے بغیر دعا مانگتی رہی۔

اُسے محسوس تک نہ ہوا کہ دو آدمی اس کے بالکل پیچھے پہنچ چکے ہیں اور ایک کے ہاتھ کی مٹھی میں رومال ہے۔ یہ ہاتھ پیچھے سے بختی کے منہ کے آگے گیا، مٹھی کھلی اور رومال اس کی ناک سے جا لگا۔ بختی نے دو تین سیکنڈ اس ہاتھ سے آزاد ہونے کی کوشش کی اور پھر اس کے لیے دنیا اندھیر ہو گئی۔ دونوں آدمیوں نے اسی طرح اسے بازوؤں میں لے کر اس طرف چلانا شروع کر دیا جس طرف زمین نیچے چلی گئی تھی۔

قبر اور خانقاہ ایسی جگہ تھیں جہاں درخت زیادہ تھے اور ایک طرف سرکنڈے خاصے اونچے تھے۔ اغوا کے لیے وہ بڑی ہی موزوں جگہ تھی۔ آگے علاقہ ایسا آ جاتا تھا جہاں کوئی دیکھنے والا تھا ہی نہیں۔ پھر بھی ان آدمیوں نے بڑا پکا انتظام کر رکھا تھا۔

آگے دو اور آدمی کھڑے تھے۔ انہوں نے لڑکی کو دیکھتے ہی پتلا سا ترپال زمین پر بچھا دیا۔ لڑکی بے ہوش تھی۔ چاروں نے مل کر لڑکی کو پہلو کے بل ترپال پر لٹایا اور اس کی ٹانگیں گھٹنوں سے دوہری کر دیں پھر ترپال اس کے اوپر ڈالا اور اس پر رسی لپیٹ دی اور انہوں نے بختی کو اٹھا لیا۔ اب تو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ آدمی ایک لڑکی کو اٹھائے لیے جا رہے ہیں۔

+++

بختی ہوش میں آئی تو آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے اپنی اس وقت کی کیفیت بتاتے ہوئے سنایا کہ وہ پہلے تو یہ سمجھی کہ گہری نیند سو گئی تھی لیکن اسے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ دن ہے یا رات۔ اچانک اسے یاد آ گیا کہ وہ قبر پر فاتحہ پڑھ رہی تھی۔ اس پر خوف سا طاری ہو گیا۔ وہ سمجھی کہ قبر پر ہی وہ شاید گر پڑی تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی۔

اس خیال کے آتے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور دائیں بائیں دیکھنے لگی تب اسے پتہ چلا کہ وہ ایک صاف ستھرے کمرے میں چارپائی پر پڑی ہے جس پر بستر بچھا ہوا ہے اور سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک اور چارپائی ہے۔ اس پر بھی بستر بچھا ہوا تھا اور اس پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جو بختی کو دیکھے ہی جا رہا تھا۔

''کون ہو تم؟''___ بختی نے اس پوچھا___ ''میں کہاں ہوں؟...... مجھے یہاں کون لایا ہے؟ مجھے کیا ہو گیا تھا؟''

''ہوش میں آ گئی ہو؟''___ یہ آدمی اٹھتے ہوئے کہنے لگا___ ''گھبراؤ نہیں،

تمہارے ساتھ کوئی غلط سلوک نہیں ہوگا۔ اپنے آپ کو اپنے ہی گھر میں سمجھو‘‘۔

بختی اٹھنے لگی تو اسے چکر سا محسوس ہوا اور جسم جیسے کمزور ہو گیا ہو۔ غصے سے اس کا خون کھولنے لگا۔ اس آدمی نے اس کے قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کچھ تسلی آمیز الفاظ کہے۔ بختی نے بڑے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک ڈالا۔ وہ آدمی یہ کہہ کر کمرے سے نکلا کہ ابھی آکر بتاتا ہوں۔ وہ باہر نکلا اور دروازہ بند کر کے باہر سے زنجیر چڑھا گیا۔

بختی پوری طرح ہوش میں آچکی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اسے اغوا کیا گیا ہے اور اغوا کروانے والا پیر کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس کے ذہن میں وہ عورت آئی۔ جس نے اسے اس قبر کی کرامات سنائی تھیں۔ اسے شک ہونے لگا کہ وہ عورت بھی اس کے اغوا میں شامل ہے۔

اتنا تو بختی سمجھتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا لیکن اس نے گھبراہٹ اور خوف کو جھٹک ڈالا۔ تہیہ کرلیا کہ اپنی جان پر کھیل جائے گی کسی آدمی کو اپنے جسم کے قریب نہیں آنے دے گی۔ اس نے اٹھ کر کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا، شاید کوئی لاٹھی کلہاڑی یا ڈنڈا مل جائے لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ کمرے میں ذرا تیز تیز چلی اور بازوؤں کو بھی پھیلا کر اوپر نیچے ہلایا تاکہ جسم میں خون کی گردش تیز ہوجائے اور جسم ڈھیلا نہ رہے۔

بارہ چودہ منٹ گزرے ہوں گے کہ دروازہ کھلا۔ اسے سب سے پہلے جو جانی پہچانی صورت نظر آتی وہ پیر کی تھی۔ بختی نے دروازے کے باہر دیکھا یہ کسی بڑی حویلی کا کمرہ تھا اور حویلی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ یہ پیر ہی کی ہوسکتی تھی۔ بختی اس حویلی میں کئی بار آئی تھی لیکن اس نے دو ہی کمرے دیکھے تھے۔ ایک وہ کمرے جس میں مرید آکر بیٹھا کرتے تھے اور دوسرا وہ کمرہ جس میں پیر اسے بٹھایا کرتا تھا۔

’’آخر آگئی میرے پاس!‘‘ ___ پیر نے بختی سے کہا ___ ’’آؤ، بیٹھ جاؤ‘‘۔

’’میں تیری اس مکرہ صورت پر لعنت بھیجتی ہوں‘‘ ___ بختی نے جلی کٹی آواز میں کہا ___ ’’جس مقصد کے لیے تُو نے مجھے اغوا کروایا ہے وہ مقصد تُو میری لاش سے ہی پورا کرسکتا ہے‘‘۔

پیر ہنس پڑا۔ اس کی طرف بڑھا۔ بختی پیچھے ہٹتی گئی اور چارپائی سے جا لگی۔ پیر نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دبایا تو بختی بیٹھ گئی۔

’’یہاں نہیں!‘‘ ___ پیر نے کہا ___ ’’اسی کمرے میں چلو۔ یہ کمرہ تمہاری شان کے خلاف ہے‘‘۔

’’جو کہنا ہے یہیں کہہ لو‘‘ ___ بختی نے کہا ___ ’’میں جانتی ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ میں کیا کہوں گی۔ میں تمہارے منہ پر پہلے تھوک چکی ہوں۔ شرم کر بے غیرت، میں ایک لڑکی اور تم چار پانچ مرد۔ یہ کوئی مقابلہ نہیں۔ اکیلا میرے قریب آ......‘‘

’’اسے اس کمرے میں پہنچا دو‘‘ ___ پیر نے بختی کی بات کاٹ کر اپنے آدمیوں سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

تین آدمی بختی کی طرف آئے۔ ایک نے اسے کہا کہ وہ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالے اور پیر جی جس طرح کہتے ہیں اس طرح کرے اور اسے جلدی رہائی مل جائے گی۔ یہ کہہ کر اس نے بختی کا بازو پکڑنا چاہا اور دو آدمی اسے پکڑ کر باہر لے جانے کو آگے بڑھے۔

’’پیچھے رہو‘‘ ___ بختی نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا ___ ’’مجھے ہاتھ نہ لگانا، چلو کہاں چلنا ہے؟‘‘

وہ ان آدمیوں کے پیچھے پیچھے چلی اور حویلی کے برآمدے میں سے ہوتی ہوئی یہ آدمی جس دروازے میں داخل ہوئے اس دروازے میں داخل ہوگئی۔ اس کے آگے ایک اور کمرہ تھا۔ یہ آدمی بختی کو اس کمرے میں داخل کر کے خود باہر کھڑے رہے۔

بختی نے یہ کمرہ فوراً پہچان لیا۔ حویلی کو اندر سے اچھی طرح نہیں دیکھ سکی تھی کیونکہ رات گہری ہوچکی تھی اور بالائی منزل میں کچھ روشنی سی نظر آئی تھی۔ بختی جس کمرے میں داخل ہوئی اس میں کوئی نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب پیر آئے گا اور کیا کرے گا۔ پیر فوراً ہی آگیا اور اس نے اندر والے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی اور پھر باہر والے دروازے کو بھی اندر سے پکا بند کردیا۔

’’پلنگ پر بیٹھ جاؤ‘‘ ___ پیر نے دوستانہ لہجے میں کہا ___ ’’اب تمہیں مان لینا چاہیے کہ میرے جنات تمہیں اٹھا کر لے آئے ہیں۔ اپنے آپ کو اتنے مشکل امتحان میں نہ ڈالو۔ یہاں تمہاری نہیں میری چلے گی‘‘۔

’’یہ جنات نہیں تھے‘‘ ___ بختی نے آواز میں نفرت بھر کر کہا ___ ’’یہ تمہارے ٹکڑوں

پر پلنے والے کتے ہیں۔ تمہیں ان پر بھروسہ ہے اور مجھے اپنے اللہ پر یقین ہے۔ میں پلنگ پر نہیں بیٹھوں گی''۔

''دیکھ بختی!''___ پیر نے بڑے تحمل سے کہا___ ''میں تمہیں آخری بار پیار سے کہتا ہوں پلنگ پر ہو جاؤ''۔

''آخری بار نہیں سو بار کہو''___ بختی نے کہا___ ''میری جوتیاں چاٹ کر کہو، میری زبان سے انکار نکلے گا اور تمہارے لیے لعنتیں نکلیں گی''۔

پیر باتیں کرتے کرتے آہستہ آہستہ بختی کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ وہ تنومند نوجوان مرد تھا۔ اس نے بڑی ہی تیزی سے بختی کو کمر سے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور اٹھا کر پلنگ پر چت پھینک دیا۔ اسی تیزی سے وہ خود پلنگ پر چڑھ گیا اور پیشتر اس کے کہ بختی کو پلنگ پر دبا لیتا بختی سپرنگ کی طرح اچھل کر پلنگ کے دوسری طرف فرش پر کھڑی ہو گئی۔ کچھ دن پہلے بھی وہ ایسے ہی کر چکی تھی۔ وہ باہر والے دروازے کی طرف لپکی تو پیر نے پلنگ سے کود کر اسے پیچھے سے دبوچ لیا اور اٹھا کر ایک بار پھر پلنگ پر پٹخ دیا۔ بختی اس کے مقابلے میں جسمانی لحاظ سے کچھ بھی نہیں تھی۔ اگر بختی میں طاقت تھی تو وہ کردار کی پاکیزگی اور ایمان کی طاقت تھی۔

اب کے پیر اتنی تیزی سے اس پر آیا کہ بختی پلنگ سے ابھی اٹھ نہیں سکی تھی۔ وہ پیٹھ کے بل پڑی ابھی اٹھ ہی رہی تھی کہ پیر اس کی ٹانگوں پر بیٹھ گیا اور جب آگے کو جھکا تو بختی نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

اس پیر کے قدموں میں تو لوگ سجدے کیا کرتے تھے مگر اس لڑکی نے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ غصے سے وہ پاگل ہی ہو گیا۔ بڑی ہی پھرتی سے اٹھا اور پلنگ کے ساتھ والی دیواری الماری کھولی اور اس میں ہاتھ ڈال کر جو چیز نکالی وہ خنجر تھا جس پر نیام چڑھی ہوئی تھی۔

وہ زمانہ کلاشنکوف کا نہیں تھا۔ آج شاید کوئی ایسا پیر نہیں ملے گا جس کے گھر میں کلاشنکوف نہیں ہو گی یا جس کے پاس کلاشنکوف بردار محافظ نہیں ہوں گے۔ اس دور کے پیروں کے پاس عموماً شکاری بندوق یا کسی کسی کے پاس ریوالور ہوتا تھا۔ اگر اس پیر کے پاس بندوق یا ریوالور اور یا دونوں ہتھیار تھے تو وہ کسی اور کمرے میں ہوں گے۔ یہاں

صرف خنجر تھا جو پیر نے نکال لیا تھا۔ وہ خنجر نیام سے نکال ہی رہا تھا کہ بختی نے بڑی ہی پھرتی سے پلنگ سے اچھل کر اس پر جست لگائی اور اس کا خنجر والا بازو پکڑ لیا۔ فوراً ہی اس نے اس بازو کی کلائی میں دانت گاڑھ دیئے۔ اتنی زور سے کاٹا کہ پیر بلبلا اٹھا اور اس کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا۔ بختی نے فوراً خنجر اٹھا لیا اور اس کی نوک پیر کی طرف کر دی۔

''میں تمہیں خنجر سے صرف ڈراؤں گی نہیں اے مردود!''___ بختی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا___ ''اپنی بے عزتی کا انتقام لے کر سیدھی تھانے جا پہنچوں گی اور ساری دنیا کو تمہاری کرتوت سناؤں گی''۔

خطرے کے وقت انسان کی ڈھکی چھپی قوتیں مرکوز ہو کر سامنے آ جاتی ہیں اور جو سچا اور نیک بندہ ہو اسے اللہ اپنی مدد اور جرأت عطا فرما دیتا ہے۔ بختی نے ہمیں سنایا کہ وہ وقت اسے اس طرح یاد ہے جیسے یہ کل پرسوں کا ہی واقعہ ہو۔ وہ آج بھی حیران تھی کہ اس میں اتنی طاقت اور اتنا حوصلہ کس طرح آ گیا تھا۔ وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ عورت ہے، اس میں مردانگی آ گئی تھی۔ اس کے دل میں اللہ کا نام تھا۔

پیر پیچھے ہٹتے ہٹتے اندر والے دروازے تک پہنچ گیا۔ اس نے بڑی تیزی سے چٹخنی کھول دی اور کواڑ کھل گیا۔

''اسے پکڑ لو''___ پیر کے منہ سے گھبرائی ہوئی آواز نکلی اور وہ خود دروازے سے باہر ہو گیا۔

اس کے آدمی صحن میں اس کے اگلے حکم کے منتظر بیٹھے تھے۔ وہ دوڑے آئے اور کمرے میں داخل ہو گئے۔ بختی نے خنجر کی نوک آگے کر رکھی تھی اور اتنے سارے آدمیوں کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹنے لگی۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ دوسرے دروازے تک پہنچ جائے اور دروازہ کھول کر نکل بھاگے اور کوئی بھی اس کے قریب آئے اس کے پیٹ میں خنجر گھونپ دے لیکن وہ اکیلی تھی۔

ان آدمیوں نے اسے گھیرے میں لے لیا اور پیر پھر اندر آ گیا۔ ایک بار بختی کی پیٹھ پیر کی طرف ہو گئی تو پیر نے اس کی وہ کلائی پکڑ لی جس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے بختی کا بازو اتنی زور سے مروڑا کہ بختی ایک طرف کو بل کھا گئی۔ فوراً ہی ان آدمیوں نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

''اسے اس کالے کمرے میں بند کر دو'' ___ پیر نے کہا ___ ''تین راتیں وہیں بند رکھنا۔ اسے صرف پانی دینا۔ بھوکا رکھو اسے''۔

اکیلی نوجوان لڑکی پانچ آدمیوں کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور نہیں خنجر تھا۔ اسے موقع ملتا تو ایک دو آدمیوں کو زخمی کو دیتی لیکن آخر اسے پکڑے ہی جانا تھا۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا بلکہ جکڑ لیا اور اٹھا کر ایک اور کمرے میں لے گئے جو بالکل تاریک تھا۔ ایک آدمی نے اسے کہا کہ اس نے اگر شور مچایا تو یہ سب آدمی اسے ساری رات خراب کرتے رہیں گے اور صبح تک شاید وہ زندہ بھی نہ رہ سکے۔

سب باہر نکلے اور باہر سے دروازے کی زنجیر چڑھا دی۔ پیر کے کہنے پر ایک آدمی نے دروازے کے آگے چارپائی بچھالی اور وہاں لیٹ گیا۔ اسے رات وہیں گذارنی تھی۔

+++

بختی نے وہ رات اس تاریک کمرے میں فرش پر بیٹھے گذار دی۔ اس نے ایسا بالکل نہ کیا کہ شور مچاتی اور دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارتی۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے ایسی حرکت کی تو یہ لوگ اس کے ساتھ وحشیوں اور درندوں جیسا سلوک کریں گے۔ اس کا اسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی بجائے اس نے اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا اور قرآن سے جو آیات اسے یاد تھیں، باری باری ان کا ورد کرتی رہی۔

صبح طلوع ہوئی تو دروازہ کھلا اور ایک آدمی پانی کا گلاس لئے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے گلاس بختی کی طرف بڑھایا۔ بختی پیاس سے مری جا رہی تھی۔ بھوک کا اسے ذرا سا بھی احساس نہیں تھا۔ اس نے گلاس لے لیا اور ایک ہی سانس میں پی گئی۔ اس نے ایک اور گلاس پانی مانگا جو اسے دے دیا گیا۔ دروازہ پھر باہر سے بند ہو گیا۔ قدرتی حاجات کے لیے اسے یہی کمرہ استعمال کرنا تھا جو اس نے کیا اور اس طرح کمرے میں بدبو پھیل گئی۔ بختی نے یہ بھی برداشت کیا اور اللہ کو ہی یاد کرتی رہی۔

دن آدھا گزر گیا تو دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ یہ کوئی دوسرا آدمی تھا۔ اس نے بھی بختی کو پانی پلایا اور ساتھ یہ کہا کہ پیر صاحب کہتے ہیں کہ بات کرنا چاہو تو اسی کمرے میں آ جاؤ لیکن سوچ سمجھ کر آنا اور اگر تم نے وہی حرکت کی تو پھر تمہارا انجام بڑا ہی خوفناک ہو گا۔

''اپنے پیر سے کہنا کہ اب میں تم پر پہلے سے زیادہ لعنتیں بھیجتی ہوں'' ___ بختی نے

کہا۔

اس آدمی نے بختی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور اسے پند و نصیحت کرنے لگا۔ وہ اسے ہمدردی اور پیار سے رام کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر اس نے بختی کو ڈرایا بھی لیکن بختی نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دھتکار دیا۔

اس دن کا سورج ڈھل گیا۔ عصر کی نماز کا وقت ہونے والا تھا کہ بختی کو باہر کچھ سرگرمی سی محسوس ہوئی جو شور شرابے میں بدل گئی۔ باہر کچھ اور ہی ہو رہا تھا۔ یہ شور ان آدمیوں کا نہیں ہو سکتا تھا جو پیر نے اس کے پیچھے ڈال رکھے تھے۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو پیر کمرے میں داخل ہوا۔ بختی اس ارادے سے اٹھی کہ اب پیر اس کے قریب آیا تو وہ ایک بار پھر اس کے منہ پر تھوک دے گی لیکن پیر کے پیچھے ایک سکھ تھانیدار داخل ہوا اور دو تین پولیس کے باوردی آدمی بھی کمرے میں آ گئے۔ چونکہ یہ لوگ باہر کی روشنی سے آئے تھے اور کمرہ تاریک تھا اس لیے انہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

''پیر جی!'' ___ سکھ تھانیدار نے پیر سے کہا ___ ''لڑکی کو خود ہی روشنی میں لے آؤ''۔

''ادھر دروازے میں آ جا بختی!'' ___ پیر نے وہیں کھڑے کہا۔

بختی دروازے میں آ گئی۔ تھانیدار نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ بختی نے کہا، خوش بخت بیگم...... پولیس کے ساتھ دو بڑی اچھی حیثیت والے اور پکی عمر کے آدمی تھے۔ انہیں بختی کی برآمدگی کا گواہ بنایا گیا تھا۔ ان میں ایک مسلمان اور دوسرا ہندو تھا۔

''کیا تمہیں یہاں زبردستی لایا گیا ہے؟'' ___ ہندو نے پوچھا۔

بختی نے جواب میں بتایا کہ اسے کس طرح یہاں لایا گیا ہے اور پیر نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ بختی کو صحن میں لے آئے تو اس نے دیکھا کہ پانچ آدمی صحن میں ایک قطار میں کھڑے تھے۔

''یہ پانچوں آدمی مجھ پر جبر اور تشدد کرتے رہے ہیں'' ___ بختی نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا ___ ''مجھے شاید انہوں نے ہی اغوا کیا اور پیر کے گھر تک پہنچایا ہے''۔

بختی نے ہمیں سنایا کہ حویلی کے باہر اتنا شور شرابا تھا کہ اندازہ ہوتا تھا کہ باہر ایک ہجوم کھڑا چلا رہا ہے۔ اسے نعرے بھی سنائی دے رہے تھے جو زیادہ تر تکبیر کے نعرے تھے۔

ان سے پتہ چلتا تھا کہ باہر جو ہجوم ہے وہ مسلمانوں کا ہے بختی سمجھ نہ سکی کہ پولیس اتنی جلدی کس طرح پہنچ گئی اور باہر نعرے کیوں لگ رہے ہیں اور اتنا شور شرابا کیوں بپا ہو رہا ہے۔

حویلی کے اندر یہ کارروائی کہ تھانیدار کے کہنے پر ان پانچوں آدمیوں کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

''پیر جی حضرت!'' ــــ سکھ تھانیدار نے پیر سے کہا ــــ ''میں آپ کی عزت افزائی کر رہا ہوں کہ آپ کو ہتھکڑی کے بغیر تھانے لے جاؤں گا۔ اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی عزت کا کچھ خیال کر لیں گے۔ اگر نہیں تو پھر مجھ سے عزت کی توقع نہ رکھنا''۔

پیر نے کوئی جواب نہ دیا سوائے اس کے کہ اس کا سر جھک گیا۔ تھانیدار کے اشارے پر پانچوں آدمیوں کو باہر لے گئے اور تھانیدار نے پیر کو اپنے ساتھ لیا اور باہر کو چل پڑا۔ بختی کو بھی اس نے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

بختی باہر نکلی تو اس کی ماں بھی باہر موجود تھی اور اس کا باپ بھی۔ ان کے ساتھ بختی کا سسر بھی تھا اور اس کا خاوند بھی۔ تھانیدار بختی کو ان کے سامنے لے گیا۔ بختی دوڑ کر اپنی ماں کے گلے لگ گئی اور ایسی روئی کہ اپنے آپ پر قابو پانا محال ہو گیا۔

''کیا یہ ہے آپ کی لڑکی؟'' ــــ تھانیدار نے ان سے پوچھا۔

سب نے سر ہلا کر بڑی صاف آوازوں میں کہا کہ یہی ہے ان کی لڑکی خوش بخت بیگم۔

پیر کو پولیس کے نرغے میں دیکھ کر ہجوم کے نعرے اور زیادہ بلند ہو گئے۔

''ہم اپنے پیر و مرشد کی توہین برداشت نہیں کریں گے''۔

''کٹ مریں گے''۔

''نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر''۔

''ہمارے پیر تھانے نہیں جائیں گے''۔

اور ایک نعرہ یہ بھی لگ رہا تھا ــــ ''لے کے رہیں گے پاکستان...... بٹ کے رہے گا ہندوستان...... پاکستان زندہ باد''۔

یہ وہ وقت تھا جب تحریک پاکستان فیصلہ کن دور میں داخل ہو گئی تھی۔ برصغیر کے تمام مسلمان ایک محاذ پر مورچہ بند ہو گئے تھے اور سب کا نعرہ ایک ہی تھا ــــ ''لے کے رہیں

گے پاکستان'' ــــ مسلمان میں سیاسی بیداری پوری طرح پیدا ہو گئی تھی، یہاں تک کہ فرقہ بندی بھی ٹھنڈی پڑ گئی تھی اور تمام بڑے پیر وقت اور حالات کا دھارا دیکھ کر تحریک پاکستان میں شامل ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دے دیا تھا کہ پاکستان کے نام پر صرف مسلم لیگ کو ووٹ دیں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ کانگرس ہندوؤں کی سیاسی پارٹی ہے۔ اس طرح پیر قوم کے ذہن اور اعصاب پر بلکہ عقیدوں پر بھی غالب رہے۔

اس صورتِ حال اور ان حالات میں لوگوں نے دیکھا کہ تھانیدار آٹھ دس کانسٹیبلوں کی گارد لئے کہیں جا رہا ہے تو لوگ تماشا دیکھنے کو نکل آئے۔ کسی کانسٹیبل نے بتایا دیا کہ پیر کے گھر چھاپہ مارنے جا رہے ہیں۔ وجہ یہ معلوم ہوئی کہ ایک لڑکی اغوا ہو گئی ہے اور مخبروں نے اطلاع دی ہے کہ لڑکی اس پیر کے گھر میں ہے۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح قصبے کے مسلمانوں میں پھیل گئی۔ ان دنوں مسلمان فرقہ واریت (ہندو مسلم) کے معاملے میں بہت ہی جذباتی اور حساس تھے۔ کسی نے بھی یہ تسلیم نہ کیا کہ پیر کسی لڑکی کو اغوا کروا کے اپنے ہاں رکھ سکتا ہے۔ لوگ پیر کو تو خدا کا ایلچی سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے مقامی لیڈروں نے سنا تو وہ باہر نکل آئے۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ سکھوں کی اکثریت کا علاقہ ہے اس لیے یہ ہندو اور سکھ مسلمانوں کی دل آزاری کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں پر یہ دہشت بھی طاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ پولیس کسی پیر کو بھی گرفتار کر سکتی ہے۔

یہ تھی وجہ کہ مسلمان پیر کے گھر کی طرف دوڑ پڑے اور ایک ہجوم کی صورت میں اکٹھے ہو کر نعرے لگانے لگے۔ قریبی دیہات تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔

تھانیدار نے چھاپہ اس طرح مارا تھا کہ کانسٹیبلوں کو پیر کی حویلی کے اردگرد کھڑا کر دیا تھا کہ اندر سے کوئی باہر نہ جا سکے۔ خود ہیڈ کانسٹیبل اور دو تین کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر حویلی میں داخل ہوا۔ پیر خود ہی سامنے آ گیا۔ تھانیدار نے اسے یہی کہا ہو گا کہ خوش بخت بیگم نام کی ایک لڑکی جو اغوا ہوئی ہے وہ اس کے حوالے کر دی جائے ورنہ بہت بری طرح تلاشی لی جائے گی۔

پیر نے عافیت اسی میں سمجھی کہ لڑکی جہاں بند ہے وہاں تک تھانیدار کو لے جایا جائے۔ اس طرح یہ سکھ تھانیدار اس کمرے تک پہنچا اور اس نے پیر سے کہا کہ وہ خود لڑکی

اس کے سامنے لائے۔ تھانیدار نے گواہ کے طور پر دو معزز آدمی ساتھ لیے تھے جن میں ایک ہندو اور ایک مسلمان تھا۔

تھانیدار نے باہر آکر مسلمانوں کا ہجوم دیکھا اور پھر ان کا احتجاجی جوش و خروش دیکھا تو وہ پریشان ہو گیا۔ بختی اس منظر کی عینی شاہد تھی۔ اگر قانون اس سکھ تھانیدار کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ ان مسلمانوں پر گولی چلا دیتا لیکن وہ اپنا حکم نہیں چلا سکتا تھا۔ اگر چلاتا تو یہ صورتِ حال بڑی ہی خطرناک شکل اختیار کر سکتی تھی۔

''پہلے میری بات سن لو پھر نعرے لگاتے رہنا'' ـــــ تھانیدار نے ہجوم کے قریب جا کر بڑی بلند آواز میں کہا ـــــ ''تم لوگوں سے ڈر کر میں اپنی کارروائی روک نہیں دوں گا۔ یہ میری بادشاہی نہیں، یہ انگریزوں کی حکومت ہے اور میں ان کا ملازم ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے تین چار معزز آدمی سامنے کرو اور وہ میرے ساتھ بات کریں۔ بیوقوف نہ بنو۔ میں تمہارے پیر کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔ وہ لڑکی دیکھ لو، وہ پیر کے ایک کمرے سے برآمد ہوئی ہے اور اسے ایک کمرے میں قید رکھا ہوا تھا۔ ابھی تو یہ پتہ ہی نہیں کہ یہ لڑکی پیر کے گھر میں کس طرح آئی تھی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے پیر کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی نہیں ہو گی اور میں انہیں عزت سے لے جا رہا ہوں۔ تم لوگ یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ میں نے دوسرے ملزموں کو ہتھکڑیاں لگائی ہیں لیکن پیر کو بغیر ہتھکڑی کے لے جا رہا ہوں انہیں میں پوری عزت دے رہا ہوں...... تین چار آدمی میرے پاس آجائیں جو بات کر سکیں اور بات سمجھ بھی سکیں''۔

چند منٹ گزرے ہوں گے کہ چار مقامی مسلمان لیڈر سامنے آئے اور تھانیدار انہیں اپنے ساتھ الگ لے گیا۔ انہیں بتایا کہ واردات کیا ہوئی ہے اور وہ کس طرح پیر کے گھر تک پہنچا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ پیر کو تھانے نہ لے جائے کیونکہ لڑکی اس حویلی سے برآمد ہوئی ہے اور یہ حویلی پیر کی ہے اور پیر نے خود لڑکی اس کے حوالے کی ہے۔

مسلمانوں میں جوش و خروش کچھ زیادہ ہی پیدا ہو گیا تھا اور یہ سیاسی بیداری کی وجہ سے تھا اس لیے وہ اس سکھ تھانیدار کی بات ماننے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔

''میں یہ قربانی دے سکتا ہوں'' ـــــ تھانیدار نے کہا ـــــ ''کہ میں نوکری چھوڑ دوں

ہوں تاکہ میرے ہاتھوں آپ کے پیر کی بے ادبی نہ ہو لیکن معاملہ یہاں سے بگڑے کا سنورے گا نہیں۔ میری جگہ کوئی اور تھانیدار آجائے گا اور اس کے ساتھ ایک مجسٹریٹ ہو گا اور زیادہ نفری کی گارد ہو گی۔ اگر آپ لوگوں نے رویہ یہی رکھا تو مجسٹریٹ پہلے لاٹھی چارج کروائے گا پھر آنسو گیس کے گولے پھینکنے کا حکم دے گا اور اگر ضرورت پڑی تو وہ گولی بھی چلوا سکتا ہے۔ آپ لوگ اگر پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔ تو وہ ابھی نہیں بنا، ابھی انگریزوں کی حکومت ہے جو اپنا حکم جبر اور تشدد سے منوایا کرتے ہیں۔ عقل اور ہوش سے کام لو اور مجھ سے یہ وعدہ لو کہ تھانے میں آکے پیر کی ذرا سی بھی بے ادبی نہیں ہو گی...... میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ پانچ آدمی جو ہتھکڑیوں میں بندھے ہوئے ہیں ان میں تین سزا یافتہ ہیں اور یہ پانچوں جرائم پیشہ ہیں اور ان کا ریکارڈ تھانے میں موجود ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ اس حویلی کے اندر بیٹھے کیا کر رہے تھے اور پیر کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے۔ میں آپ لوگوں کو صحیح مشورہ دیتا ہوں کہ اتنا شور شرابا نہ کرو، یہ معاملہ خاموشی سے طے ہونے دو اور مجھے موقع دو کہ میں آپ کے پیر کو بچا لوں۔ اگر میرے خلاف نعرے لگا کہ مجھے غصہ چڑھا دو گے تو میں ذرا سی بھی رعایت نہیں کروں گا اور قانون کے دائرے میں رہ کر قانون کا ہر تقاضا اور ہر حکم پورا کروں گا''۔

کچھ بحث مباحثے کے بعد یہ طے پایا کہ دو پڑھے لکھے معزز آدمی تھانے چلے چلیں اور ان کی موجودگی میں پیر سے تفتیش کی جائے گی۔

بختی نے سنایا کہ وہاں ایک اور بڑی دلچسپ بات ہو گئی۔ مسلمانوں کے اس جوشیلے ہجوم میں کچھ روشن خیال مسلمان بھی تھے۔ انہوں نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ اسلام میں پیر پرستی حرام ہے اور اس پیر کا گھر بدمعاشوں کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ وہ شاید ان پانچ آدمیوں کو پہچانتے تھے جنہیں تھانیدار نے حویلی سے گرفتار کیا تھا۔ یہ روشن خیال اور جواں سال مسلمان ان کے حوالے سے بات کر رہے تھے کہ یہ پیر کے گھر کیا کر رہے تھے۔

وہاں پیر پرستوں کی اکثریت تھی۔ وہ ان روشن خیال مسلمانوں کے خلاف بولنے لگے۔ یہ روشن خیال مسلمان کہتے تھے کہ پیر عالم دین نہیں ہوتا اور ہم پر صرف عالم دین کی تعظیم اور تقلید کا فرض عائد ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کے ہجوم میں اپنی ہی مخالفت پیدا ہو گئی اور ہجوم دو حصوں میں بٹ گیا۔ پیر کے مخالفین کی تعداد بہت تھوڑی تھی اس لیے اکثریت

گروہ گالی گلوچ پر اتر آیا اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچنے والی تھی کہ پیر پرستی کے مخالفین نے پسپائی اختیار کر لی۔ وہ وہاں سے کھسکنے لگے۔

بختی کو غالباً معلوم نہیں تھا کہ پیر پرستی کے مخالفین میں روشن خیال مسلمان تو ضرور ہی ہوں گے اور یہ اس وقت کا جواں سال طبقہ تھا لیکن اس وقت کچھ مسلمان انگریزوں کی پروردہ پارٹی یونینسٹ پارٹی سے بھی تعلق رکھتے تھے اور دو چار کانگرسی مسلمان بھی ہوں گے اور اس کے علاوہ اس وقت بڑا ہی مختصر اور بے اثر سا طبقہ بھی تھا جنہیں کمیونسٹ کہا جاتا تھا۔ یہ سب تحریک پاکستان کا مخالف گروہ تھا لیکن ان کی حیثیت کوئی خاص اثر نہیں رکھتی تھی سوائے اس کے کہ ذرا سی چھیڑ چھاڑ اور تھوڑی سی شرارت پیدا ہو جاتی تھی۔

اس دوران تھانیدار پیر اور اس کے جرائم پیشہ افراد کو اور بختی اور اس کے لواحقین کو تھانے لے گیا۔ اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد سے بختی آزاد ہوگئی۔ وہ اپنی عزت و عصمت صاف بچا لائی تھی۔ تھانیدار دو معزز قسم کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر تھانے گیا تھا کہ ان کی موجودگی میں پیر سے پوچھ گچھ کرے گا۔ تھانے گئے تو تھانیدار نے ان دونوں سے جو باتیں کی وہ بختی کی موجودگی میں کی اور وہ بختی نے ہمیں سنائی۔

''میری بات اچھی طرح سن لو میرے بھائیو!''۔۔۔ تھانیدار نے ان دونوں سے کہا۔۔۔ ''خاموشی سے تھانے سے نکل جاؤ۔ تفتیش کا یہ کوئی طریقہ نہیں کہ باہر کے کسی آدمی کو پاس بٹھا کر ملزم اور مشتبہ سے سوال و جواب کیے جائیں۔ میں کسی مسلمان، ہندو، سکھ یا عیسائی کا پابند نہیں۔ انگریزوں کا ملازم ہوں اور ان کے قانون قاعدے کے مطابق چلوں گا......اور اپنے مسلمان بھائیوں کو اچھی طرح سمجھا لو کہ میرے خلاف شور شرابہ کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے، حاصل کچھ بھی نہیں ہوگا۔ پیر سے میں اسی طرح تفتیش کروں گا جس طرح دوسرے مشتبہوں اور ملزموں سے کیا کرتا ہوں...... جاؤ اور اپنے بھائیوں کو سمجھاؤ''۔

صاف بات ہے کہ وہ سکھوں کی اکثریت کا علاقہ تھا اور ایک سکھ تھانیدار مسلمانوں سے دبنا گوارہ نہیں کر سکتا تھا، اور یہ بھی کہ وہ آخر تھانیدار تھا اور اس کے ذمے بڑے نازک فرائض تھے۔

+++

ہم بختی سے یہ سننے کے لیے بے تاب تھیں کہ پولیس اتنی جلدی کس طرح پہنچ گئی

تھی۔ پیر سے رہائی پا کر بختی جب گھر پہنچی تو اسے سنایا گیا تھا کہ اس کی تلاش میں اس کی ماں اور سسرال والے کس طرح پریشان ہوئے تھے۔ بختی قبرستان کو گئی تھی۔ سورج غروب ہو گیا تو وہ واپس نہ آئی۔ اس نے کسی کو یہ بتایا ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں گئی ہے۔ اس کا خاوند گھر آ چکا تھا۔ وہ دوڑتا بختی کے گھر گیا تو وہاں سے پتہ چلا کہ بختی وہاں نہیں گئی۔ اس کی ماں بھی پریشان ہوگئی اور بختی کے خاوند کے ساتھ چل پڑی۔ بختی کا باپ بھی تھا لیکن وہ گھر میں ہی رہا۔

بختی کی سہیلیوں کے گھروں میں جا کر پوچھا گیا تو وہ وہاں بھی نہ ملی۔ سارے محلے میں یہ خبر پھیل گئی کہ بختی لاپتہ ہے۔ ایک عورت نے بتایا کہ عصر کے وقت اس نے بختی کو قبرستان میں داخل ہوتے دیکھا تھا اس کے بعد معلوم نہیں وہ کہاں گئی تھی۔ اس سے یہ پتہ چل گیا کہ وہ کسی کے گھر نہیں گئی۔

بختی کی ساس دوڑی دوڑی پیر کے ہاں جا پہنچی اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی، یا سرکار، بہو کہیں کھو گئی ہے، دیکھیں وہ کہاں ہے اور اسے واپس لائیں۔ پیر اسی وقت بیٹھ گیا اور اس نے مراقبے کی ایکٹنگ کی اور ایک تعویذ لکھا۔ تعویذ ساس کو دے کر کہا کہ گھر میں کہیں لٹکا دو اور لڑکی کو یہ گھر کی طرف کھینچ لے گا۔

ساس کو کون بتاتا کہ اس کی بہو اسی حویلی کے ایک کمرے میں بند ہے۔

جس وقت بختی کی ساس پیر کے پاس یہ توقع لے کر بیٹھی تھی کہ پیر لڑکی کو گھر بیٹھے ڈھونڈ نکالے گا اس وقت بختی کی ماں بختی کے خاوند کے کمرے میں اس کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی کہ بختی خود کہیں جانے والی لڑکی نہیں، اسے اغوا کیا گیا ہے اور اغوا کرنے یا کروانے والا پیر ہے۔ بختی کا خاوند کھلے لفظوں میں یہ بات تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن نظر اسے بھی یہی کچھ آرہا تھا۔ بختی نے خاوند کو ساری باتیں سنا رکھی تھیں اور خاوند یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی موجودگی میں بختی نے پیر کی گستاخی کی اور اسے چیلنج بھی کیا تھا۔

بختی کی ماں تو ان پیروں کو بہت ہی اچھی طرح جانتی تھی وہ اس پیر کے باپ کی ڈسی ہوئی عورت تھی۔ بختی نے اسے پیر کی ساری ملاقاتوں کی باتیں سنائی تھیں اور ماں نے اسے کہا تھا کہ یہ پیر خود بھی بدمعاش ہوتے ہیں اور انہوں نے بڑے بڑے استاد جرائم پیشہ آدمی ساتھ رکھے ہوتے ہیں۔ بہرحال ماں کو پہلے ہی ڈر تھا کہ جو سلوک بختی نے پیر کے ساتھ کیا ہے،

پیر کوئی نہ کوئی جوابی وار ضرور کرے گا۔

ماں نے بختی کے خاوند کو قائل کر لیا کہ ابھی تھانے رپورٹ کی جائے کہ لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے اور انہیں پیر پر شک ہے۔ خاوند نے بختی کی ماں سے کہا کہ تھانے کو ضرور چلیں گے لیکن اس کی ماں، بہنوں اور باپ کو یہ پتہ نہ چلے کہ پیر کے خلاف شک لکھوایا گیا ہے۔ بختی کی ماں خود بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔ بختی کے خاوند نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ وہ تھانے رپورٹ لکھوانے جا رہے۔ اس کی ماں ابھی ابھی پیر کے گھر سے واپس آئی تھی اور وہ دیکھ رہی تھی کہ پیر کا دیا ہوا تعویذ کہاں لٹکائے۔

''تھانے نہ جانا'' ___ بختی کی ساس نے پورے اعتماد سے کہا ___ ''میں پیر صاحب سے مل آئی ہوں۔ انہوں نے کہا ہے کہ بختی صبح سے پہلے پہلے واپس آ جائے گی اور کسی کے ساتھ بات نہ کرنا اور ایسی بے وقوفی نہ کر بیٹھنا کہ تھانے جا پہنچو۔ پیر صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ انہیں پہلے ہی خطرہ نظر آ رہا تھا کہ اس لڑکی نے جنات کو ناراض کیا ہوا ہے اور کسی بھی وقت کوئی جن اسے اٹھا کر کوہ قاف پہنچا دے گا جہاں سے اس کی واپسی ہو ہی نہیں سکے گی''۔

ساس نے بتایا کہ وہ ایک تعویذ لائی ہے جو گھر میں لٹکانا ہے۔ پیر صاحب نے کہا ہے کہ یہ تعویذ لڑکی کو گھر کھینچ لائے گا...... ساس تو پہلے ہی بختی کے خلاف تھی۔ اب اس نے بختی کے خلاف دو چار باتیں کہہ دیں اور بختی کے خاوند کو تھانے جانے سے سختی سے منع کر دیا۔

''بیٹی تو میری لاپتہ ہوئی ہے'' ___ بختی کی ماں نے کہا ___ ''میں تھانے جاؤں گی تھانہ تو قریب ہے، میرا بس چلا تو میں کوہ قاف تک بھی پہنچوں گی''۔

بختی کا خاوند اپنی ماں کے حکم کے آگے دبک گیا لیکن بختی کی ماں کو کوئی نہیں روک تھا۔ وہ تو بختی کے سسرال کو کھری کھری سنانے لگی تھی کہ اس کی بیٹی کے ساتھ ان لوگوں کیا رویہ اختیار کر لیا تھا اور اس پیر کو کس طرح بختی کے پیچھے ڈال دیا تھا لیکن وہ جہاندیدہ اور دور اندیش عورت تھی اس لیے اس نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا اور اس گھر سے گئی۔

یہاں میں اپنی کچھ رائے پیش کروں گی۔ یہ جو پیر نے بختی کی ساس سے کہا تھا کہ نے جنات کو ناراض کر رکھا تھا اور کوئی جن اسے اٹھا لے گیا ہو گا اور کوہ قاف پہنچا دیا ہو گا

میں نے کہانی میں سنسنی پیدا کرنے کے لیے نہیں لکھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو آدھی صدی پہلے سے کچھ اوپر کا زمانہ تھا جب لوگ اس قسم کی باتوں کو سچ مانتے تھے، آج بھی پیر اور عامل وغیرہ لوگوں کو ایسی ہی باتیں بتاتے ہیں اور لوگ ذرا سا بھی شک کئے بغیر ان باتوں کو صحیح مانتے ہیں۔ آج سائنس کی ترقی کے اس دور میں بھی اکثر دیہاتی علاقوں میں ٹی بی، نمونیہ، ٹائیفائیڈ اور ہسٹیریا جیسی بیماریوں کو پیروں نے جنات کا قبضہ قرار دے رکھا ہے اور لوگ ڈاکٹری علاج کی بجائے پیروں کی پھونکوں اور تعویذوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور مریض تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں مگر پیر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکے رکھتے ہیں اور انہیں حقیقت معلوم نہیں ہونے دیتے۔ اکثر پیروں کے مرید ڈاکٹری دوائی لینا گناہ سمجھتے ہیں کہ اس سے پیر صاحب کی توہین اور بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے۔

بختی کی ماں اپنے خاوند کو ساتھ لے کر تھانے جا پہنچی۔ رات کے ساڑھے دس اور گیارہ کے درمیان وقت تھا۔ تھانیدار گھر چلا گیا تھا۔ انہوں نے وہاں بتایا کہ ان کی بیٹی قبرستان میں فاتحہ پڑھنے گئی تھی اور وہاں سے لاپتہ ہو گئی ہے۔ یہ بھی بتایا کہ وہ شادی شدہ تھی۔ تھانے میں ایک ہیڈ کانسٹیبل ڈیوٹی پر بیٹھا تھا۔ اس نے ان سے کچھ سوال و جواب کیے۔

وہ انگریزوں کی حکومت کا زمانہ تھا جب تھانوں میں ٹال مٹول اور مک مکا کا تصور ہی نہیں تھا بلکہ اسے تھانے کے عملے کا جرم سمجھا جاتا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے محسوس کر لیا ہو گا کہ لڑکی خود نہیں گئی بلکہ اسے لے جایا گیا ہے تو اس نے ایک کانسٹیبل کو تھانیدار کے گھر بھیجا کہ اغوا کی رپورٹ آئی ہے۔ تھانیدار کا گھر دور نہیں تھا۔ اطلاع ملتے ہی وہ بغیر وردی تھانے آ گیا۔

اس سکھ تھانیدار نے بختی کے باپ اور اس کی ماں سے ایک ہی سانس میں کئی ایک سوال کر ڈالے اور ہر جواب بڑی غور سے سنا اور ان میں سے بھی سوال نکال کر پوچھتا رہا۔ بختی کی ماں نے بختی کو یہ ساری کارروائی لفظ بہ لفظ سنائی تھی۔ تھانیدار دراصل یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ لڑکی اپنی مرضی سے اپنی پسند کے کسی آدمی کے ساتھ نہ چلی گئی ہو۔

بختی کی ماں نے سوال و جواب اور جرح کا یہ سلسلہ اس طرح ختم کیا کہ اس نے اس نوجوان پیر کے خلاف بڑے پختہ شک کا اظہار کیا اور تھانیدار کو وہ ساری باتیں سنا دیں جو

بختی اسے سناتی رہی تھی۔ یہ خاص طور پر بتایا کہ بختی کی ماں خود بھی اور بختی بھی پیر پرستی کو گناہ سمجھتی تھی اور بختی نے پیر کے ہاتھ آنے کی بجائے اسے ان الفاظ میں چیلنج کیا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں خدائی طاقت ہے تو مجھے اپنی مرضی کا غلام بنالو یا میرا کچھ بگاڑ کر دکھا دو۔ بختی کے باپ نے تھانیدار کو بختی کی ماں کے متعلق بتایا کہ یہ عورت اس موجودہ پیر کے باپ کے دھوکے اور نوسر بازی میں آ گئی تھی اور اس پیر نے اسے بہت خراب کیا تھا۔

''تم لوگ مسلمان ہو'' ___ سکھ تھانیدار نے کہا ___ ''میری بات کو اچھا نہیں سمجھو گے۔ ہمارے ملک میں دوسرے مذہب بھی ہیں۔ سکھ، ہندو، عیسائی، بدھ، اور پارسی وغیرہ کسی پیر کو نہیں مانتے۔ اسلام کو جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس میں بھی پیری مریدی کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ بدعت کہیں بعد میں چلی ہے۔ اسلام کا ظہور عرب سے ہوا تھا۔ وہاں بھی کوئی پیری مریدی نہیں۔ ان پیروں کو جنہیں ہندوستان کے مسلمان اتنا مانتے ہیں صرف ہم لوگ جانتے ہیں جو پولیس میں سروس کر رہے ہیں، اس پیر کے متعلق تو میں زیادہ ٹھیک طرح جانتا ہوں۔ اس نے وارداتیئے پالے ہوئے ہیں ان کا سب کا ریکارڈ تھانے میں موجود ہے۔ ان میں سزا یافتہ عادی مجرم بھی ہیں''۔

تھانیدار نے بختی کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ لکھ لی اور اس کی ماں اور اس کے باپ سے کہا کہ وہ کل انہیں خود کسی وقت بلا لے گا۔ اس نے انہیں تسلی دی کہ لڑکی اگر پیر نے اغوا کرائی ہے تو سمجھو وہ کل مل بھی جائے گی۔

اگلے روز بعد دوپہر تھانے سے ایک کانسٹیبل آیا اور بختی کے باپ اور ماں کو ساتھ لے گیا۔ سکھ تھانیدار نے انہیں بتایا کہ لڑکی کا سراغ مل گیا ہے۔ بعد میں بختی کے والدین کو پتہ چلا تھا کہ سراغ کس طرح ملا ہے۔ تھانیدار کو معلوم تھا کہ اس پیر کی دوستی کے دائرے میں کون کون سے جرائم پیشہ افراد شامل ہیں۔ ان میں سے دو کو اس نے تھانے بلایا تھا۔ جرائم پیشہ لوگ کسی کے وفادار نہیں ہوا کرتے۔ ان کی تمام تر دلچسپیاں اپنی وارداتوں کے ساتھ ہوتی ہیں اور پھر یہ کوشش کہ وہ پکڑے نہ جائیں اور اس مقصد کے تحت وہ تھانیدار کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان دونوں افراد نے تھانیدار کو سراغ دے دیا کہ لڑکی پیر نے اغوا کروائی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ پیر نے سات آٹھ عادی مجرم اکٹھے کئے اور انہیں بتایا تھا کہ ایک لڑکی کو اٹھانا ہے، پھر پیر نے لڑکی کو اٹھانے کے لیے

افراد میں سے چار کو خود منتخب کیا تھا۔ اغوا کرنے کا طریقہ ان چار آدمیوں نے خود سوچنا تھا۔

تھانیدار نے ان دنوں آدمیوں کو تھانے میں پابند کر لیا تھا تا کہ وہ ایسا نہ کر سکیں کہ پیر کو جا کر بتا دیں کہ لڑکی اگر اس کے گھر میں ہے تو اسے کہیں اِدھر اُدھر غائب کر دے...... یہ عادی مجرم اس طرح ڈبل گیم کھیل جایا کرتے تھے تا کہ تھانیدار بھی ان پر خوش اور وہ بھی خوش رہیں جو ان کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔

تھانیدار جب چھاپہ مارنے کے لئے گیا تو بختی کے سسرال کو بھی ساتھ لیتا گیا تھا۔ اغوا اور برآمدگی کی ساری بات تو سنا چکی ہوں۔ تھانے جا کر تھانیدار نے بختی سے پوچھا تھا کہ اسے کس طرح اغوا کیا گیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اس عورت کا نام لیا جس نے اسے کہا تھا کہ وہ اس خانقاہ اور پھر اس قبر پر جائے۔ تھانیدار نے صبح ہوتے ہی اس عورت کو تھانے بلوا لیا تھا اور اس سے جب پوچھ گچھ کی اور اپنا طریقہ استعمال کیا تو وہ بول پڑی کہ بختی کو اغوا کرانے والوں میں سے فلاں آدمی نے اسے کہا تھا کہ بختی کو کسی طرح اس جگہ بھیجنا ہے۔ اس عورت کو معلوم تھا کہ بختی بے اولاد ہے اور اسے پیر کے پاس لے جایا جاتا ہے۔ اغوا کرنے والوں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ پیر کے ساتھ بختی کا کچھ جھگڑا چل رہا ہے۔ عورت بہت ہی چالاک اور مجرمانہ ذہن کی تھی۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بختی کی کمزوری کو استعمال کیا تھا۔

بختی کو یہ تو معلوم نہیں ہو سکا اور نہ ہی اسے معلوم ہو سکتا تھا کہ تھانیدار نے کس طرح تفتیش کی اور کیا کیا تفتیشی کارروائیاں کی تھیں۔ کچھ دنوں بعد باپ نے اسے اور اس کی ماں کو کچھ باتیں بتائی تھیں۔ باپ کو یہ باتیں تھانے سے معلوم ہوئی تھیں۔ بختی نے ایک بات خاص طور پر بتائی جو یہ تھی کہ اس کے باپ نے زندگی میں پہلی بار اسے گلے لگایا اور پیار کیا۔ اس شخص کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ بختی کو ماں بتا چکی ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں، وہ اس کی ماں کا صرف خاوند ہے۔

باتیں یہ معلوم ہوئی تھیں کہ سکھ تھانیدار نے ڈی ایس پی کو جو انگریز تھا، یہ ساری واردات پہلے روز ہی سنا دی تھی اور اسے بتایا تھا کہ مسلمانوں نے ہجوم کر کے نعرے لگائے تھے اور وہ پیر کی گرفتاری پر احتجاج مظاہرہ کر رہے تھے۔ ڈی ایس پی نے اسے کہا تھا کہ کوشش یہ کرو کہ امن قائم رہے اور مسلمانوں کو دھوکے میں رکھ کر انہیں راضی رکھو۔ یہ تو ہو

نہیں سکتا کہ اتنے سنگین جرم کے ملزم کو تفتیش سے ہی خارج کر دیا جائے۔ ڈی ایس پی نے
یہ بھی کہا تھا کہ وہ جانتا ہے کہ یہ پیر مجرمانہ ذہنیت کے لوگ ہوتے ہیں لیکن مسلمانوں نے
انہیں بہت اونچا اور مقدس مقام دے رکھا ہے۔

میں ایک خاص بات کہنا چاہوں گی۔ پولیس اور فوج کے جو انگریز افسر ہندوستان
میں تھے وہ یہاں کے لوگوں کے رسم و رواج اور اجتماعی نفسیات کو بڑی گہرائی تک سمجھتے
تھے۔ ہر مذہب کی چھوٹی بڑی باتوں سے بھی وہ واقف ہوتے تھے اور ان کے غلط اور صحیح
عقیدوں سے بھی وہ پوری پوری واقفیت رکھتے تھے۔ یہاں کے لوگوں کے اخلاق اور اطوار
اور عادات سے بھی وہ بے خبر نہیں تھے۔ اس طرح وہ ہر مذہب اور ہر علاقے کے لوگوں کے
ساتھ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھ کر سلوک و برتاؤ کرتے تھے۔ انگریز قوم کا یہی بنیادی
وصف تھا جس کی بدولت انہوں نے آدھی سے زیادہ دنیا پر اپنی بادشاہی پھیلا دی تھی اور
خطے اور ہر مذہب کے لوگوں میں نے اپنے خوشامدی اور غدار پیدا کر لیے تھے۔

+++

انگریزوں کا دورِ حکومت، تحریک پاکستان اور پیر پرستی ایسے موضوعات ہیں جن
باتیں چل نکلیں تو کہیں ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ بہتر سمجھتی ہوں کہ بختی کی آپ بیتی کو آ
چلاؤں۔

تھانیدار کو بالائی انگریز افسروں کی پشت پناہی حاصل ہو گئی تھی اور یہ سکھ تھانیدار
بھی اس پیر کو چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ملزم زیادہ تھے اور انہوں نے یہ جرم پیر کی خا
کیا تھا اس لیے انہیں توقع تھی کہ پیر کا روپیہ پیسہ مقدمے میں لگے گا اور وہ بری ہو جا
گے۔ اس توقع پر وہ تفتیش میں پورا تعاون نہیں کر رہے تھے لیکن انہیں یہ احساس شاید
کہ تھانیدار سکھ تھا جس کے متعلق بختی نے سنایا کہ بات کرتا تھا تو اس بات میں آدھ
گالیاں ہوتی تھیں۔ یہ تو سکھوں کی عادت اور فطرت میں شامل ہے کہ کسی بات کو گالی
بغیر مکمل نہیں سمجھتے۔

تھانیدار نے ایک ملزم کو وعدہ معاف گواہ بنا لیا اور پھر دوسرے ملزموں کے
حوالات میں بند کر دیا۔ مسلمانوں نے ایک بار پھر تھانے کے باہر احتجاج مظاہرہ کیا لیکن
ایس پی نے زیادہ نفری کی گارد بھیج کر اس ہجوم کی منتشر کر دیا۔ یہ تو پولیس کی کارروائی

ری کارروائی مقامی سکھوں نے کی۔ چونکہ تھانیدار سکھ تھا اس لیے قصبے کے سکھ شہری یہ
جھنے لگے کہ مسلمان اس لیے احتجاجی مظاہرے کر رہے ہیں کہ سکھ تھانیدار کے خلاف محکمانہ
ارروائی ہو جائے۔ اس خیال یا وہم کے تحت سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف محاذ بنا لیا۔

1947ء کے سال کے ابتدائی دو اڑھائی مہینے گزر گئے تھے اور صاف نظر آنے لگا
ا کہ پاکستان وجود میں آ ہی جائے گا۔ مسلمانوں نے الیکشن اکثریت سے جیت لیا تھا اور
ہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ مسلمان ایک الگ تھلگ قوم ہیں اور ان کا الگ اور آزاد وطن
دگا۔

اغوا کا کیس کورٹ میں چلا گیا۔ سب سے پہلے بختی کا بیان ہوا اور وکیل نے دو دن
ختی پر جرح جاری رکھی۔ پیر نے بڑا ہی قابل اور سب سے زیادہ مہنگا وکیل کیا تھا۔

مجسٹریٹ لمبی تاریخیں دے رہا تھا۔ اس دوران ملزموں کی طرف سے ضمانت کی
رخواستیں دائر ہوئیں جو مجسٹریٹ نے خارج کر دیں۔ پھر سیشن کورٹ نے بھی خارج کر
یں آخر ہائی کورٹ نے سب کی ضمانت لے لی اور رہا کر دیا۔

مقدمہ چلتا رہا اور جون 1947ء کا مہینہ آ گیا جس کی تین تاریخ کی شام ہندوستان
کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ اس کے بعد کہیں کہیں سے اِکا دُکا مسلمانوں
کے قتل کی خبریں آنے لگیں۔ امرتسر سے ایک خبر آئی کہ سکھوں نے مسلمانوں کے ایک
جنازے پر حملہ کر کے کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے۔

پھر قتل و غارت کا یہ سلسلہ بڑھتا ہی گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جن جگہوں پر
مسلمان زیادہ اقلیت میں تھے وہاں سے وہ شہروں اور قصبوں کو منتقل ہونے لگے۔ سکھوں
نے صاف الفاظ میں مسلمانوں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنے
پاکستان کو چلے جاؤ۔

بختی نے سنایا کہ ایک روز ایک جواں سال سکھ نے اسے گلی میں روک لیا اور کہا، بختی
بہتر ہے ابھی میرے ساتھ چلی چلو، میں تمہیں سکھ کر لوں گا اور تمہارے ساتھ شادی بھی کر
لوں گا۔ نہیں مانو گی تو پھر تمہیں زبردستی بے آبرو کریں گے اور شاید تم زندہ بھی نہ رہ سکو۔ بختی
نے اس بات کو محض مذاق سمجھا۔ اس نے اپنی ہندو اور سکھ سہیلیوں کے ہاں جانا چھوڑ دیا تھا
کیونکہ اس کے اپنے باپ نے اور سسر اور خاوند نے بھی کہا تھا کہ اب ان کے ہاں جانا چھوڑ

دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ جاؤ اور واپس ہی نہ آسکو۔

ایک روز بختی کی ایک ہندو سہیلی اس سے ملنے آگئی۔ ان دنوں ہر کسی کا اور ہر گھر میں یہی موضوع تھا۔ بختی نے اپنی اس ہندو سہیلی کو بتایا کہ ایک سکھ نے اسے کیا کہا ہے۔

''اس نے ٹھیک کہا ہے بختی!'' ___ سہیلی نے کہا ___ ''تمہارے ساتھ مجھے اتنا پیار ہے کہ تمہیں اپنی جان جیسا عزیز سمجھتی ہوں۔ میں یہ بات تو کبھی نہیں کہوں گی کہ اس سکھ کی بات مان لو لیکن یہ مشورہ ضرور دوں گی کہ ابھی یہاں سے نکل جاؤ ورنہ بہت بری حالت کو پہنچوگی۔ صرف تم نہیں بلکہ تمہارے سسرال اور تمہارے ماں باپ میں سے شاید ہی کوئی زندہ نکل سکے۔ ابھی نکل جاؤ ورنہ زندہ جلا دیئے جاؤ گے۔ سکھوں نے مسلمانوں کے قتل عام کا پورا پورا بندوبست کرلیا ہے اور ہندو لیڈروں کی انہیں سرپرستی حاصل ہے۔ آزادی کا اعلان ہوتے ہی ہندو اور سکھ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور ایسا خون بہے گا جسے دریا ہی کہا جاسکتا ہے''۔

بختی نے اپنے ماں باپ کو یہ بات بتائی پھر اپنی ساس اور سسر اور اپنے خاوند کو بھی بتائی اور کہا کہ یہاں سے نکلنے کا بندوست کریں لیکن کسی نے دھیان نہ دیا بلکہ اس کے سسر نے اس کی بات ہنسی میں اُڑادی۔

راتوں کو اب یہ سلسلہ شروع ہوگیا کہ اپنی چھتوں پر جاکر مسلمان دیکھتے تو دور دور دیہات سے شعلے اٹھتے نظر آتے تھے۔ سکھوں نے مسلمانوں کے گھر جلانے شروع کردیئے تھے۔ پھر یہ خبریں آنے لگیں کہ سکھ مسلمانوں کی لڑکیوں کو اٹھا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ایسی درندگی کرتے ہیں کہ لڑکیاں مرجاتی ہیں۔

ہر مسلمان پر خوف و ہراس طاری تھا۔ نجات کی صورت ایک ہی تھی کہ سب وہاں سے نکل جاتے لیکن اپنا گھر بار چھوڑ کر کس کا جی چاہتا ہے کہ وہ پناہ گزین ہوجائے اور اس کی کوئی منزل ہی نہ ہو۔

ایک روز بختی نے اپنے سسرال گھر میں یہی بات چھیڑ دی کہ یہاں سے نکل ہی چلے ہی کیونکہ قتل، آتش زنی، اغوا اور لوٹ مار کا سلسلہ پھیلتا ہی جارہا ہے۔ اس قصبے میں مسلمان مارے جاچکے تھے۔ سسر نے بختی کو ذرا ڈانٹ دیا اور کہا کہ اللہ پر بھروسہ رکھے، طوفان گزر جائے گا۔

بختی کو اپنا آپ خطرے میں نظر آرہا تھا کیونکہ وہ قصبے کی چند ایک خوبصورت لڑکیوں میں سے تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ سکھ اسے گھور گھور کر دیکھتے تھے اور بعض تو اسے دیکھ کر مسکرا اٹھتے تھے۔ سسر نے اس کی بات ٹال دی تو بختی کو صدمہ بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔

''پھر ایک کام کریں'' ___ بختی نے سسر سے کہا ___ ''پیر صاحب کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ انہیں اور اس قصبے کے مسلمانوں کو سکھوں سے بچالیں۔ کوئی ایسا عمل یا تعویذ کریں کہ سکھ مسلمانوں کی طرف دشمنی کی نظروں سے دیکھیں ہی نہیں''۔

''پیر صاحب تو تین چار دن گزرے چلے گئے ہیں'' ___ سسر نے کہا ___ ''ان کی حویلی خالی پڑی ہے۔ وہ اپنے گھر کے تمام افراد کو ساتھ لے کر نکل گئے تھے اور اب وہ لاہور میں ہوں گے''۔

بختی کی زبان پر پیر کی خباثت کی کئی باتیں ایک ہی بار آگئی تھیں لیکن اس نے یہ باتیں نگل لیں۔ پیر کو تو وہاں سے بھاگنا ہی تھا۔ ایک تو وہ بختی کے اغوا اور حبس بے جا کے جرم میں گرفتار ہوا اور اب ضمانت پر رہا ہوا تھا اور مقدمہ چل رہا تھا۔ دوسرا ڈر سکھوں کا تھا۔ وہ وہاں رہتا تو سکھ اسے قتل بھی کرتے اور اس کے گھر لوٹ مار بھی کرتے۔ سکھ جانتے تھے کہ پیر کے گھر میں خزانہ موجود ہوگا۔

+++

ایک رات ابھی پہلا پہر بھی نہیں گزرا تھا کہ خاک و خون کا طوفان آگیا۔ جس طرح بڑی ہی تیز آندھی درختوں میں سے گزرتی آوازیں پیدا کرتی ہے اور چیخیں سنائی دیتی ہیں ایسے ہی مسلمانوں کے دونوں محلوں میں قیامت کا شور و غل اٹھا۔ بھاگنے دوڑنے کی آوازیں بہت ہی زیادہ تھیں اور پھر لوگوں کی چیخ و پکار تھی اور نہ جانے کیسی کیسی آوازیں اٹھی ہوکر رات کی خاموشی اور تاریکی کو یوں جھنجھوڑ رہی تھیں جس طرح تیز و تند آندھی کسی کمزور سے درخت کو جھکا جھکا کر زمیں بوس کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ کیا ہوگیا ہے۔ سکھوں نے مسلمانوں کے گھروں پر ہلہ بول دیا تھا۔ کچھ دیر بعد بختی کے سسرال گھر کا دروازہ ٹوٹنے لگا۔ ہر کوئی اس قدر خوفزدہ کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ بختی اس وقت ایک کمرے میں تھی۔ اس پر تو جیسے وہیں کھڑے کھڑے سکتہ طاری ہوگیا ہو۔ اس نے باہر نکل کر دیکھنے کا ارادہ کیا تو وہیں محسوس کرلیا سکھ صحن میں

آ گئے ہیں۔ بختی ساتھ والے کمرے میں چلی گئی اور اس کمرے سے آگے کاٹھ کباڑ کا سٹور تھا۔ وہاں جا گھسی اور ٹوٹی پھوٹی چار پائیوں اور دیگر کاٹھ کباڑ کے نیچے جا چھپی۔

وہ آوازوں سے اندازہ کرتی رہی کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ سکھ اس کے سسرال کے ہر فرد کو قتل کر رہے تھے اور گھر کو لُوٹ بھی رہے تھے۔ اس نے ہمیں سنایا کہ شاید آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا ہو گا لیکن اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ برسوں سے وہاں چھپی ہوئی ہے اور نہ جانے کتنے برس وہیں چھپی رہے گی۔ اس نے ساتھ والے کمرے میں سکھوں کی آوازیں سنیں۔ وہ ہر چیز کو اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے۔ پتہ چل رہا تھا کہ وہ ٹرنکوں اور الماریوں کے تالے توڑ رہے ہیں اور ٹرنک اِدھر اُدھر پھینک رہے ہیں۔

پھر سکھ نکل گئے اور بختی کو ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے چیزیں جل رہی ہوں۔ اسے جلنے کی بو بھی آنے لگی۔ اسے معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ کسی سکھ نے اس سٹور میں بھی جھانکا تھا یا نہیں۔ انہوں نے ضرور جھانکا ہو گا اور کاٹھ کباڑ دیکھ کر اس کمرے کو بے کار سمجھا ہو گا۔ یہ بختی کی خوش بختی تھی کہ سکھوں کو پتہ ہی نہ چلا کہ قصبے کی ایک بڑی ہی حسین لڑکی اس کمرے میں چھپی ہوئی ہے۔ سکھ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ کوئی لڑکی خوبصورت ہے یا بدصورت وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ یہ لڑکی مسلمان ہے تو اپنا جیسے فرض سمجھتے تھے کہ اسے درندوں کی طرح خراب کرنا، بھنبھوڑنا اور ختم کر دینا ہے۔

بختی تھر تھر کانپتی باہر کی آوازیں سنتی رہی۔ کچھ دیر پہلے جہاں سکھوں کی للکار کی نمایاں آوازیں تھیں وہاں اب شعلوں کی بھیانک شائیں شائیں سنائی دینے لگی تھی۔ یہ آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ بختی جان گئی کہ مکان کو آگ لگی ہوئی ہے۔ جل مرنے کی بجائے اس نے سوچا کہ یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے۔

وہ کاٹھ کباڑ سے نکلی اور اسی کمرے میں آ گئی جہاں سے وہ سٹور کی طرف گئی تھی۔ برآمدے میں اور گھر کے سامنے والے حصے میں آگ لگی ہوئی تھی اور جس کمرے میں بختی کھڑی تھی اس کے دروازے کو آگ لگ چکی تھی۔ وہ اگلے کمرے میں گئی اور صحن میں کھلنے والی کھڑکی کھولی۔ آگ کی اتنی زیادہ تپش اس کے چہرے پر پڑی جیسے وہ جھلس گئی ہو۔ اس ایک لمحے میں اسے صحن میں شعلوں کی روشنی میں جو نظر آیا وہ منظر شاید ہی کوئی برداشت کر سکتا ہو۔ بختی نے یہ بھی برداشت کیا۔ صحن خاصا چوڑا تھا۔ وہاں سے اسے اپنے سسر، ساس

اپنے خاوند اور ایک نند کی لاشیں نظر آئیں۔ بری طرح لہولہان تھیں۔ چھوٹی نند کی لاش نہیں تھی، شاید اسے سکھ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

اس کمرے کا دروازہ پچھلی تنگ گلی میں کھلتا تھا۔ بختی نے یہ دروازہ کھولا، باہر جھانکا اور گلی میں نکل گئی۔ لوٹ مار تو ابھی جاری تھی لیکن شور و غل کم ہو گیا تھا۔ شاید کوئی ایک بھی مسلمان زندہ نہیں رہا تھا۔ بختی اس گلی میں دوڑتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اس کا یوں نکل جانا ایک معجزہ ہی تھا۔ اللہ نے یہ معجزہ کر دکھایا اور وہ قصبے سے نکل گئی اور کھیتوں میں جا پہنچی۔ وہاں سے کھیت دور نہیں تھے۔ ساونی کی فصل اونچی ہو گئی تھی۔ وہ مینڈھوں پر دوڑتی گئی اور دوڑتی ہی چلی گئی۔

کچھ دور جا کر اس نے پیچھے دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے سارا قصبہ جل رہا ہو۔ اسے ماں کا خیال آیا، باپ کا بھی خیال آیا اور اس نے یہی صورت قبول کر لی کہ وہ دونوں بھی مارے گئے ہیں...... بختی کو خیال آیا کہ وہ نوجوان اور حسین و جمیل لڑکی سکھوں سے بچ کر کیا پاکستان تک صحیح و سلامت پہنچ سکے گی؟

* * *

میں نے گزری ہوئی آدھی صدی میں کئی مہاجرین سے ان کی ہجرت کی کہانیاں سنی ہیں۔ یہ دوسروں سے نہیں سنیں بلکہ یہ مہاجر یا مہاجرہ کو اپنے سامنے بٹھا کر اس کی زبانی سنی ہیں۔ ہر کہانی نے میرے رونگٹے کھڑے کئے اور لہو کے آنسو رلایا ہے۔ بختی نے اتنا ہی کہا کہ رات کے وقت اپنے گھر کو جب چھوڑ کر وہ بھاگی اور فصل کی اوٹ میں کھڑے ہو کر گردو پیش کو دیکھا تو خیال آیا کہ وہ ان سکھ درندوں سے بچ کر پاکستان تک صحیح سلامت پہنچ سکے گی یا نہیں تو میں نے یوں محسوس کیا جیسے نظر نہ آنے والے دو ہاتھوں نے میرا گلا دبوچ لیا ہو اور میں دو چار سیکنڈ بعد مر جاؤں گی۔ میری جذباتی حالت اس وجہ سے دگرگوں ہوئی کہ میرے ذہن نے اپنے آپ ہی تصور تخلیق کر لیا تھا کہ بختی کی جگہ میں ہوں، نوجوان ہوں اور خوبصورت لڑکی ہوں اور ہر طرف سکھ درندے مجھ جیسے شکار کے لیے غراتے اور دندناتے پھر رہے ہیں، کوئی پناہ نہیں، اللہ کے سوا کوئی محافظ اور مددگار نہیں اور بچ نکلنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔

میں اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے درخواست کرتی ہوں کہ میری طرح تصور میں اپنے آپ کو نوجوان بختی یا اس جیسی مہاجر لڑکیوں کی پوزیشن میں لائیں تب ہی آپ کو اندازہ ہو گا کہ قوم نے پاکستان کی کیا قیمت ادا کی تھی۔ پھر آج کے پاکستان کو دیکھیں جس کی خاطر قوم کی ایک لاکھ سے زائد بیٹیوں کی عصمتیں لٹ گئی تھیں۔ ان میں سے بہت ہی کم زندہ پاکستان میں پہنچی تھیں، باقی کا کھرا کھوج ہی نہیں ملا تھا اور جو اُدھر ہی رہیں اور زندہ رہیں انہیں سکھوں نے زبردستی اپنی بیویاں بنا لیا تھا۔ پاکستان کے پرچم کے سبز رنگ میں قوم کی ان ایک لاکھ سے زائد بیٹیوں کی عصمتوں کی قربانی کا رنگ بھی شامل ہے مگر ہمارے حکمرانوں نے کس بے دردی سے اس پاکستان کو لوٹا اور لوٹتے ہی چلے آ رہے ہیں۔ آدھا

پاکستان اقتدار پرستی کی بھینٹ چڑھا دیا ہے اور باقی نصف کو انہوں نے امریکی ساہو کاروں کے ہاں گروی رکھ دیا ہے۔ اقتدار کے ان ہوس کاروں نے اپنی ان بیٹیوں کی عصمتوں کی بھی کچھ غیرت نہ کی اور بے غیرتی میں ہی فخر محسوس کئے چلے جا رہے ہیں۔

بعض قارئین کرام بے مزگی محسوس کر رہے ہوں گے کہ میں نے اچھی بھلی کہانی سناتے سناتے ''سیاسی'' باتیں شروع کر دی ہیں۔ آئیے آپ کو سنائی ہوں کہ بختی کا کیا بنا، بچ کر نکل آئی تھی یا پکڑی گئی تھی۔

ساون کی اونچی فصل نے اسے چھپا رکھا تھا۔ فصل نہ ہوتی تو رات کا سیاہ پردہ ہی اسے سب کی نظروں سے اوجھل کر سکتا تھا۔ بختی اپنے قصبے سے کچھ دور پہنچ گئی تھی لیکن اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قصبے سے اٹھتے شعلے اس کے تعاقب میں آ رہے ہوں اور سکھ جنوں اور چڑیلوں کی طرح ان شعلوں میں چیختے چلاتے اس کے پیچھے دوڑے آ رہے ہوں۔ دہشت جو اس پر طاری تھی وہ انتہا سے بھی آگے نکل گئی تھی۔ بختی کو معلوم تھا کہ ہری بھری فصل دور دور تک سمندر کی طرح چلی گئی ہے لیکن وہ فصل اسے رات رات کے لیے ہی چھپا سکتی تھی۔ رات کا سیاہ پردہ اٹھتے ہی یہ فصل بھی اس کی کم ہی مدد کرتی۔

صبح ہونے تک اس نے بہت دور نکل جانے کا ارادہ کر لیا مگر اس کی منزل ایسی قریب بھی نہیں تھی کہ اگلے روز ہی وہاں تک پہنچ جاتی۔ سرحد تک ایک انچ جگہ بھی محفوظ نہیں تھی اور سرحد ڈیڑھ سو کلومیٹر دور تھی۔ یہ ہوائی سفر کا فاصلہ تھا۔ جن حالات میں بختی جا رہی تھی ان میں یہ فاصلہ ڈیڑھ ہزار نہیں بلکہ ڈیڑھ لاکھ کلومیٹر سے بھی زیادہ تھا۔ ابھی تو اس بھیانک اور ہیبت ناک سفر کا آغاز ہی ہوا تھا، بختی کو نہ جانے کدھر کدھر بھٹکنا تھا اور کیسے کیسے موڑ اور خطرے اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔

یہی وہ حالات ہوتے ہیں جن میں انسان کی عقل غارت ہو جاتی ہے اور وہ قدم قدم پر ڈگمگاتا اور صحیح راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ بختی نے اپنی عقل کو کم از کم اس حد تک ٹھکانے رکھا کر دوڑی نہیں۔ اگر دوڑ پڑتی تو کچھ دور تک اس کی ٹانگیں اس کے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیتیں اور سانسیں اکھڑ کر اسے بے کار کر کے بیٹھنے پر مجبور کر دیتیں۔ وہ مینڈھوں پر تیز تیز چلتی گئی۔ اندازے کے مطابق اس نے سمت کا خیال رکھا۔

اسے اچانک ماں یاد آ گئی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ ماں زندہ ہے یا ماری گئی یا زندہ جل

مری ہے۔ اسے باپ بھی یاد آیا جو دراصل اس کا باپ نہ تھا لیکن بختی اسے باپ ہی سمجھتی رہی۔ وہ بھی مارا ہی گیا ہو گا...... ماں یاد آئی تو بختی دودھ پیتی بچی بن گئی۔ اسے بچوں کی طرح رونا آیا اور وہ ایسی روئی کہ اپنے آپ پر قابو محال ہو گیا۔ اس نے شدت سے چاہا کہ ماں آ جائے اور اسے گودی اٹھا کر اپنی آغوش میں چھپا لے۔

وہ رک گئی اور آسمان کی طرف دیکھا پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا دیئے اور بلند آواز سے بولی ــــ ''میرے اللہ، کیا تُو آسمانوں میں خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہے، میں نے تو سنا تھا کہ تُو اپنے ہر بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ کفار ہمارا خون صرف اس لیے بہا رہے ہیں کہ ہم تیرا اور تیرے رسولؐ کا نام لیتے ہیں۔ میں اگر مسلمان نہ ہوتی، تیرے رسولؐ کی اُمت سے نہ ہوتی تو اپنا وجود ان کافروں کے حوالے کر دیتی لیکن میں اپنی عصمت اور عزت تیری اور تیرے رسولؐ کی امانت سمجھتی ہوں۔ جب تک زندہ ہوں اس امانت میں خیانت نہیں ہونے دوں گی۔ اتنی دور سے دیکھتا نہ رہ میرے اللہ، اپنے نام لیواؤں کی ایک مجبور اور بے بس بیٹی کی مدد کو آ جا''۔

بختی نے مجھے سنایا کہ وہ نہ جانے اللہ سے کیا کچھ کہتی رہی اور اس کی ہچکیاں بے قابو ہوتی چلی گئیں اور پھر یوں ہوا جیسے ایک طوفان تھا جو گزر گیا ہے، سسکیاں اور ہچکیاں تھم گئیں اور اس نے جرأت اور دلیری سی محسوس کی اور پھر ایسے جیسے اس کا ٹوٹا پھوٹا حوصلہ ایک بار پھر مضبوط اور مستحکم ہو گیا ہو اور پھر اسے کچھ ایسے محسوس ہوا جیسے اس نے اللہ کی آواز سنی ہو کہ تُو چلتی جا میں تیرے ساتھ ہوں۔

اس نے اپنے آپ میں شرمساری سی محسوس کی اور پھر گناہ کا ایک احساس ابھرنے لگا کہ اس نے اللہ کی ذات کی بے ادبی کر ڈالی ہو۔ وہ اللہ سے معافیاں مانگنے لگی۔ اس کے ذہن میں ایسا کوئی الجھاؤ پیدا نہ ہوا کہ اللہ اس سے ناراض ہے یا خوش۔ وہ اپنی روح میں تقویت سی محسوس کرنے لگی تھی۔ اب جو وہ چلی تو اس کے چلنے کے انداز میں خود اعتمادی تاثر بڑا نمایاں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا تھا لیکن یہ احساس بھی کسی وقت ابھر آتا تھا کہ وہ عورت ذات، تنِ تنہا، کیا جسم اتنا ساتھ دے سکے گا؟ فصل سرحد تک نہیں ہو گی۔ ایسے علاقے بھی آئیں گے جہاں گھاس کی پتی بھی نہ ہو گی پھر وہ اپنے آپ کیسے چھپائے گی؟...... وہ چلتی گئی اور اپنے آپ کو اس خیال سے تسلی دی کہ وہ ہمت نہیں

ہارے گی اور اللہ اسے اس کا صلہ ضرور دے گا۔

+ + +

وہ چلتی گئی اور رات اپنی رفتار سے گزرتی گئی۔ اسے وقت کا کوئی احساس نہ تھا کہ رات کتنی گزر گئی اور کتنی باقی ہے۔ موسم خاصا گرم تھا اور گرمی کے ساتھ ساون کا حبس جسم پر بہت برا اثر ڈال رہا تھا۔ پھر اچانک یوں ہوا کہ فصل ختم ہو گئے اور اس کے سامنے خالی کھیت تھے یا بنجر علاقہ تھا۔ رات نے اس پر اپنا سیاہ پردہ ڈالے رکھا۔

وہ جب اس کھلے علاقے میں گئی تو اسے اردگرد، دور دور جلتے مکانوں کے شعلے نظر آنے لگے۔ چونکہ شعلے دور دور تھے اس لیے وہاں سے آسمان سرخ نظر آتا تھا۔ یہ مسلمانوں کے مکان تھے اور ان میں مسلمان زندہ جل رہے تھے یا کچھ بختی کی طرح نکل بھاگے تھے۔ بختی نے اندازہ کرنا چاہا کہ وہ اپنے قصبے سے کتنی دور نکل آئی ہے لیکن اسے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اندر سے آواز آئی ہو کہ اب پیچھے مت دیکھو، آگے دھیان رکھو اور منزل کو اپنے ذہن سے ہٹنے نہ دو۔

اس کی آنکھیں اب اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اندھیرے میں صاف طور پر دیکھنے کے قابل ہو گئی تھی بلکہ فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ وہ کچھ دور سے بتا سکتی تھی کہ آگے درخت ہیں یا فصل کھڑی ہے یا علاقہ خالی ہے یا ذرا اونچی ٹیکری ہے وغیرہ۔ چلتے چلتے پھر کھیت آ گئے جن میں سے بعض میں فصل کھڑی تھی۔ وہ ایک بار پھر کھیتوں کی مینڈھوں پر چلی جا رہی تھی۔ وہاں درخت کچھ زیادہ ہو گئے تھے اور درختوں کی ایک لمبی قطار چلی گئی تھی۔

بختی کو دور سے کچھ انسانی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بختی کی تو اب یہ حالت تھی کہ ذرا سی آہٹ پر بدک جاتی، رکتی اور اردگرد دیکھ کر اگلا قدم اٹھاتی تھی۔ اسے دور کی آوازیں سنائی دیں تو وہ اور زیادہ چوکس اور چوکنی ہو گئی۔ اسے فصل نے چھپ چھپ کر چلنے کی سہولت مہیا کر دی تھی۔

آوازیں آگے بڑھتی آ رہی تھیں۔ بختی اور آگے گئی تو اس کے سامنے ایک چوڑی پگڈنڈی تھی۔ وہ لوگ جن کی آوازیں اسے سنائی دے رہی تھیں اسی پگڈنڈی پر چلے آ رہے تھے لیکن وہ ابھی نہیں آتے تھے۔ بختی وہیں فصل میں دبک کر بیٹھ گئی کہ یہ لوگ جو کوئی بھی ہیں

آگے نکل جائیں تو وہ پگڈنڈی پار کر کے کھیتوں میں سے سیدھی آگے بڑھتی جائے۔ وہ پگڈنڈی پر جانے کا خطرہ مول لینے سے ڈرتی تھی۔

''اور تیز چلو، اور تیز چلو'' ـــــ آنے والوں میں سے ایک نے کہا ـــــ ''خدا کو یاد کرتے چلو''۔

''اور سنو لڑکو!'' ـــــ کسی اور نے کہا ـــــ ''اگر سکھ آ گئے تو جم کر مقابلہ کرنا۔ ان کی کرپانوں سے نہ ڈرنا، تمہارے پاس لاٹھیاں اور کلہاڑیاں ہیں''۔

باقی سب بھی کچھ نہ کچھ بول رہے تھے اور اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پانچ سات نہیں بلکہ بیس پچیس یا اس سے بھی زیادہ لوگ ہوں گے۔ بختی کو یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ اسی کی طرح پناہ گزین ہیں اور اسے ان سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اس اطمینان کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ وہ کیوں نہ انہی لوگوں میں شامل ہو جائے۔ کچھ حفاظت تو مل جائے گی اور وہ اکیلی نہیں رہے گی۔ وہ لوگ اسے تنہا لڑکی سمجھ کر اپنی پناہ میں لے لیں گے۔

خیال اچھا تھا۔ وہ اس ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی کہ ان لوگوں کے راستے میں آئے گی اور انہیں کہے گی کہ اسے بھی ساتھ لیتے چلیں۔ اس نے دو تین قدم ہی اٹھائے تھے کہ اچانک یوں لگا جیسے طوفان آ گیا ہو یا اچانک بگولہ اٹھا ہو۔ ایک شور تھا، للکار تھی اور دوڑتے قدموں کی آوازیں تھیں۔ اس شور کے ساتھ ہی ان لوگوں میں غل غپاڑہ بپا ہو گیا جن کے ساتھ شامل ہونے کے لیے بختی راستے میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

بختی کے لیے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہ تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ للکار نما شور یقیناً سکھوں کا تھا اور ان کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ یہ بتانا تو بہت ہی مشکل تھا کہ یہ سکھ کدھر سے آن دھمکے تھے۔ کیا یہ سب گھات میں بیٹھے تھے؟ شاید ان پناہ گزینوں کے تعاقب میں آ رہے ہوں اور یہاں آ کر انہیں پتہ چلا ہو کہ ان کا شکار وہ جا رہا ہے۔ بہر حال ان دنوں سکھوں کا ہی راج تھا جیسے جنگل میں درندوں کا ہوتا ہے اور کوئی کمزور جانور ان سے محفوظ نہیں ہوتا۔ کوئی قانون نہیں تھا۔ سکھوں کو ہندو حکومت کی طرف سے شہ اور پشت پناہی ملی تھی کہ مشرقی پنجاب میں کوئی ایک بھی مسلمان نہ رہے۔

سکھ ٹھیٹھ پنجابی میں گالیاں بکتے آ رہے تھے اور اس فحش کلامی میں ایک بڑی ہی بلند آواز سنائی دی ـــــ ''گھیر کر مارنا...... سات آٹھ لڑکیاں بھی ہیں...... لڑکیوں کے سوا کوئی

زندہ نہ جائے''۔

''بھاگنا نہیں بھائیو!'' ـــــ یہ آواز یقیناً ایک مسلمان کی تھی ـــــ ''لڑکیوں کو درمیان میں کر لو اور جم کر لڑنا۔ جیتے جی کوئی لڑکی ان سکھوں کے ہاتھ میں نہ جائے''۔

بختی کے لیے بھاگ نکلنے کا اچھا موقع تھا لیکن وہ اس خیال سے فصل کے اندر چلی گئی کہ اسے بھاگتے کسی نے دیکھ لیا تو وہ پکڑی جائے گی۔ وہ فصل میں چھپی باہر کی آوازیں سنتی رہی۔ سکھوں کی گالیاں اور للکار پہلے سے زیادہ بلند ہو گئی تھی اور اس کے فوراً بعد جو ہنگامہ بپا ہوا اسے سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ کرپانوں اور برچھیوں سے لاٹھیاں کلہاڑیاں ٹکرا رہی تھیں اور مسلمانوں کے نعرے اور سکھوں کی للکار بڑی صاف سنائی دے رہی تھی۔ بختی کو ایسا خطرہ نظر آنے لگا جیسے یہ لوگ لڑتے لڑتے اس کے سر پر آ پہنچیں گے اور وہ کچلی جائے گی یا سکھ اسے پکڑ لیں گے۔ اس کے باوجود وہیں جم کے بیٹھی رہی تاکہ کسی کو شک نہ ہو کہ کوئی فصل کے اندر موجود ہے۔

سکھوں اور مسلمانوں کے شور و غل اور للکار سے پتہ چلتا تھا کہ سکھوں کی تعداد زیادہ ہے اور پلہ ان ہی کا بھاری ہے۔ مسلمانوں کی للکار اور ان کا جوش و خروش ماند پڑتا جا رہا تھا اور اس کی بجائے لڑکیوں کی چیخ و پکار بلند ہونے لگی تھی جو بختی کے سینے میں تیروں کی طرح اتر رہی تھی۔

''آپ دونوں کچھ زیادہ ہی حیران ہوتی جا رہی ہیں'' ـــــ بختی نے اس رات کا یہ خونریز واقعہ بیان کرنے کے دوران کہا ـــــ ''آپ شاید یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں کوئی بڑا ہی عجیب و غریب واقعہ سنا رہی ہوں اور ایسا واقعہ یہ ایک ہی ہوا ہو گا۔ حیران ہونے والی کوئی بات نہیں۔ وہاں یہی کچھ ہو رہا تھا۔ کسی مکان میں بہت سے مسلمان مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو ہانک کر لاتے اور اسی مکان میں بند کر کے مکان کو آگ لگا دیتے تھے۔ اگر کوئی بھاگ نکلتا تو اسے اٹھا کر جلتے مکان میں پھینک دیتے تھے۔ مکان سے شعلے بلند ہوتے تو سکھ چند اور مسلمانوں کو گھسیٹ کر لاتے اور زندہ ان شعلوں میں پھینک دیتے تھے۔ ان میں انسانیت کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ ماؤں کی گودیوں سے دودھ پیتے بچے نوچ کر یہ کافر آگ میں پھینک دیتے تھے۔ ایسی درندگی ان دنوں معمول تھا۔ میں تو معمولی سا ایک واقعہ سنا رہی ہوں''۔

بختی نے سنایا کہ یہ لڑائی پندرہ نہیں تو بیس منٹ لڑی گئی ہوگی لیکن اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بچپن سے یہ لڑائی دیکھ رہی ہو اور مرتے دم تک یہی دیکھتی رہے گی...... مسلمانوں کے نعرے اور للکار بالکل ہی خاموش ہوگئی تھی، ان کی لڑکیاں چیخ چلا رہی تھیں اور سکھ قہقہے لگا رہے تھے اور پاکستان کو فحش ننگی گالیاں دے رہے تھے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ انہوں نے لڑکیوں کو زندہ پکڑ لیا ہے اور اب انہیں گھسیٹتے دھکیلتے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔

بختی کے دل پر خوف طاری ہوگیا تھا۔ یہ اس کی ہمت تھی کہ اپنے آپ پر قابو پائے رکھا ورنہ وہ غش کھا جاتی اور غشی میں ہی اسے کوئی سکھ اٹھا کر لے جاتا۔ لڑکیوں کی چیخ و پکار اور سکھوں کے قہقہے دور ہی دور ہٹتے گئے حتیٰ کہ رات کی خاموشی میں تحلیل ہوگئے۔ خاموشی بھی ایسی جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

+++

بختی نے اس سفر کے آغاز سے ہی سوچ لیا تھا کہ اپنے دماغ اور عقل کو ٹھکانے رکھے گی لیکن اب اس کی ذہنی اور جذباتی حالت ایسی ہوگئی کہ ذہن کو نارمل حالت میں لانا دشوار ہوگیا۔ اس کے جذبات میں ایسا زلزلہ آ گیا تھا جس سے سنبھلنا اس کے لیے جیسے ممکن ہی نہ رہا ہو۔ اسے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کسی وقت وہ بھی اسی طرح اٹھائی جائے گی اور چیخے چلائے گی اور سکھ اس پر قہقہے لگائیں گے اور اس کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔

بختی کو کچھ یاد نہیں تھا کہ ذہن کو اصلی حالت پر واپس لانے میں اسے کتنا وقت لگا اور کس قدر جدوجہد کرنی پڑی۔ کچھ حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اچانک آ پڑیں تو انسان ان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مثلاً گھر میں کوئی نہایت اہم آدمی فوت ہو جاتا ہے یا کسی وجہ سے گھر کے مالی حالات ایسے بگڑتے ہیں کہ پورا خاندان کنگال ہو کر رہ جاتا ہے یا کسی فرد کو کوئی لاعلاج مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ ایسا کوئی واقعہ یا حادثہ اچانک ہو جائے تو انسان برداشت کر کے مقابلے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیتا ہے لیکن وہ اب جس صورتِ حال میں پھنس گئی تھی وہ تو کبھی اس کے تصور میں بھی نہیں آئی تھی۔

آخر وہ اٹھی، اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ مسلمانوں نے سکھوں کا مقابلہ کیا تھا اور کچھ سکھ بھی مارے گئے ہوں گے اور وہ جا کر دیکھے کہ مسلمانوں نے مرنے سے پہلے کتنے سکھوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور مرنے والے مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی۔ اس نے جم

آوازیں اور آہ و بکا سنی تھی اس میں چھوٹے چھوٹے بچوں کا رونا بھی شامل تھا۔ بختی جان گئی کہ بچے بھی مارے گئے ہیں۔

پگڈنڈی پر جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ایک خطرہ تو یہ تھا کہ وہ راستہ اور سمت بھول سکتی تھی۔ وہ پگڈنڈی کے پار چلی گئی اور سامنے والے کھیتوں کی مینڈھوں پر چلنے لگی۔ وہ صحت مند اور نوجوان لڑکی تھی۔ اپنے جسم سے اس سے کہیں زیادہ مشقت لے سکتی تھی لیکن خوفزدگی نے اس کے جسم کی طاقت جیسے سلب ہی کر لی تھی۔ ٹانگیں شل ہوتی جا رہی تھیں اور وہ اب قدم گھسیٹ رہی تھی جیسے اس کے کندھوں پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔ تھوڑی ہی دور گئی ہوگی کہ کھیت پھر ختم ہوگئے۔ بختی کو معلوم نہ تھا کہ قریب کوئی گاؤں ہے یا نہیں۔ کہیں سے شعلے اٹھتے نظر آتے تو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ گاؤں ہے اور مسلمانوں کے مکان جل رہے ہیں۔ اگر کوئی گاؤں قریب تھا وہ خالصتاً سکھوں کا ہوگا۔ مسلمانوں کا صرف ایک ہی مکان ہوا تو وہ جل رہا ہوتا۔

بختی کے ذہن میں پاکستان آ گیا جو اس کی منزل تھی۔ اس کے ذہن میں پاکستان کی وہ باتیں گونجنے لگیں جو وہ دوسروں سے سنتی رہی تھی۔ 1946ء کے آخر میں ہندوستان کے آخری الیکشن ہوئے تھے جو مسلمانوں نے پاکستان کے نام پر لڑے اور جیت لئے تھے۔ اس کامیابی نے انگریزوں پر ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان ایک الگ تھلگ قوم ہیں اور ان کا حق ہے کہ اپنا ایک آزاد وطن بنالیں۔ اس طرح تحریک پاکستان فیصلہ کن دور میں داخل ہوگئی تھی۔

بختی کے قصبے میں بھی مسلمان جلوس نکالتے، جلسے کرتے اور ـــــ ''بٹ کے رہے گا ہندوستان، لے کے رہیں گے پاکستان'' ـــــ کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ بختی سب کچھ دیکھتی تھی اور باہر کی باتیں سنتی بھی تھی۔ اس کے سسرال کے مرد شام کے بعد گھر میں پاکستان کی باتیں کرتے تھے لیکن بختی ان باتوں میں دلچسپی نہ لے سکی کیونکہ سسرال نے اسے پیری مریدی کی بھول بھلیوں میں دھکیل دیا تھا۔ پیر کا خیال آیا تو اس نے سوچا کہ وہ قصبے میں تھی اور حالات بالکل صحیح تھے تو وہ اس پیر سے اپنے آپ کو بچانے کی جدوجہد کرتی رہتی تھی اور اب سکھوں سے اسی طرح بچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا کہ سکھوں اور پیروں میں کوئی فرق نہیں۔

اسے پاکستان کی باتیں یاد آنے لگیں جو وہ محلے کی عورتوں سے بھی سنتی تھی اور اپنے سسرال کے مردوں سے بھی۔ وہ سب کہتے تھے کہ پاکستان ایک جنت نظیر ملک ہوگا۔ انگریزوں کی بادشاہی نہیں ہوگی، صرف اللہ کی حکمرانی ہوگی۔ وہاں کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا نہیں ہوگا۔ اسلامی معاشرہ ہوگا جو اللہ کے نور سے منور ہوگا اور یقیناً وہاں پیر نہیں ہوں گے۔ پاکستان کو لوگ قرآن کی سرزمین کہتے تھے۔

بختی کو اس کا خاوند پاکستان کی باتیں زیادہ تفصیل سے سنایا کرتا تھا۔ اب اسے یہ باتیں یاد آنے لگیں تو اس کے حوصلے، جذبے اور ایمان میں نئی تازگی آ گئی۔ وہ پاکستان کو بڑے ہی حسین خوابوں کی سرزمین سمجھنے لگی۔ اسے یاد آنے لگا کہ اس نوجوان پیر سے وہ کس طرح بچی تھی اور اپنی آبرو کی حفاظت اس نے کس جرأت اور ہمت سے کی تھی۔ وہ اللہ کی مدد کو نہیں بھول سکتی تھی جس کی ذاتِ باری نے ایک سکھ تھانیدار کو نجات کا سبب بنایا تھا۔ یہ سکھ تھانیدار اسے ایک عظیم انسان کی صورت میں نظر آتا تھا اور اس کے حوالے سے وہ سکھوں کو بڑے ہی اونچے کردار والی قوم سمجھنے لگی تھی لیکن اب یہی سکھ اپنی اصلیت پر آئے تو اسے پتہ چلا کہ مسلمان کا کوئی دوست نہیں اور کفار مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں۔

وہ پاکستان کے حسین خواب دیکھ رہی تھی لیکن اس وقت ضرورت ایک پناہ کی تھی، خواہ وہ پُر خار ہی ہوتی۔ وہ کانٹوں کا بچھونا قبول کر لیتی، سکھوں کے ہاتھ چڑھنے کی بجائے وہ موت کو قبول کرنے پر تیار تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ سکھوں کے ہاتھ چڑھ گئی تو کسی سکھ کی کرپان اپنے پیٹ میں گھونپ لے گی۔

وہ چلتی گئی لیکن یہ اس کی قدرتی چال نہیں تھی۔ وہ اب پاؤں گھسیٹ کر چل رہی تھی۔ اس نے یہ تو یقیناً محسوس کیا تھا کہ اس کی غیرت، اس کا جذبہ اور ایمان مزید مستحکم ہو گیا ہے لیکن انسانی جسم ایک حد تک ہی مشقت برداشت کر سکتا ہے۔ وہ حد ختم ہو چکی تھی۔ اس کا سر ڈولنے لگا تھا۔ یہ جوانی کی نیند کا اثر تھا۔ ماحول کے اثرات الگ تھے جو جسم کی طاقت چوستے چلے جا رہے تھے۔

چند قدم دور اسے اپنی ماں نظر آئی جو بازو پھیلائے کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہی پیارا تبسم تھا جیسے وہ اپنی بیٹی بختی کے انتظار میں ہی کھڑی ہو۔ بختی رکی اور کچھ حیرت اور زیادہ تر مسرت سے ماں کو دیکھنے لگی پھر دوڑ پڑی اور دوسرے لمحے ماں کے بازوؤں

میں جکڑی ہوئی تھی۔ ماں نے اسے اپنے بازوؤں میں اس طرح بھینچا جیسے اسے اپنے وجود میں تحلیل کر لینا چاہتی ہو۔ بختی کو کھویا ہوا سکون اور اطمینان واپس مل گیا اور جیسے وہ معصوم بچی کی طرح ماں کی آغوش میں سو گئی ہو۔

نہ جانے کتنا وقت گزرا ہوگا کہ بختی نے محسوس کیا کہ اس کی ماں اس کے ماتھے اور رخساروں کو چوم رہی ہے۔ بختی نے اپنے چہرے پر ماں کی سانسوں کی تپش بھی محسوس کی۔ اس نے آنکھیں کھولیں لیکن کھل نہ سکیں بلکہ چندھیا گئیں جیسے تیز روشنی میں ہوتا ہے۔ ماں فوراً ہی غائب ہو گئی اور بختی پیٹھ کے نیچے زمین کی ناہمواری اور سختی محسوس کرنے لگی پھر اسے جسم میں ہلکا ہلکا درد بھی محسوس ہونے لگا۔

اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ زمین پر لیٹی ہوئی ہے۔ اچانک اس کے دل پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور آنکھیں مل کر کھولیں۔ اسے سب سے پہلی جو چیز نظر آئی وہ تین کتے تھے جن کی شکلیں بھیڑیوں جیسی تھیں۔ یہ تینوں اس سے چند قدم ہی دور کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ شاید بھیڑیے ہی تھے۔ ان میں سے ہی کسی کتے یا بھیڑیے نے اس کے چہرے پر ناک رکھ کر سونگھا تھا کہ یہ زندہ ہے یا مردہ۔ بختی کے ہلنے جلنے اور یکلخت اٹھ بیٹھنے سے تینوں پیچھے ہٹ گئے تھے۔ سورج افق سے خاصا اوپر اٹھ آیا تھا۔ اگر وہ بھیڑیے ہی تھے تو بھی انہیں بختی پر حملہ نہیں کرنا تھا۔ حملہ بھوکا درندہ کیا کرتا ہے۔ وہاں ہر طرف اتنی لاشیں بکھری ہوئی تھیں کہ کتوں، بھیڑیوں اور گیدڑوں وغیرہ کے پیٹ بھرے ہوئے تھے۔ وہ تو اپنی عادت اور فطرت کے مطابق ان تینوں نے بختی کو سونگھا تھا۔ بختی نے قریب پڑا ایک پتھر ان کی طرف پھینکا تو تینوں بھاگ گئے۔

پھر بختی نے گرد و پیش کو دیکھا۔ وہ ایک ویرانے میں بیٹھی تھی۔ وہاں دور اور نزدیک درخت خاصے تھے۔ درختوں پر گدھوں کے سوا کوئی پرندہ نظر نہیں آتا تھا۔ پرندے جو اُڑ رہے تھے وہ بھی گدھ ہی تھے۔ ہوا یوں تھا کہ بختی چلتے چلتے سو گئی تھی اور نیند میں چلتی رہی تھی۔ اسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ اس طرح وہ کتنا چلی تھی اور کس وقت چلتے چلتے گری اور زمین پر پڑی گہری نیند میں چلی گئی تھی۔ اس نے سورج سے اندازہ کیا، صبح کے دس بجے ہوں گے۔ دھوپ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

وہ جس زمین پر بیٹھی ہوئی تھی وہاں گھاس کی ہریالی بھی نہیں تھی کیونکہ زمین سیم اور

شوروالی تھی۔ اس کا رنگ کچھ سفیدی مائل تھا۔ اس کے قریب سے ہی زمین ذرا نیچے چلی گئی تھی اور کچھ دور تک یہ جگہ نشیبی تھی اور اس کے درمیان میں بارش کا پانی جمع تھا جسے دیکھ کر بختی کو پیاس کا شدید احساس ہوا۔ پانی سے کچھ آگے زمین پھر اوپر ہو گئی تھی اور وہاں فصل کی طرح سرکنڈے کھڑے تھے۔

+ + +

بختی اٹھ کھڑی ہوئی اور ہر طرف دیکھنے لگی۔ اسے ویرانہ ہی ویرانہ نظر آیا۔ کہیں کسی آبادی یا کسی چھوٹے سے گاؤں کا نام و نشان نہ تھا۔ دور ایک جگہ گدھ اتر رہے تھے اور اُڑ اُڑ کر درختوں پر بیٹھ رہے تھے۔ بختی سمجھتی تھی کہ وہاں لاشیں پڑی ہوں گی۔ بختی نے بھوک کو دبایا ہوا تھا یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ دہشت نے اس کی بھوک کو دبا رکھا تھا۔ بختی آہستہ آہستہ پانی کی طرف چلی۔ پانی کے قریب پہنچی تو وہ سرکنڈوں کے جنگل کے قریب ہو گئی تھی۔

وہ پانی کے کنارے بیٹھنے لگی تو سرکنڈوں میں سے سرسراہٹ کی آواز اٹھی۔ بختی گھبر کر سیدھی ہو گئی اور خوف نے اس پر حملہ کر دیا۔ سرکنڈوں کی طرف دیکھا۔ ان کے اندر کوئی جانور یا کوئی انسان حرکت کر رہا تھا۔ اس سے خشک سرکنڈے ہلتے اور آواز پیدا کرتے تھے۔ بختی ایک طرف دوڑ پڑی اور جہاں سرکنڈے ختم ہوتے تھے وہاں جا کر چھپ گئی۔

اس نے سرکنڈوں کی اوٹ میں سے جھانکا۔ بیس پچیس قدم دور سرکنڈوں میں سے ایک آدمی نکلا لیکن وہ کھڑا ہو کر چل نہیں رہا تھا بلکہ اکڑوں بیٹھا پاؤں پر آگے کو سرک رہا تھا اور اس کے ہاتھ زمین پر تھے۔ وہ کوئی دیہاتی تھا۔ سرکنڈوں سے نکل کر ڈھلان پر پہنچا تو رک کر اس نے دائیں بائیں دیکھا تب بختی نے دیکھا کہ وہ ایک ضعیف العمر آدمی تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔

وہ بوڑھا اِدھر اُدھر دیکھ کر ڈھلان سے سرکنے لگا تو اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا۔ پہلے منہ کے بل گرا پھر ایک پہلو کو لڑھکا اور پھر بڑی ہی مشکل سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ڈھلان کوئی زیادہ لمبی نہیں تھی۔

بوڑھا اپنے آپ کو سنبھال کر پھر بیٹھے بیٹھے پانی کی طرف سرکنے لگا اور اس طرح وہ پانی تک پہنچ گیا۔ ایک ہاتھ کے چلو سے بارش کا پانی پینے لگا۔ چار پانچ چلو منہ میں ڈالے پھر گیلا ہاتھ اپنے منہ پر پھیرا۔ بختی اسے دیکھتی رہی۔ وہ اتنا سمجھ گئی کہ یہ مسلمان ہی ہو سکتا

ہے۔

بوڑھا ایک دو منٹ پانی کے قریب بیٹھا رہا اور پھر پیچھے کو مڑا۔ بختی شاید بے خیالی میں سرکنڈوں کی اوٹ سے کچھ سامنے آ گئی تھی۔ بوڑھے نے اس کی طرف دیکھا اور رک گیا۔ پھر اس نے بختی کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور بختی اس کی طرف چل پڑی۔ اگر یہ بوڑھا مسلمان نہیں تھا تو بھی بختی کو اس سے ڈر نہیں تھا کیونکہ وہ تو اپنے وجود کو سنبھالنے کے قابل نہیں تھا اور وہ اٹھ سکتا ہی نہیں تھا۔

''بابا!'' ___ بختی نے کہا ___ ''پوچھنے کی ضرورت نہیں، تم مسلمان معلوم ہوتے ہو''۔

''ہاں بیٹی!'' ___ بوڑھے نے بڑی ہی نحیف آواز میں جواب دیا ___ ''مسلمان نہ ہوتا تو کیا میں اس حال میں یہاں پڑا ہوا ہوتا؟...... مسلمانوں کے لیے اب یہ زمین تنگ ہو گئی ہے۔ سوائے موت کے کچھ نہیں رہا...... تم؟ اکیلی ہو؟ کہاں سے آ رہی ہو؟''

بختی نے اسے اپنے قصبے کا نام لے کر بتایا کہ وہ وہاں سے اکیلی بھاگی ہے اور گھر کے تمام لوگ مارے گئے ہیں۔ اتنا کہہ کر بختی رو پڑی اور پھر کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ بوڑھے نے سرکنڈوں کی طرف اشارہ کیا کہ اس طرف چلو۔

''مجھے اپنا کوئی ڈر نہیں'' ___ بوڑھے نے کہا ___ ''میں تو موت کا انتظار کر رہا ہوں، آتی ہی نہیں۔ تم جوان لڑکی ہو، میں تمہیں چھپا کر رکھنا چاہتا ہوں'' ___ بوڑھا سرکنڈوں کی طرف سرکنے لگا۔

''تم اٹھو بابا!'' ___ بختی نے بوڑھے پر جھکتے ہوئے کہا ___ ''میں تمہیں سہارا دے کر لے چلتی ہوں''۔

''نہیں بیٹی!'' ___ بوڑھے نے کہا ___ ''میں اس طرح زیادہ آرام سے چل سکتا ہوں...... یہاں تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر ہی پہنچا تھا لیکن اب ٹانگیں سیدھی نہیں ہوتیں۔ بیٹھ کر ہی چلتا ہوں...... تم آگے چلو، میں آہستہ آہستہ آتا ہوں''۔

بوڑھا زمین پر ہاتھ رکھے پاؤں پر سرکنے لگا اور بختی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ بوڑھے نے اسے کہا کہ وہ فوراً سرکنڈوں تک پہنچ جائے اور وہاں بیٹھ جائے کیونکہ سکھ ہر طرف گھوم پھر رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے دیکھ لیں۔ بختی تیز قدم اٹھاتی سرکنڈوں تک پہنچ

گئی اور پھر بیٹھ کر بوڑھے کو دیکھنے لگی۔ بوڑھا جب ڈھلان چڑھنے لگا تو بختی نے دیکھا کہ وہ خاصی دشواری محسوس کر رہا تھا۔ بختی اس کی طرف گئی اور اس کا ایک بازو پکڑ کر ڈھلان چڑھائی۔ بوڑھے کی سانسیں اکھڑ گئی تھیں۔ بختی کے اندازے کے مطابق اس کی عمر 80 سال سے زیادہ ہی ہو گی، کم نہیں تھی۔

بوڑھے کے اشارے پر بختی سرکنڈوں کے اندر ہو گئی اور پھر اس کے اشارے پر بیٹھ گئی۔ بوڑھا بھی سرکتا ہوا سرکنڈوں کے اندر چلا گیا اور بختی کے پاس جا رکا۔

''میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا''۔۔۔ بوڑھے نے پھولی ہوئی سانسوں کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے بڑی ہی نحیف آواز میں کہا۔۔۔ ''میں جانتا ہوں تم کیا جواب دو گی۔ میری آنکھوں کے سامنے مسلمان قتل ہوئے ہیں۔ میری آنکھوں نے دیکھا ہے کہ سکھوں نے کس طرح مسلمانوں کے مکان جلائے ہیں اور جلاتے ہی چلے جا رہے ہیں اور یہ مجھ سے پوچھو کہ تم تن تنہا کس طرح گھر سے نکلی ہو گی اور یہاں تک کس طرح پہنچی ہو گی۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ تم پاکستان تک کس طرح پہنچو گی''۔

سوچا تو بہت کچھ جا سکتا تھا لیکن کسی سوچ پر کامیابی سے عمل کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ بختی نے بوڑھے سے پوچھا کہ اس نے اپنے متعلق بھی کچھ سوچا ہو گا کہ وہ پاکستان کس طرح پہنچے گا۔

''میری منزل پاکستان نہیں''۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ ''میں اپنی منزل پر پہنچ گیا ہوں......آج نہیں تو کل......روح کی خواہش تو یہی تھی کہ پاکستان کی مقدس زمین پر جا کر دم دوں لیکن نہیں، مجھے یہیں بے گور و کفن مرنا ہے۔ یہاں چھپ کر اس لیے بیٹھا ہوں کہ میں سکھوں کے ہاتھوں نہیں مرنا چاہتا، موت خود ہی آ کر میری روح لے جائے گی''۔

بختی کے بار بار پوچھنے پر بوڑھے نے بتایا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ گاؤں سے چلا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے شادی شدہ تھے۔ ایک کا ایک اور دوسرے کے تین بیٹے تھے۔ دو بیٹیاں شادی شدہ تھیں اور ان کے بھی بچے تھے لیکن دونوں پورے پورے خاندان کے ساتھ کٹ گئی تھیں۔ ان کے گاؤں پر بختی کے قصبے پر حملے سے تین دن پہلے حملہ ہوا تھا۔ اس کے بیٹے حملے سے کچھ دیر پہلے نکل آئے تھے۔ بوڑھے کی بیوی ایک ہی مہینہ پہلے مر گئی تھی۔ بوڑھا اپنے بیٹوں کے ساتھ چلتا آیا تھا لیکن تیز نہیں چل سکتا تھا۔ یہاں تک وہ تین

دن پہلے پہنچے تھے۔ بوڑھا کئی میل پیچھے ہی چلنے سے معذور ہو گیا تھا۔ چل لیتا تھا لیکن جوان بیٹوں کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ رات کو وہ ایک جگہ رکے، بوڑھا لیٹ گیا، وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی ٹانگیں مزید نہیں چل سکیں گی۔

اس کے بیٹوں اور بیویوں نے شاید یہ سمجھا ہو کہ بوڑھا سو گیا ہے۔ ایک بیٹے کی بیوی نے کہا کہ اس بوڑھے کا پاکستان تک پہنچنا بہت مشکل ہے، اسے اٹھایا بھی تو نہیں جا سکتا۔ دوسرے بیٹے کی بیوی بولی کہ اسے یہیں پڑا رہنے دیں، آہستہ آہستہ چلتا شاید پہنچ جائے۔

بیٹے تو جیسے اسی مشورے کی منتظر تھے۔ دونوں نے اپنی بیویوں کی تائید کی اور کہا کہ اسے پڑا رہنے دیتے ہیں اور چپکے سے چل پڑتے ہیں۔ بوڑھا ایک طرف زمین پر لیٹا سن رہا تھا۔ اسے بھی اپنی بہوؤں کا یہ مشورہ اچھا لگا۔ وہ خود چاہتا تھا کہ اس کے بیٹے اور ان کے بیوی بچے اس کی خاطر رکے نہ رہیں اور جس قدر جلدی ہو سکے نکل جائیں۔ بوڑھے کو اپنی جان بچانے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ وہ بیٹوں کی زندگی چاہتا تھا۔

اس کے بیٹے اور بہوئیں اٹھیں اور سب چل پڑے۔ بوڑھا نہیں جاتا دیکھتا رہا۔ وہ جب اندھیرے میں غائب ہو گئے تو بوڑھا اٹھ بیٹھا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا کی کہ یہ سب زندہ و سلامت پاکستان پہنچ جائیں۔ اسے ذرا سا بھی دکھ نہ ہوا کہ بیٹے اسے پھینک گئے ہیں۔ وہ شور شرابہ کر کے بیٹوں کو رکنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن وہ ان پر اپنی جان قربان کر رہا تھا۔

صبح طلوع ہوئی تو بوڑھا اٹھا اور چل پڑا۔ اس کی اب ایک ہی خواہش تھی کہ اپنی قدرتی موت مرے سکھوں کے ہاتھوں اس کی جان ضائع نہ ہو۔ اسی خیال سے وہ عام راستوں سے ہٹ کر اس طرف آ گیا تھا۔ اس نے بختی کو بتایا کہ وہ خوش قسمت ہے کہ بھٹک کر اس ویرانے میں آ نکلی ہے ورنہ وہ اب تک سکھوں کے قبضے میں پہنچ چکی ہوتی۔ اس نے بتایا کہ سکھ ہر طرف گھوم پھر رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ مسلمان اکیلے اکیلے اور بعض کنبوں کی صورت میں بھاگ رہے ہیں۔ سکھ ان کے تعاقب میں آتے اور پہلے ان کی تلاشی لیتے ہیں۔ لوگ زیورات اور نقد رقمیں لے کر نکلتے ہیں۔ اس کے بیٹے بھی اپنی بیویوں کے زیورات اور کچھ رقم لے کر نکلے تھے۔ اس کے علاوہ سکھ جوان لڑکیوں کو دیکھتے اور انہیں اٹھا لے جاتے ہیں۔

بوڑھے کی دلی خواہش تو یہی تھی کہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ چلے جائیں اور خیریت سے پاکستان تک پہنچ جائیں لیکن بوڑھے کو یہ دکھ تو ہونا ہی تھا کہ وہ اپنے گھروں سے بھگائے گئے تھے اور پُرسکون زندگی سے محروم ہو گئے تھے۔ بوڑھا گھر ہوتا تو عزت کی موت مرتا اور اس کے بیٹے اسے دنیا سے عزت سے رخصت کرتے۔ یہاں تو نہ کفن کی امید تھی اور نہ ہی قبر کی۔ اسے گدھوں اور گیدڑوں کی خوراک بننا تھا۔ اب اسے بختی مل گئی تو وہ یہ سوچنے لگا کہ یہ لڑکی کس طرح سکھوں سے بچ بچا کر پاکستان تک پہنچ سکتی ہے۔

''ہمارے پیر جی پہنچ والے ہیں''۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ ''انہیں پہلے اشارہ مل گیا تھا اور وہ پورے خاندان سمیت نکل گئے''۔

بختی نے اس سے اس کے پیر کا نام پوچھا تو پتہ چلا کہ بوڑھا اسی پیر کا مرید تھا جس کی مریدی میں بختی کا پورا سسرال خاندان آیا ہوا تھا۔ بوڑھے سے اس پیر کا نام سن کر بختی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''میں ہوں تو بہت چھوٹی بابا!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''لعنت بھیجو اس پیر پر جسے اگر اشارہ ملا تھا تو اس نے اپنے مریدوں کو نہ بتایا اور خود بھاگ نکلا...... تمہارے دن پورے ہو چکے ہیں، اب اللہ کو یاد کرو۔ اس کی ذاتِ باری سے بڑھ کر کوئی پیر نہیں نہ یہ پیر اللہ کے حضور تمہارے گناہ معاف کرائے گا۔ اللہ اللہ کرتے رہا کرو اور قرآن کی کوئی آیتیں تمہیں یاد ہیں تو وہ پڑھتے رہا کرو''۔

وہ وقت اور ماحول ایسا نہیں تھا کہ بختی اس بوڑھے کو پیری مریدی سے ہٹانے کے لیے دلائل دینے لگتی۔

''اس پیر سے تو ہمارے شہر کا ہندو پنڈت اچھا تھا''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''اس نے میرا ہاتھ دیکھ کر اور اپنا حساب کتاب جوڑ کر جو بھی بات بتائی وہ بالکل صحیح نکل رہی ہے۔ پیر نے مجھے اور میرے خاوند سے کہا تھا کہ اس کے تعویذوں سے ہمارے بچے پیدا ہوں گے لیکن پنڈت نے کہا تھا کہ اس خاوند سے میرا کوئی بچہ پیدا نہیں ہو گا۔ میں حیران تھی کہ اس نے ایسا کیوں کہا تھا۔ کیا میرا خاوند فوت ہو جائے گا؟ کیا وہ مجھے طلاق دے دے گا؟ دیکھ لو بابا! میرا خاوند مارا گیا ہے اور میں نکل آئی ہوں۔ پھر پنڈت نے کہا تھا کہ ایک طوفان یا زلزلہ سا نظر آتا ہے جو قیامت جیسی صورتِ حال پیدا کر دے گا اور حالات بہت ہی بری

کروٹ بدلیں گے۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ حالات مجھے کسی اور ہی زندگی میں پھینک دیں گے۔ پھر ایک بڑا ہی لمبا اور بڑا ہی کٹھن سفر آئے گا اور اگر میں نے حوصلہ قائم رکھا تو منزل پر پہنچ جاؤں گی...... یہ بھی دیکھو بابا! کیسا طوفان اور کیسا زلزلہ آیا ہے اور کیسا سفر میرے سامنے ہے...... ڈر صرف ایک بات کا ہے۔ پنڈت نے کہا تھا کہ میرے بچے ضرور ہوں گے لیکن اس خاوند سے نہیں ہوں گے۔ اب خیال آتا ہے کہ ایسا تو نہیں کہ میں کسی سکھ کے بچے پیدا کروں گی!''

بختی نے ہمیں سنایا کہ بوڑھا کسی گہری سوچ میں کھو گیا تھا یا اس پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے جیسے اس کی بات پوری طرح سنی ہی نہیں تھی...... یکلخت بوڑھا بیدار ہو گیا اور اس نے بختی کی طرف دیکھا۔

''لے بیٹی، ایک بات دماغ میں آ گئی ہے''۔۔۔ بوڑھے نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ ''تم نے رنگین اور پھولدار کپڑے پہنے ہوئے ہیں، تمہارے سر پر دوپٹہ ہے۔ دو میل دور سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ ایک عورت جا رہی ہے۔ یہ تمہارے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ یہ کپڑے اتار دو''۔

''تو کیا میں ننگی ہو جاؤں؟''۔۔۔ بختی نے پوچھا۔

''نہیں پگلی بیٹی!''۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ ''یہ کپڑے اتار پھینکو اور میرے کپڑے پہن لو۔ میری پگڑی اپنے سر پر لپیٹ لو اور میں تمہارا چہرہ اس پگڑی میں اس طرح چھپا دوں گا کہ قریب آ کر دیکھنے والے کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ تم عورت ہو''۔

''تو کیا تم ننگے رہو گے؟''۔۔۔ بختی نے پوچھا۔

''مجھے اب کپڑوں کی ضرورت نہیں رہی بیٹی!''۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ ''ایک تو اتنی زیادہ گرمی اور حبس ہے، جسم پر کوئی کپڑا نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں ایک نہیں تو دو دن اور زندہ رہوں گا۔ تین دنوں سے کچھ کھایا نہیں۔ یہ گدلا پانی پی رہا ہوں۔ جسم کی اندرونی حالت کو میں بہتر سمجھتا ہوں۔ میرا جسم ختم ہو چکا ہے۔ تم اپنے کپڑے یہیں چھوڑ جاؤ گی۔ مجھے اگر ضرورت پڑی تو یہی پہن لوں گا لیکن ضرورت نہیں پڑے گی''۔

بختی نے سنایا کہ اس بوڑھے کی آواز اس قدر نحیف تھی کہ غور سے سننا پڑتا تھا۔ بولتے بولتے رک جاتا اور سانس لے کر آگے بولتا تھا لیکن بات جو بھی کرتا ٹھوس کرتا تھا۔

بختی کو اس کی یہ تجویز بہت اچھی لگی کہ وہ اس کے کپڑے پہن لے لیکن وہ اتنے ضعیف بوڑھے کو بغیر کپڑوں کے پیچھے نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ بوڑھے نے یہ بات ویسے ہی نہیں کہہ دی تھی بلکہ وہ پوری خود اعتمادی سے بات کر رہا تھا جیسے کوئی جج کسی مقدمے کا فیصلہ سنا رہا ہو۔ بختی اس کا یہ فیصلہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہی تھی لیکن بوڑھے نے اس کی ایک نہ سنی اور پاؤں پر سرکتا ہوا سرکنڈوں کے اندر چلا گیا۔

''تم اپنے کپڑے اتار دو''۔۔۔ سرکنڈوں کے اندر سے بوڑھے کی آواز آئی۔۔۔ ''یہاں تمہیں کوئی نہیں دیکھے گا۔ میں اپنے کپڑے باہر پھینک دیتا ہوں''۔

آدھی صدری گزر گئی ہے اور بختی آج بھی حیران ہے کہ دنیا میں اللہ نے ایسے آدمی بھی اتارے ہیں جو دوسروں کے کام آنے کو ہی اپنا دین اور ایمان سمجھتے ہیں۔ اس بوڑھے پر تو اس نے کچھ زیادہ ہی حیرت کا اظہار کیا۔ اس کی عمر اور اس کے بولنے کے انداز سے لگتا تھا کہ یہ شخص دماغی طور پر کچھ معذور سا ہے لیکن اسے معلوم تھا اور پورا پورا احساس تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس پر کس طرح عمل کرنا ہے۔

دیہات کے لوگ عموماً چادریں باندھتے تھے لیکن اس بوڑھے نے شلوار پہن رکھی تھی اور اوپر کرتہ تھا۔ دونوں کپڑے کھدر کے تھے۔ پہلے بوڑھے نے شلوار باہر پھینکی۔ بختی نے اپنی شلوار اتار کر بوڑھے کی شلوار پہن لی پھر کرتہ باہر آیا۔ بختی نے اپنی قمیض اتاری اور بوڑھے کا کُرتہ پہن لیا جو اس کے گھٹنوں سے خاصا نیچے تک تھا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

''اپنی شلوار پھینکو''۔۔۔ بوڑھے کی لرزتی کانپتی آواز آئی۔

بختی نے یہ جانتے ہوئے کہ بوڑھا بالکل ننگا ہوگا، اپنی شلوار اٹھا کر سرکنڈوں کے اندر چلی گئی۔ وہ تو اس کے دادا کی عمر کا آدمی تھا۔ اسے اپنی شلوار دے دی اور باہر نکل آئی۔ کچھ دیر بعد بوڑھا بھی اپنے پاؤں پر بیٹھا ہوا سرکتا باہر آ گیا۔ اس نے بختی کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اس کے سر پر اپنی پگڑی لپیٹنے لگا۔ پگڑی اس طرح باندھی جسے منڈاسا کہتے ہیں۔ اس سے بختی کا چہرہ ٹھوڑی کے نیچے سے اور گالوں کے ساتھ ساتھ ڈھک گیا۔ بوڑھے نے بختی کے تمام بال پگڑی کے اندر کر دیئے تھے اور پگڑی اس طرح باندھی تھی کہ گردن کے پیچھے سے بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ عورت ہے۔

''اب تم لڑکی نہیں بلکہ سکھ لڑکا لگتی ہو''۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ ''میں نے پگڑی سکھوں کی طرح باندھی ہے...... ابھی چل پڑو اور راستے میں تمہیں کہیں نہ کہیں لاٹھی یا کلہاڑی یا برچھی اور ہو سکتا ہے کہیں کرپان پڑی مل جائے۔ ایسا کوئی نہ کوئی ہتھیار اپنے پاس رکھنا۔ اگر کہیں سکھوں سے آمنا سامنا ہو جائے تو ڈرنا نہیں اور بھاگ بھی نہ اٹھنا۔ کوشش کرنا کہ یہ پتہ چلے کہ تم سکھ نہیں ہو۔ اگر بولنا پڑے تو آواز کو ذرا بھاری کر لینا''۔

اس طرح بوڑھے نے بختی کو کچھ اور باتیں سمجھائیں اور دعائیں دے کر اسے ایک بار پھر کہا کہ وہ مزید انتظار نہ کرے اور چل پڑے۔

بختی نے اس سے راستہ پوچھا۔ بوڑھے نے اسے بتایا کہ وہ اس وقت پکی سڑک اور عام پگڈنڈیوں سے بہت دور ہے اور یہ کوئی راستہ نہیں۔ بہر حال بوڑھے نے اسے جالندھر کا راستہ سمجھا دیا اور کہا کہ ہو سکتا ہے جالندھر میں مسلمانوں کے لیے کوئی الگ پناہ گزین کیمپ بنایا گیا ہو۔

''لیکن بیٹی!''۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ ''کچھ بتایا نہیں جا سکتا کہ اس سفر میں اگلے قدم پر کیا ہوگا۔ جالندھر، امرتسر اور لاہور کی باتیں یہاں بیٹھ کر کی تو جا سکتی ہیں لیکن یہ صرف باتیں ہی ہوں گی۔ وہاں سے حالات کیا ہیں، یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ تم جس طرح کی صورت حال دیکھو گی اس کے مطابق اپنا فیصلہ خود کو لینا۔ اللہ کو ہر وقت یاد کرتی رہنا اور دل کو مضبوط رکھنا''۔

''کیا تم کبھی جالندھر، امرتسر اور لاہور گئے ہو؟''۔۔۔ بختی نے اس توقع پر پوچھا کہ یہ سیدھا سادہ دیہاتی یہی جواب دے گا کہ وہ تو اپنے گاؤں سے کبھی باہر نہیں نکلا۔

''میں نے فوج میں نوکری کی ہے''۔۔۔ بوڑھے نے جواب دیا۔۔۔ ''حوالدری عہدے سے پنشن پر آیا تھا۔ پنجاب کی ہر چھاؤنی میں رہا ہوں اور فرنٹیئر میں بھی گیا ہوں جو پٹھانوں کا صوبہ ہے۔ یہ پہلی جنگِ عظیم کی بات ہے''۔

یہ بات سن کر بختی کو پتہ چلا کہ یہ بوڑھا اتنی عقل مندی کی باتیں کس طرح کر لیتا ہے۔ وہ جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس نے بختی سے پھر کہا کہ وہ اب زیادہ رکے نہیں اور اللہ کا نام لے کر چل پڑے۔

بختی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے اور پھر آنکھوں سے

لگائے اور بختی کے آنسو بہہ نکلے۔ بوڑھے نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور دعا دے کر رخصت کیا۔ بختی نے اس سے رخصت ہو کر گدلا پانی پیا اور چل پڑی۔

+ + +

بختی کو اللہ کی ذات پر تو پورا ہی بھروسہ تھا لیکن جب وہ اس بوڑھے سے رخصت ہوئی تو اس کا یہ یقین اور پختہ ہو گیا کہ اللہ کا ہاتھ اس کے سر پر ہے اور اسے اللہ کی پوری پوری مدد اور رہنمائی حاصل ہے۔ اسے خیال آیا کہ یہ اللہ ہی تھا جس نے اسے اس راستے پر ڈالا تھا جس راستے پر یہ ضعیف العمر بوڑھا بیٹھا تھا۔ اس بوڑھے کو وہ فرشتہ سمجھ رہی تھی۔

اسے اچانک یاد آیا کہ راستے میں دریائے بیاس آتا ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اس دریا کو وہ کس طرح عبور کرے گی۔ کیا وہاں کشتیاں مل جائیں گی؟ پل تو یقیناً ہو گا لیکن پل پر سکھ موجود ہوں گے تا کہ پل سے گزرنے والے مسلمانوں کو وہیں رکھیں۔ سوچتے سوچتے اسے یہ خیال بھی آ گیا کہ بیاس جالندھر سے آگے ہے اور بوڑھے نے اسے جالندھر کا راستہ سمجھایا تھا۔ توقع یہ تھی کہ وہاں شاید مسلمانوں کے لیے پناہ گزین کیمپ بنایا گیا ہو یا وہاں سے مسلمان قافلوں کی صورت میں جا رہے ہوں۔

سورج سر پر آ کر کچھ آگے نکل گیا تھا۔ کچھ دور ذرا بائیں طرف بختی نے گدھ اترتے دیکھے۔ اس سے اسے سوچ آئی کہ وہاں ویسا ہی کشت و خون ہوا ہو گا جیسا گذشتہ رات پگڈنڈی پر ہوا تھا۔ وہ اسی طرف چل پڑی۔ اسے امید تھی کہ وہاں یقیناً پگڈنڈی ہو گی۔ اب اسے بھوک نے بھی پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کسی گاؤں کے قریب جانے سے ڈرتی تھی۔

دائیں بائیں اسے چھوٹے چھوٹے گاؤں نظر آئے اور اب وہ جس زمین پر جا رہی تھی وہ بنجر نہیں تھی بلکہ اس میں فصلیں کھڑی تھیں۔ دو کھیتوں میں کماد کی فصل کھڑی تھی۔ بختی کو معلوم نہیں تھا کہ اس موسم میں کماد میں رس تو آ جاتا ہے لیکن ابھی فصل کچھ کچی ہوتی ہے۔ اسے پتہ ہوتا بھی تو وہ کچے پکے کی پرواہ نہ کرتی۔ کماد کو دیکھ کر اس کی بھوک اور پیاس اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ اس نے رک کر ایک گنا زمین سے کھینچ لیا۔ اسے صاف کر کے دانتوں سے چھلکے اتارے اور چوسنے لگی۔ جوں جوں گنے کا رس اس کا پیٹ میں جا رہا تھا اس کا جسم تر و تازہ ہوتا جا رہا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں اس نے تین گنے چوس لئے جس سے اس کے جسم

میں تازگی آ گئی۔

کچھ اور آگے گئی تو اسے گدھوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے بہت سے گدھ کسی جانور کے مردار یا کسی انسان کی لاش کو کھا رہے ہوں۔ گدھوں کی ان آوازوں سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔

تھوڑی ہی دور آگے گئی ہو گی تو دائیں طرف پگڈنڈی پر گدھ دو لاشیں کھا رہے تھے۔ بختی کو نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ وہیں رک گئی اور ادھر دیکھنے لگی۔ دونوں لاشوں کی ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں۔ بختی نے دونوں کے سروں سے پہچانا کہ یہ عورتوں کی لاشیں ہیں۔ ان سروں پر لمبے بال تھے۔ بختی کے ذہن میں کئی خیال آئے جو اس نے جھٹک ڈالے۔ سوچا کہ پاکستان تک اسے یہی کچھ نظر آئے گا اور وہ کتنے آنسو بہا سکے گی اور کتنا کچھ ماتم کرے گی۔ یہ بات بھی تھی کہ اب بختی کچھ بے حس سی ہو گئی تھی۔

''کتنا کچھ سنو گی!'' ـــــ بختی نے اپنے اس سفر کی روئیداد سناتے ہوئے کہا ـــــ ''اگر میں ایک ایک قدم کی داستان سنانے لگوں اور جو کچھ میں نے دیکھا وہ بیان کرنے لگوں تو کئی دن اور راتیں مسلسل بولتی رہوں گی اور یہ کہانی ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ کیوں نہ میں ذرا بات کو مختصر کر دوں''۔

بختی ٹھیک کہتی تھی۔ میں خود چاہتی تھی کہ وہ بات کو آگے بڑھائے۔ وہاں تو لاشیں ہی لاشیں تھیں یا مسلمانوں کے لوٹے ہوئے اور جلے ہوئے مکان تھے۔ اگر یہ منظر بیان کرنے لگوں تو یکسانیت سی پیدا ہو جائے گی۔ میں نے بختی کے سنائے ہوئے جو خونچکاں مناظر بیان کیے ہیں ان سے میرا مقصد یہ ہے کہ پاکستان میں پیدا ہونے والی نسلیں سمجھ سکیں اور ان میں احساس بیدار ہو کہ پاکستان ہمیں بیٹھے بٹھائے نہیں مل گیا تھا۔ پاکستان پر خون کے دریا بہہ گئے تھے۔

بختی نے راستے میں تین چار چھوٹے چھوٹے گاؤں دیکھے جن کے تمام مکان کچے تھے اور یہ بالکل جلے ہوئے سیاہ کھنڈر بن گئے تھے۔ ان میں خالصتاً مسلمان آباد تھے جن کی لاشیں ارد گرد بکھری ہوئی تھیں اور گدھوں نے کھالی تھیں۔

بختی نے ایک عجیب بات بتائی۔ کہنے لگی کہ وہاں اتنے بھیڑیے، گیدڑ، کتے اور گدھ نہیں تھے جتنی لاشیں تھیں۔ کئی لاشیں صحیح سالم پڑی تھیں۔ کوئی گدھ یا کوئی درندہ انہیں

کھانے نہیں پہنچا تھا۔ درندے اور گدھ آخر کتنا کچھ کھاتے۔ ایک درخت کے ٹہن کے
ساتھ بختی نے دو برہنہ عورتوں کی لاشیں اس طرح لٹکی دیکھیں کہ ٹہن کے ساتھ سر کے بالوں
سے بندھی ہوئی تھیں۔ اس سے اندازہ کرلیں کہ ہندوؤں اور سکھوں کے دلوں میں
مسلمانوں کی نفرت کس قدر شدید ہے اور کتنی زہرناک۔

بختی اس جگہ کی طرف جارہی تھی جہاں گدھ اتر رہے تھے اور اڑاڑ کر درختوں پر بیٹھ
رہے تھے۔ بختی ادھر صرف اس لیے جارہی تھی کہ وہ کوئی پگڈنڈی ہوگی اور اس سے گزرتے
مسلمانوں پر سکھوں نے حملہ کیا ہوگا۔ جوں جوں بختی چلتی جارہی تھی وہ جگہ جیسے دور ہی دور
ہٹتی جارہی تھی۔

آخر بختی وہاں تک پہنچ ہی گئی۔ سورج اور زیادہ مغرب کی طرف نیچے چلا گیا تھا۔ وہ
ایک چوڑی پگڈنڈی تھی جس پر بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ گدھ ان لاشوں کو کھا رہے
تھے لیکن لاشیں گدھوں کی تعداد سے زیادہ تھیں۔ کئی لاشیں گدھوں سے محفوظ تھیں۔ ان میں
دودھ پیتے بچے بھی تھے جنہیں کرپانوں سے مارا گیا تھا۔ بختی رک کر لاشیں دیکھنے لگی۔

پگڈنڈی سے ذرا ہٹ کر بختی کو جوان عورتوں کی مادرزاد ننگی لاشیں نظر آئیں۔ ان
لاشوں میں سات آٹھ سکھوں کی لاشیں بھی تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ اس قافلے نے
سکھوں کا مقابلہ کیا تھا۔ ان سکھوں کی لاشوں کے پاس کرپانیں پڑی ہوئی تھیں جو خون
آلود تھیں۔ بختی نے ایک کرپان اٹھالی اور سکھ کی لاش کی کمر سے نیام بھی کھول لی اور کرپان
اس میں ڈال کر اپنے کندھے کے ساتھ لٹکالی۔ اب وہ سکھ نوجوان لڑکا لگتی تھی۔

بوڑھے نے بختی کو بتایا تھا کہ ایک چوڑی پگڈنڈی آئے گی لیکن اس پر نہ چلنا کیونکہ
یہ کسی اور طرف جاتی تھی۔ بوڑھے نے کہا تھا کہ پگڈنڈی کاٹ کر سیدھی آگے نکل جانا اور
آگے پھر کٹا پھٹا، اونچا نیچا اور کھڈوں کا تھوڑا سا علاقہ آجائے گا اور وہ سرسبز علاقہ ہوگا۔

بختی سیدھی آگے نکل گئی۔ وہاں کھیت نہیں تھے بلکہ ہری سرسبز جھاڑیاں تھیں او
درختوں کی بہتات تھی۔ بختی کو تین چار جھاڑیاں نظر آئیں جن میں چھوٹے چھوٹے بیر لگے
ہوئے تھے۔ بختی ایک جھاڑی کے پاس بیٹھ کر جھاڑی بیر کھانے لگی اور ساتھ ساتھ جیب
میں بھی ڈالتی گئی۔ وقت تو اچھا خاصا گزر گیا لیکن بختی کا بھوک کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اس۔
ایک بار پھر ایک جگہ بارش کا گدلا پانی جمع دیکھا تو پی لیا۔

+++

بختی پھر چل پڑی۔ اس نے دو تین مرتبہ رک کر اللہ سے مدد اور رہنمائی مانگی تھی۔ ہر
بار اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔ اس کا یقین پختہ ہوتا جارہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے
لیے سبب پیدا کرتا چلا جارہا ہے اور شاید وہ ایسے راستے پر جارہی ہے جس پر اتنا زیادہ کشت
وخون نہیں ہوا حالانکہ اس نے دو پگڈنڈیوں پر کشت وخون دیکھا تھا۔

سورج غروب ہونے میں کچھ زیادہ وقت نہیں رہ گیا تھا جب وہ کٹے پھٹے علاقے
میں پہنچ گئی۔ وہاں زمین کہیں بہت نیچے اور کہیں اوپر کو چلی جاتی تھی۔ لمبے اور چوڑے
ٹیلے بھی کھڑے تھے۔ چھوٹے بڑے کھڈ بھی تھے۔ اس علاقے میں یا اس راستے پر اس
کے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ یہ عام گزرگاہ نہیں تھی۔ سکھ سڑکوں اور پگڈنڈیوں پر
دندناتے پھرتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے قافلے انہی پکے کچے راستوں سے گزرتے
تھے۔

بختی اب ایسی جگہ سے گزر رہی تھی جو اردگرد کی زمین سے ذرا نیچے تھی اس لئے
بختی کو گردوپیش پوری طرح نظر نہیں آسکتا تھا۔ یہ کٹی پھٹی زمین تھی اور وہاں کچھ زیادہ
لمبائی میں گئے ہوئے ٹیلے بھی تھے۔ بختی کچھ آگے گئی تو اسے ایک دیوار جیسے ٹیلے کے
دامن میں دو انسانی پاؤں نظر آئے۔ ایک پاؤں پر اور ٹخنے پر کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ بختی کے
خیال میں یہ کوئی لاش ہی ہوسکتی تھی اور لاش مسلمان کی ہی ہوگی، ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ
کوئی سکھ یہاں لیٹا آرام کررہا ہو۔ وہ دور دراز جگہ آرام کرنے والی نہیں تھی۔ بختی نے
قدم روک لئے۔ اس نے اتنا دیکھ لیا تھا کہ یہ ایک غار سی بنی ہوئی تھی۔

ذرا قریب جاکر بختی رک گئی۔ وہ فیصلہ نہ کرسکی کہ اس غار کے سامنے سے گزرے
یا راستہ بدل لے۔ اس ٹخنوں سے اوپر تک پاؤں نظر آرہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ ہی رہی
تھی کہ ایک پاؤں کو حرکت ہوئی اور یہ پاؤں غار کے اندر چلا گیا جس کا مطلب یہ تھا کہ
یہ جو کوئی بھی ہے زندہ ہے۔ بختی کان کھڑے کرکے سننے لگی کہ یہ کوئی اکیلا ہے یا ایک
سے زیادہ آدمی ہیں۔ اگر زیادہ ہوتے تو وہ آپس میں کوئی نہ کوئی بات ضرور کرتے۔

بختی کو بوڑھے کا خیال آیا۔ وہ بھی اسے اسی طرح راستے میں اچانک ملا تھا۔ بختی
نے سوچا کہ یہ کوئی مسلمان ہوگا اور اسی کی طرح مسافر ہوگا۔ ہوسکتا ہے اس سے کچھ مدد یا

رہنمائی مل جائے۔ بختی کا ذہن دو حصوں میں بٹ گیا۔ اس کے لیے یہ فیصلہ محال ہو گیا کہ راستہ بدل دے یا اس آدمی کو دیکھے۔ غیر ارادی طور پر وہ نہایت آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔

غار سے اچانک بڑی بلند آواز اٹھی ــــ ''یا اللہ'' ــــ اس سے یہ تصدیق ہو گئی کہ یہ کوئی مسلمان ہے۔ اس سے بختی کو کچھ دلیری اور جرأت ملی۔

''یا اللہ میری مدد کو آجا'' ــــ آواز پھر اٹھی۔

اس سے پتہ چلتا تھا کہ یہ آدمی کسی مشکل یا مجبوری یا معذوری میں مبتلا ہے۔ اگر ٹھیک ہوتا تو یوں آوازیں نہ نکالتا اور کچھ آرام کر کے آگے چل پڑتا۔ بختی نے دو چار قدم اور آگے اٹھائے تو اسے اس آدمی کا چہرہ نظر آیا۔ اس شخص نے بیٹھ کر باہر دیکھا تھا۔ وہ ایک جواں سال اور خوبرو آدمی تھا۔

چہرہ پیچھے ہٹ گیا اور فوراً ہی بعد یہ آدمی پورے کا پورا سامنے آ گیا لیکن اب اس کے ہاتھ میں دونالی بندوق تھی جس کی نالیاں اس نے بختی کی طرف کر دیں۔

''تُو سکھ ہے نا!'' ــــ اس نے للکار کر کہا ــــ ''تیرے جننے والے تیری لاش ڈھونڈتے پھریں گے''۔

''میں سکھ نہیں ہوں'' ــــ بختی نے سخت گھبراہٹ کے لہجے میں بڑی تیزی سے کہا ــــ ''میں مسلمان لڑکی ہوں''۔

بختی کو یہ خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ یہ شخص ابھی ٹریگر دبائے گا اور کارتوس کے چھرے بختی کے سینے کو چھلنی کر دیں گے۔ بختی نے بڑی تیزی سے اپنے سر پر ہاتھ مارا اور پگڑی اتر گئی۔ اس کے لمبے بال نیچے کو آ گئے۔ یہ اللہ کا خاص کرم تھا کہ اس جواں سال آدمی نے فوراً بندوق فائر نہ کر دی۔

''تم مسلمان نہیں ہو'' ــــ اس آدمی نے کہا ــــ ''تم سکھوں کی لڑکی ہو۔ اگر مسلمان ہوتی تو تمہارے پاس کرپان نہ ہوتی''۔

بختی نے کرپان جو اب نیام میں تھی کندھے سے اتار کر اس آدمی کی طرف پھینک دی اور کہا کہ وہ اس پر کوئی شک نہ کرے، پہلے اس کی بات سن لے۔ بختی دلیری سے آگے چلی گئی۔ اس نے دیکھا کہ یہ قدرتی طور پر بنی ہوئی غار ہے جسے عام طور پر گُف کہا

جاتا ہے۔ یہ زیادہ دور اندر تک گئی ہوئی نہیں تھی، اتنی ہی لمبی تھی جس میں درمیانہ درجے کا ایک آدمی لیٹ سکتا تھا لیکن اس کے پاؤں باہر رہتے تھے جس طرح اس جواں سال آدمی کے پاؤں بختی کو باہر سے ہی نظر آ گئے تھے۔ چوڑائی اتنی تھی کہ تین چار آدمی لیٹ یا بیٹھ سکتے تھے اور بلندی اتنی کہ آدمی ذرا جھک کر کھڑا ہو سکتا تھا۔ بختی اندر جا کر اس آدمی کے پاس بیٹھ گئی۔

یہ بختی کی بے خوفی اور جرأت کا خاص مظاہرہ تھا کہ وہ ایک اجنبی جواں سال آدمی کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ اگر حالات نارمل ہوتے اور سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف یہ رویہ اختیار نہ کر لیا ہوتا تو بختی کبھی ایسی جرأت نہ کرتی۔ نارمل حالات میں بختی جیسی نوجوان اور خوبصورت لڑکی کے لیے کسی بھی مذہب کا آدمی خطرناک ہو سکتا تھا لیکن حالات ایسے تھے کہ کوئی بھی مسلمان عورت کسی بھی مسلمان مرد پر اعتبار کر سکتی تھی۔ ان حالات میں اسلام کے رشتے نے اجنبیت ختم کر ڈالی تھی۔ یہ خوبرو آدمی بختی سے دو تین سال ہی بڑا ہو گا۔ اس کی شکل و صورت اور لباس سے اور پھر دونالی بندوق سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی عام گھرانے کا فرد نہیں بلکہ امیر کبیر ماں باپ کا بیٹا ہے۔

بختی کے پوچھنے پر اس نے اپنا نام سعید الدین بتایا۔ بختی نے مجھے اس کا صحیح نام تو بتا دیا لیکن یہ خاص طور پر کہا کہ اس میں اُس جگہ کا نام نہ لکھوں جہاں کا وہ رہنے والا تھا۔ وہ ایک بڑا قصبہ تھا جو بختی کے قصبے سے کم و بیش بیس میل دور تھا۔

''ایک بات بتاؤ'' ــــ سعید نے بختی سے کہا ــــ ''تمہاری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم دیہاتی بھی نہیں ہو اور اَن پڑھ بھی نہیں ہو لیکن تم نے جو لباس پہن رکھا ہے یہ بالکل دیہاتی ہے اور یہ تمہارا اپنا بھی نہیں۔ دیہات کی لڑکیاں بھی رنگیں اور پھولدار کپڑے پہنتی ہیں خواہ وہ کتنے ہی سستے کیوں نہ ہوں...... اور تمہارے ہاتھ میں یہ کرپان!...... میں تم پر شک نہ کروں تو کیوں نہ کروں!''

بختی نے اسے اپنا نام بتایا پھر یہ کہ وہ کون سے قصبے کی رہنے والی تھی اور پھر سنایا کہ وہ کس طرح وہاں سے نکلی، کس طرح بوڑھے تک پہنچی، وہاں کیا ہوا اور بوڑھے نے کس طرح اور کس مقصد کے تحت اسے اپنے کپڑے پہنا دیئے اور اب وہ یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے کرپان کہاں سے ملی ہے۔

سعید بختی کی بات سن کر ہنس پڑا اور اس نے اس طرح بختی کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس ہاتھ پر اپنا دایاں ہاتھ مارا جس طرح بے تکلف دوست آپس میں کیا کرتے ہیں...... اب بختی نے اسے کہا کہ وہ اپنے متعلق کچھ بتائے۔

سعید نے اپنے متعلق جو بات شروع کی وہ ان الفاظ سے شروع کی ــــ ''میں بڑے اونچے زمیندار خاندان کا بیٹا ہوں جس کے مزارعوں اور نوکروں کا ہی کوئی حساب نہیں'' ــــ اس کے بعد اس نے بختی کو سنایا کہ وہ اس رات اپنے دوستوں کے ساتھ ہوشیار پور چلا گیا تھا جس رات سکھوں نے اس کے قصبے کے مسلمان گھروں پر حملہ کیا۔ وہ اگلی صبح ہوشیار پور سے واپس گیا تو راستے میں اسے جاننے والے کچھ لوگ ملے اور بتایا کہ اس کا پورا خاندان گذشتہ رات خیر خیریت سے نکل گیا ہے اور اس کی حویلی سکھوں نے ایسا لوٹا ہے کہ کچھ رہنے نہیں دیا اور اب اس کی حویلی پر سکھوں کا قبضہ ہے۔ سعید یہ دونالی بندوق اور کارتوسوں والی بیلٹ جدھر جاتا اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ بختی جانتی تھی کہ دیہات کے بڑے زمیندار اور چوہدری اپنے ساتھ بندوق صرف اس لیے رکھتے ہیں کہ انہیں نہ جاننے والے سمجھ جائیں کہ یہ کوئی بڑا اونچا زمیندار یا جاگیردار ہے بندوق اس زمانے کی رعب میں ایک نشانی ہوتی تھی۔

بختی نے ہمیں سنایا کہ سعید نے بہت سی باتیں کیں جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ بختی پر اپنا رعب قائم کر رہا ہے اور اس کے بولنے کا انداز ڈینگیں مارنے والا تھا۔ بختی نے اس سے پوچھا کہ اس کے گھر کا کوئی فرد مارا تو نہیں گیا!

''توبہ کر خوش بخت!'' ــــ سعید نے بڑے بارعب لہجے میں کہا ــــ ''سکھ میرے باپ کا نام سنتے ہیں تو ان کے سر جھک جاتے ہیں۔ بڑے بڑے سکھ ڈاکو میرے باپ کے مرید ہیں اور کبھی کبھی سلام کے لیے حاضری دینے آتے ہیں۔ میرا پورا خاندان پاکستان پہنچ گیا ہوگا اور سکھوں نے اپنی حفاظت میں میرے گھر کے افراد کو پاکستان پہنچایا ہوگا''۔

سعید اپنے قصبے کو جاتے ہوئے جہاں تک پہنچا تھا وہیں سے واپس ہو گیا اور اس کے ساتھ دو دوست تھے جو ہوشیار پور اس کے ساتھ گئے تھے۔ سعید دیکھ رہا تھا کہ سکھ کس طرح مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں اور ان کے گھروں کو لوٹ بھی رہے ہیں، جلا بھی

رہے ہیں اور ان کی لڑکیوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔

سعید نے بختی کو اپنی داستان خاصی طوالت سے سنائی تھی جو میں مختصر کر رہی ہوں کیونکہ سعید نے بھی راستے میں وہی کچھ دیکھا تھا تو جو بختی دیکھتی آئی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ سعید اور اس کے دوستوں کو کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ ان کے پاس دونالی بندوق تھی اور دوسرے یہ کہ وہ مرد تھے اور جوان تھے۔

سعید کا رخ بھی جالندھر کی طرف ہی تھا۔ یہ تینوں دوست عام گزرگاہوں سے بچتے بچاتے اسی راستے جا رہے تھے۔ جس راستے پر بختی کو بوڑھے نے ڈالا تھا۔ بختی نے یہ زمین دیکھی تھی۔ ناہموار اور کٹی پھٹی تھی۔ سعید اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی تیز چلا جا رہا تھا کہ اس کا بایاں پاؤں مڑ گیا اور سعید ایسا گرا کہ جسم کا پورا وزن مڑے ہوئے ٹخنے پر پڑا اور پاؤں کو موچ آ گئی۔

وہ اٹھا اور جب بائیں پاؤں پر جسم کا وزن ڈالا تو درد سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔ موچ بڑی ہی سخت آئی تھی۔ وہاں وہ رک تو سکتے ہی نہیں تھے، بہت جلدی جالندھر پہنچنے کی کوشش میں تھے لیکن سعید کے لیے ایک قدم بھی اٹھانا ممکن نہ رہا۔ اس نے بندوق سے لاٹھی کا کام لیا پھر بھی اس سے ٹھیک طرح چلا نہ گیا۔ اگر اس رفتار پر چلتا تو ایک گھنٹے میں بمشکل دو فرلانگ فاصلہ طے کرتا۔ تینوں وہیں رک گئے۔ انہیں توقع تھی کہ شام تک یا اگلی صبح تک پاؤں چلنے کے قابل ہو جائے گا۔

سورج غروب ہونے کے بعد توقع کے بالکل خلاف ٹخنے اور پاؤں میں ایسا درد شروع ہو گیا جو سعید جیسے تنومند جوان کے لیے بھی قابلِ برداشت نہیں تھا۔ ایک دوست نے اپنی پگڑی اتار کر اس امید سے سعید کے پاؤں اور ٹخنے پر کس کر لپیٹ دی کہ حرارت سے درد ختم ہو جائے گا اور موچ میں کمی آ جائے گی لیکن اس کا الٹا ہی اثر نظر آنے لگا۔ سعید نے تنگ آ کر پاؤں سے پگڑی کھول دی اور ٹخنے اور پاؤں کو آہستہ آہستہ ملنے لگا لیکن پاؤں ہاتھ کے اتنے نرم لمس کو بھی برداشت نہیں کر رہا تھا۔ سعید کے دوست تو سو گئے لیکن سعید رات بھر جاگتا، تڑپتا اور درد کو برداشت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

''مجھے دکھ ایک اور بات کا ہو رہا تھا'' ــــ سعید نے بختی سے کہا ــــ ''اگر میں اپنے گھر ہوتا تو میرا باپ سارے شہر کے ڈاکٹر اکٹھے کر لیتا۔ اگر وہاں افاقہ نہ ہوتا تو

باپ مجھے ہوشیار پور یا امرتسر یا لاہور لے جاتا لیکن اس ویرانے میں کوئی پانی کا گھونٹ پوچھنے والا بھی نہیں تھا۔ صرف موت میری مدد کرسکتی تھی کہ مجھے دنیا سے ہی اٹھا لیتی۔ ایک بار تو میں اس درد سے اس قدر پریشان ہو گیا کہ فیصلہ کرلیا کہ بندوق کی نالی اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر کارتوس چلا دوں لیکن میں مرنے سے ڈر گیا یا نہ جانے کیا خیال آ گیا یا میں اتنا بزدل ہو گیا تھا کہ اپنی جان لینے کی ہمت اور جرأت نہ ہوئی"۔

اس کے دوست بڑی ہی گہری نیند سوئے رہے۔ بے شک وہ تھکے ہوئے تھے لیکن وہ تو جیسے سعید سے لاتعلق ہو گئے تھے۔

صبح طلوع ہوئی۔ سعید نے ساری رات درد سے تڑپتے گزار دی تھی مگر اس کے دوست بے سدھ اور اس سے بے خبر سوئے ہوئے تھے۔ سعید نے بڑے غصے سے انہیں آوازیں دے کر جگا دیا اور انہیں بتایا کہ اس نے رات کس حالت میں گزاری ہے۔ پھر انہیں کہا کہ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر دیکھیں اگر کہیں پانی ہے تو اسے وہاں تک لے چلیں، وہ پیاس سے مرا جا رہا ہے۔

سعید نے بختی کو سنایا کہ اس کے یہ دونوں دوست امیر اور اونچے خاندانوں کے لڑکے نہیں تھے بلکہ وہ مڈل کلاس کے درجے کے تھے۔ سعید نے خاص طور پر دیکھا کہ وہ دونوں اس سے بیزار سے نظر آنے لگے تھے۔ سعید نے انہیں بہت عیش کروائی تھی۔ دوسرے شہروں کے سیر سپاٹے کے لیے بھی انہیں ساتھ لے جاتا اور خوب کھلاتا پلاتا تھا لیکن اب ان کا رویہ کچھ اور طرح ہو گیا تھا۔

دونوں دوست بیزاری سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے آ کر بتایا کہ اس ٹیلے کے پیچھے ایک کھڈ میں بارش کا پانی جمع ہے۔ سعید کے کہنے پر دونوں اسے سہارا دے کر وہاں تک لے گئے اور سعید نے بارش کا گدلا پانی پیٹ بھر کر پیا۔

سعید نے انہیں کہا کہ وہ دونوں کو اپنے دائیں بائیں رکھ کر اپنے ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھ لے گا اور اس طرح وہ ان کے ساتھ چلا چلے گا۔ دوستوں نے ایسا ہی کیا لیکن تھوڑی ہی دور جا کر دونوں نے کہا کہ اس طرح وہ خود بھی تیز نہیں چل سکتے اور اس کے بوجھ سے تھکن بھی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ایک دوست نے آخر کہہ دیا کہ وہ اس کی خاطر سکھوں کے ہاتھوں قتل نہیں ہونا چاہتے۔

سعید کے ساتھ وہی ہوا جو بوڑھے کے ساتھ اس کے بیٹوں اور بیٹوں کی بیویوں نے کیا تھا۔ دوستوں نے دیکھ لیا تھا کہ سعید زمین پر بایاں پاؤں رکھتا ہے تو درد اسے بے حال کر دیتا ہے۔ اس روز سعید نے درد میں نہایت معمولی سا افاقہ محسوس کیا لیکن چلنے کے قابل پھر بھی نہ ہو سکا۔ اس رات سعید کی آنکھ لگ گئی۔ وہ گزشتہ رات ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سویا تھا۔ دن تکلیف میں گزرا تھا۔ رات آئی تو اس کا جاگا ہوا دماغ سن ہو گیا اور وہ گہری نیند میں چلا گیا۔

رات شاید آدھی گزر گئی تھی جب درد کی اچانک شدت نے سعید کو جگا دیا۔ درد ایسا ہوا کہ وہ اٹھ بیٹھا۔ گزشتہ شام وہ اس طرح سوئے تھے کہ ایک دوست اس کے ایک پہلو کو اور دوسرا دوسرے پہلو کے ساتھ سویا تھا لیکن اس رات اس نے دونوں دوستوں کو غائب پایا۔ اس نے دوستوں کو آوازیں دیں، پکارا لیکن رات کی تاریک خاموشی میں اسے کوئی جواب نہ ملا۔ سعید جان گیا کہ یہ مطلبی دوست اس کے ساتھ بے وفائی کر گئے ہیں۔ دوستوں کو شاید یقین ہو گیا تھا کہ سعید اب لمبے عرصے تک چلنے کے قابل نہیں رہا۔

دونوں دوستوں کے دلوں پر سکھوں کا خوف طاری تھا۔ وہ سعید پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے غالباً یہ بھی سوچ لیا ہو گا کہ سعید چل تو سکتا نہیں جس کے نتیجے میں یہ بھوک اور پیاس سے یہیں مر جائے گا یا آگے کہیں سکھ اسے قتل کر دیں گے۔ اس طرح پاکستان میں سعید کے ساتھ ان کی ملاقات ہو ہی نہیں سکے گی۔

سعید کچھ دیر اپنے ان دوستوں کو برا بھلا کہتا رہا اور بختی کو بتاتا رہا کہ کس طرح یہ دونوں اس سے پیسے بٹورتے رہے ہیں اور وہ اسے آسمان پر چڑھائے رکھتے تھے......

دراصل بات یہ تھی کہ سعید جیسے امیر زادے خوشامد پسند ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ دو تین خوشامدیوں کو ہر وقت رکھتے ہیں اور جب خوشامدی انہیں آسمان تک پہنچا دیتے ہیں تو یہ امیر زادے اپنے آپ کو فرعون سمجھنے لگتے ہیں۔ اب سعید کے پاس رہ ہی کیا گیا تھا کہ وہ انہیں عیش کرواتا۔ وہ تو ان کے لیے بوجھ اور خطرہ بن گیا تھا۔ انہوں نے سعید پر یہ کرم کیا تھا کہ اس کی بندوق اور کارتوس اپنے ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ سعید غصے اور احتجاج سے مغلوب ہو کر بختی کو تفصیلات سنانے لگا کہ وہ ان دوستوں کو کس طرح اور کیا کیا عیش کرواتا تھا۔ یہاں تک کہ انہیں وہ دو مرتبہ شملہ بھی لے گیا تھا۔

اسی روانی میں اور اس اکھڑی ہوئی ذہنی کیفیت میں سعید کو یہ بھی خیال نہیں رہا تھا کہ وہ ایک عورت کے ساتھ بات کر رہا ہے اور کیا کچھ اگلتا جا رہا ہے۔ سعید نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ دونوں دوستوں کو کئی بار ہوشیار پور طوائفوں کے پاس لے گیا اور عیش و عشرت کروائی ہے۔ اب بھی وہ ہوشیار پور اسی عیاشی کے لیے انہیں ساتھ لے گیا تھا۔

اس کی اس بات سے بختی پر واضح ہو گیا کہ سعید کیسے اخلاق کا نوجوان ہے۔ بختی کو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ وہ اس پر دست درازی پر نہ اتر آئے۔

''زبان پر ایک بات آ گئی ہے سعید!'' ــــ بختی نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا ــــ ''کہہ ہی دوں تو اچھا ہے...... مجھے بھی ہوشیار پور کی طوائف نہ سمجھ لینا۔ ایک پیر نے مجھے پھانسنے کی انتہا درجہ کوشش کر ڈالی تھی اور میں نے بڑی جانبازی سے اس سے ٹکر لی اور اس کا منہ پھیر دیا تھا''۔

''میں تو اللہ سے گناہوں کی معافی مانگتا رہتا ہوں'' ــــ سعید نے کہا ــــ ''میں تو کہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے میرے گناہوں کی سزا دی ہے۔ میں نے کچھ ایسے گناہ بھی کئے ہیں جو مجھے اس تنہائی میں شرمسار کرتے رہتے ہیں۔ مجھ پر ایسا شک نہ کرو خوش بخت! اگر میں نے تم پر بری نظر رکھی تو مجھ میں اور ان سکھوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے جو مسلمانوں کی لڑکیوں کو ذلیل وخوار کر رہے ہیں''۔

بختی کو اس بات سے خاصا اطمینان ملا اور اس نے سعید سے کہا کہ وہ اس کا ساتھ دے گی۔

''تم میرا ساتھ نہیں دے سکو گی'' ــــ سعید نے کہا ــــ ''میں چار پانچ دنوں سے یہاں پڑا ہوں۔ دن کو بندوق کے سہارے چلنے کی پریکٹس کرتا ہوں۔ درد تو قابلِ برداشت حد تک کم ہو گیا ہے لیکن پاؤں زمین پر رکھتا ہوں تو جسم کا بوجھ سہار نہیں سکتا۔ میں تم پر اپنا بوجھ ڈالنا گوارا نہیں کروں گا لیکن میرے لیے یہ بھی ناقابلِ برداشت ہے کہ تمہیں کہوں کہ تم اکیلی چلی جاؤ۔ تم کہیں بھی سکھوں کے ہاتھ چڑھ سکتی ہو۔ جالندھر ابھی دور ہے''۔

بختی کہتی ہے کہ اسے آج بھی اس سوال کا جواب نہیں مل رہا کہ اس کے دل میں اس اوباش امیرزادے کے لیے رحم کیوں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بختی نے یہ بھی

سوچ لیا تھا کہ اسے بھی تو آخر ایک ساتھ کی ضرورت ہے۔ بختی عورت تھی اور اس ہیبت ناک صورتِ حال میں اسے ایک مرد کی رفاقت اور حفاظت کی ضرورت تھی۔ سعید کے پاس دونالی بندوق تھی اور کارتوس بھی تھے۔ یہ نوجوان اس کا محافظ بن سکتا تھا۔ اس نے سعید کے ساتھ طے کر لیا کہ وہ اس کے ساتھ چلے گی اور اس کا سہارا بھی بنے گی۔

+++

وہ باتیں کرتے کرتے سو گئے۔ صبح ابھی گہری دھندلی تھی جب بختی کی آنکھ کھلی۔ اس نے سعید کو جگایا اور کہا کہ اب چل پڑنا چاہئے۔ سعید اٹھا اور دونوں گُف سے باہر نکلے۔ وہ اس انداز سے چلے کہ سعید نے بندوق دائیں ہاتھ میں لے لی اور بایاں ہاتھ بختی کے کندھوں پر رکھ لیا۔ بندوق کا بٹ زمین پر تھا۔ سعید نے موچ والا بایاں پاؤں زمین پر رکھا لیکن پاؤں ابھی بوجھ سہارنے کے قابل نہیں تھا البتہ درد میں خاصی کمی آ گئی تھی۔

چلنے سے پہلے سعید نے بختی کے سر اور چہرے پر اسی طرح پگڑی لپیٹ دی تھی جس طرح بوڑھے نے لپیٹی تھی۔ سعید بندوق اور بختی کے سہارے دائیں پاؤں پر چلتا گیا۔ اس طرح ان کی رفتار بہت ہی کم تھی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ سعید رک گیا۔

''اگر تم لڑکی نہ ہوتیں تو میں تمہیں کہتا کہ مجھے یہیں چھوڑو اور یہاں سے نکل بھاگو'' ــــ سعید نے بختی سے کہا ــــ ''لیکن تم جیسی نوجوان اور خوبصورت لڑکی کو میں سکھوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ میں تمہیں کندھوں پر اٹھا کر پاکستان تک لے جاتا لیکن میں اپنا بوجھ سہارنے کے قابل بھی نہیں رہا''۔

''ایسی باتیں نہ کرو'' ــــ بختی نے کہا ــــ ''دل اور دماغ پر بے بسی اور کسی بھی قسم کی کمزوری کا اثر نہ ڈالو۔ اللہ کو یاد کرو اور چلتے چلو۔ میں لڑکی ہوں اور کبھی کسی غیر مرد کے ساتھ بات بھی نہیں کی تھی لیکن اللہ کو یاد کرتی یہاں تک پہنچ گئی ہوں تو اللہ پاکستان تک بھی پہنچا دے گا''۔

''اللہ مجھ سے ناراض ہے'' ــــ سعید نے دکھیاری سی آواز میں کہا ــــ ''ہم پاکستان پہنچ گئے تو میں اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا اور تمہیں بھی ایسا صلہ دوں گا کہ ساری عمر یاد رکھو گی''۔

"کوئی اور بات کرو"___ بختی نے کہا___ "کوئی اور بات کرو...... ایسی باتوں سے سفر نہیں کٹا کرتے"۔

بختی نے ہمیں سنایا کہ سعید نے باتوں کا رخ پھیر دیا لیکن بات جو اس نے شروع کی وہ اس کی اپنی ذات کے متعلق تھی۔ وہ بختی کو بتا رہا تھا کہ بڑے ہی امیر خاندان کا شہزادہ بیٹا ہے اور گھر میں کس طرح نوکر چاکر اس کے آگے پیچھے پھرتے تھے اور اس کے ایک اشارے پر ہر وہ چیز سامنے آجاتی تھی وہ جو چاہتا تھا۔ اس کا ایک بڑا بھائی تھا، پھر دو بہنیں تھیں اور سعید سب سے چھوٹا تھا۔ اس کی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ سعید بے جا لاڈ پیار سے اور روپے پیسے کی افراط سے بگڑا ہوا نوجوان ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ حالات نے جو ہولناک کروٹ بدلی تھی اور جس صورتِ حال میں اللہ نے اسے پھینکا تھا، اسے قبول کرتا اور اس کا مقابلہ مردوں کی طرح کرتا لیکن ماں باپ نے اس میں ذہنی بلوغت پیدا ہی نہیں ہونے دی تھی۔

اپنے متعلق بختی نے بتایا کہ وہ نوجوانی کی عمر میں تھی جسے نادانی کی عمر کہا جاتا ہے لیکن اس خون ریز طوفان کی لپیٹ میں آئی اور میدانِ حشر میں داخل ہوئی تو اس کی جسمانی طاقت کے ساتھ روحانی قوتیں بھی بیدار ہوگئیں اور اس نے حیرت سے محسوس کیا کہ اس میں جہاندیدہ لوگوں جیسی بلوغت کس طرح پیدا ہوگئی ہے۔ ہر کسی کے سوچنے کا انداز اپنا ہوتا ہے، کوئی سوچوں کو کس زاویے پر لے جاتا ہے اور کوئی کس طرف لے جاتا ہے۔ سعید اپنا ذہن پیچھے اس محل جیسی حویلی میں لے گیا تھا جہاں وہ شہزادہ تھا اور گھر میں بھی اس کا حکم چلتا تھا اور باہر بھی جو چاہتا مل جاتا تھا۔ وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوتا ہی نہیں تھا۔

بختی نے ہمیں بتایا کہ اس نے آخر یوں محسوس کیا کہ اسے ایک ہٹے کٹے جوان مرد کا سہارا حاصل نہیں ہوا اور نہ یہ مرد اس کا محافظ ہے بلکہ اس نے اس جوان مرد کو اپنی حفاظت میں لے کر اسے سہارے کے قابل سمجھا ہے۔ سعید جسمانی طور پر ایک پاؤں سے تو معذور ہوا ہی تھا، وہ جذباتی اور ذہنی لحاظ سے معذور لگتا تھا۔ پھر بھی بختی نے اسے اللہ کی بہت بڑی مدد سمجھا کہ پہلے اس کے پاس کرپان تھی اور اب ایک بندوق بھی مل گئی ہے اور لباس کے لحاظ سے بھی وہ لڑکی لگتی ہی نہیں تھی۔ اس نے ذہنی طور پر بھی اپنے آپ کو لڑکی سمجھنا چھوڑ دیا

تھا۔

بختی نے سعید کے جذبے کو ابھارنے کے لیے پاکستان کی بات چھیڑ دی اور سعید کو پاکستان کا وہ تصور بتانے لگی جو اس کے اپنے ذہن میں تھا اور جو اس نے دوسروں سے سن کر بنایا تھا۔ وہ تو پاکستان کو جنت کا نمونہ سمجھتی تھی جہاں اللہ کا نور برس رہا ہوگا لیکن سعید نے پاکستان کا نام سنتے ہی صرف بیزاری کا اظہار نہ کیا بلکہ بڑی نفرت سے پاکستان کے خلاف اور پاکستان بنانے والوں کے خلاف باتیں شروع کردیں۔

بختی کو چونکہ سسرال نے کچھ اور جھمیلوں اور الجھنوں میں ڈال دیا تھا اس لیے اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے اور مسلمان کس طرح ایک قوم کی صورت متحد اور سرگرم ہو گئے ہیں اور مسلمانوں سے ہی کچھ لوگ اپنی قوم کے خلاف کافروں کے ساتھ جا ملے تھے۔ ان میں ایک تو بڑے پیمانے کے زمیندار اور جاگیردار تھے اور بیشتر علماء دین بھی مطالبہ پاکستان کے خلاف تھے۔ سعید ایسے ہی ایک زمیندار کا بیٹا تھا جو انگریزوں کا خوشامدی اور درباری تھا اور ہندوؤں کو جھک جھک کر سلام کرتا تھا۔ سعید نے بختی کو یہ باتیں بڑے فخر سے سنائی تھیں۔

"جناح نے اور تمہارے دوسرے لیڈروں نے پاکستان بنا کر دیکھ لیا ہے نا!"___ سعید نے کہا___ "اب لے لو پاکستان، بلاؤ اپنے لیڈروں کو مسلمانوں کو سکھوں سے بچا کر اپنے پاکستان میں لے جائیں۔ وہ تو ڈر کے مارے اِدھر کا رخ بھی نہیں کریں گے۔ میرے ابو نے تمام مزارعوں اور نوکروں وغیرہ سے کہہ دیا تھا کہ جس کسی نے مسلم لیگ کو پاکستان کے نام پر ووٹ دیا اسے زمینوں سے بے دخل اور بے روزگار کر کے بھوکا ماردیں گے"۔

بختی کو سعید کی ان باتوں نے بہت مایوس کیا۔ اس نے ایسی ضرورت محسوس نہ کی کہ سعید کے یہ خیالات بدلنے کی کوشش کرتی۔ سعید نے تو دین اسلام کے خلاف بھی کچھ زہر اگل دیا تھا۔ سعید دراصل ان لوگوں یا خاندانوں میں سے تھا جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آپ کو اپنے علاقے کا بادشاہ سمجھتے ہیں اور اقتدار کی کرسی پر کوئی بھی جا بیٹھے اس کے قدموں میں سجدے کرنے کو اپنا دین دھرم سمجھتے ہیں۔

بختی کے جی میں آئی کہ اسے یہیں چھوڑے اور اپنی راہ لے لیکن اس نے تحمل سے غور

کیا تو سعید کی باتیں برداشت کرلیں۔ ان حالات میں بختی کی ضرورت ہی کچھ ایسی تھی۔ وہ کچھوے کی چال چلتے گئے۔ چونکہ وہ عام راستہ نہیں تھا اس لیے اس طرف کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔ دور دور دھواں اٹھتا نظر آتا تھا۔ یہ مسلمانوں کے جلتے ہوئے مکانوں کا دھواں تھا۔

+ + +

اگر میں بختی اور سعید کا سفر گُف سے جالندھر تک تفصیل سے سنانے لگوں تو اسی کی ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے لیکن یہ اعادہ ہوگا ان باتوں کا اور واقعات کا جو میں لکھ چکی ہوں۔ بہتر سمجھتی ہوں کہ نہایت اہم باتیں سناؤں۔

بختی کو تو اتنا بھی اندازہ نہیں رہا تھا کہ جالندھر پہنچنے تک کتنے دن اور کتنی راتیں گزر گئی تھیں۔ کبھی وہ کہتی کہ دس دن گزرے تھے اور کبھی آٹھ دن۔ بہرحال وہ آٹھ دس دنوں میں جالندھر پہنچ گئے تھے۔

سعید نے ایک بڑا اچھا مشورہ دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ سفر رات کو کیا جائے اور دن کے وقت کوئی محفوظ جگہ دیکھ کر آرام کرلیا جائے۔ بختی کو یہ بات اچھی لگی کیونکہ رات کو خطرہ کم ہو جاتا تھا۔ دو تین دنوں بعد سعید کا پاؤں ذرا بہتر ہوگیا تھا اور کسی وقت وہ اس پاؤں کو چلتے چلتے زمین پر لگا لیتا تھا اور درد کوئی زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ دو تین دن اور گزرے تو پاؤں زمین پر ٹکنے لگا اور کچھ وزن بھی لینے کے قابل ہوگیا۔ دراصل سعید نے درد کو برداشت کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک اور بڑا مسئلہ تھا جو پیٹ کا تھا۔ پانی کا یہی مسئلہ تھا کہ بارش کا گدلا پانی پینا پڑتا تھا۔ ساون کا موسم تھا، بارش برستی تھی اور جگہ جگہ پانی اکٹھا ہو جاتا تھا۔

کھانے کا مسئلہ یوں حل ہوا کہ سفر کے پہلے دو تین دنوں میں وہ ایسی جگہ سے گزرے جہاں کچے مکان تھے اور یہ چار پانچ ہی تھے۔ یہ سب جلے ہوئے تھے۔ ان کے اردگرد ہرے بھرے کھیت تھے۔ یہ چونکہ مسلمانوں کے تھے اس لیے سکھ انہیں جلا گئے تھے۔ سعید اور بختی قریب سے گزرے تو وہاں زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ بختی نے کہا کہ وہ ان کھنڈروں میں جا کر دیکھتی ہے، شاید کھانے کی کوئی چیز مل جائے۔

سعید بھی بختی کے سہارے اندر چلا گیا۔ مکانوں کی چھتیں گھاس پھوس اور درختوں

کے ٹہنوں سے بنائی گئی تھیں اس لیے چھتیں بالکل جل کر بیٹھ گئی تھیں۔ صرف ایک مکان کی چھت سلامت تھی اور دروازے ہی جلے تھے۔ وہ دونوں اس مکان میں داخل ہوئے تو صحن میں انہیں چار پانچ لاشیں بکھری نظر آئیں۔ یہ سب ہڈیوں کے پنجر تھے۔ درندے اور گدھ گوشت پوست کھا گئے تھے۔ ان میں بچے بھی تھے۔ منظر بڑا ہی ہولناک تھا۔ بختی اکیلی ہوتی تو وہاں سے بھاگ جاتی لیکن سعید ساتھ تھا اس لیے وہ زیادہ ڈری نہیں۔

وہ جلے ہوئے دروازے میں سے اندر گئے۔ دو ٹرنک کھلے پڑے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سکھوں نے لوٹ مار بھی کی ہے۔ ایک طرف مٹی کی چھوٹی بڑی ڈولیاں اور ہانڈیاں اور مٹی کے ایسے ہی برتن پڑے تھے۔ ان کی تلاشی لی تو ایک ڈولی میں سے بھنے ہوئے چنے مل گئے۔ پھر گڑ بھی مل گیا۔ یہ تو دیہات کی ایسی اشیاء ہیں جو ہر گھر میں موجود رہتی ہیں۔

بختی نے بتایا کہ اسی گھر سے ایک کپڑا لے کر جب گڑ اور چنے اس میں باندھ کر وہ وہاں سے نکلنے لگی تو اچانک اسے ہچکی سی آئی اور وہ رونے لگی۔ اسے خیال آگیا تھا کہ ان سیدھے سادے سے لوگوں نے ہندوؤں اور سکھوں کا کیا بگاڑا تھا کہ پورے پورے گھر کو ختم کر ڈالا اور بچوں کو بھی نہ بخشا۔ انہیں اس جرم میں قتل کیا گیا تھا اور ان کے گھر جلا دیئے گئے تھے کہ یہ مسلمان تھے۔

''چل خوش بخت!''۔۔۔ بختی کو سعید کی آواز سنائی دی جو اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔۔۔ ''یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ میں ان گندے مندے لوگوں کے گھروں سے چنے اور گڑ اٹھا کر کھاؤں گا۔ یہ لوگ تو دو وقت کی روٹی کے لیے ہماری دہلیز پر ماتھے رگڑا کرتے تھے''۔

بختی کی جذباتی دنیا میں جیسے بڑی زور سے زلزلہ آیا ہو۔ سعید کی بات نے اسے چکرا دیا اور سوچا کہ وہ اس حالت میں بھی دماغ میں فرعونیت لئے پھرتا ہے۔ بختی کچھ بھی نہ بولی اور آگے آگے چل پڑی۔ اب سعید صرف بندوق کے سہارے چند قدم چلا اور اس گھر سے باہر آکر اس نے اپنا ایک بازو پھر بختی کے کندھوں پر رکھ دیا۔ بختی کے لیے یہ بوجھ بڑا ہی ناگوار تھا۔

بختی نے بڑی بے تکلفی سے سنایا کہ شکل وصورت اور قد کاٹھ کے لحاظ سے سعید

پُرکشش نوجوان تھا جس سے پیار اور محبت کرنے کو جی چاہتا تھا لیکن اس کے خیالات اور اس کی فطرت ایسی تھی کہ اس کے لیے سوائے نفرت کے اور کچھ بھی ذہن میں نہیں آتا تھا۔

پھر ان آٹھ دس دنوں میں ایک اور بات کچھ اہمیت رکھتی ہے جو بختی نے خاص طور پر سنائی۔ سفر کے آخری دو تین دن انہوں نے پھر دن کو چلنا اور رات کو آرام کرنا شروع کر دیا تھا۔ سعید کا پاؤں اب اور زیادہ ٹھیک ہو گیا تھا اور اسے بختی کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی تھی، صرف بندوق کا سہارا کافی تھا۔ پھر بھی وہ بختی کو اپنے ساتھ لگا لیتا اور ایک بازو اس کے کندھوں پر رکھ دیتا تھا۔

ایک روز چلتے چلتے اس نے بختی کے کندھے پر رکھا ہوا اپنا بازو بختی کی کمر کے گرد لپیٹ لیا اور اسے گھما کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''خوش بخت!'' ___ سعید نے کہا ___ ''خفا نہ ہونا نہ میری نیت پر شک کرنا، میں اب ساری زندگی تمہارے بغیر رہ نہیں سکوں گا''۔

سعید نے رومانی سی حرکتیں شروع کر دیں اور بے تابی سے محبت کا اظہار زبانی بھی اور عملی طور پر بھی کرنے لگا۔ بختی نے برا تو نہ مانا لیکن اس کے بازو سے الگ ہو گئی اور بولی، میں تمہیں چھوڑ کر کہیں بھاگ تو نہیں چلی، ابھی ان باتوں کا وقت نہیں اور موقع بھی نہیں۔

بختی نے ہمیں سنایا کہ وہ اپنے ان تاثرات کو چھپائے گی نہیں کہ سعید کی فطرت اور اس کا کردار اس کی شکل وصورت کے مطابق یعنی اس جیسا ہوتا تو وہ اس قابل تھا کہ بختی اس پر فدا ہو جاتی لیکن اس کے اظہارِ محبت میں بھی رعونت کی ہلکی سی جھلک تھی یا شاید یہ بختی کا صرف احساس تھا۔

اور پھر جیسے ایک معجزہ ہوا ہو...... وہ جالندھر پہنچ گئے۔ اصل معجزہ تو یہ تھا کہ خاکی وردی میں ملبوس فوجیوں نے ان کا استقبال کیا۔ پناہ گزین دو دو چار چار، کنبہ در کنبہ اور قافلوں کی صورت میں بھی چلے آ رہے تھے اور ان کا استقبال یہی فوجی کر رہے تھے۔ بتایا گیا کہ یہ پاکستان کی فوج کے فوجی ہیں جنہیں مہاجرین کو سرحد پار سے لانے کی ڈیوٹی سونپی گئی ہے۔

اس وقت کے جو لوگ ابھی پاکستان میں زندہ ہیں انہیں بلوچ رجمنٹ یاد ہوگی جس نے مہاجرین کو اپنی حفاظت میں اُدھر سے اِدھر لانے میں بڑا ہی نام پیدا کیا تھا اور فوجیوں

نے کچھ ایسے کارنامے کر دکھائے تھے جو پاکستان کی تاریخ کا حصہ بن گئے۔ بلوچ رجمنٹ کو 14 اگست 1947ء کے کچھ دن بعد اُدھر بھیجا گیا تھا۔ اس وقت تک بے شمار مسلمان قتل ہو چکے تھے اور ایک لاکھ لڑکیاں اغوا کی جا چکی تھیں اور یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ بلوچ رجمنٹ جا پہنچی اور قتل اور اغوا وغیرہ میں کمی آ گئی۔

جالندھر میں پناہ گزین کیمپ بنایا گیا تھا جس میں بلوچ رجمنٹ کے فوجی تمام مہاجرین کو اکٹھا کر رہے تھے اور انہیں اپنے ٹرکوں میں یا ریل گاڑی میں پاکستان لا رہے تھے۔

جالندھر میں تو بہت ہی قتل وغارت اور آتش زنی اور لوٹ مار ہوئی تھی۔ بختی نے اس کے آثار دیکھے تھے جنہیں دیکھ کر روحیں بھی کانپ جاتی تھیں۔ وہ اس کیمپ میں آ کر اکٹھے ہونے والے پناہ گزین تھے جو دور ونزدیک سے وہاں ابھی تک چلے آ رہے تھے۔ ماؤں نے بچوں کی لاشیں اٹھا رکھی تھیں۔ ایسے واقعات بھی ہوئے کہ اتنے لمبے سفر کے دوران کسی عورت کا بچہ پیدا ہوا اور اس نوزائیدہ بچے کو راستے میں ہی پھینک کر آگے نکل آئے۔ بختی نے ایسی دو مائیں دیکھی تھیں جو رو رو کر پاگل ہوئی جا رہی تھیں۔

میں تو کہا کرتی ہوں کہ پاکستان ان نوزائیدہ اور دودھ پیتے بچوں کی سرزمین ہے جو سرحد پار ہی بن کھلے مرجھا گئے تھے۔ کافروں نے انہیں مسلمانوں کے بچے ہونے کی وجہ سے اپنی مٹی میں پاؤں تلے روند ڈالا تھا۔ ان کی ہڈیاں اسی مٹی میں مل کر خاک ہو گئی ہیں لیکن پاکستان کو کھلونا بنایا تو ہمارے بعد کے سیاسی لیڈروں نے بنایا۔

+++

بختی کو اللہ کی مدد حاصل تھی اور اس کے سر پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اللہ نے اس کی اس نیکی کا اجر بھی دینا ہی تھا کہ وہ ایک معذور نوجوان کو سہارا دے کر بلکہ اس کے جسم کا بوجھ اٹھا کر جالندھر تک پہنچا دیا تھا حالانکہ اس بوجھ کو وہ خاصی حد تک ناگوار بوجھ سمجھتی تھی۔ سعید تنہا رہ جاتا اور اسے اگر سکھ قتل نہ کرتے تو وہ بھوک اور پیاس سے ہی پاکستان سے بہت دور مر جاتا اور اسے گدھ اور گیدڑ کھا جاتے۔

جالندھر کیمپ میں بختی نے صرف دو دن گذارے اور یہ بھی اللہ کا عطا کیا ہوا اجر تھا کہ اسے اور سعید کو بہت سے اور مہاجرین کے ساتھ فوجی ٹرکوں میں لاہور بھیج دیا گیا۔ فوجی

ٹرکوں کا سفر ہر لحاظ سے محفوظ تھا۔ ریل گاڑیوں پر بھی مہاجرین آتے تھے لیکن وہ کسی پہلو محفوظ نہیں تھیں۔ راستے میں کئی ریل گاڑیوں پر سکھوں نے حملے کیے تھے۔ ایک بار ایک ریل گاڑی جو مہاجرین سے اٹی ہوئی تھی اس حالت میں لاہور پہنچی تھی کہ انجن چلانے والے تین چار آدمی اور ریل گاڑی کا گارڈ زندہ تھے۔ کوئی ایک بھی مہاجر زندہ نہیں تھا۔ یہ لاشوں سے بھری ہوئی ریل گاڑی لاہور پہنچی تھی۔

فوجی ٹرکوں نے انہیں لاہور کے والٹن ریفیوجی کیمپ میں جا اتارا۔ وہاں تو یہ عالم تھا کہ آہ و بکا تھی، عورتوں کے بَین تھے اور سب بھاگتے دوڑتے اپنے عزیزوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ قیامت کا منظر تھا۔ کئی مہاجرین بری طرح زخمی تھے۔ انہیں ہسپتالوں تک پہنچا دیا جاتا تھا اور کیمپ میں بھی مرہم پٹی کا انتظام تھا لیکن اکثر زخمی زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے مر جاتے تھے۔

والٹن کیمپ تو میں نے اپنی آنکھوں دیکھا تھا اور رضا کارانہ طور پر وہاں کچھ عرصہ کام بھی کیا تھا۔ لاہور شہر کے کالج سٹوڈنٹ وہاں جا پہنچے تھے اور انہوں نے مہاجرین کے استقبال اور دیکھ بھال میں دن رات ایک کر دیا تھا۔ میں اس کیمپ کی حالت مہاجرین کی افراتفری اور ان کی آہ و بکا کی بات نہ ہی چھیڑوں تو بہتر ہے ورنہ میرا قلم کہیں رک نہیں سکے گا۔

یہ وہ مقام تھا جہاں سے سرحد پار سے آئے ہوئے مہاجرین کی ایک نئی اور آزاد زندگی کا آغاز ہونا تھا۔ یہ ایک پیچیدہ اور بڑا ہی دشوار مسئلہ اور مرحلہ تھا۔ بختی اور سعید کو ایک بارک کے کونے میں جگہ مل گئی۔ بختی کا تو اپنا کوئی بھی نہیں رہا تھا اس لیے وہ سوچتی بھی نہیں تھی کہ کوئی عزیز مل جائے گا اور اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ وہ اللہ کو یاد کرتی اور اپنا مستقبل اللہ کے ہی حوالے کر رکھا تھا۔ سعید کے لیے یہ مسئلہ تھا کہ اپنے خاندان کے افراد کو کہاں ڈھونڈے۔ اسے یہ توقع تھی کہ وہ خود اسے ڈھونڈنے آ جائیں گے۔

والٹن کیمپ میں کسی ایک آدمی کو تلاش کرنا ویسے ہی تھا جیسے بھوسے کے ڈھیر میں سے ایک سوئی تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ خالی جگہوں میں اور آسمان تلے بھی مہاجرین موجود تھے۔ ایسے بھی ہوا کہ ایک خاندان کے بکھرے ہوئے افراد اس کیمپ میں موجود ہیں، ایک دوسرے کو ڈھونڈ رہے ہیں اور کئی دنوں بعد انہیں اپنے اپنے عزیز ملتے ہیں۔

سعید اور بختی شام کے بعد کیمپ سے نکل جاتے اور قریب سے گزرتی ہوئی ریلوے لائن کے پاس بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے رہتے تھے۔ روز بروز سعید پر رومانی کیفیت طاری ہوتی جاتی اور اس میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک روز سعید نے بختی سے صاف الفاظ میں کہا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے جائے گا اور اس کے ساتھ شادی کرے گا۔

''نہیں سعید!'' ___ بختی نے کہا ___ ''میں خود تمہارا ساتھ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں لیکن تم شادی کی بات کر رہے ہو۔ تم بڑے ہی امیر اور اونچے خاندان کے فرد ہو اور میرا تمہارا کوئی مقابلہ نہیں۔ میں درمیانہ درجے کے گھر کی لڑکی ہوں۔ دوسری بات بھی میں صاف کہہ دیتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے خیالات میں بہت فرق ہے''۔

سعید بختی کے پیچھے ہی پڑ گیا۔ اس نے کہا کہ وہ اسے بڑی ہی قیمتی لڑکی سمجھتا ہے جسے وہ ضائع نہیں ہونے دے گا۔ سعید نے والہانہ محبت کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ تو اسے شہزادی بنا کر رکھے گا۔ اس طرح اس نے بختی کو راضی کر لیا اور اس کے وہم اور شکوک رفع کر دیئے۔

اس کے بعد سعید پر ہر وقت رومانی کیفیت طاری رہنے لگی۔ اس کی یہی فرمائش ہوتی تھی کہ بختی اس کے ساتھ کیمپ سے باہر چلے اور دور کہیں بیٹھ کر باتیں ہوں۔ بختی اس کے ساتھ چلی تو جاتی تھی اور بڑی مشکل سے سعید کو قابو میں لاتی تھی۔

اس طرح کم و بیش ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک روز بختی کو اپنے آبائی قصبے کی ایک عورت مل گئی۔ اس عورت کے گھر کے سارے افراد کسی طرح زندہ سلامت نکل آئے تھے۔ بختی اس روز اس عورت کے ساتھ وہاں چلی گئی جہاں یہ کنبہ رہتا تھا۔ بختی نے اپنی ماں کے متعلق پوچھتی تھی لیکن کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ بہر حال بختی کو وہاں تین گھنٹے کا وقت گزر گیا۔ واپس اپنی بارک میں آئی تو سعید وہاں نہیں تھا۔

بختی نے سوچا کہ ویسے ہی کہیں نکل گیا ہوگا۔ وہ اس کا انتظار کرنے لگی اور جب خاصا وقت گزر گیا تو سعید کو دیکھنے بارک سے نکلی۔ اِدھر اُدھر دیکھا، اسے سعید کہیں نظر نہ آیا۔ سعید اتنی دیر کبھی غیر حاضر نہیں ہوا تھا۔ بختی واپس بارک کو آئی اور ابھی برآمدے میں ہی تھی کہ اسے اسی بارک میں رہنے والے دو تین آدمی مل گئے۔ وہ ان کے قریب سے گزرنے لگی تو ان میں سے ایک نے پوچھا کہ وہ جو تمہارے ساتھ ہوتا تھا وہ تمہارا کیا لگتا

تھا؟

''کیوں؟''۔۔۔ بختی نے سخت گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا۔۔۔ ''کیا ہوا اسے؟ جلدی بتاؤ''۔

''گھبراؤ مت بیٹی!''۔۔۔ اس آدمی نے جواب دیا۔۔۔ ''اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہوا صرف یہ ہے کہ کچھ دیر پہلے دو تین بڑے امیر کبیر سے لوگ جو بڑے چوہدری لگتے تھے، آئے تھے۔ تمہارا ساتھی انہیں مل گیا تو انہوں نے باری باری اسے گلے لگایا اور اس کا منہ چومتے رہے۔ ہم پاس کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ اسے ساتھ لے چلے تو اس نے کہا کہ وہ ایک لڑکی کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ لڑکی کون ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ لڑکی اسے اتنی دور سے سہارا دے کر یہاں تک لائی تھی کیونکہ اس کے پاؤں میں بہت بری موچ آ گئی تھی......

''ان میں سے ایک آدمی جو بڑی عمر کا تھا، اس کا باپ لگتا نظر آتا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ لڑکی تمہیں نہیں لائی بلکہ تم اس لڑکی کو اپنی حفاظت میں لائے ہو۔ الٹی باتیں مت کرو، چلو چلیں۔ وہ ہماری کچھ نہیں لگتی۔ پھر دوسرے دو آدمیوں نے بھی ایسی ہی باتیں کیں اور ایک نے ہنستے ہوئے کہا کہ چلو یار، تمہارے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں۔ پھر تمہارا ساتھی ہنستا ہوا ان کے ساتھ چل پڑا اور چلتے چلتے اس نے کہا، ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، لڑکیوں کی کیا کمی ہے......اور وہ سب اسے ساتھ لے کر چلے گئے''۔

بختی کو چکر سا آیا اور پھر اس نے کچھ نہ سنا کہ یہ آدمی اسے کیا کہہ رہے ہیں اور کیا پوچھ رہے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی بیرک میں داخل ہوئی اور اس کونے میں جا پہنچی جہاں اس کا کمبل بچھا ہوا تھا۔ وہ بیٹھ گئی۔ اس کے آنسو بہہ نکلے اور اس کے ہونٹوں سے ہلکی سی سرگوشی پھسلی۔۔۔ ''جسے میں تنہا اور معذور سمجھ کر اپنے ساتھ لائی تھی وہ مجھے تنہا اور مجبور چھوڑ کر چلا گیا ہے اللہ تُو تو ہے!''

* * *

ہر انسان کا ہر حال میں پُرسانِ حال اور محافظ اللہ ہی ہوتا ہے لیکن انسان کو انسانوں کا کچھ تو سہارا ہوتا ہی ہے جو دراصل اللہ کا بنایا ہوا سبب ہوتا ہے۔ بختی نے سعید کے یوں چلے جانے کے بعد یہ جو کہا تھا کہ اللہ تو ہے، بالکل ٹھیک کہا تھا۔ اب اس کا اللہ ہی اللہ تھا۔

بختی نے ہمیں اپنی جو سب سے بڑی مشکل بتائی جو اس کے لیے ایک خطرہ تھا، یہ تھی کہ وہ صرف عورت ہی نہیں تھی بلکہ جوانی کی عمر کی لڑکی تھی اور اللہ نے اسے حسن دیا تھا۔ کوئی بھی جوان عورت بختی جیسی خوبصورت نہ ہی ہو، قبول صورت ہی ہو اور تنہا اور مجبور رہ جائے تو وہ شکاریوں کے لیے بڑی ہی دلکش اور حسین شکار بن جاتی ہے۔ والٹن پناہ گزین کیمپ میں ابھی لڑکیوں کے لیے کوئی ایسا خطرہ تو نہیں تھا لیکن بختی بالکل ہی تنہا رہ گئی تھی۔ سعید اس کے ساتھ تھا تو یہ جانتے ہوئے کہ سعید اوچھا سا آدمی ہے، وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی تھی۔

سعید نے تو اسے اپنے ساتھ شادی کے لیے تیار کر لیا تھا۔ بختی رضامند تو نہیں تھی کیونکہ اسے سعید عادات کی وجہ سے اچھا نہیں لگتا تھا اور دوسری وجہ یہ کہ وہ بہت ہی امیر کبیر خاندان کا لڑکا تھا پھر بھی بختی کے لیے ایک پناہ بھی تھی اور ٹھکانہ بھی۔ اسے کوئی ڈر اور کوئی گھبراہٹ نہیں تھی البتہ اس کے دل پر ہر وقت اپنوں سے بچھڑ جانے کا غم سوار رہتا تھا اور وہ تنہائی میں رو بھی پڑتی تھی۔ اسے زیادہ تر اپنی ماں یاد آتی تھی۔

''تم نہیں سمجھ سکو گی''۔۔۔ بختی نے اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے کہا۔۔۔ ''تم اتنا ہی سمجھ سکتی ہو کہ جس کسی کا پورا خاندان بچے سے بوڑھے تک قتل کر دیا جائے اس کے جذبات کا کیا حشر ہوتا ہے لیکن اس ماحول کو اور اس صورتِ حال کو نہیں سمجھ سکو گی جس میں مَیں پڑی ہوئی تھی۔ وہاں ہر کوئی اداس، پریشان اور غمگین تھا۔ کوئی اچھے کپڑے پہنے ہوئے کیمپ میں آتا تھا تو سب اس کی طرف اٹھ دوڑتے تھے، شاید ہماری آبادکاری کی کوئی خبر لایا ہے

لیکن سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا یا ایسے لوگ آتے تھے جو کچھ کپڑے اور پیسے بانٹ جاتے تھے۔ میں تو بھکارن بن گئی تھی۔ میں ہی نہیں وہاں سب کی حیثیت بھکاریوں والی ہوگئی تھی''۔

بختی نے ہمیں والٹن کیمپ کے متعلق بتایا کہ اسے پتہ چلا تھا کہ جنگِ عظیم کے دوران یہ بیرکیں انڈین ائیرفورس کے ٹریننگ سنٹر کے لیے عارضی طور پر کھڑی کی گئی تھیں۔ یہ ان پکی بیرکوں جیسی نہیں تھیں جو انگریزوں نے یہاں آکر چھاؤنیوں میں فوجوں کے لیے بنائی تھیں۔ ان بیرکوں میں کچھ وقار تھا۔ یہ تو دیواریں کھڑی کر کے اوپر مخروطی چھتیں ڈال دی گئی تھیں کیونکہ یہ محض عارضی تھیں۔ یوں پتہ چلتا تھا جیسے یہ قیدی کیمپ ہو۔

ابھی تک پناہ گزین آرہے تھے لیکن آنے والوں کی تعداد اور کم ہوتی جارہی تھی۔ اب تو کیمپ سے لوگ جانا شروع ہوگئے تھے۔ جن خاندانوں کے مرد ساتھ تھے، وہ بھاگ دوڑ کر کے کہیں نہ کہیں کوئی مکان یا ٹھکانہ ڈھونڈ لیتے اور اپنے خاندان کو وہاں لے جاتے تھے۔ بعض کے رشتہ دار پہلے ہی پاکستان میں موجود تھے۔ وہ آئے اور اپنے عزیزوں کو لے گئے۔

کیمپ میں ہی وہی رہ گئے جن کا کوئی وسیلہ نہیں تھا نہ کوئی پُرسانِ حال تھا۔ ہجرت کے ابتدائی چند مہینوں میں آنے والے پناہ گزینوں میں جو زخمی اور بیمار ہوتے تھے ان کے علاج معالجے کا نہایت اچھا انتظام تھا۔ ظاہر ہے شہر کے ڈاکٹر پہنچ گئے تھے لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر اچھی طرح نہ چل سکا۔ علاج معالجے کی سہولتیں کم ہوتی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ کہ ہر روز ایک دو پناہ گزین کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہو جاتے تھے۔

وہاں تو پہلے ہی آہ وزاری تھی۔ وہ تو ماتم کدہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے موت بیرکوں میں گھومتی پھرتی رہتی ہے۔ کسی نہ کسی بیرک سے عورتوں کے بین سنائی دیتے تھے۔ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ عورتیں اپنے ان عزیزوں کو رورہی ہیں جو سرحد پار مارے گئے تھے یا اب کوئی ان کا عزیز یہاں فوت ہوگیا ہے۔ میں اس ماتم کی عادی ہوتی جارہی تھی۔ یہ تو روزمرہ کا معمول تھا۔

پھر روزمرہ کا معمول یہ تھا کہ کیمپ سے ملی ہوئی پلیٹ اٹھا کر کھانے کے وقت لنگر پر جا کر قطار میں کھڑے ہو جانا اور جو دال ساگ لنگر میں پکتا تھا وہ پلیٹ میں ڈلوا کر وہیں

اِدھر اُدھر ہو کر زمین پر بیٹھ جانا اور پیٹ کا تنور بھر لینا۔ اب تو شرم آنے لگی تھی۔

مجھے ان لوگوں کا مشکور ہونا چاہئے جو مہاجرین کو آکر کپڑے دیتے تھے۔ میں بھی نہ جانے کس کس عورت کے اترے ہوئے کپڑے پہن رہی تھی لیکن دل پر اس کا جو اثر ہوتا تھا وہ کم از کم میں بیان نہیں کر سکتی۔ 1948ء کا سال گزرتا جارہا تھا اور کیمپ کی آبادی کم ہوتی جارہی تھی۔ کسی کنبے کو کہیں ٹھکانہ مل جاتا تھا تو وہ کیمپ سے رخصت ہو جاتا تھا۔ کیمپ میں رہ جانے والے مہاجرین اس کنبے کو ہنسی خوشی رخصت نہیں کرتے تھے بلکہ حسرت بھری نظروں سے انہیں دیکھتے تھے کہ یہ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ انہیں ٹھکانہ مل گیا ہے۔

+ + +

کیمپ میں دنوں اور مہینوں کا تو کسی کو خیال ہی نہ تھا لیکن بختی نے بتایا کہ وہ ستمبر 1948ء کا مہینہ ساری عمر نہیں بھول سکے گی۔ کیمپ میں یہ خبر پھیل گئی کہ قائداعظم فوت ہوگئے ہیں۔ اس خبر نے ماتم کی فضا میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ پناہ گزین ایسے روئے جیسے ان کے عزیز آج فوت ہوئے ہوں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو قومی سطح پر سوچنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے، وہ قائداعظم سے خوش نہیں تھے اور کہتے تھے کہ انہیں قائداعظم نے ہی اجاڑا ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اس لیے ان کی آواز مردوں کی دھاڑوں اور عورتوں کے بینوں میں گم ہوگئی۔ مہاجرین وثوق سے کہا کرتے تھے کہ قائداعظم انہیں آباد کریں گے لیکن وہ قائداعظم اچانک دنیا سے اٹھ گئے اور از سرِ نو ماتم شروع ہوگیا۔

''اس روز میں اتنی روئی کہ ہچکی بندھ گئی'' ـــــ بختی نے اُس وقت کو یاد کرتے ہوئے کہا ـــــ ''اگر میں کہوں کہ یہ رونا صرف قائداعظم پر تھا تو یہ سچ نہیں ہوگا۔ قائداعظم کا غم تو تھا ہی لیکن مجھے اپنی ماں، اپنا باپ اور خاوند اور سرحد پار گزری ہوئی زندگی یاد آرہی تھی اور میں روئے ہی چلی جارہی تھی۔ کیمپ میں ہر کوئی روتا تھا، کوئی کسی کو تسلی دلاسا نہیں دیتا تھا نہ وہاں کوئی بہلانے والا تھا''۔

بختی کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ قائداعظم کی وفات کے بعد پورے پاکستان میں کیا تغیر آیا تھا۔

قوم کی سیاسی قیادت میں اقتدار پرستی وبا کی صورت پھیلنے لگی تھی۔ بعض علماء دین بھی

سیاسی لبادے اوڑھنے لگے تھے۔ سب سے زیادہ جو گروہ اقتدار کی طرف لپکا وہ جاگیرداروں کا گروہ تھا۔ یہ وہی جاگیردار تھے جن کی پرورش انگریزوں نے کی تھی۔ وہ مطالبہ پاکستان کے مخالف تھے لیکن اب وہ پاکستان کی سیاست اور حکومت کا جائز حق دار بن گئے تھے۔

اگر میں اس انقلاب کی تفصیلات بیان کرنے لگوں تو کوئی نئی بات نہیں کر رہی ہوں گی کیونکہ یہ ایک ہزار ایک بار سنی سنائی کہانی ہے۔ میں بختی کی بات سناتی ہوں۔ بختی وہ بیان کر رہی تھی جو والٹن کیمپ میں دیکھ رہی تھی یا جو اس پر گزر رہی تھی۔

اس نے بتایا کہ قائداعظم کی وفات کے دو اڑھائی مہینوں بعد کیمپ میں صاف پتہ چلنے لگا کہ اب یہاں وہ خلوص اور وہ جذبہ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ابتدا میں جو لوگ رضا کارانہ طور پر مہاجرین کے استقبال کے لیے اور ان کی دیکھ بھال کے لیے کیمپ میں آئے تھے وہ چلے گئے تھے۔ ان کی جگہ ایسے لوگ آ گئے جن کا انداز کچھ کاروباری سا تھا بلکہ بختی نے اس انداز کو بازاری بھی کہا تھا۔ ان سے پہلے والے رضا کار ورکر بیرکوں میں گھومتے پھرتے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے لیکن یہ جو آئے ان میں سے کوئی نہ کوئی پناہ گزینوں میں گھومتا پھرتا نظر آتا اور جہاں کہیں کوئی جوان لڑکی دیکھتا وہاں رک کر اس کے متعلق پوچھنا شروع کر دیتا تھا۔

بختی خوبصورت لڑکی تھی۔ یہ ورکر باری باری اس کے پاس آئے اور ہر ایک نے اسے شادی کا مشورہ دیا لیکن بختی نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ شادی کا نام ہی نہیں سننا چاہتی تھی۔ کہتی تھی کہ دل مانتا ہی نہیں تھا۔

یوں بھی ہوتا کہ اعلان ہوتا کہ چاولوں کی دیگیں آئی ہیں آ کر لے لو۔ مہاجرین اٹھ دوڑتے تھے۔ یہ خیرات کی دیگیں ہوتی تھیں۔ مقامی لوگ دیگیں پکا کر اپنے گلی محلوں کے غریبوں کو دینے کی بجائے کیمپ میں لے آتے تھے۔ بختی کسی غریب گھرانے کی لڑکی نہیں تھی وہ چاول لینے تو چلی جاتی تھی لیکن یہ دل کا نہیں بلکہ پیٹ کا مطالبہ ہوتا تھا۔ بختی نے کہا کہ اس کا تو من مارا ہی گیا تھا۔

ایسی اذیت ناک اور روح کش صورتِ حال میں بختی نے اپنے آپ کو خود فریبی سے بہلانا شروع کر دیا۔ اس نے اس امید کا چراغ جلا لیا کہ سعید کبھی نہ کبھی آ ہی نکلے گا، خواہ

بری نیت سے ہی آئے۔ پھر بختی نے یہ امید بھی دل میں بیدار کر لی کہ اسے اپنی ماں اور اپنا باپ مل جائیں گے اور وہ زندہ ہوں گے۔ ان امیدوں کے زیرِ اثر بختی بیرکوں اور خیموں میں گھومتی پھرتی رہتی تھی لیکن یہ خود فریبی اور خواب و خیال کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ یہ تو انسانی فطرت کی ایک کمزوری ہے یا اسے فطرت کا ایک قدرتی ردِعمل سمجھیں کہ انسان جب حالات میں پستے پستے مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے اور اسے کوئی راہِ نجات نظر نہیں آتی تو اس کا ذہن راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے۔ فرار کا بہترین راستہ خود فریبی اور بیداری کے خواب ہی ہو سکتے ہیں۔

بختی نے بتایا کہ کیمپ میں اب کھلم کھلا کرپشن شروع ہو گئی تھی۔ وہاں جو سرکاری انتظامیہ کے اہلکار کام کر رہے تھے، انہوں نے اب کام دکھانے شروع کر دیئے تھے۔ انہوں نے بالکل ویسی ہی چکر بازیاں شروع کر دی تھیں جیسی آج سرکاری انتظامیہ میں نظر آتی ہیں۔

1948ء کے آخری دنوں میں کیمپ میں ایک بڑا ہی شرمناک سلسلہ شروع ہو گیا۔ یوں کہہ لیں کہ اس گھناؤنے جرم کا انکشاف 1948ء کے آخری دنوں میں ہوا، یہ کچھ عرصہ پہلے شروع ہو گیا تھا۔ یہ اس طرح تھا کہ کیمپ میں کچھ عورتیں پناہ گزینوں کی نوجوان اور اچھی شکل وصورت والی لڑکیوں کو دیکھتی پھرتی تھیں۔ جہاں کہیں انہیں اپنے مطلب کی لڑکی نظر آتی وہاں وہ بڑی ہی ہمدرد، نیک فطرت اور مخلص بن کر چکر لگانے لگتی تھیں۔

یہ دراصل لاہور کی طوائفیں تھیں جو پناہ گزینوں کی لڑکیوں کو دھوکہ دے کر، بہلا پھسلا کر اور ان کے وارثوں کو ورغلا کر لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جاتیں اور اپنے ہاں لے جا کر انہیں عصمت فروشی کے لیے تیار کرتی تھیں۔

وہاں تن تنہا لڑکیوں کی بھی کمی نہیں تھی جیسی بختی تھی۔ طوائفیں ان سے ہمدردی کا اظہار کر کے پوچھ لیتیں کہ وہ کہاں سے آئی ہیں۔ پھر کسی لڑکی کو ایک روز یہ خوشخبری سناتیں کہ تمہارے کچھ رشتہ دار مل گئے ہیں۔ لڑکی بیچاری بڑی آسانی سے دھوکے میں آ جاتی اور ان کے ساتھ چل پڑتی اور پھر اس لڑکی کا سراغ نہ ملتا۔

یہ طوائفیں مختلف بہروپ دھار کر آتی تھیں۔ کچھ پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور اپنا حلیہ بہت برا بنائے آتیں اور یہ ظاہر کرتیں کہ وہ ہجرت کر کے پاپیادہ آئی ہیں۔ ان کی

فریب کاری جلدی کامیاب ہو جاتی تھیں کیونکہ مہاجر لڑکیاں انہیں اپنے جیسی مظلوم اور مجبور سمجھتی تھیں۔ بعض طوائفیں نہایت اعلیٰ قسم کے کپڑے پہنے آتیں اور ظاہر کرتیں کہ وہ بڑے ہی امیر کبیر اور جاگیردار خاندان کی ہیں۔ وہ اپنے مطلب اور اپنی پسند کی لڑکیوں کو اپنے گھروں میں رکھنے اور پھر کسی اچھے آدمی کے ساتھ شادی کرنے کا جھانسہ دے کر لے جاتی تھیں۔

بختی تو خاص طور پر ان کے کام کی چیز تھی۔ اس کے پاس یکے بعد دیگرے چار عورتیں آئی تھیں۔ اسے یہی جھانسے دیئے گئے تھے لیکن بختی بچی رہی۔ وجہ یہ تھی کہ بختی کو پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ کیمپ میں یہ چکر بھی چل پڑا ہے۔ وہاں ضلع لدھیانہ کی ہی دو ادھیڑ عمر عورتیں موجود تھیں جو بختی کی طرح آس لگائے کیمپ میں بیٹھی تھیں کہ شاید ان کا کوئی بچا کھچا عزیز آ ہی نکلے۔ ان دونوں عورتوں کو بختی سے پیار ہو گیا تھا اور اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ یہ طوائفیں ایسے بہروپ میں آتی تھیں اور ایسی ایکٹنگ کرتی تھیں کہ عقل والا بندہ بھی دھوکے میں آ جاتا تھا...... یہ مجرم عورتیں جب بختی کے پاس آئیں تو یہ دونوں پناہ گزین عورتیں پہنچ گئیں اور بختی کے پاس بیٹھ گئیں۔ انہوں نے ان طوائفوں کو ٹال کر بختی کو محفوظ رکھا۔

بختی نہ بتاتی تو بھی مجھے معلوم تھا کہ پناہ گزین کیمپوں میں یہ کرپشن اور شرمناک دھاندلی بھی ہوئی تھی۔ یہ مجھے بہت عرصہ بعد اس وقت پتہ چلا تھا جب میں نے لکھنا شروع کیا تھا۔ میں معاشرے کے کونوں کھدروں میں جھانکتی پھرتی تھی کہ وہی لکھوں جو حقیقت میں ہمارے معاشرے میں موجود ہے۔ مجھے پتہ چلا تھا کہ لاہور اور کراچی کے عصمت فروشوں کے بازاروں میں طوائفوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ یہ اس لیے کہ ان میں پناہ گزین لڑکیاں پہنچا دیں گئی تھیں۔

میں اکثر سوچا کرتی ہوں اور ہر دردمند پاکستانی سوچتا ہو گا کہ اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو گا کہ اسلام اور پاکستان کے نام پر بے گھر ہو جانے والی عورتوں کو یہ دھوکہ دینا کہ انہیں پناہ دی جا رہی ہے اور ان کا ٹھکانہ بنایا جا رہا ہے اور پھر انہیں عصمت فروش بنا دینا۔

یہ بھی پتہ چلا تھا کہ یہ طوائفیں کیمپوں میں پناہ گزین لڑکیوں کو اپنے آپ ہی نہیں لے جا سکتی تھیں۔ وہاں جو سرکاری اہلکار تھے، وہ اس جرم میں شریک تھے اور وہ طوائفوں سے

قد وصول کرتے تھے...... میں تو کہا کرتی ہوں کہ آج ہم جس ذلت و رسوائی میں جا پڑے یں یہ ہمارے اپنے گناہوں کی سزا ہے۔

پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو قوم کا کردار انتہائی بلندیوں تک پہنچا ہوا تھا۔ اس قت صحیح اسلامی کردار کے جو مظاہرے دیکھنے میں آئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کئی جواں سال آدمی جو غیر شادی شدہ تھے اور شادی کا ارادہ رکھتے تھے وہ پناہ گزین کیمپوں میں جا پہنچے اور ان لڑکیوں کو گھروں میں لا کر شادیاں کر لیں جن کا کوئی بھی نہیں رہا تھا اور اب ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ انہوں نے پورے خلوص سے شادیاں کیں اور پناہ گزین لڑکیوں کو باعزت زندگی دی۔ ان میں ایسے پاکستانی نوجوان بھی تھے جن کی منگنیاں ہو چکی تھی لیکن انہوں نے اپنے والدین کو اور لڑکی والوں کو ناراض کر کے منگنیاں توڑ ڈالیں اور پناہ گزین لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کر لی تھیں۔

+++

بختی کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ 1948ء کے ماہِ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا یا 1949ء کا پہلا ہفتہ، بہرحال اسے وہ معزز آدمی اچھی طرح یاد ہیں جو اس کے پاس آئے تھے۔ وہ دو آدمی تھے۔ انہوں نے دھلے دھلائے استری کئے ہوئے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ ان کپڑوں پر کالی اچکنیں تھیں اور ان کے سروں پر جناح ٹوپیاں تھیں۔ دونوں کی داڑھیاں سلیقے سے تراشی ہوئی تھیں۔ وہ ہر لحاظ سے معززین معلوم ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی جس کی عمر پینتیس چالیس سال کے درمیان تھی۔ وہ لباس اور شکل و صورت سے کسی امیر گھرانے کی عورت لگتی تھی۔ ان کے ساتھ کیمپ کی انتظامیہ کا ایک اہلکار بھی تھا۔

انہوں نے اپنا تعارف یوں کرایا کہ بے آسرا اور بے ٹھکانہ مہاجر لڑکیوں کی آبادکاری کے لیے ایک تنظیم بنائی گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ معلوم ہوا ہے کہ مہاجر لڑکیوں کے ساتھ دھوکہ بازی شروع ہو گئی ہے اور بعض کو عصمت فروشوں کے بازار تک پہنچا دیا گیا ہے۔ بختی کو تنظیم کا مقصد یہ بتایا کہ مہاجر لڑکیوں کو اچھے گھرانوں میں بیاہ دیا جائے۔

انہوں نے بختی سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور اس کا کوئی عزیز رشتہ دار زندہ ہے یا نہیں...... بختی دراصل نارمل ذہنی حالت میں نہیں تھی۔ اس ابنارمل حالت میں وہ تنکوں کے سہارے ڈھونڈ رہی تھی۔ لدھیانہ کی یہ دو عورتیں اس کے ساتھ نہ ہوتیں تو وہ کسی نہ کسی

کے فریب میں آ کر معاشرے کے تاریک گوشوں میں گم ہو چکی ہوتی۔ ان معزز آدمیوں اور معزز خاتون سے وہ اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے انہیں بتایا کہ وہ کہاں سے آئی ہے، کس طرح آئی ہے اور اس کا کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔ اس پر جو بیتی تھی وہ سناتے ہوئے وہ بہت روئی۔

ان آدمیوں کے ساتھ جو خاتون تھی اس نے بختی کو گلے لگا لیا، پیار کیا اور کہا کہ اس کے ماں باپ اور خاندان کے دوسرے افراد کو تو واپس نہیں لایا جا سکتا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسے ایک باعزت خاندان میں آباد کر دیا جائے۔

''ہم چند دنوں میں پندرہ بے آسرا لڑکیوں کو آباد کر چکے ہیں''۔۔۔ ایک معزز آدمی نے کہا۔۔۔ ''ہو سکتا ہے تم اسی سوچ میں پڑ جاؤ اور فیصلہ نہ کر سکو۔ ہم تمہیں وہ خطرے بتانا اپنا فرض سمجھتے ہیں جو اس کیمپ میں داخل ہو چکے ہیں۔ کئی لڑکیوں کو عصمت فروش اڑا کر لے گئے ہیں اور پھر یوں بھی ہوا ہے کہ کچھ جذباتی نوجوانوں نے خلوصِ نیت سے پناہ گزین لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کر لی ہیں۔ ان میں بعض تو آباد ہو گئی ہیں لیکن کچھ ایسے گھروں میں گئی ہیں جنہوں نے انہیں صرف اس لیے قبول نہیں کیا کہ یہ غریب لڑکیاں ہیں اور فخر سے ان کا تعارف بھی نہیں کرایا جا سکتا۔ ہم جب اس کیمپ میں آتے ہیں تو یہ دیکھو، ایک سرکاری افسر ہمارے ساتھ ہوتا ہے جو اس کیمپ میں ہی انتظامات کے لیے موجود رہتا ہے''۔

بختی کو کیمپ میں ایک سال سے دو چار مہینے اوپر ہو گئے تھے۔ اس نے اس سرکاری اہلکار کو کیمپ کے آفس میں کئی بار دیکھا تھا اس لیے وہ مطمئن ہو گئی۔ بختی کے ساتھ لدھیانہ کی جو دو ادھیڑ عمر عورتیں تھیں، انہوں نے ان آدمیوں سے کچھ باتیں پوچھیں۔ وہ اپنی تسلی کرنا چاہتی تھیں کہ یہ کوئی دھوکہ اور فریب نہیں۔ ان آدمیوں نے نہایت تسلی بخش جواب دے کر ان عورتوں اور بختی کو بھی مطمئن کر دیا۔

''آپ مجھے لے جائیں گے کہاں؟''۔۔۔ بختی نے پوچھا۔

''تم نہ پوچھتی تو بھی ہم تمہیں بتا دیتے''۔۔۔ ایک معزز آدمی نے کہا۔۔۔ ''تمہارے لیے ہم تمام انتظام کر کے آئے ہیں۔ تمہارے متعلق ہمیں کیمپ کے دفتر سے بتایا گیا تھا...... صرف ایک بات ہے جو شاید تمہیں اچھی نہ لگے۔ وہ یہ کہ تمہاری شادی ایک بڑے امیر زمیندار کے ساتھ کروانے کا انتظام کیا گیا ہے جس کی عمر چالیس سال ہے۔ اس

کی بیوی ہجرت کے دوران ماری گئی تھی البتہ یہ سن کر تمہیں خوشی ہو گی کہ وہ تمہاری ہی تحصیل کا مہاجر ہے...... تحصیل لدھیانہ...... وہ ہے تو مہاجر لیکن یہاں آتے ہی وہ ایسا آباد ہوا ہے جیسے مہاجر ہے ہی نہیں۔ جتنی زمین پیچھے چھوڑ آیا ہے اس سے کچھ زیادہ زمین اسے یہاں الاٹ ہو گئی اور اب یہاں محل جیسی ایک کوٹھی میں رہتا ہے''۔

''عمر کا فرق کوئی فرق نہیں''۔۔۔ دوسرے آدمی نے کہا۔۔۔ ''تم شادی شدہ تھیں۔ تیرہ چودہ سال عمر کا فرق محسوس ہی نہیں ہوتا اور محسوس کرنا بھی نہیں چاہیے۔ ہم اس شخص کے جذبات کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ کسی بے آسرا اور بے ٹھکانہ پناہ گزین لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے جسے وہ اپنے گھر میں ملکہ بنا کر رکھے گا۔ تم خود سوچ سکتی ہو کہ ایسے امیر آدمی کے لیے امیر گھرانوں کی لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں لیکن یہ شخص اللہ کا نیک بندہ ہے اور پناہ گزینوں کی بہت مدد کر رہا ہے''۔

پھر وہ معزز خاتون بولنے لگی جو ان آدمیوں کے ساتھ تھی۔ اس نے بختی کی خوبصورتی کی تعریف کی اور پھر بختی نے پاکستان کی خاطر جو قربان دی تھی اس پر خراجِ تحسین پیش کیا اور پھر اس لینڈ لارڈ کے کردار کی تعریفیں کیں جس کے ساتھ بختی کو بیاہا جا رہا تھا۔ یہ عورت بول چکی تو سرکاری اہلکار نے کہا کہ بختی کو ویسے ہی نہیں بھیج دیا جائے گا بلکہ سرکاری کاغذات میں اندراج ہو گا، لے جانے والوں کے دستخط ہوں گے اور یہ کاغذی کارروائی مکمل کر کے بختی کو بھیجا جائے گا۔

''ہم تمہیں یہ بھی بتا دیتے ہیں''۔۔۔ معزز خاتون نے کہا۔۔۔ ''ہم پہلے شادی کے کسی اچھے امیدوار کو دیکھتے ہیں جو کسی پناہ گزین لڑکی کو قبول کرنے پر تیار ہوتا ہے، اس کے بعد لڑکی کا انتخاب کرتے ہیں اور فوراً شادی کروا دیتے ہیں۔ ہم تمہیں اپنے گھر لے جائیں گے اور آج رات ہی تمہاری ملاقات اس لینڈ لارڈ کے ساتھ کروا دیں گے...... تم پر کوئی جبر نہیں، فیصلہ تم خود کرو گی اور ہمیں امید ہے کہ تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں ہو گا''۔

بختی نے یہ واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ وہ تو بھکارن بن چکی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کہیں محنت مزدوری کا انتظام ہو جائے تو یہ سکون تو ہو گا کہ وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی کھا رہی ہے۔ اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ کسی گھر میں نوکرانی لگ جائے تو بھی وہ دلی خوشی محسوس کرے گی۔ اس نے کہا کہ زندگی تو جب ہوتی کہ سر پر چھت ہوتی اور ماں باپ کا نہیں تو

خاوند کا سایہ میسر ہوتا لیکن وہ تو اب اسی کیمپ کی ہو کر رہ گئی تھی۔ ان حالات میں اس نے ان آدمیوں اور اس خاتون کے آگے رضامندی کا اظہار کر دیا۔

بختی کو کیمپ کے آفس میں لے گئے اور دو تین کاغذات پر اس کے دستخط لئے۔ ان آدمیوں نے بھی اور عورت نے بھی دستخط کئے اور اس لینڈ لارڈ کا ایڈریس بھی لکھا گیا جس کے لیے بختی کو لے جایا جا رہا تھا۔

+++

کیمپ کے گیٹ کے سامنے والٹن روڈ پر دو تین تانگے کھڑے تھے۔ ان آدمیوں نے ایک بڑے اچھے تانگے کو بلایا اور سب اس میں سوار ہو گئے۔ بختی کو اس معزز خاتون نے پچھلی سیٹ پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ تانگہ چل پڑا۔ اس وقت بختی لاہور سے بالکل ہی واقف نہیں تھی۔ اب وہ بتا سکتی تھی کہ اسے کہاں لے جایا گیا لیکن میں اس جگہ کا نام نہیں لوں گی کیونکہ بختی نے بختی سے کہا تھا کہ اس کی نشاندہی نہ ہو۔

وہ بڑی ہی اچھی اور صاف ستھری حویلی تھی جو نشاندہی کرتی تھی کہ یہاں عزت دار لوگ رہتے ہیں۔ بختی کو اس حویلی میں لے جایا گیا اور ایک بڑے صاف ستھرے اور سجے سجائے کمرے میں بٹھایا گیا۔ دن کے بارہ بجے کے کچھ بعد کا وقت تھا۔ اس عورت نے بتایا کہ یہ اس کا گھر ہے۔ پھر اس عورت نے بختی سے کہا کہ کھانے سے پہلے وہ اچھی طرح نہا لے اور اسے رات کو اس لینڈ لارڈ کے ہاں لے جایا جائے گا۔

بختی کو اس عورت نے نہایت اچھے اور نئی طرز کے کپڑے دیئے اور غسل خانے میں داخل کر دیا۔ سردیوں کا موسم تھا اس لیے اس کے لیے پانی گرم رکھا گیا۔ بختی کا تو حلیہ ہی بگڑا ہوا تھا لیکن جب وہ نہا کر اور کپڑے پہن کر نکلی اور آئینہ دیکھا تو اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ وہ تو اپنے لیے ہی اجنبی ہو گئی تھی۔ اس نے اس صورت کو بھی قبول کر لیا تھا کہ وہ ریفیوجی کیمپ میں ہی قبل از وقت بوڑھی ہو کر مر جائے گی اور لوگ اسے وہیں کہیں دفن کر دیں گے جہاں پہلے نہ جانے کتنے ہزار یا کتنے سو مہاجرین دفن ہو چکے تھے۔

اسے جو مرغن اور پُر تکلف کھانا کھلایا گیا وہ اس نے بڑے ہی عرصے بعد دیکھا تھا۔ ایسا پُر تکلف کھانا اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی لیکن اس نے سرحد پار کی زندگی ذہن سے ہی اتار پھینکی تھی۔ اس نے اس معزز خاتون کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس دوران یہ معزز خاتون

اسے شادی کے لیے تیار کرتی رہی اور اسے آئندہ زندگی کی بڑی خوبصورت جھلکیاں بھی دکھاتی رہی۔

کھانے کے بعد بختی کو غنودگی سی محسوس ہونے لگی۔ یہ دلی بلکہ روحانی اطمینان کی علامت تھی۔ اسے یہ روح افزا احساس ہوا کہ وہ منزل پر پہنچ گئی ہے اور ایک باعزت گھرانے کی بیوی بنے گی۔ میزبان خاتون نے اسے کچھ دیر سو جانے کے لیے کہا اور بختی لیٹتے ہی گہری نیند سو گئی۔

یہ ایک پُرسکون نیند تھی جس سے وہ بیدار ہوئی تو سورج غروب ہونے کو تھا۔ بختی کے ذہن سے کھچاؤ بہت کم ہو گیا تھا اور اعصاب سکون پذیر ہوئے جا رہے تھے۔ یہ معزز خاتون اس کی یوں دیکھ بھال کر رہی تھی جیسے بختی کسی بڑے ہی اونچے درجے کی مہمان ہو۔

رات کھانے کے بعد بختی کو بتایا گیا کہ اب اس کے امیدوار کے ہاں چلنا ہے۔ خاتون اسے آئینے کے سامنے لے گئی اور کچھ بختی خود تیار ہوئی اور کچھ اس خاتون نے کیا۔ خاتون اب پھر اسے ہدایات دینے لگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بختی ایسا رویہ اور ایسا انداز اختیار کرے کہ اس کا امیدوار سمجھ لے کہ یہ کسی باعزت اور پُر وقار گھرانے کی لڑکی ہے۔ نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر اور پُرسکون نیند سو کر بختی کے حسن میں پہلے والا نکھار پیدا ہو گیا جو سرحد پار امن کے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔

تانگہ حویلی کے دروازے پر ہی آ گیا۔ یہ دونوں آدمی اور یہ عورت بختی کو ساتھ لے کر تانگے میں سوار ہوئے اور تانگہ چل پڑا...... کچھ دیر بعد تانگہ اس علاقے میں جا رکا جو اُس زمانے میں کوٹھیوں کا علاقہ تھا۔ یہاں بھی میں اس علاقے کا نام نہیں لکھوں گی۔ یہ لاہور کے مضافات کا واحد علاقہ تھا جس میں بڑی وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں۔ یہاں جاگیردار، ہندو سیٹھ اور ایسے ہی امیر کبیر لوگ رہتے تھے۔ تانگہ ان کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی میں داخل ہوا۔ یہ کسی ہندو سیٹھ کی متروکہ کوٹھی تھی۔ وہ سرحد پار جا چکا تھا۔ بختی کو تانگے سے اتار کر ایک نوکر کی رہنمائی میں ایک کمرے میں لے گئے۔ یہ اس کشادہ اور تین چار کنالوں میں پھیلی ہوئی کوٹھی کا ڈرائنگ روم تھا۔ بڑا ہی شاہانہ کمرہ تھا۔ ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ ایک آدمی دوسرے کمرے سے آیا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

سب اس کی تعظیم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بختی بھی اٹھی اور اس نے ماتھے پر ہاتھ

رکھ کر سلام کیا۔ بختی اپنے امیدوار کے انتظار میں تھی۔ یہ جو معزز آدمی آیا تھا اس کی عمر چالیس سال نہیں بلکہ پچاس اور ساٹھ سالوں کے درمیان تھی۔ چالیس سال کے مرد کے چہرے پر جوانی کے آثار صاف نظر آتے ہیں لیکن اس شخص کے چہرے پر صحت مندی کے تو نمایاں آثار تھے لیکن جوانی والی بات نظر نہیں آتی تھی۔

''چوہدری صاحب!''— بختی کو وہاں لے جانے والے ایک آدمی نے کہا— ''آپ کی فرمائش پوری کر دی ہے۔ اللہ کرے آپ قبول فرمالیں''— اس آدمی نے بختی سے مخاطب ہو کر کہا— ''انہوں نے تمہاری فرمائش کی تھی اور ہمیں پوری امید ہے کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا''۔

بختی کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے انکار تو نہ کیا لیکن تذبذب میں پڑ گئی۔ وہ چالیس بیالیس سال عمر کے آدمی کو قبول کرنے پر تیار تھی لیکن یہ آدمی بوڑھا تھا۔ بختی انکار کرنے کی پوزیشن میں تھی ہی نہیں۔ اس نے سوچا کہ انکار کیا تو یہ لوگ اپنے کپڑے اتروا کر اسے ہی میلے کچیلے کپڑے پہنا کر یہاں سے نکال دیں گے اور پھر وہ کیمپ تک کس طرح پہنچے گی!

+++

بختی نے سر جھکا لیا اور زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔ اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آئی تھی وہ ابھی تک موجود تھی لیکن یہ کوئی مسرت والی مسکراہٹ نہیں تھی۔ وہ لوگ اس کی خاموشی کو اور اس مسکراہٹ کو رضامندی سمجھے۔ بختی نے سوچتے سوچتے سر اٹھایا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس کی نظریں انگیٹھی پر رک گئیں جس پر دو بڑے سائز کے فوٹو اور گلدستے وغیرہ رکھے تھے۔ اس کی نظریں ایک فوٹو پر رک گئیں۔ اس سے پہلے اس نے ادھر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

یہ فوٹو دیکھ کر وہ حیران سی ہونے لگی۔ چہرہ صرف مانوس ہی نہیں تھا بلکہ اچھا خاصا جانا پہچانا چہرہ تھا...... بختی کو زیادہ سوچنا نہ پڑا اور ذہن پر غیر معمولی دباؤ بھی نہ دینا پڑا۔ اس چہرے کو اس نے پہچان لیا...... یہ سعید کا چہرہ تھا...... وہی سعید جسے وہ سرحد پار سے اس حالت میں لائی تھی کہ پاؤں کی موچ سعید کو چلنے نہیں دے رہی تھی اور لاہور پہنچے تو یہ سعید بختی کو بتائے بغیر تنہا اور مجبور چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

''یہ تصویر کس کی ہے؟''— بختی نے اپنے امیدوار سے پوچھا۔

''یہ میرا بیٹا ہے''— اس نے جواب دیا— ''یہ میرا ایک ہی بیٹا ہے اور بڑا ہی لاڈلا اور پیارا بیٹا ہے''۔

دونوں آدمیوں نے بختی کو بتانا شروع کر دیا کہ چوہدری صاحب کو اپنے اس بیٹے سے کس قدر پیار ہے اور چوہدری صاحب اس بیٹے کو دیکھ دیکھ کر زندہ ہیں۔ ان آدمیوں کے بولنے کا انداز خوشامدانہ تھا۔ انہوں نے سعید کی اور سعید کے اس چوہدری باپ کی بے پناہ تعریفیں کیں۔

''اس لڑکی کو میرے بیٹے کی ہجرت کی بات سناؤ''— چوہدری نے کہا— ''میرا بیٹا تین لڑکیوں کو اپنی حفاظت میں لے کر سرحد پار سے آیا تھا''۔

ان دونوں آدمیوں نے باری باری بڑھ چڑھ کر سعید کی اس بہادری کا واقعہ سنایا کہ وہ کس طرح پیچھے رہ گیا تھا اور لدھیانہ سے لاہور تک کس طرح آیا۔ تین لڑکیاں جو سکھوں سے چھپ چھپ کر آ رہی تھیں، انہیں حفاظت میں لے لیا اور سرحد تک ساتھ لے آیا۔

ان دونوں میں سے ایک نے یہ بات سنائی کہ راستے میں دو سکھوں سے آمنا سامنا ہو گیا اور سعید نے انہیں مار بھگایا۔ یہ بھی انہوں نے بتایا کہ سعید کے ایک پاؤں میں موچ آئی ہوئی تھی، اس معذوری کے باوجود اس نے بہادری کا یہ کارنامہ کیا تھا۔

یہ باتیں سن کر بختی جیسے بیدار ہو گئی ہو۔ اس میں کچھ اور ہی جرأت پیدا ہو گئی۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اسے اس چوہدری کے اس کیوں لایا گیا ہے۔

''کیا اس کا نام سعید نہیں؟''— بختی نے پوچھا۔

''ہاں...... اس کا نام سعید ہی ہے''— چوہدری نے بڑے اشتیاق سے جواب دیا— ''کیا تم اسے جانتی ہو؟''

''کیا لدھیانہ سے آتے ہوئے اس کے پاس دونالی بندوق نہیں تھی؟''— بختی نے پوچھا۔

''ہاں!''— چوہدری نے جواب دیا— ''اس کے پاس بندوق تھی...... کیا تم ان تین لڑکیوں میں سے تھیں جنہیں سعید اپنے ساتھ لایا تھا؟''

''کیا اسے آپ یہاں بلا سکتے ہیں؟''— بختی نے چوہدری کے سوال کا جواب

دیئے بغیر پوچھا۔

"بلا سکتا ہوں"۔۔۔۔ چوہدری نے کہا۔۔۔۔ "اسے بلا کر کیا کرو گی؟...... یہ تو تمہیں مل ہی جائے گا"۔

"میں نے اسے مل کر کیا کرنا ہے!"۔۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔۔ "آپ سب کے سامنے اس سے صرف یہ پوچھوں گی کہ وہ دو لڑکیاں کون تھیں جنہیں وہ اپنی حفاظت میں لایا تھا ایک تو میں تھی"۔

"وہ اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلی گئی ہوں گی"۔۔۔۔ چوہدری نے کہا اور پوچھا۔۔۔۔ "کیا کیمپ میں وہ تمہارے ساتھ نہیں تھیں؟"

"سعید میرے سامنے ہوتا تو میں آپ کو صحیح بات بتاتی"۔۔۔۔ بختی نے کہا۔

"چلو پہلے ہمیں سناؤ"۔۔۔۔ چوہدری نے بختی کو غالباً خوش کرنے کے لیے کہا۔۔۔۔ "ہم سن لیں پھر سعید کو بھی بلالیں گے"۔

"چوہدری صاحب!"۔۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔۔ "میں ہر حال میں اللہ کو ماننے والی عورت ہوں۔ میں اگر آپ کو سناؤں کہ میں نے ایک پیر سے اپنی عزت کس طرح بچائی تھی اور اللہ نے اس پیر کو کیا سزا دی تھی تو آپ حیران رہ جائیں گے لیکن میں اتنا ہی کہوں گی کہ اللہ ہی کارساز ہے اور جن کا کوئی نہیں ہوتا ان کا صرف اللہ ہوتا ہے۔ اللہ زندگی دے تو بچھڑے ہوئے مسافر زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر یا کسی منزل پر مل ہی جاتے ہیں۔ میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ سعید اس طرح اچانک کسی بہانے میرے سامنے آجائے گا۔ سعید اگر آپ کا اتنا ہی لاڈلا بیٹا ہے کہ اسے دیکھ دیکھ کر آپ جیتے ہیں تو آپ کو دن رات اللہ کے حضور سجدے کرنے چاہئیں کہ آپ کا بیٹا صحیح وسلامت یہاں پہنچ گیا تھا۔ اسے زندہ پہنچانے کے لیے اللہ نے مجھے سبب بنایا تھا۔ میں اکیلی، تنِ تنہا سکھوں سے چھپتی بچتی آرہی تھی کہ سعید مجھے ایک گُف میں اس حال میں پڑا ملا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے پاؤں کو ایسی بری موچ آئی ہے کہ پاؤں زمین پر ٹکتا ہی نہیں"۔

چوہدری چونکا نہیں بلکہ بدک گیا اور صوفے سے پیٹھ ہٹا کر کچھ آگے ہو کر سیدھا بیٹھ گیا۔ حیرت سے اس کی آنکھیں کچھ زیادہ کھل گئیں اور ہونٹ بھی ذرا سے کھل گئے۔

"پوری بات سناؤ"۔۔۔۔ چوہدری کے منہ سے سرگوشی پھسلی۔

بختی نے تفصیل سے سنانا شروع کر دیا کہ وہ اپنے قصبے سے کس طرح نکلی تھی اور کس طرح اللہ اس کی مدد کرتا آیا اور اسے ایک بوڑھا آدمی مل گیا جس نے اسے اپنے کپڑا اتار کر پہنائے اور اس کے سر پر اپنی پگڑی لپیٹ کر اسے سکھ بنا دیا۔ پھر اس نے سنایا کہ سعید اسے ایک گف میں پڑا ملا تھا اور وہ کس طرح اس کے ساتھ ہو گئی۔

"میں بہت خوش ہوئی چوہدری صاحب!"۔۔۔۔ بختی نے چوہدری کو سنایا۔۔۔۔ "ایک تنومند مسلمان جوان مرد کو دیکھ کر میرے سارے ڈر اور خوف ختم ہو گئے۔ سعید کے پاس دونالی بندوق بھی تھی۔ سعید نے اپنا پاؤں دکھایا تو یہ ٹخنے سے اوپر تک سوجا ہوا تھا۔ ہم چلنے کے لیے اٹھے اور سعید نے زمین پر پاؤں رکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ پاؤں زمین سے ذرا سا لگتا تو پاؤں سے درد کی ٹیس اٹھتی تھی۔ ممکن ہی نہیں تھا کہ سعید اکیلا چل سکتا......

"بھوک اور پیاس الگ تھی۔ سعید کو اگر کوئی سکھ دیکھ لیتا تو اسے وہیں قتل کر دیتا یا یوں کرتا کہ اس کے ہاتھ یا بازو کاٹ کر معذور کر دیتا۔ سکھوں نے ایسے کئی نوجوان مسلمانوں سے کیا تھا کہ ان کے ایک ایک بازو کاٹ کر سرحد تک چھوڑ گئے تاکہ پاکستان کو معذور جوان ملیں۔ اگر سعید سکھوں کے ہاتھ نہ چڑھتا تو بھوک اور پیاس ہی اسے وہیں ختم کر دیتی جہاں پر پڑا ہوا تھا۔ یہ تو ایک قدم نہیں چل سکتا تھا، پانی تک کس طرح پہنچتا......

"مجھے تو وہاں سے بھاگتے دوڑتے سرحد تک پہنچ جانا چاہئے تھا اور میں اسی کوشش میں تھی کہ سکھوں سے بچ کر نکل آؤں۔ میں اپنی آبرو بچانے کی کوشش میں تھی لیکن جب سعید کو دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ یہ کسی ماں کا کتنا خوبصورت جوان بیٹا ہے، وہ تو اس کی جدائی میں پاگل ہوتی جا رہی ہوگی۔ میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے ہمت دے کہ اسے سرحد پار لے جا سکوں اور اپنی عزت بھی بچا لوں۔ چوہدری صاحب!...... سعید کے جسم کا آدھا بوجھ میں نے اپنے اوپر لیا اور اس نے دوسرے ہاتھ سے بندوق کا سہارا لیا اور ہم چیونٹی کی چال چلنے لگے۔ اسے راستے میں پانی پلایا"۔

بختی نے پوری تفصیل سے یہ سفر چوہدری کو سنایا اور ایسا نقشہ پیش کیا کہ چوہدری کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں سمجھ گئی کہ بختی کے سنانے کا انداز ایسا پُراثر اور جذباتی ہوگا کہ سے چوہدری ایسا متاثر ہوا کہ اس نے بختی کی یہ بات بالکل سچ مان لی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ چوہدری جانتا ہوگا کہ اس کا بیٹا جھوٹ بھی بولتا ہے اور اوچھی باتیں بھی کر گزرتا ہے۔

بختی نے ہمیں سنایا کہ اس پر ایسی جذباتیت کا غلبہ ہو گیا تھا کہ وہ سفر پھر اس کے سامنے آ گیا اور اس کے جذبات ابل پڑے۔

میں نے بختی سے پوچھا، کیا اس نے چوہدری کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا؟

"نہیں!" ــــ بختی نے جواب دیا ــــ "میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس چوہدری کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ آدمیوں نے جنہیں میں معزز اور نیک سیرت سمجھتی تھی، جھوٹ بولا تھا کہ چوہدری کی عمر چالیس سال ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ سعید کی فطرت اور ذہنیت تمہیں پہلے سنا چکی ہوں۔ کبھی ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ مجھے اپنی ماں سمجھتا۔ پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہجرت کے دوران سعید کی باتوں سے صاف پتہ چل گیا تھا کہ یہ خاندان پاکستان کے حق میں تھا ہی نہیں۔ یہ تو ان لوگوں کی مجبوری تھی کہ پاکستان آنا پڑا اور یہاں ایسی پناہ مل گئی۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ چوہدری کی بیوی واقعی مر گئی تھی یا یہ بھی جھوٹ تھا۔ وہ تو یہاں تک تیار ہو گئی کہ انہوں نے مجھے جو کپڑے پہنائے ہیں وہ اتار پھینکوں گی اور اپنے کیمپ والے کپڑے پہن کر واپس کیمپ میں جا پہنچوں گی۔

بختی پر جذباتیت کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس نے گلے شکوے کے انداز میں چوہدری سے یہ بھی کہہ دیا کہ اسے بہت ہی افسوس ہو رہا ہے کہ سعید کو وہ وہاں اکیلا اور معذور پڑا رہنے کی بجائے اپنے ساتھ جالندھر تک لے آئی اور اپنی جان اور عزت خطرے میں ڈال دی تھی لیکن سعید مجھے کیمپ میں تنہا اور مجبور چھوڑ کر اور بغیر بتائے آ گیا۔

"مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا" ــــ چوہدری نے بڑے ہی بدلے لہجے میں کہا ــــ "سعید کو کیمپ سے لانے کے لیے میں بھی گیا تھا۔ اگر مجھے ذرا سا اشارہ بھی مل جاتا کہ اسے تم لائی تھی تو میں تمہیں کیمپ میں کبھی نہ پڑا رہنے دیتا، اپنے ساتھ لے آتا"۔

بختی کے جذبات بے قابو ہو گئے تھے اور زبان بھی بے لگام ہو گئی تھی۔ اس نے نتائج اور چوہدری کے ردعمل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہ بھی اسے سنا دیا کہ سعید نے اس کے ساتھ جالندھر پہنچنے سے پہلے ہی اتنے خطرناک سفر کے دوران اس کے ساتھ رومانس لڑانا شروع کر دیا تھا۔ بختی اس پر قابو پاتی رہی اور اس کی ان ناروا اور بے موقع باتوں کو نظر انداز کر کے اسے اپنے ساتھ لے آئی۔ دن کے دوران جب وہ سفر پر ہوتے تھے تو سعید کا

بازو اس طرح بختی کے کندھے پر ہوتا تھا کہ وہ کبھی کبھی بازو کا گھیرا بختی کی گردن کے گرد تنگ کر کے اسے اپنے ساتھ لگا لیتا تھا۔ بختی اگر ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنے اس فرض سے دستبردار ہو جاتی اور سعید کو اس کے حال پر چھوڑ کر اپنی راہ لگ جاتی تو سعید کبھی لاہور نہ پہنچ سکتا۔ لاہور تو دور تھا وہ جالندھر تک بھی نہ پہنچ سکتا۔

بختی نے چوہدری کو بتایا کہ سعید کے ساتھ اس کے دو دوست تھے۔ وہ دونوں سعید کو کُف میں سوتا چھوڑ کر کھسک آئے تھے۔

پھر بختی نے سعید کے باپ کو یہ بھی سنا دیا کہ والٹن کیمپ میں آ کر سعید اسے کیمپ سے باہر ریلوے لائن تک لے جاتا اور وہاں رومانی باتیں کرتا اور آخر اس نے بختی سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ بختی نے اس کی یہ خواہش ٹھکرا دی تو سعید اس کے پیچھے ہی پڑ گیا اور اسے شادی پر آمادہ کر لیا لیکن اسے تنہا کیمپ میں چھوڑ کر نکل آیا۔

+++

بختی کو یہ تو پتہ چل چکا تھا کہ چوہدری اپنے اس اکلوتے بیٹے سے بہت ہی پیار کرتا ہے لیکن بختی کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ چوہدری کے پیار میں دیوانگی ہے۔ اپنے اس اکلوتے بیٹے کے لئے وہ بہت ہی حساس تھا۔ اس نے جب سنا کہ بختی اسے زندہ نکال لائی ہے تو اس کے چہرے کا تاثر بالکل ہی بدل گیا اور بختی کے ساتھ اس کا رویہ بھی بدلا بدلا سا نظر آنے لگا۔ چوہدری نے اپنے ایک نوکر کو بلایا اور کہا کہ سعید کو یہاں بھیج دے۔

تھوڑی ہی دیر بعد سعید آ گیا اور اس نے جب بختی کو دیکھا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدہ سا تاثر آ گیا اور فوراً ہی بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ابو!" ــــ سعید نے چھوٹے سے بچے کے لہجے میں پوچھا ــــ "یہ لڑکی یہاں کس طرح آئی ہے؟ میں اسے جانتا ہوں، یہی مجھے اپنے ساتھ لائی تھی؟"

"سعید پتر!" ــــ چوہدری نے بڑے پیار سے کہا ــــ "آگے آؤ بیٹھ جاؤ اور دیکھو، جھوٹ نہ بولا کرو۔ کیا تم تین لڑکیوں کو اپنی حفاظت میں لائے تھے یا یہ اکیلی لڑکی تمہیں سہارا دے کر اپنے ساتھ لائی تھی"۔

"اس نے ساری بات آپ کو سنائی ہے؟" ــــ سعید نے چھوٹے سے لاڈلے بچے کے لہجے میں کہا ــــ "یہ نہ ہوتی تو میں وہیں مر جاتا۔ مجھ سے تو کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔

اسے تو میں آسمان سے اترا ہوا فرشتہ سمجھتا تھا''۔

''اور تم اسے والٹن کیمپ میں ہی چھوڑ آئے''۔۔۔ چوہدری نے کہا۔۔۔ ''تم نے کوئی مردوں والا کام تو نہیں کیا پتر! اس کا تو مجھ پر بہت بڑا احسان ہے''۔

چوہدری نے سعید سے وہ باتیں پوچھنی شروع کر دیں جو بختی نے اسے بتائی تھیں۔ سعید نے کسی ایک بھی بات کی تردید نہ کی بلکہ بڑے اچھے انداز سے تصدیق کرتا گیا۔ آخر چوہدری کو یقین ہو گیا کہ بختی کا بیان سو فیصد سچا ہے...... اب پہلی بار چوہدری نے بختی سے اس کا نام پوچھا جو بختی نے بتا دیا۔

''خوش بخت!''۔۔۔ چوہدری نے بڑے ہی جذباتی لہجے میں کہا۔۔۔ ''تم واقعی خوش بخت ہو، تم جانتی ہو یہ حضرات اور یہ خاتون تمہیں یہاں کیوں لائی ہے۔ میں تمہیں اپنا فیصلہ سناتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ شادی نہیں کر رہا اور اب تمہیں واپس کیمپ میں جانے بھی نہیں دوں گا''۔

چوہدری نے ان دونوں آدمیوں کو اور ان کے ساتھ کی عورت کو قدرے بارعب طریقے سے کہا کہ وہ چلے جائیں اور اس لڑکی یعنی بختی کو بھول جائیں۔ وہ تینوں حیرت زدگی کے عالم میں چوہدری کو دیکھنے لگے۔

''میں نے کہا ہے تم تینوں یہاں سے چلے جاؤ''۔۔۔ چوہدری نے اپنا حکم پھر دوہرایا۔۔۔ ''یہ لڑکی یہاں سے نہیں جائے گی''۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ بختی کو وہاں لے جانے والے دو آدمیوں میں سے ایک نے بھکاریوں کے لہجے میں کہا۔۔۔ ''ہمارے ساتھ یہ زیادتی نہ کریں''۔

''ہمیں کچھ تو حق ملنا چاہیے''۔۔۔ دوسرے نے دبکی دبکی آواز میں گذارش کرنے کے لہجے میں کہا۔

''میں ایک بار پھر کہتا ہوں یہاں سے چلے جاؤ''۔۔۔ اب کے چوہدری نے چوہدریوں کے لہجے میں کہا۔۔۔ ''یہ لڑکی تمہاری نہیں، یہ بے گھر اور بے آسرا پناہ گزین لڑکی ہے۔ اس پر تمہارا کوئی حق نہیں اور نہ میں تمہیں کوئی حق دوں گا...... اٹھو اور چلے جاؤ۔ نہیں اٹھو گے تو تم جانتے ہو میں تمہیں کہاں تک پہنچا سکتا ہوں۔ اپنے اوپر پردہ پڑا رہنے دو''۔

وہ تینوں اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ تینوں کے چہروں پر بھکاریوں والا تاثر تھا۔

ان کی حالت ان بھکاریوں جیسی ہو گئی تھی جنہیں دھتکارتے رہو لیکن وہ ٹلتے نہیں۔ آخر سعید بول پڑا اور بولا بھی ایسی بدتمیزی سے کہ تینوں کے چہروں کے تاثر بدل گئے اور وہ آہستہ آہستہ اٹھے۔ سعید نے ایک بار پھر گرج کر انہیں جلدی نکل جانے کو کہا تب وہ تیزی سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔

بختی حیرت زدہ تھی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اس نے چوہدری سے پوچھ ہی لیا کہ یہ ہوا کیا اور کیا ہوگا...... چوہدری نے سعید سے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں چلا جائے اور وہ اسے تھوڑی دیر بعد بلا لے گا۔ سعید برخوردار بچوں کی طرح اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔

''پریشان مت ہو خوش بخت بیگم!''۔۔۔ چوہدری نے کہا۔۔۔ ''میں تمہیں اس نیکی کا صلہ دینا چاہتا ہوں جو تم نے میرے ساتھ کی ہے۔ میرے تین بیٹے پیدا ہوئے تھے لیکن چھ چھ مہینوں کے ہو کر مر گئے۔ آخر اللہ نے سعید کو زندگی دی اور یہ جوانی تک پہنچ گیا۔ مجھے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ یہ آج ہے تو کل نہیں ہوگا۔ میں نے پیروں فقیروں کے آگے سجدے کیے اور اس بیٹے کی لمبی عمر کی بھیک مانگی۔ کوئی مزار نہیں چھوڑا نہ کوئی خانقاہ چھوڑی۔ ہر جگہ جا صدقے دیئے۔ حج کیا تو وہاں بھی اس بیٹے کی زندگی کی التجا کی۔ میری دو بیٹیاں ہیں، دونوں شادی شدہ ہیں اور پہلے ہی پاکستان میں تھیں اس لیے محفوظ رہیں۔ تم نہیں جانتی کہ میں اپنے اس بیٹے کے لیے کس حد تک پاگل ہوا رہتا ہوں۔ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ میرے اس بیٹے کو تم نے زندگی دی ہے......

''ہمیں مجبوراً لدھیانہ سے ایسے موقع پر نکلنا پڑا جب سعید گھر نہیں تھا۔ یہ شکار پر گیا ہوا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر نہیں آنا چاہتا تھا لیکن اس کی ماں میرے ساتھ تھی۔ اسے وہاں سے نکالنا بہت ہی ضروری تھا۔ الحمد اللہ وہ ٹھیک ٹھاک ساتھ آ گئی اور ہم یہاں پہنچ گئے۔ مجھے اللہ کی درگاہ میں یہی امید تھی کہ سعید کے پاس بندوق ہے اور اس کے ساتھ دوست بھی ہیں، وہ سب نکل آئیں گے لیکن جس طرح میں نے یہاں آ کر دن اور راتیں گذاریں وہ میں جانتا ہوں یا میرا خدا جانتا ہے۔ میرے آدمی ہر روز والٹن کیمپ مین جا کر پناہ گزینوں کے ہجوم میں جا کر سعید کو ڈھونڈتے تھے آخر وہ مل گیا......

''میں خود اسے اپنے ساتھ لانے کے لیے کیمپ میں گیا اور اسے لے آیا۔ میں نے اللہ کی راہ میں جو خیرات کی ہے اور جو صدقے دیئے ہیں وہ تم سنو تو حیران رہ جاؤ۔ تم نے

سعید کو نئی زندگی نہیں دی بلکہ مجھے زندہ کر دیا ہے۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں جو تمہیں یہاں لائے تھے اور میں نے تمہیں یہیں رہنے دیا اور انہیں دھتکار کر نکال دیا ہے''۔

بختی کو اپنے کانوں پر اور اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ وہ اسے کوئی اور ہی ڈھونگ سمجھ رہی تھی جو اسے پھانسنے کے لیے رچایا جا رہا تھا۔ یہ کوئی نئی فریب کاری تھی یا دھوکہ دہی کا کوئی اور ہی طریقہ۔ بختی ان چوہدریوں کو جانتی تھی۔ یہ کوئی اچھے لوگ نہیں تھے۔ اپنے مزارعوں اور نوکروں وغیرہ کے لیے تو فرعون بنے ہی رہتے تھے، اپنی حیثیت سے کم درجہ حیثیت کے لوگوں کو بھی حقارت کی نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ لدھیانہ کے اپنے قصبے میں وہ ان چوہدریوں کی باتیں سنا کرتی تھی۔ پاکستان میں آ کر بہت عرصہ بعد اس نے ان بڑے چوہدریوں اور جاگیرداروں کو قریب سے دیکھا تھا۔ یہ چوہدری ان سے مختلف نہیں تھا لیکن وہ تو ایک جلتا دیا تھا جو خود ہی بجھ گیا تھا۔ میں پہلے بتا چکی ہوں کہ بختی جان گئی تھی کہ اپنے اس بیٹے کے لیے چوہدری بہت ہی حساس تھا لیکن چوہدری کا ایسا ردِ عمل اسے حیران کر رہا تھا۔

''چوہدری صاحب!'' ___ بختی نے رندھی اور ہاری ہوئی آواز میں پوچھا ___ ''آخر میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟...... مجھے یہ لوگ آپ کے پاس یہ کہہ کر لائے تھے کہ آپ کی بیوی مر گئی ہے اور آپ میرے ساتھ شادی کریں گے لیکن......''

بختی نے مجھے سنایا کہ چوہدری نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی اور ہلکی سی ہنسی ہنس کر اسے بتانے لگا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ چوہدری نے اسے بتایا کہ وہ صلہ دینے پر آ گیا ہے۔ پھر چوہدری نے بختی کو بتایا کہ یہ دونوں آدمی اور ان کے ساتھ یہ جو عورت ہے، یہ مجرمانہ ذہنیت کے لوگ ہیں اور انہوں نے کوئی ایسی تنظیم نہیں بنائی جو بے آسرا پناہ گزین لڑکیوں کو آباد کرنے کا کام کرتی ہو۔ یہ ان لوگوں کا کاروبار ہے کہ اسی طرح معزز بن کر کیمپ سے کسی اچھی شکل وصورت کی لڑکی کو سبز باغ دکھا کر لے آتے ہیں اور جسے پیش کرتے ہیں اس سے خاصی زیادہ رقم وصول کر لیتے ہیں۔

''میں تمہیں صحیح بتاتا ہوں'' ___ چوہدری نے کہا ___ ''میں دوسری شادی کرنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ پناہ گزین لڑکیوں میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت لڑکی آئی

ہے۔ کسی نے میرا تعارف ان لوگوں سے کرایا۔ انہوں نے میرے ساتھ سودا کر لیا اور تم تک جا پہنچے اور تم نے دیکھا ہی لیا ہے کہ یہ کس طرح تمہیں ورغلا کر لے آئے ہیں......

''اس میں کوئی فریب نہیں تھا کہ میں نے تمہارے ساتھ شادی کرنی تھی۔ تمہیں دیکھتے ہی میرا دل خوش ہو گیا تھا کہ میرے مطلب اور میری پسند کی لڑکی لائے ہیں۔ تم نے میرے بیٹے کی تصویر دیکھ کر اسے پہچان لیا اور راز جو فاش ہوا تو تمہارے متعلق میرا ارادہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ تم میرے بیٹے کو موت کے منہ سے نکال کر لائی ہو اور میں تمہیں یہ صلہ دیتا ہوں کہ اس جوانی میں تمہاری شادی مجھ جیسے بوڑھے آدمی کے ساتھ نہ ہو اور یہ بوڑھا تمہیں بتا دے کہ اس کی بیوی مری نہیں موجود ہے''۔

چوہدری اپنے بیٹے کے متعلق اس قدر حساس اور جذباتی تھا کہ باتیں کرتے کرتے اس کے آنسو نکل آئے۔ بختی نے بتایا کہ یہ کوئی چھوٹا موٹا چوہدری نہیں تھا۔ سیاست میں بھی گیا تھا اور دو چار سال بعد ہی فوت ہو گیا۔ سعید کو فوت ہوئے بھی چار پانچ سال ہو گئے ہیں۔

بختی نے اپنی رائے یہ دی کہ اس چوہدری نے واقعی اسے صلہ دیا تھا لیکن بختی کے ذہن میں ایک خیال اور بھی آیا۔ بختی نے چوہدری کو بتا دیا تھا کہ سعید سفر کے دوران اس کے ساتھ رومانی باتیں اور حرکتیں کرتا رہا ہے اور والٹن کیمپ میں آ کر سعید نے اسے شادی پر رضامند کر لیا تھا۔ بختی نے میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کہا کہ چوہدری آخر جہاندیدہ آدمی تھا۔ اسے پتہ چلا کہ اس کا بیٹا بختی پر فریفتہ تھا تو اس نے بختی کے ساتھ شادی کا ارادہ بدل دیا۔ اس نے یہ خطرہ بھانپ لیا ہوگا کہ جب بختی اس کی بیوی بن کر اس گھر میں رہنے لگی تو سعید کا کوئی بھروسہ نہیں، وہ بختی پر ڈورے ڈالتا رہے گا اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بختی چوہدری کے بڑھاپے سے اکتا کر سعید کے ساتھ درپردہ تعلق قائم کر لے۔

بختی کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ سوچ کر چوہدری نے بختی کے ساتھ شادی کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور پھر اسے اپنے پاس ہی جو رکھ لیا تھا وہ اس نے اسے ان جرائم پیشہ لوگوں سے آزاد کروایا تھا۔ یہ دونوں آدمی اور یہ عورت چوہدری کا کچھ بھی نہیں گاڑی سکتے تھے۔

بختی کو چوہدری نے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

اللہ نے بختی کی ڈوبتی ناؤ کو پھر بچا لیا اور ساحل پر لا ڈالا۔ بختی نے چوہدری کا شکریہ

آنسوؤں کی روانی میں ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی بختی کو ایک خیال آ گیا۔ اس نے سوچا کہ چوہدری سے بات کر ہی لے تو اچھا ہو گا۔

''چوہدری صاحب!'' ـــــ بختی نے چوہدری سے پوچھا ـــــ ''کیا آپ میری شادی اپنے اس بیٹے کے ساتھ کریں گے؟''

''خوش بخت!'' ـــــ چوہدری نے کہا ـــــ ''برا نہ مان جانا، میں تمہاری شادی اپنے بیٹے کے ساتھ نہیں کروں گا۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ تمہیں ایک بے آسرا پناہ گزین سمجھ کر اپنے بیٹے کے قابل نہیں سمجھتا بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں بیٹے کی منگنی اپنے جیسے ایک خاندان میں کر چکا ہوں۔ بہر حال تمہاری شادی کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے میں کسی بڑے ہی اچھے گھرانے میں تمہاری شادی کروا دوں گا''۔

بختی بہت ہی خوش ہوئی۔ وہ چوہدری سے یہی بات سننا چاہتی تھی۔ سعید کے ساتھ تو وہ کسی قیمت پر شادی کرنے کو تیار نہیں تھی کیونکہ وہ لاڈلا بیٹا ہونے کی وجہ سے کردار کا پکا نہیں تھا اور اس کی شخصیت بڑی ہی کمزور تھی۔ بختی نے سعید میں کچھ اور خامیاں اور کمزوریاں بھی دیکھ لی تھیں۔ بختی نے چوہدری پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ چوہدری نے اس کے مطلب کا جواب دیا ہے۔

''چوہدری صاحب!'' ـــــ بختی نے دانشمند بنتے ہوئے کہا ـــــ ''آپ اپنی اور اپنے خاندان کی عزت اور اپنے وقار کو پیشِ نظر رکھیں۔ میں تو کہتی ہوں کہ سعید کی شادی جلدی کرا دیں تا کہ اسے خاندان کی ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے ...... میرے لئے آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا اجر آپ کو اللہ دے گا، میں آپ کے گھر میں نوکرانی کی حیثیت سے رہنے کو تیار ہوں''۔

''ایک احتیاط کرنا خوش بخت!'' ـــــ چوہدری نے کہا ـــــ ''سعید سے ذرا دور دور ہی رہنا اور اس کے ساتھ کوئی بے تکلفی نہ رکھنا۔ سعید کی ماں موجود ہے، وہ خود خیال رکھے گی''۔

اس نسل کے کسی بھی چوہدری کے لیے پرانی بیوی کی موجودگی میں نئی نویلی دلہن لے آنا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ یہ تو ہمارے معاشرے کا عام رواج ہے کہ جہاں اور عمر کے جس مقام پر اللہ نے چھپر پھاڑ کر دولت پھینک دی یا کوئی اونچا رتبہ مل گیا تو مسلمان نے

پہلا کام یہ کیا کہ اپنی عمر کو دیکھے بغیر پرانی بیوی کی چھٹی کرا دی اور کم عمر لڑکی کے ساتھ شادی کر لی یا پرانی بیوی کی موجودگی میں ہی نئی بیوی لے آئے۔

اس چوہدری نے آواز دے کر سعید کو بلایا اور اسے کہا کہ اپنی ماں کو ساتھ لے آئے ...... ماں بھی آ گئی۔ بختی نے چوہدری کی بیوی کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتی ہی رہی۔ بے حد موٹی اور بھری ہوئی بوری کی طرح گول مٹول اور قد اونچا، گردن تو اس عورت کی نظر ہی نہیں آتی تھی۔ کمرے میں داخل ہوئی اور صوفے پر اس طرح بیٹھی جیسے اپنا وزن سہار نہ سکی ہو۔ اس کی تو جیسے سانسیں ہی پھول گئی تھیں۔

چوہدری نے اسے بختی کے متعلق بتایا کہ یہ لڑکی اس کے بیٹے کو موت کے پیٹ سے نکال کر لائی تھی۔ چوہدری نے اسے جالندھر تک کے سفر کی وہ ساری داستان سنائی جو بختی نے اسے سنائی تھی۔ سعید پاس بیٹھا تصدیق بھی کرتا جا رہا تھا اور لقمے بھی دے رہا تھا۔

ظاہر ہے جس بیٹے کو باپ اتنا لاڈلا سمجھتا تھا اس بیٹے کی ماں کا تو اور ہی زیادہ برا حال ہو گا۔ وہ تو اس کوشش میں رہتی ہو گی کہ اس کے بیٹے کو گرم سرد ہوا بھی نہ لگے۔ اس انتہائی موٹی چوہدرانی کا ردِعمل یہ تھا کہ وہ بڑی مشکل سے صوفے سے اٹھی اور بختی کے پاس جا کر اسے اٹھایا۔ چار دفعہ بسم اللہ بسم اللہ کہی اور بڑی مسرت سے چوہدری کی بات قبول کر لی اور کہا کہ وہ بختی کو اپنے سینے سے لگا کر رکھے گی۔

بختی عقل اور ہوش والی لڑکی تھی۔ اسے ایک بات کا خیال آ گیا۔ خیال یہ تھا کہ چوہدری چوہدرانی سے چھپانا چاہتا ہو گا کہ اس نے بختی کے ساتھ شادی کا ارادہ کیا تھا اور کچھ کاروباری آدمی بختی کو ورغلا کر اس کے پاس لے آئے تھے۔ چوہدری نے بختی کو ایسی کوئی ہدایت نہیں دی تھی کہ وہ چوہدرانی کو پتہ نہ چلنے دے لیکن بختی نے خود ہی سوچ لیا کہ اس راز پر پردہ ڈالے رکھنا ہے۔

+ + +

بختی نے یہاں اس سے آگے بات سنانے سے پہلے کہا کہ اس کی کیمپ کی زندگی میں ایک اور کردار داخل ہوا تھا جس کا اس نے ابھی دانستہ ذکر نہیں کیا، آگے چل کر کرے گی اور یہی ایک کردار تھا جس نے اس کی زندگی میں بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔

بختی کو چوہدری کے اتنے بڑے گھر میں ایک کمرہ دے دیا گیا اور چوہدرانی نے اس

کی انگلی میں سونے کی ایک انگوٹھی ڈالی اور کانوں میں جھمکے بھی ڈالے اور سونے کی ایک زنجیر بھی دی۔ یہ انعام تھا جو چوہدرانی اسے دے رہی تھی۔

سعید کی دو شادی شدہ بہنیں تھیں جو لاہور میں ہی تھیں۔ ماں نے انہیں اطلاع دے دی کہ ایک مہاجر لڑکی آئی ہے جو سعید کو معذوری کی حالت میں زندہ اور سلامت نکال لائی تھی۔ یہ اطلاع ملتے ہی سعید کی دونوں بہنیں اپنے بچوں اور خاوندوں کے ساتھ پہنچ گئیں۔

انہوں نے آتے ہی بختی کی جو بلائیں لیں ان سے بختی پریشان ہوگئی۔ ان کی اس بے تابی سے پتہ چلتا تھا کہ اپنے بھائی کو وہ کتنا عزیز اور پیارا سمجھتی تھیں۔ انہوں نے بختی کو کچھ نقد رقم دی جو بختی قبول نہیں کر رہی تھیں لیکن انہوں نے زبردستی یہ پیسے بختی کے کمرے میں رکھ دیے۔

چھوٹی چھوٹی باتیں سنانا کوئی ضروری نہیں، بختی نے تو کئی ایک باتیں سنائی تھیں جو میری نظر میں غیر اہم سی ہیں، میں ذرا بڑے واقعات سناؤں گی...... بختی اس گھر میں رہنے لگی۔ وہ اور کچھ نہیں تو گھر کا کام کاج ہی کرنا چاہتی تھی لیکن اس شاہانہ گھر میں نوکروں اور نوکرانیوں کی کمی نہیں تھی۔ ہانڈی روٹی بھی ایک نوکرانی کرتی تھی۔ بختی نے چوہدرانی سے کہا کہ کھانے پکانے کا کام وہ کیا کرے گی۔ چوہدرانی خود بھی یہی چاہتی تھی کہ کم از کم ہانڈی نوکرانی نہ پکایا کرے لیکن چوہدرانی کا موٹاپا اس کی ایک معذوری بن گیا تھا اس لیے مجبوراً نوکرانی نے باورچی خانہ سنبھال رکھا تھا۔ اب بختی نے باورچی خانہ اپنی تحویل میں لے لیا۔

بختی نے پہلے روز ہی دیکھ لیا تھا کہ چوہدرانی زندہ دل اور خوشگوار طبع عورت ہے۔ اس میں چوہدرانیوں کی طرح حکم چلانے کی عادت نہیں تھی۔ ہر بات ہنستے مسکراتے انداز میں کرتی تھی۔ بختی کو یہی ڈر تھا کہ یہ عورت اپنا رعب جھاڑتی رہا کرے گی اور بختی کو بڑی احتیاط سے یہاں رہنا پڑے گا لیکن چوہدرانی نے اسے پہلے روز ہی اپنے ساتھ اس طرح بے تکلف کر لیا جیسے وہ بختی ہی کی عمر کی لڑکی ہو۔

پانچ چھ دنوں میں چوہدرانی نے دو تین مرتبہ بختی سے کہا کہ وہ اس کی شادی جلدی کروا دے گی۔ ایک بار پھر چوہدرانی نے یہی بات کہی تو بختی نے کہا کہ اسے شادی کی کوئی جلدی نہیں، وہ اسی گھر میں خوش ہے۔

''تمہیں نہیں مجھے جلدی ہے'' ــــ چوہدرانی نے حسبِ عادت ہنستے ہوئے کہا ــــ ''تم اتنی خوبصورت ہو اور تم میں کوئی ایسی کشش ہے کہ جس روز چوہدری کا دماغ پھر گیا وہ مجھے اٹھا باہر پھینکے گا اور تمہارے ساتھ نکاح پڑھوا لے گا...... چوہدری اکیلا تو مجھے نہیں اٹھا سکتا، سات آٹھ بندے بلا کر اور مجھے اٹھوا کر گھر سے باہر کرے گا''۔

بختی کو ایسی ہنسی آئی کہ کچھ دیر ہنستی ہی رہی۔ اچانک بختی کو خیال آیا کہ چوہدرانی نے یہ بات کہی تو مذاق کے رنگ میں ہے لیکن چوہدری کا کوئی بھروسہ نہیں۔ چوہدری نے تو بختی کو شادی کے لیے ہی حاصل کیا تھا لیکن بات کسی اور رخ چلی گئی اور بختی بال بال بچ گئی۔

بختی نے اس روز اپنے کمرے میں تنہائی میں بھی اس بات پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ چوہدری کا کوئی بھروسہ نہیں، اب اگر بختی کی شادی کا بندوبست ہو ہی جائے تو اچھا ہے۔

یہ تو ایک خطرہ تھا جسے بختی نے خاصی اہمیت دی لیکن اس سے بھی بڑا خطرہ سعید نے پیدا کر رکھا تھا۔ وہ تو سائے کی طرح بختی کے ساتھ لگ گیا تھا۔ یہ کوئی چند ایک کمروں کی کوٹھی نہیں تھی بلکہ اس کے بے شمار ہی کمرے تھے۔ بختی کو ایک پہلو میں کمرہ دیا گیا تھا۔ وہاں تو یہ عالم تھا کہ آدمی اس کوٹھی میں گم ہو جاتا تھا۔ بختی اپنے کمرے میں ہوتی تو سعید ایک یا دو مرتبہ اس کے پاس ضرور جاتا اور کبھی پلنگ پر لیٹ جاتا اور کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتا اور پلنگ پر بختی کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتا۔

اس نے بختی کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی پیدا کر لی تھی۔ بختی بچ بچ کر اس کے ساتھ بے تکلفی کی باتیں کرتی تھی اور اسے ٹالنے میں بختی کے لیے اچھی خاصی دشواری پیدا ہو جاتی تھی۔ بختی کو ڈر یہ لگا ہوا تھا کہ کسی روز چوہدری نے یا چوہدرانی نے سعید کو بختی کے کمرے میں دیکھ لیا تو وہ سارا الزام بختی کے منہ پر تھوپ دیں گے کہ اس نے ان کے بیٹے کو پھانس رکھا ہے۔ بختی کے لیے سب سے بڑا اور پیچیدہ مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ اس گھر سے کسی وجہ سے نکل جاتی تو جاتی کہاں۔ اللہ اللہ کر کے اسے ایک پناہ ملی تھی۔

ایک روز بختی نے سعید کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اسے سمجھانے لگی کہ وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے اور جہاں اس کی منگنی ہوئی ہے وہاں جلدی شادی کر لے تاکہ اس کی اپنی ذاتی کوئی زندگی بن جائے۔

''اس منگنی کو بھول جاؤ'' ــــ سعید نے کہا ــــ ''میں نے تمہارے ساتھ شاد

کرنے کا پکا ارادہ کر رکھا ہے‘‘۔

بختی نے اس سے پوچھا کہ اس نے اپنے ابو اور امی کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کیا ہے یا اپنے طور پر ہی فیصلہ کیے بیٹھا ہے؟...... سعید نے کہا کہ وہ جس روز چاہے گا ابو امی کو بتا دے گا۔

بختی نے صاف طور پر محسوس کر لیا کہ سعید نہ عقل کی بات سمجھ سکتا ہے نہ کر سکتا ہے۔ وہ بختی کے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا اور بختی جان گئی تھی کہ وہ کیا کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔ کمرے میں ہی نہیں، سعید کا یہ معمول بن گیا تھا کہ بختی باورچی خانے میں ہوتی تو وہاں بھی اس کے پاس جا کھڑا ہوتا اور فضول باتیں شروع کر دیتا تھا۔ تین چار مرتبہ یوں بھی ہوا کہ ماں نے اسے آواز دے کر بلا لیا۔ بختی سمجھ گئی کہ اس کی ماں سعید کا بختی کے پاس یوں کھڑے رہنا اچھا نہیں سمجھتی۔

+ + +

ایک روز سعید دن کے پچھلے پہر بختی کے کمرے میں گیا۔ بختی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اچانک اس کی آنکھ یوں کھل گئی جیسے اسے کسی نے جگایا ہو۔ اس نے دیکھا سعید اس کے پاس پلنگ پر لیٹ گیا تھا اور اس کی بازو کھینچ رہا تھا۔

بختی کود کر پلنگ سے اٹھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے غصے کی حالت میں سعید سے کہا کہ وہ اس کے پلنگ سے اٹھ جائے اور آئندہ ایسی بے ہودہ حرکت نہ کرے۔ بختی نے غصہ تو جھاڑ دیا تھا لیکن اس کا دل اس گھبراہٹ کے شکنجے میں آ گیا کہ سعید نے غصے کا جواب غصے سے دیا تو یہ بختی کے لیے ٹھیک نہ ہو گا لیکن سعید بے وقوف بھی تھا اور ڈھیٹ بھی۔ وہ ہنس پڑا اور اٹھ بیٹھا۔

بختی نے اپنا انداز بدل کر نرم کر لیا اور اسے سمجھانے بیٹھ گئی لیکن سعید کچھ بھی سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ بختی نے سوچا کہ وہ کمرے میں رہی تو سعید زیادہ بے ہودگی پر اتر آئے گا۔ وہ بہانہ کر کے باورچی خانے میں گئی اور پھر اس کی ماں کے پاس جا بیٹھی۔

بختی کے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت ہی مشکل ہو گیا کہ وہ سعید کی ماں کو بتائے یا نہ بتائے۔ بار بار یہی خیال ذہن میں آتا تھا کہ نہ بتایا تو کسی بھی وقت چوہدرانی سعید کو بختی کے ساتھ قابلِ اعتراض حرکتیں کرتے دیکھ سکتی ہے اور اس کا نتیجہ بختی کے لیے ٹھیک نہیں ہو

گا۔ اسے ڈر تو یہ تھا کہ اتنے بڑے چوہدری اپنے بیٹے کو بے قصور اور معصوم ہی کہیں گے حالانکہ چوہدری نے خود بختی سے کہا تھا کہ اس کے بیٹے سے دور ہی رہے۔

بختی نے سعید کی ماں کے ساتھ سعید کی شادی کی بات چھیڑ دی۔ چوہدرانی نے کہا کہ وہ شادی جلدی کرنا چاہتے ہیں لیکن لڑکی والوں کی طرف سے کچھ دیر ہو رہی ہے۔

’’خالہ جان!‘‘ ___ بختی نے چوہدرانی سے کہا ___ ’’کیا آپ نے سعید سے کبھی پوچھا بھی ہے یا نہیں کہ اسے وہ لڑکی پسند ہے جس کے ساتھ اس کی منگنی ہوئی ہے؟‘‘

’’معلوم ہوتا ہے سعید نے تمہارے ساتھ اس سلسلے میں کوئی بات کی ہے‘‘ ___ چوہدرانی نے کہا ___ ’’میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تمہارے کمرے میں گھسا رہتا ہے اور تم باورچی خانے میں ہوتی ہو تو وہاں جا پہنچتا ہے...... اگر کوئی خاص بات ہے تو مجھے بتا دو۔ یہ لڑکا دراصل لاڈ اور پیار سے کچھ بگڑ گیا ہے‘‘۔

بختی نے ہمیں سنایا کہ چوہدرانی کے انداز سے کچھ یوں لگتا تا جیسے اسے بختی پر شک تھا کہ بختی سعید کو اپنے ساتھ شادی کرانے کے لیے گھیر رہی ہو۔

’’خالہ جان!‘‘ ___ بختی نے کہا ___ ’’کوئی بات ہی ہے تو میں نے آپ کے ساتھ بات کی ہے لیکن ڈرتی ہوں کہ آپ یہ نہ شک کر بیٹھیں کہ میں آپ کے بیٹے پر الزام لگا رہی ہوں‘‘۔

چوہدرانی نے بختی کی پوری بات سنے بغیر اسے یقین دلایا کہ وہ ایسا شک ہرگز نہیں کرے گی بلکہ وہ اپنے بیٹے کے متعلق معلوم کرنا چاہتی ہے کہ شادی کے معاملے میں اس کا ارادہ اور خیال کیا ہے۔

’’مجھے اس کا ارادہ اور خیال ٹھیک نظر نہیں آتا خالہ جان!‘‘ ___ بختی نے کہا ___ ’’آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ وہ ہر وقت میرے کمرے میں گھسا رہتا ہے اور باورچی خانے میں میرے پاس آن کھڑا ہوتا ہے۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے میں پلنگ پر لیٹی تو میری آنکھ لگ گئی۔ کسی کے ہلانے جلانے پر میں جاگ اٹھی تو دیکھا سعید میرے پاس لیٹا میرا بازو کھینچ رہا ہے۔ میں تو خالہ جان، گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے سمجھانے لگی کہ تم فوراً شادی کر لو، منگنی تو تمہاری ہو ہی چکی ہے......

’’یقین کریں خالہ جان، اس نے کہا کہ وہ اس جگہ شادی نہیں کرے گا جہاں اس کی

منگنی ہوئی ہے بلکہ وہ مجھے شادی کے لیے رضا مند کر رہا ہے اور میں نے اسے کہہ دیا کہ وہ اپنے خاندان کی سطح کا خیال رکھے اور وہیں شادی کرے جہاں امی ابو نے منگنی کروائی ہے لیکن وہ تو بات سنتا ہی نہیں اور میرے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ چوہدری صاحب نے تو مجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ سعید سے دور دور رہنا۔ میں تو دور دور ہی رہتی ہوں خالہ جان، لیکن سعید کو اپنے کمرے میں آنے سے تو نہیں روک سکتی...... میں یہ بھی بتا دیتی ہوں خالہ جان کہ میں شکایت نہیں کر رہی بلکہ آپ کو بتا رہی ہوں کہ منگنی اور شادی کے معاملے میں سعید کا خیال کیا ہے''۔

بختی نے یہ بات کہہ تو دی لیکن ڈر گئی کہ چوہدرانی کو اچھی نہیں لگی ہوگی کہ اس کے بیٹے کے خلاف بات کی گئی ہے۔ چوہدرانی کچھ دیر خاموش رہی۔ یہ چند سیکنڈ بختی کے لیے بڑی ہی پریشانی کا وقت تھا۔ آخر چوہدرانی نے بات کی تو بختی کی تسلی ہوگئی۔ اس نے کہا کہ وہ اپنے بیٹے کی ایسی حرکتوں سے بڑی اچھی طرح واقف ہے۔ چوہدرانی کو بختی کی یہ بات بھی اچھی لگی کہ بختی سعید کے ہاتھ چڑھ جانے کی بجائے اسے سمجھاتی ہے اور اس سے دور ہٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ چوہدرانی کی باتوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے بختی پر کوئی شک نہیں۔

چوہدرانی اور چوہدری کے لیے منگنی اور شادی کے متعلق ان کے بیٹے کا یہ رویہ پریشان کن تھا۔ بختی کو یہ بھی پتہ چلا کہ سعید نے یہ منگنی ہنسی خوشی کروالی تھی اور ایک دو مرتبہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کی شادی جلدی کر دی جائے لیکن بختی کو دیکھ کر اس کا ارادہ ہی بدل گیا۔

+ + +

تین چار دنوں بعد چوہدری کے گھر میں کھچاؤ سا پیدا ہوگیا۔ سب سے پہلے تو یوں ہوا کہ سعید بختی کے کمرے میں گیا اور اس سے پوچھا کیا اس نے اس کے ابو امی کو بتایا ہے کہ وہ وہاں شادی نہیں کرنا چاہتا جہاں اس کی منگنی ہوئی ہے؟ اور پھر اس نے بختی پر غصہ جھاڑا کہ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بختی کے کمرے آتا جاتا رہتا ہے۔

بختی کی تو جیسے کمبختی آگئی۔ وہ سعید کے ماں باپ کو مزید شکایت کرنے سے گھبراتی تھی اور سعید کو مطمئن کرنا بھی اس کے لیے ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ بہرحال بختی نے سعید کی جو

کمزوریاں دیکھ لی تھیں، انہیں عقلمندی سے استعمال کیا اور اسے یہ تاثر دیا کہ اس کے امی ابو اس کی شادی وہیں کروانا چاہتے ہیں جہاں اس کی منگنی ہوئی ہے اور انہیں شک ہوگیا ہے کہ سعید بختی کو چاہتا ہے۔

اس سے بختی کو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ سعید کو اس پر جو غصہ تھا وہ ٹھنڈا ہوگیا لیکن اس غصے کا رخ سعید نے اپنے امی اور ابو کی طرف کر دیا۔ وہی چوہدری جو دوسروں کے لئے بڑا جابر شخص بنا رہتا تھا، اپنے بیٹے کے سامنے ریت کی ڈھیری بن گیا۔ بیٹے کو اپنے ماں باپ کی اس کمزوری کا پوری طرح احساس تھا اور اسے وہ اپنے مطلب کے لیے استعمال کر رہا تھا۔

چوہدری اور چوہدرانی نے آخر اسے یہ کہہ کر راضی کر لیا کہ ابھی تو لڑکی والے خود کہہ رہے ہیں کہ شادی ذرا دیر سے کریں گے، تھوڑا عرصہ گزرنے دو تو اسی کو بہانہ بنا کر منگنی توڑ دیں گے۔ یہ بات سن کر سعید ٹھنڈا پڑ گیا حالانکہ چوہدری اور چوہدرانی کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ کسی قیمت پر یہ منگنی نہیں توڑنا چاہتے تھے۔

سعید اس وقت تو مطمئن ہوگیا لیکن چوہدری اور چوہدرانی کا سکون اور اطمینان تباہ ہوگیا۔ بختی کو پتہ چلا کہ جہاں منگنی کی گئی ہے وہ لوگ بڑی اونچی حیثیت والے ہیں اور ان کے ساتھ رشتہ داری کر کے چوہدری کی حیثیت بھی زیادہ بہتر ہو جائے گی۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ منگنی توڑنا کوئی آسان بات بھی نہیں ہوتی اور یہ کوئی عزت والی بات بھی نہیں سمجھی جاتی۔ چوہدری اور چوہدرانی تو اس پر بھی خوش تھے کہ ان کے اس بگڑے ہوئے بیٹے کو لڑکی والوں نے قبول کر لیا تھا۔ یہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ سعید اخلاقی لحاظ سے بھی ٹھیک لڑکا نہیں تھا۔

اپنے ماں باپ کا فیصلہ سن کر سعید بہت ہی خوش ہوا اور اپنی ڈگر پر پھر چل پڑا۔ اس نے چوہدری اور چوہدرانی سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ بختی کے ساتھ شادی کرے گا۔ بختی کے لیے یہ مشکل پیدا ہوگئی کہ وہ اب سعید کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اپنی منگیتر کے ساتھ شادی کرے۔ وہ تو اسے ماں باپ کا فیصلہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس کی شادی بختی کے ساتھ ہوگی۔

اب غور فرمائیں کہ بڑے بڑے جابر اور دانشمند آدمی حالات کے ہاتھوں اس قدر مجبور اور بے بس ہو جاتے ہیں کہ وہ تنکوں کے سہارے ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ چوہدرانی کو

کسی سیانے نے کہا داتا دربار میں پلاؤ کی تین دیگوں کا صدقہ دیں اور وہاں اپنے بیٹے کے لیے دعا کریں کہ وہ ان کا فیصلہ مان لے۔ چوہدرانی نے چوہدری کو بتایا اور اگلے ہی روز دونوں میاں بیوی تین دیگیں پلاؤ پکوا کر داتا دربار دے آئے اور دعا بھی کی۔

دو تین دنوں بعد چوہدرانی کو ہی کسی نے ایک بزرگ شاہ جی کا ایڈریس دیا اور کہا کہ ان کے پاس جا کر اپنا مسئلہ بیان کریں۔ چوہدرانی بختی کو ساتھ لے کر گئی۔ وہ بزرگ مل گیا اور چوہدرانی نے اسے اپنا مسئلہ سنایا۔ یہ بھی بتا دیا کہ اس کا بیٹا اس لڑکی یعنی بختی کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور یہ لڑکی اس وجہ سے بہت پریشان ہے کہ یہ بھی چاہتی ہے کہ لڑکا وہیں شادی کرے جہاں اس کی منگنی ہوئی ہے۔

اس بزرگ شاہ نے دو تعویذ دیئے اور سات کاغذوں پر کچھ لکھ کر ان کی بتیاں بنائیں اور چوہدرانی کو دے کر بتایا کہ انہیں کس طرح استعمال کرنا ہے۔ چوہدرانی نے اسے پچاس روپے دیئے۔ اس وقت کے پچاس روپے آج کے پانچ سو روپوں کے برابر تھے۔

اگلے سات روز چوہدرانی ہر رات ایک بتی جلا کر کوٹھی کے اندر دھواں پھیلاتی رہی۔ ایک تعویذ سعید کے پلنگ کے ایک پائے کے نیچے رکھ دیا اور دوسرا تعویذ ایک بوتل میں ڈال کر اس میں پانی ڈالا گیا جو صبح شام سعید کو بغیر بتائے پلایا جاتا تھا۔

کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور چوہدرانی کو کسی نے قصور کا کوئی عامل بتایا اور وہ بختی کو ساتھ لے کر وہاں جا پہنچی اور اپنا رونا رویا۔ اس عامل نے بھی تعویذ وغیرہ دیئے اور بختی سے پچاس روپے وصول کر لئے۔

ایک روز سعید گھر نہیں تھا۔ چوہدری اور چوہدرانی نے بختی کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑے پیار سے بات کی۔ بات یہ کی کہ بختی جب سعید کے سامنے نہیں تھی تو وہ اس منگنی پر بہت خوش تھا۔ اب بختی اس کے سامنے آگئی ہے تو وہ پھر منگنی سے بگڑ گیا ہے۔

بختی نے یہ بات سنی تو بولی کہ یہ اس نے خود بھی دیکھا ہے۔ اب سعید یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ منگنی منسوخ ہو جائے گی اور اس کی شادی بختی کے ساتھ ہوگی۔ یہ سوچ کر اب وہ بختی کے کمرے میں پہلے سے زیادہ دیر رہتا ہے۔ بختی نے صاف طور پر چوہدری اور چوہدرانی کو بتا دیا کہ سعید اس کے ساتھ نا روا حرکتیں بھی کرنے لگا ہے اور اسے پیسے بھی پیش کرتا ہے جو بختی قبول نہیں کرتی۔

''بختی بیٹی!'' ـــــ چوہدری نے کہا ـــــ ''اگر تم یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہیں اپنے گھر سے نکال رہے ہیں تو میں ایک تجویز پیش کروں ...... ہمارے ایک ملنے والے لوگ ہیں۔ ان کے رہن سہن کا معیار یہی سمجھو جو ہمارا ہے۔ وہ بھی چوہدری کہلاتے ہیں۔ چوہدرانی مفلوج پڑی ہے۔ گھر میں نوکر چاکر تو ہیں لیکن چوہدرانی چاہتی ہے کہ اسے کوئی پڑھی لکھی خاتون مل جائے جو اس کی اور گھر کی دیکھ بھال کرتی رہے۔ ہم دونوں نے اس کے ساتھ بات پکی کر لی ہے اور تمہارے متعلق بتایا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہم تمہیں اس کے پاس بھیج دیں''۔

چوہدری نے بختی کو بتایا کہ وہاں کام کیا ہوگا اور یہ بھی بتایا کہ اس کی حیثیت ایک عام قسم کی نوکرانی کی سی نہیں ہوگی۔ اسی کوٹھی میں الگ کمرہ ہوگا اور اچھی خاصی تنخواہ ملے گی اور اس کا کام کاج بھی نوکر نوکرانیاں کریں گی۔

چوہدری نے بختی کو یہ بھی بتایا کہ اس نے اس مفلوج چوہدرانی کو اس کے خاوند کو اور اس کے گھر کے ہر فرد کو بختی کے متعلق ہر ایک بات بتا دی ہے اور خاص طور پر یہ بتایا ہے کہ بختی کسی غریب گھرانے کی لڑکی نہیں بلکہ ایک پُر وقار اور معزز گھرانے کی بیٹی ہے اور اکیلی رہ گئی ہے۔ بختی کے اخلاق اور دیگر اچھی عادات کے متعلق بھی انہیں بتا دیا گیا تھا۔ پھر چوہدری نے بختی سے کہا کہ اس کی شادی کی ذمہ داری وہ خود لے رہا ہے اور کوئی اچھا گھرانہ ملتے ہی اس کی شادی کرا دی جائے گی۔

بختی نے یہ بات فوراً قبول کر لی۔ یہ تو اسے معلوم تھا کہ چوہدری اور چوہدرانی اپنے بیٹے کو سیدھے راستے پر رکھنے کے لیے یہ انتظام کر رہے ہیں لیکن بختی اس لئے زیادہ خوش تھی کہ وہ سعید سے دور جا رہی ہے۔ وہ ڈرتی تھی کہ سعید کسی بھی وقت اس کے خلاف کوئی غلط فہمی پیدا کر سکتا ہے۔

+ + +

اسی شام چوہدری اور چوہدرانی بختی کو اپنے ساتھ ان چوہدریوں کے گھر لے گئے۔ چوہدرانی نے بختی کو تین جوڑے کپڑے سلوا دیئے تھے، جوتیوں کے دو جوڑے بھی لے دیئے تھے اور کچھ پیسے بھی دیئے۔ اس طرح بختی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں داخل ہوئی۔

یہ کوٹھی چوہدری کی کوٹھی سے خاصی دور تھی لیکن اسی علاقے میں تھی۔ یہ بھی خاصی وسیع

وعریض کوٹھی تھی اور پہلے چوہدری کی کوٹھی کی طرح ہی شاہانہ تھی۔ شام کے کھانے کے بعد مفلوج چوہدرانی نے بختی کو اپنے پاس بٹھالیا۔

یہ لوگ مہاجر نہیں مقامی تھے اور یہ بھی لینڈ لارڈ تھے۔ سعید کے ماں باپ کے ساتھ ان کے پرانے مراسم چلے آرہے تھے۔ پاکستان سے پہلے سعید کا باپ اکثر لاہور آتا رہتا تھا۔ اسے چوہدری نے یہ کوٹھی اور زمین الاٹ کروائی تھی اور اسے بڑی جلدی آباد کر دیا تھا۔ ویسے یہ لوگ بھی اسی قسم کے چوہدری تھے جیسے پاکستان میں عام پائے جاتے ہیں۔

اس چوہدرانی کو چند مہینے پہلے فالج کا حملہ ہوا تھا۔ علاج ہوتا رہا جس کا صرف اتنا فائدہ ہوا کہ فالج کچھ بازو اور ہاتھ میں رہ گیا اور کچھ ٹانگ کے نیچے والے حصے میں۔ یہ بایاں حصہ تھا۔ چوہدرانی اب اٹھتی تھی اور آہستہ آہستہ چل بھی لیتی تھی لیکن چھڑی کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اس کی عمر تقریباً چالیس سال تھی اور وہ بڑی ہی اچھی اور پُر وقار شکل وصورت والی عورت تھی۔

چوہدرانی نے اسی طرح آہستہ آہستہ چلتے بختی کو ساری کوٹھی میں گھمایا اور پھر واپس کمرے میں لاکر بتایا کہ اس کا کام کیا ہوگا۔ مختصراً کام یہ تھا کہ نوکروں کی نگرانی کرنی ہے اور باورچی خانے کا حساب کتاب اپنے ہاتھوں میں رکھنا ہے۔ روزانہ سودا سلف ایک نوکر لاتا تھا جس پر چوہدرانی کو اعتماد نہیں تھا۔ چوہدرانی نے بختی سے کہا کہ سودا سلف وہ خود لایا کرے اور حساب اپنے پاس رکھا کرے۔

چوہدرانی کے دو بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا راولپنڈی میں ایک سرکاری محکمے میں افسر تھا اور اسے وہاں سرکاری رہائش گاہ ملی ہوئی تھی۔ اس کی بیوی اس کے ساتھ تھی۔ دوسرا بیٹا بائیس تیئس سال عمر کا تھا۔ وہ اسی کوٹھی میں رہتا تھا۔ دو بیٹیاں تھیں۔ دونوں کی شادی ہوگئی تھی، ابھی چھ سات مہینے ہی گزرے تھے۔ ان کے جانے کے بعد چوہدرانی نے بختی جیسی کسی عورت کی ضرورت محسوس کی تھی۔

چوہدری عموماً اپنی زمینوں پر رہتا تھا جو منٹگمری (ساہیوال) کے علاقے میں تھیں۔ گھر میں زیادہ تر چوہدرانی کا چھوٹا بیٹا رہتا تھا جس کی عمر بائیس تیئس سال تھی اور اس کا نام اسحاق تھا اور ساقی کے نام سے مشہور تھا۔ گھر میں سب اسے ساقی کہتے تھے۔ وہ بظاہر سعید جیسا ہی تھا لیکن جسمانی لحاظ سے، طبعاً اور عادتاً سعید سے بالکل مختلف تھا۔ زندہ دل

لڑکا تھا اور عقل و دانش بھی رکھتا تھا۔ دماغی لحاظ سے وہ تیز تھا ہی، جسمانی لحاظ سے وہ پھرتیلا اور ایتھلیٹ لگتا تھا۔

پہلے روز بختی سودا سلف لینے کے لیے مارکیٹ کو جانے لگی تو ساقی نے ماں سے کہا کہ وہ باجی کے ساتھ جائے گا کیونکہ باجی مارکیٹ سے پوری طرح واقف نہیں ہوگی۔ بختی خود رہنمائی کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ ساقی کے ساتھ مارکیٹ گئی۔ ساقی نے بختی کے ساتھ اس طرح باتیں شروع کر دیں جیسے وہ ایک دوسرے کو بڑے عرصے سے جانتے ہوں۔

ایک سعید تھا جسے بختی کہتی تھی کہ اس کے کمرے میں نہ آیا کرے اور ایک یہ نوجوان تھا جس کی باتیں اور خصوصاً باتیں کرنے کا انداز بہت ہی اچھا لگا اور وہ باتیں بھی اچھی اور دلچسپ قسم کی کر رہا تھا۔ مارکیٹ میں جا کر ساقی نے بختی کو وہ دکانیں اور سٹور دکھائے جہاں سے سودا سلف جاتا تھا۔ دو تین دکانداروں سے بختی کا تعارف بھی کرایا لیکن باعزت طریقے سے۔ یوں نہیں کہ یہ ہماری نوکرانی ہے بلکہ اس طرح جیسے یہ ان کے گھر کی انچارج ہے اور سودا سلف یہی لے جایا کرے گی۔

دن گزرنے لگے اور بختی نے اپنا کام خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔ چوہدرانی اسے اپنے پاس بٹھالیتی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی اور سنتی تھی۔ اس نے بختی سے ہجرت کی ساری داستان سنی اور بھرپور اور دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ دراصل چوہدرانی کی ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ وہ کہیں جا نہیں سکتی تھی اور اکیلے پڑے پڑے تنگ آجاتی تھی۔ اس کے ساتھ گپ شپ لگانے کے لیے ایک شائستہ قسم کی عورت کی ضرورت تھی جو اسے مل گئی۔

دو چار دنوں میں ہی ساقی بختی کے ساتھ بے تکلف ہوگیا لیکن اس نے کبھی کوئی اوچھی بات یا اوچھی حرکت نہ کی۔ اسے بختی ایک خوبی سمجھتی تھی۔

ساقی پہلی دفعہ بختی کے کمرے میں گیا تو بختی نے اسے بٹھالیا اور کچھ باتیں کہہ سن کر ساقی وہاں سے نکل آیا۔

کچھ دن اور گزرے تو ساقی کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہوگیا اور بختی اس بے تکلفی سے گھبرائی نہیں کیونکہ اس میں کسی بیہودہ حرکت یا بات کا عمل دخل نہ تھا لیکن دو چار دن اور گزرے ہوں گے کہ ساقی ایسی بے تکلفی پر اتر آیا جو ایک واضح اشارہ تھا اور بختی ایسے

اشاروں کو سمجھتی تھی۔

ایک روز ساقی نے ایک دو ایسی باتیں کیں اور ایک ایسی حرکت کی جس سے اس کی نیت بالکل صاف نظر آ گئی۔ بختی نے اسے بتایا کہ وہ کم از کم ساقی سے ایسی توقع نہیں رکھتی۔ ساقی نے فوراً پینترا بدلا اور یہ بات ہنسی مذاق میں ٹال دی لیکن بختی سمجھ گئی کہ اس لڑکے کی نیت صاف نہیں۔

پھر ساقی کی نیت روز بروز عیاں ہوتی چلی گئی اور ایک روز ساقی نے بختی سے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ اسے دل و جان سے چاہتا ہے اور اس سے عشق و محبت کی توقع رکھتا ہے۔ بختی کے لیے یہاں بھی وہی مشکل پیدا ہو گئی جو سعید نے اپنے گھر پیدا کر دی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ ساقی بات کرنے کا ڈھنگ جانتا تھا۔ بختی اب سوچنے لگی کہ ساقی کو کس طرح ایک حد کے اندر رکھا جائے۔

+ + +

بختی کو اس گھر میں آئے ہوئے ایک ہی مہینہ گزرا تھا۔ ایک روز وہ مارکیٹ گئی اور سودا سلف لے کر وہاں سے واپس چلی تو کسی نے اس کا نام لے کر پکارا۔ اس نے رک کر ادھر دیکھا تو اس کا دم خشک ہو گیا...... سعید اس کی طرف دوڑا آ رہا تھا۔ قریب آ کر اس نے بختی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ بلار کے بولے جا رہا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ اسے بتائے بغیر غائب ہو گئی تھی اور وہ اسے ڈھونڈتا رہا تھا۔ اس کے امی اور ابو بھی اسے کچھ نہیں بتاتے تھے۔

سعید بختی سے اس کے گھر کا ایڈریس پوچھنے لگا جو بختی بتانے سے گریز کر رہی تھی۔ بختی نے کہا کہ وہ اس کے گھر آ گیا تو گھر والے کوئی اور ہی شک کر لیں گے اور بختی اس طرح بدنام ہو کر کسی گھر سے نکلنے سے بہت ڈرتی تھی۔ سعید نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے گھر کبھی نہیں آئے گا مارکیٹ میں ہی مل لیا کرے گا۔ بختی بہت پریشان ہوئی اور اس نے ایڈریس تو نہ بتایا لیکن سعید اتنا ڈھیٹ تھا کہ ساتھ چلتا گیا اور بختی کی کوٹھی آ گئی۔ بختی زیادہ دیر باہر رک نہیں سکتی تھی کیونکہ گھر میں اسے نوکروں سے کام کاج کروانے تھے اور کھانا پکوانا تھا۔ اس طرح سعید نے بختی کا گھر دیکھ لیا۔

اس روز کے بعد سعید نے یہ معمولی بنا لیا کہ دوسرے تیسرے روز صبح سویرے

مارکیٹ پہنچ جاتا اور جب بختی سودا سلف لینے جاتی تو اسے روک لیتا۔ مارکیٹ میں چھوٹی سی ایک ریستوران تھی۔ سعید ہر روز تقاضا کرتا کہ بختی اس کے ساتھ ریستوران میں چلے۔ بختی ہر روز انکار کر دیتی لیکن سعید نے یہ رویہ اختیار کر لیا کہ اسے بازو سے پکڑ کر ریستوران میں لے جاتا۔ بختی نے اس لیے ساتھ چلی جاتی کہ کھینچا تانی کرے گی تو لوگ تماشا دیکھیں گے۔

اب بختی چکی کے دو پاٹوں میں پسنے لگی۔ گھر میں ساقی اس کے ساتھ قابلِ اعتراض دوستی لگانے کی بڑی شائستہ کوشش میں رہتا تھا اور باہر سعید اسی مقصد کے تحت اس کے ساتھ ایسی حرکتیں اور باتیں کرتا تھا جو کسی پہلو شائستہ نہیں تھیں۔ ایک دو مرتبہ بختی تنہائی میں بیٹھی اور اپنی یہ حالت دیکھی تو رو پڑی۔ اس نے سوچا کہ ساقی کی ماں کو اور سعید کی ماں کو بھی بتا دے کہ یہ دونوں لڑکے اس کا کیا حال کر رہے ہیں لیکن ڈر گئی کہ دو چوہدرانیاں اکٹھی بیٹھیں گی تو مل کر ساری سیاہی بختی کے منہ پر ہی نہ مل دیں۔

ایک روز تو بختی سو بھی نہ سکی۔ پریشانی ایسی حد تک جا پہنچی جہاں نیند غائب ہو جایا کرتی ہے۔ اس نے مجھے سنایا کہ پہلی بار اسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ اپنی اس خوبصورتی کو ایک حربے کے طور پر استعمال کرے۔ اس نے ایک طریقہ سوچ لیا۔

اگلی صبح وہ مارکیٹ گئی تو سعید وہاں ٹہل رہا تھا۔ بختی اسے الگ لے گئی اور بتایا کہ جس گھر میں وہ رہتی ہے وہاں ایک نوجوان ہے جو اسے بہت پریشان کرتا ہے اور اس کے ساتھ ناجائز دوستی لگانا چاہتا ہے۔ بختی نے سعید کو ساقی کے خلاف بھڑکا دیا۔ سعید نے کہا کہ شاید وہ اس لڑکے ساقی کو جانتا ہے اور وہ جس دن اس کے سامنے آیا اسے چھینٹی لگا دے گا۔

بختی واپس گھر گئی تو جب کام کاج سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں گئی تو ساقی کو اس نے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا۔ ساقی گیا تو بختی نے اسے سعید کے خلاف خوب بھڑکایا اور کہا کہ اس کے گھر سے اس لیے اسے نکلنا پڑا تھا کہ سعید اس کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ اب وہ مارکیٹ میں موجود ہوتا ہے اور اس کے ساتھ بدتمیزی اور بے ہودگی کرتا ہے۔

یہ بات سن کر ساقی آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے کہا کہ وہ سعید کو جانتا ہے لیکن ڈرنے والی کوئی بات نہیں۔ بختی نے اسے کہا اور یہی بات اس نے سعید سے بھی کہی تھی کہ یہ ظاہر نہ

ہو کہ ان کی اگر کہیں لڑائی ہو جائے یا آمنا سامنا ہو جائے تو یہ بختی کے پیچھے ہوا ہے۔ بختی کا مطلب یہ تھا کہ اس کا نام سامنے نہ آئے اور اس کی عزت محفوظ رہے۔

بختی نے پوری تفصیل کے ساتھ ذرا ذرا سی بات مجھے سنائی تھی جو میں بہت مختصر کر کے لکھ رہی ہوں۔ بختی نے بہت بڑی اور گہری چالاکی کھیلی تھی۔ ایک ہی روز بعد بختی مارکیٹ گئی تو ساقی اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ وہ مارکیٹ میں پہنچی تو سعید اس کے انتظار میں تھا اور اس کے قریب آ گیا۔ ادھر ساقی وہاں پہنچ گیا۔

ساقی نے سعید سے کہا کہ آئندہ وہ اس لڑکی کے قریب نہ آئے ورنہ باقی عمر پچھتاتا رہے گا۔ سعید نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔ ساقی نے یہ دانشمندی کی بختی کو ساتھ لے کر سودا سلف خریدا اور اسے کہا کہ وہ گھر چلی جائے۔ بختی گھر پہنچ گئی لیکن اس کے دل کو دھڑکا لگا رہا۔

آدھ گھنٹہ ہی گزرا ہوگا کہ ساقی گھر آیا۔ اس کی قمیض ایک دو جگہوں سے پھٹی ہوئی اور بازو سے خون نکل رہا تھا۔ اتفاق سے اس کا باپ گھر تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو پریشان ہو کر پوچھا یہ کیا ہوا ہے۔ چوہدرانی کو پتہ چلا تو وہ بھی چھڑی کے سہارے اپنے کمرے سے نکل آئی۔ ساقی نے بتایا کہ ایک لڑکے نے بدتمیزی کی تھی اور اس کے ساتھ لڑائی ہو گئی ہے۔

باپ ساقی کا خون صاف کر کے مرہم پٹی کرنے لگا اور جب کر چکا تو باہر کی گھنٹی بجی۔ ایک نوکر دوڑا آیا اور اس نے بتایا کہ تھانے سے ایک اے ایس آئی اور دو کانسٹیبل آئے ہیں۔ باپ باہر نکلا تو اے ایس آئی نے اسے بتایا کہ اس کے بیٹے نے فلاں چوہدری کے بیٹے کو چاقو مارے ہیں، یہ تو اچھا ہوا کہ چاقو بازو پر لگے ہیں لیکن کیس تو بہرحال بنتا ہے اس لیے اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

چوہدری اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے ساقی سے پوچھا کہ اس نے چاقو مارے ہیں؟...... ساقی نے بتا دیا کہ اس کی جیب میں چاقو تھا جو اب بھی ہے اور اس نے دو بار چاقو مارا ہے۔ باپ نے اس کی جیب سے چاقو نکال کر پھینک دیا اور اسے ساتھ لے کر اے ایس آئی کے ساتھ تھانے چلا گیا۔ ساقی کی مفلوج ماں اور بختی گھر پریشان ہونے کے لیے رہ گئی۔ بختی کو یہ پریشانی لگ گئی تھی کہ تھانے میں اس کا نام سامنے نہ آ جائے کہ اس کی خاطر لڑائی ہوئی تھی۔ سعید بھی آخر ایک بڑے چوہدری کا بیٹا تھا اور اسے چاقو لگے تھے اس لیے

وہ تھانے چلا گیا۔

ساقی نے ماں اور باپ کو بتا دیا تھا کہ جسے اس نے چاقو مارے ہیں اس نے بھی اسے چاقو مارا تھا اور وہ اس چوہدری کا بیٹا ہے جس نے بختی کو ہمارے ہاں بھیجا تھا۔ اب یہ چوہدرانی اس وجہ سے بھی پریشان تھی کہ اس خاندان کے ساتھ ان کے اچھے خاصے دوستانہ مراسم تھے۔ ان لڑکوں کا یہ خونریز معرکہ بہت ہی برے نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ چوہدرانی اور بختی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ تھانے میں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا۔

* * *

تنہائی تو کسی کے لیے بھی اچھی نہیں ہوتی لیکن کسی عورت کو اللہ تنہا اور بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔ وہ عورت تو بہت ہی بدقسمت ہوتی ہے جو بختی کی طرح خوبصورت بھی ہو جوان بھی ہو اور اکیلی رہ جائے، کوئی دور کا رشتہ دار بھی زندہ نہ ہو۔

بختی کو اتنی بڑی حیثیت والے امیر گھرانے میں پناہ مل گئی تھی اور اس گھر کی مفلوج چوہدرانی نے گھر میں اسے باعزت مقام دے دیا تھا لیکن بختی نے ان اونچے چوہدریوں کے گھروں کی جو باتیں سنی تھیں وہ عملی طور پر اس کے سامنے آنے لگیں اور وہ ان کی لپیٹ میں آگئی۔ دو چوہدری خاندانوں کے لڑکے اس پر جھپٹ پڑے تھے اور اسے خطرہ یہی نظر آرہا تھا کہ قصوروار اسی کو ٹھہرایا جائے گا کہ ان کے لڑکوں کو خراب کر رہی ہے۔

اب تو ان چوہدریوں کے لڑکوں میں چاقو چل گئے تھے اور معاملہ تھانے جا پہنچا تھا۔ یہ بختی کی اپنی بنائی ہوئی سکیم کی کامیابی تھی لیکن اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جائے گی اور اس کے بعد نہ جانے کیسی صورتِ حال پیدا ہو جائے۔ بختی نے کی تو دلیری تھی، اس میں دانشمندی اور خودداری بھی تھی لیکن مردوں کو ایک دوسرے کے خلاف نچانے کا تجربہ حاصل نہ تھا۔

ساقی نے اپنی ماں کو اور اپنے باپ کو نہیں بتایا کہ سعید کے ساتھ اس کی لڑائی کس بات پر ہوئی تھی۔ ساقی کو پولیس لے گئی اور اس کا باپ بھی ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ ساقی کی ماں کا رونا اور تڑپنا بختی سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ یہ چوہدرانی اگر فالج زدہ نہ ہوتی تو اپنے بیٹے کے پیچھے دوڑتی تھانے پہنچ جاتی۔

اس چوہدرانی کا ایک غم یہ تھا کہ اس کے بیٹے کو چاقو بھی لگے تھے اور پولیس اس کو پکڑ کر لے گئی تھی، اور اس کی دوسری پریشانی یہ تھی کہ اس کے بیٹے کی لڑائی سعید کے ساتھ ہوئی

اور ساقی نے سعید کو چاقو مارے تھے اور سعید کے والدین کے ساتھ ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ اس دوستی کو اب دشمنی میں بدل جانا تھا۔

''معلوم نہیں اس سعید بدبخت کو کتنے گہرے چاقو لگے ہیں''—— چوہدرانی نے کئی بار کہا—— ''وہ مر گیا تو میرا بیٹا پھانسی چڑھ جائے گا''۔

''اللہ رحم کرے خالہ جان!''—— بختی نے کہا—— ''اس چھوٹے سے چاقو سے کوئی نہیں مرتا۔ لڑکے آپس میں لڑے ہیں۔ جیسا ذرا سا زخم ساقی کو آیا ہے ایسے ہی ایک دو زخم سعید کو آئے ہوں گے''۔

چوہدرانی کو ایسی باتیں ذرا سی بھی تسلی تشفی نہیں دے سکتی تھیں۔ وہ تڑپتی رہی روتی رہی۔

بختی چوہدرانی کو تو تسلیاں دے رہی تھی لیکن اس کی اپنی ذہنی حالت نارمل نہیں رہی تھی۔ سعید اور ساقی کے زخمی ہونے کا اسے ذرا سا بھی غم نہیں تھا، اسے بے چینی یہ لاحق تھی کہ تھانے میں یہ بات تو ضرور ہوگی کہ لڑائی کی وجہ کیا ہے۔ یہ وجہ بیان ہوگی تو بختی کا نام سامنے آئے گا اور یہ راز کھلنے کا بھی خطرہ ہے کہ یہ دونوں بختی پر لڑے ہیں اور یہ راز بھی پولیس کے سامنے آسکتا ہے کہ انہیں بختی نے ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر لڑایا ہے۔

بختی قانون سے واقف نہیں تھی، وہ اپنی ذات کے اندر ہی اندر خوف سے کانپ رہی تھی کہ پولیس اُسے گرفتار کرلے گی۔ سزا بھی ملے گی اور بدنامی الگ ہوگی اور پھر جیل میں اس کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک ہو اور وہ جیل سے نکلے گی تو کہاں جائے گی اور کون اسے پناہ دے گا۔

چوہدرانی کو تو وہ تسلیاں دے رہی تھی لیکن اسے تسلی دینے والا کوئی نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ کہ ناتجربہ کاری اور قانون سے لاعلمی اس کی پریشانی کو بڑھاتی چڑھاتی چلی جارہی تھی جیسے کوئی تنہائی میں بیٹھا کاغذ پر ہندسے لکھ کر ضربیں ہی دیتا چلا جارہا ہو۔

''میں نے آپ کو لدھیانہ سے لاہور کو ہجرت کا سفر سنایا ہے''—— بختی نے مجھے اس وقت کی بات سناتے ہوئے کہا—— ''میری زندگی میں اس سے زیادہ خطرناک وقت اور کیا آیا ہوگا۔ قدم قدم پر موت تھی یا اغوا کا خطرہ۔ میں ڈرتی تھی کہ کسی سکھ کے ہاتھ آگئی تو...... آپ خود ہی میرا انجام سوچ سکتی ہیں لیکن یہ دونوں لڑکے میرے اکسانے پر لڑے، زخمی

ہوئے اور تھانے گئے تو میں ہجرت کا خوفناک سفر بھی بھول گئی‘‘۔

’’یہ اس لیے خالہ!‘‘ — میں نے کہا — ’’کہ وہاں آپ اپنی مدد آپ کر سکتی تھیں، اپنے آپ کو چھپا سکتی تھیں مگر یہاں آپ کے لیے اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اپنے بچاؤ کی آپ کوئی صورت پیدا کر ہی نہیں سکتی تھیں‘‘۔

’’کبھی یوں لگتا جیسے کسی نے میرا گلا دبا لیا ہے‘‘ — بختی نے اپنی اس وقت کی ذہنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا — ’’اور کبھی یوں جیسے میرا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا ہے اور میں اب سانس نہیں لے سکوں گی۔ یہی ایک خوف مجھے بڑے گہرے دریا میں ڈبو رہا تھا کہ مجھے گرفتار کر لیں گے اور میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی ...... میں سوچتی تھی کہ وہ کیسی عورتیں ہیں جو مردوں کو لڑا کر قتل تک کروا دیتی ہیں اور معصوم اور بے گناہ بنی رہتی ہیں۔ کسی کو ان پر شک ہی نہیں ہوتا‘‘۔

بختی نے سنایا کہ اس نے وہاں سے بھاگ جانے کی بھی سوچی لیکن کہاں؟...... جاتی کہاں؟ کوئی جائے پناہ نہیں تھی سوائے ریفیوجی کیمپ کے لیکن اب اس کیمپ میں وہ پہلے والی بات نہیں رہی تھی بلکہ وہاں ایسے خطرے بھی پیدا ہو گئے تھے کہ کسی وقت بھی کوئی بختی کو ورغلا کر یا جھانسہ دے کر کسی غلط جگہ پہنچا سکتا تھا۔

بختی نے خودکشی تک کی بھی سوچ لی۔ اس ذہنی کیفیت میں اسے ماں یاد آئی اور وہ ایسی روئی کہ چوہدرانی اپنا غم فکر بھول کر بختی کو بہلانے لگی۔ چوہدرانی یہ سمجھتی تھی کہ بختی اس کے بیٹے کے لیے پریشان ہو رہی ہے۔ بختی کو تو وہ پہلے ہی پسند کرتی تھی، اب اس کے دل میں بختی کا پیار اور زیادہ ہو گیا۔ چوہدرانی کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان لڑکیوں کی لڑائی کا اصل باعث بختی ہی ہے۔

سوائے اللہ کی ذات کے بختی کا پُرسانِ حال کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے چوہدرانی سے کہا کہ وہ نفل پڑھنا چاہتی ہے، اللہ کرے یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ چوہدرانی کو اس کا یہ خیال بہت ہی اچھا لگا اور اس نے بختی سے بڑے پیار سے کہا کہ وہ رونا ہی چاہتی ہے تو اللہ کے حضور روئے اور اس کے بیٹے کی نجات کے لیے دعا کرے۔

بختی نے جا کر وضو کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جائے نماز بچھا کر نفل شروع کیے تو اس کی سسکیاں اور پھر ہچکیاں نکلنے لگیں۔ اس کے لیے نماز پڑھنا محال ہو گیا پھر بھی وہ

پڑھتی رہی۔

ہر دو نفل بعد وہ اللہ کے حضور دوپٹہ پھیلا کر دعا کرتی تھی کہ اللہ اسے اس طوفان سے نکال لے۔ اس نے دعا میں یہ بھی کہا کہ میں گناہگار ہوں تو مجھے اس سے بھی زیادہ سخت سزا دے لیکن میرے اللہ یہ لوگ مجھے گناہوں کا ذریعہ بنا کر میرے ایمان اور میری آبرو کو بھی گناہوں سے آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔

چند نفل پڑھ کر اس نے دعا میں کہا، یا اللہ میں تیری اس سرزمین پر اپنی عصمت بچا کر لائی ہوں جسے میں تیری امانت سمجھتی ہوں۔ اپنے نام کی لاج رکھ لے اور مجھے اپنی حفاظت میں لے لے۔

اسے یاد نہیں تھا کہ وہ کتنے نفل پڑھ چکی ہے، البتہ آج تک اسے یہ یاد ہے کہ اس نے اپنی ذات میں یا اپنی روح میں سکون سا محسوس کیا تھا اور یہ یقین بھی اس کی ذات میں ابھرنے لگا کہ اللہ نے اس کی سن لی ہے اور نجات کا کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔

جائے نماز لپیٹ کر وہ کمرے میں ہی بیٹھ گئی اور فرار کے راستے دیکھنے لگی۔

اسے ایک اور آدمی یاد آ گیا۔ بختی نے کہا تھا کہ کیمپ کی زندگی میں ایک اور کردار داخل ہوا تھا جس کا وہ ابھی دانستہ ذکر نہیں کر رہی تھی۔ بختی نے کہا تھا کہ اس کا ذکر آگے چل کر کرے گی اور یہ ایک ایسا کردار تھا جس نے آگے چل کر اس کی زندگی میں بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔

اب بھی اس نے اس شخص کا ذکر کیا تو مختصر سا ہی کیا۔ اس نے اس کا نام پرویز بتایا۔ عمر میں اس سے دو تین سال بڑا ہی تھا۔ یہ اسے کیمپ میں ملتا رہتا تھا۔ اس کی باتوں میں سنجیدگی سی تھی اور اسے کچھ ایسے احساس بھی نہیں تھا کہ بختی کتنی خوبصورت اور جوان لڑکی ہے اور بالکل تنہا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ بختی کو اچھا لگتا تھا لیکن اس اچھا لگنے میں بھی ایک پُروقار سنجیدگی تھی۔

پرویز ترن تارن ضلع امرتسر کا مہاجر تھا اور اکیلا لاہور پہنچا تھا۔ اپنے خاندان کے متعلق اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ زندہ ہیں یا سب کے سب شہید ہو گئے ہیں یا بکھر گئے ہیں۔

ترن تارن اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ تو قتل و غارت کا مرکز تھا۔ وہاں سے وہی مسلمان زندہ نکل سکے تھے جو کچھ پہلے نکل آئے تھے۔ جو کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر رکے

رہے وہ وہیں قتل کر دیے گئے۔

پرویز کو یقین نہیں تھا کہ اس کے خاندان کا کوئی ایک بھی فرد زندہ ہوگا پھر بھی وہ دل میں آس امید کی شمع جلائے والٹن ریفیوجی کیمپ میں گھومتا پھرتا رہتا تھا، شاید کوئی اپنا نظر آجائے یا ترن تارن کا ہی کوئی بندہ مل جائے لیکن وہاں وہ کسی سے پوچھ بیٹھتا کہ ترن تارن سے تو نہیں آئے تو اسے جواب ملتا——"نہیں"۔

نہیں سے زیادہ کسی کے منہ سے کوئی بات ہی نہیں نکلتی تھی۔ ایک روز ایک مہاجر سے وہ ترن تارن کے متعلق پوچھ بیٹھا۔

"ترن تارن؟"——اس آدمی نے حیرت اور خوفزدگی کے ملے جلے تاثرات سے کہا——"ترن تارن کی پوچھتے ہو؟...... وہاں تو مسلمانوں کا کوئی کتا بھی سکھوں نے زندہ نہیں چھوڑا...... بھول جاؤ...... ترن تارن کو اور وہاں کے مسلمانوں کو دماغ سے نکال دو"۔

اس کے بعد پرویز کو جرأت نہ ہوئی کہ کسی سے ترن تارن کے متعلق پوچھتا۔ پھر بھی اس نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

یہ باتیں پرویز نے بختی کو پہلی ملاقات پر سنائی تھیں۔ ان کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب سعید بختی کو بتائے بغیر چلا گیا اور اسے اکیلا چھوڑ گیا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ بختی انتہائی پریشانی، مایوسی اور اداسی کے عالم میں کیمپ میں گھومتی پھرتی کیمپ سے کچھ دور چلی گئی اور ریلوے لائن تک جا پہنچی۔ غموں کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ اسے ایک شخص اس حالت میں بیٹھا نظر آیا کہ اس نے سر گھٹنوں میں دے رکھا تھا اور دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہوئے تھے۔ وہاں کسی مرد یا عورت کا یوں غموں سے نڈھال ہو کر بیٹھنا کوئی عجیب یا انہونی بات نہیں تھی۔ وہاں ہر کوئی رنج والم کے ہاتھوں مجبور اور بے بس تھا۔

بختی ٹہلتے ٹہلتے اس کے قریب سے گزری تو اس آدمی نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ بختی کو دیکھ رہا تھا۔ غم مشترک تھا۔ بختی رک گئی۔

"پوچھنے کی ضرورت نہیں"——بختی نے جیسے سسک کر کہا ہو——"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"ترن تارن!"——اس شخص نے جواب دیا اور پوچھا——"اور تم؟"

بختی نے بتایا اور اگلا سوال پوچھا جو ہر پناہ گزین ہر دوسرے ملنے والے پناہ گزین سے پوچھتا تھا کہ گھر کے کتنے لوگ؟...... اس سے آگے کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ گھر کے کتنے لوگ شہید ہو گئے ہیں اور مطلب یہ بھی ہوتا تھا کہ گھر کے کتنے لوگ زندہ نکل آئے ہیں۔ یہ سمجھنے والے پر منحصر تھا کہ وہ کیا سمجھتا ہے۔ بختی نے یہ رٹا رٹایا سوال پرویز سے پوچھا۔

"اکیلا ہوں"——اس شخص نے جواب دیا۔

"کوئی بھی زندہ نہیں؟"——بختی نے پوچھا۔

"صرف امید زندہ ہے"——اس شخص نے آہ بھر کر کہا اور اس کی ہچکی نکل گئی۔

اس نے سر پھر گھٹنوں پر پھینک دیا۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ بے قابو ہو کر رو رہا ہے۔ وہ جواں سال آدمی تھا۔ بختی اس عمر کے آدمیوں سے ذرا فاصلہ ہی رکھتی تھی لیکن وہ خود ایسی غمزدہ تھی کہ اس کے دل سے یہ احساس مٹ ہی گیا کہ وہ ایک جوان لڑکی ہے اور یہ ایک جوان آدمی ہے۔ وہ اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اور ایک بازو اس کے کندھوں پر رکھ کر اسے کچھ تسلی آمیز الفاظ کہے پھر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سر اوپر کیا۔ اس آدمی کا چہرہ آنسوؤں سے دھلا ہوا تھا۔

"مجھے دیکھو"——بختی نے کہا——"میری عمر دیکھو، لدھیانہ سے اکیلی یہاں پہنچی ہوں اور اپنا کوئی بھی زندہ نہیں رہا"۔

اس آدمی نے ذرا چونک کر اس کی طرف دیکھا اور تھوڑا سا الگ ہٹ گیا۔

"تم تو مرد ہو"——بختی نے کہا——"مردوں کو تو اپنا یہ فرض بنا لینا چاہئے کہ کیمپ میں جو عورتیں دن رات بَین کرتی رہتی ہیں، انہیں بہلائیں اور ان کے حوصلوں میں جان پیدا کریں"۔

اس شخص کے آنسو خشک ہو گئے۔ اس نے اپنا نام پرویز بتایا اور یہ بھی کہ وہ کیمپ میں نہیں رہتا، شہر میں ایک دوست کے گھر رہتا ہے۔ ایک سرکاری محکمے میں کلرک ہے۔ وہاں سے چھٹی ہوتی ہے تو کیمپ میں آجاتا ہے اور اس امید پر سارے کیمپ میں گھومتا پھرتا ہے کہ اپنے خاندان کا شاید کوئی فرد نظر آجائے لیکن اپنا گھر تو دور کی بات ہے، یہاں ترن تارن کا بھی کوئی بندہ نظر نہیں آتا۔

پرویز نے بختی کو بتایا کہ چھٹی کا دن وہ اس کیمپ میں گزارتا ہے اور کبھی واہگہ چلا جاتا ہے اور وہاں مہاجروں کے پریشان و ہراساں ہجوم میں اپنوں کو ڈھونڈتا پھرتا ہے اور نئے آنے والوں کو بھی دیکھتا ہے مگر سوائے مایوسی کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

پناہ گزین کا درد کوئی پناہ گزین ہی سمجھ سکتا تھا۔ بختی کو ایسی ضرورت نہیں تھی کہ پرویز اسے تفصیلات سناتا، ایک اشارہ ہی کافی تھا۔ دونوں اسی دکھ درد کی باتیں کرنے لگے۔ بختی نے مختصراً سنایا کہ وہ کس طرح اکیلی یہاں تک پہنچی ہے۔

اس کی یہ روئیداد سن کر پرویز تو جیسے تڑپ اٹھا ہو۔ اس نے سعید کے متعلق بتایا کہ جسے وہ یقینی موت کے منہ سے نکال کر لائی تھی وہ اسے بے یارومددگار چھوڑ کر غائب ہو گیا ہے۔

"میں ایک دوست کے گھر رہتا ہوں" — پرویز نے کہا — "وہ بھی مہاجر ہے اور ان لوگوں کو ایک ہندو کا خالی مکان مل گیا ہے۔ میں ان سے بات کروں گا۔ امید ہے وہ تمہیں اپنے ساتھ رکھ لیں گے"۔

"نہیں پرویز!" — بختی نے کہا — "میں کسی پر بوجھ بن کر نہیں رہنا چاہتی، اللہ کی درگاہ میں امید ہے کہ کوئی راہِ نجات مل ہی جائے گی"۔

"دعا کرو" — پرویز نے کہا — "اللہ کرے میرے گھر والے مل جائیں تو میں تمہیں اپنے گھر کا فرد بنا کر رکھوں گا"۔

"یہاں ہر کوئی اللہ کے بھروسے امیدوں پر زندہ ہے" — بختی نے کہا — "انسان زندہ رہے تو بچھڑے ہوئے زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر مل ہی جاتے ہیں"۔

یہ پرویز اور بختی کی پہلی ملاقات تھی۔ شام گہری ہونے لگی تو انہیں پتہ چلا کہ یہاں بیٹھے بہت سا وقت گزر گیا ہے۔ وہ اٹھے۔ پرویز کا کیمپ میں کوئی کام نہیں تھا۔ اسے واپس اپنے دوست کے گھر جانا تھا لیکن وہ بختی کے ساتھ چل پڑا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بختی کہاں رہتی ہے۔

بختی نے مجھے بتایا کہ اسے احساس تک نہ ہوا کہ یہ ایک جواں سال آدمی ہے اور اس جواں سال آدمی نے بھی کوئی ایسی بات نہ کی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ بختی کو ایک جوان اور خوبصورت لڑکی سمجھ رہا ہے۔

بختی پرویز کو اس بیرک تک لے گئی جہاں وہ رہتی تھی۔ اسے اپنا ٹھکانہ دکھایا اور پرویز یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ دو دنوں بعد پھر آئے گا۔

اس روز کے بعد پرویز چار دنوں کے وقفے سے آتا رہا اور بختی سے ملتا رہا اور ان میں بے تکلفی پیدا ہو گئی لیکن اس بے تکلفی میں ایسا کوئی اشارہ تک نہ تھا کہ یہ ایک جوان آدمی اور ایک جوان لڑکی کی رومانی ملاقاتیں ہیں۔ ان کے درمیان شریفانہ سنجیدگی قائم رہی۔

پھر بختی کاروباری لوگوں کے جھانسے میں آ کر چوہدری کے گھر پہنچ گئی اور پھر بختی پر جو گزر رہی تھی وہ میں سنا چکی ہوں۔

+++

اب بختی نفل پڑھ کر اپنے کمرے میں بیٹھی روتی رہی۔ اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ اس کے ذہن سے خودکشی کا خیال نکل گیا۔ اسے پرویز یاد آ گیا لیکن اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ پرویز ہے کہاں...... پرویز اس طرح یاد آیا تھا کہ بختی کو پرویز کا ٹھکانہ معلوم ہوتا تو وہاں چلی جاتی۔

بختی یوں محسوس کر رہی تھی جیسے وقت کی رفتار بہت ہی سُست ہو گئی ہو۔ وہ بڑی شدت اور بے تابی سے انتظار کر رہی تھی کہ تھانے سے کون آتا ہے۔ کیا ساقی اپنے باپ کے ساتھ آئے گا یا پولیس آئے گی اور بختی کو پکڑ کر لے جائے گی۔

تین گھنٹوں سے کچھ زیادہ وقت گزر گیا تھا جب ساقی اپنے باپ کے ساتھ واپس آ گیا۔ چوہدرانی جوش میں آ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بڑی آہستہ قدم اٹھاتی تھی لیکن اس روز اپنے بیٹے کو دیکھ کر اس نے دو تین قدم تیزی سے اٹھائے اور بازو پھیلا دیئے اگر ساقی دوڑ کر اسے تھام نہ لیتا تو وہ گر پڑتی۔ اس نے ساقی کو اپنے بازوؤں میں لے کر گلے لگا لیا۔

بختی بھی ساقی کو دیکھ کر خوش ہوئی لیکن وہ سننا چاہتی تھی کہ تھانے میں کیا ہوا ہے اور بختی محفوظ ہے یا نہیں۔ ساقی کا باپ چوہدرانی کے کمرے میں ہی بیٹھ گیا۔ چوہدرانی نے پوچھا کہ تھانے میں کیا ہوا اور بات کہاں ختم ہوئی ہے۔

"بختی بیٹی!" — چوہدری نے بختی سے بڑے شگفتہ لہجے میں کہا — "وہ پگلا سعید تو تمہیں اپنی منگیتر سمجھتا ہے"۔

"ہاں چوہدری صاحب!" — بختی نے مسکراتے ہوئے کہا — "اسی لئے تو اس

کے ماں باپ نے مجھے آپ کے گھر بھیج دیا ہے...... کیا آپ نے محسوس نہیں کیا کہ چوہدری صاحب کا یہ بیٹا ذہنی طور پر ٹھیک نہیں؟''

''دولت اور بے جا لاڈ اور پیار نے اس لڑکے کو ذہنی مریض بنا دیا ہے''—— چوہدری نے کہا—— ''تھانے میں اس نے کہا کہ ساقی اس لڑکی کو چھیڑتا ہے جس کے ساتھ اس کی منگنی ہو چکی ہے''۔

اس کے بعد چوہدری نے کچھ ایسی باتیں شروع کر دیں جس سے بختی کو یہ شک ہوا کہ وہ بختی کا اپنے گھر میں رہنا ٹھیک نہیں سمجھتا۔ چوہدری نے بختی سے پوچھا کہ اس نے سعید کے ساتھ ایسی بے تکلفی پیدا کیوں کی تھی کہ وہ اسے اپنی منگیتر سمجھ رہا ہے۔ بختی نے چوہدری کو مطمئن کرنے کے لیے ٹھیک ٹھاک جواب دیا لیکن چوہدری مطمئن ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ سعید اور ساقی کے درمیان بختی آ گئی ہے اور یہ پھر کہیں لڑ پڑیں گے۔

''میں ایک بات کہوں گا بختی!''—— چوہدری نے بڑے ہی سنجیدہ لہجے میں کہا—— ''اس چوہدری کا تم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہیں اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ میں تم پر کوئی الزام تو عائد نہیں کروں گا، اتنا ضرور کہوں گا کہ ان کا یہ لڑکا سعید تمہارے پیچھے ویسے ہی اتنا پاگل نہیں ہو گیا کہ تمہیں اپنی منگیتر سمجھ رہا ہے۔ اسے تمہاری طرف سے ضرور لفٹ مل ہو گی، تم نے اسے اپنے ساتھ غلط بے تکلفی کا موقع دیا ہوگا......''

''چوہدری صاحب!''—— بختی نے چوہدری کی بات کاٹتے ہوئے کہا—— ''گستاخی کی معافی چاہتی ہوں، آپ کی بات کاٹ دی ہے لیکن میں اپنے خلاف کوئی ایسا الزام برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ مجھے ایک پناہ گزین لڑکی سمجھ رہے ہیں جس کا آگے پیچھے کوئی بھی نہیں رہا اور آپ کی رائے میرے متعلق یہ بن گئی ہے کہ ایسی عورت اپنے مفاد کی خاطر ہر طرح کی جھک مار لیتی ہو گی۔ آپ میرے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے اگر آپ اجازت دیں تو میں سناؤں کہ میں لدھیانہ سے لاہور تک اور ریفیوجی کیمپ سے چوہدری صاحب کے گھر تک کس طرح پہنچی تھی''۔

''ہاں بختی!''—— چوہدرانی بول پڑی—— ''ہم تمہارے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے، سعید کی ماں نے کچھ باتیں بتائی تھیں لیکن ان میں تمہاری ہجرت وغیرہ کا ذکر

نہیں تھا...... تم سناؤ، ہم سنیں گے''۔

''خالہ جان!''—— بختی نے کہا—— ''میں آپ سے شاباش یا ہمدردیاں لینے کے لیے اپنا یہ سفر نہیں سنانا چاہتی، میں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ یہ لڑکا سعید مجھے کہاں ملا تھا اور پھر میں ان کے گھر تک کس طرح پہنچی تھی''۔

بختی نے اپنے سفر کی داستان سنائی اور اس نے دیکھا کہ چوہدری اور چوہدرانی اور ساقی کی بھی آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔ اس نے سعید کو جس حالت میں راستے میں پڑے دیکھا تو وہ پوری تفصیل سے سنایا اور کہا کہ وہ اس سے بڑی نیکی نہیں کر سکتی تھی کہ اپنی جان اور آبرو کو خطرے میں ڈال کر اس نوجوان لڑکے کو تقریباً اٹھا کر لے آئی۔

''خدا کی قسم بیٹی!''—— چوہدری نے بے اختیار کہا—— ''مجھے آج پہلی بار پتہ چلا ہے کہ تم اس طرح اُدھر سے اِدھر آئی تھیں۔ تم جیسی لڑکی کو تو وہاں خوف اور دہشت سے ہی مر جانا چاہئے تھا''۔

''سنانے والی بات تو ابھی باقی ہے چوہدری صاحب!''—— بختی نے کہا—— ''اس لڑکے سعید نے مجھے اس نیکی کا یہ صلہ دیا کہ میری غیر حاضری میں کیمپ سے کھسک گیا اور مجھے تنہا چھوڑ آیا''۔

''پھر تم ان کے ہاں کس طرح آ گئی تھیں؟''—— چوہدرانی نے پوچھا۔

''میں تو بہت دھوکے میں آ گئی تھی''—— بختی نے کہا—— ''دو تین آدمی مجھے ورغلا کر اور سبز باغ دکھا کر کیمپ سے لائے تھے اور اس چوہدری کے گھر لا کر میرا سودا کیا تھا۔ یہ کوئی بدمعاش اور فراڈیے لوگ تھے جو مجھے کیمپ سے نکال کر چوہدری کے ہاتھ بیچ رہے تھے۔ چوہدری صاحب میرے ساتھ شادی کا پروگرام بنائے ہوئے تھے''۔

بختی نے پوری تفصیل سے سنایا کہ اس نے وہاں سعید کی فوٹو دیکھ لی، اس کے کہنے پر سعید کو اس کے سامنے کیا گیا، تب بختی نے سعید کے باپ کو بتایا کہ وہ کس طرح اس کے بیٹے کو لاہور لائی تھی۔ چونکہ سعید چوہدری صاحب کا اکلوتا بیٹا تھا اس لیے اس نے اپنی فریب کاری نظر انداز کر کے بختی کو صلہ دینے کا فیصلہ کر لیا اور بختی کو صاف بتا دیا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن اب نہیں کرے گا اور اسے اپنے گھر رکھ کر اس کی شادی کسی موزوں آدمی سے کرے گا۔

"دیکھی اس چوہدری کی فریب کاری؟" — ساقی کے باپ نے کہا — "میں تو اسے بڑا شریف آدمی سمجھتا تھا"۔

"اس کے بعد تو چوہدری صاحب میرے ساتھ شرافت سے ہی رہے" — بختی نے کہا — "لیکن چوہدری کے اس بیٹے نے میرے ساتھ باقاعدہ عشق بازی شروع کر دی۔ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ اس لڑکے سے تو مجھے نفرت اور کراہیت ہونے لگی تھی۔ میں اس کی ماں کو بتانے سے ڈرتی تھی کہ ماں اپنے اکلوتے بیٹے کے خلاف ایسا الزام تسلیم کرے گی ہی نہیں اور یہ لوگ مجھے گھر سے نکال دیں گے"۔

اس کے بعد ان کے درمیان وہی باتیں ہوئیں جو میں پہلے پچھلے باب میں بیان کر چکی ہوں۔ بختی نے سنایا کہ سعید کس طرح اسے ایک روز اچانک مارکیٹ میں مل گیا اور از سرِ نو اس کے پیچھے پڑ گیا۔

بختی نے یہ احتیاط کی کہ ساقی کے متعلق نہ بتایا کہ یہ بھی اس پر ڈورے ڈالتا ہے۔ یہاں بھی یہی ڈر کہ ساقی کے ماں باپ نہیں مانیں گے اور یہ ڈر بھی کہ ساقی اس پر کوئی غلیظ قسم کا الزام ہی نہ تھوپ دے۔

"مجھے کرنا تو یہ چاہئے تھا کہ آپ کو بتاتی کہ سعید مجھے یوں پریشان کرتا ہے" — بختی نے کہا — "آپ کی بجائے میں نے ساقی کو بتایا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ساقی اتنا غیرت مند ہے کہ سعید پر چاقو چلا دے گا اور بات تھانے تک جا پہنچے گی"۔

"اور جانتی ہو وہ کیا کہتا ہے؟" — چوہدری نے کہا — "وہ کہتا ہے کہ بختی نے مجھے کہا تھا کہ ساقی مجھے چھیڑتا ہے اور گھر میں بھی تنگ کرتا ہے"۔

"اس کے جھوٹ کا میرے پاس کوئی جواب نہیں" — بختی نے کہا — "وہ تو آپ نے خود ہی کہہ دیا ہے کہ وہ ذہنی مریض ہے"۔

"یہ بات تو صاف ہے" — چوہدری نے کہا — "تمہیں اسی لئے ہمارے ہاں بھیج دیا گیا تھا کہ وہ اپنی منگیتر کی بجائے تمہیں اپنی منگیتر سمجھتا ہے"۔

"فکر نہ کرو بختی!" — چوہدرانی نے کہا اور چوہدری سے مخاطب ہوئی — "یہ تو بتائیں تھانے میں کیا ہوا ہے اور بات کہاں ختم ہوئی ہے؟"

+++

بختی نے مجھے تھانے کی کارروائی یوں سنائی تھی کہ ساقی اور اس کا باپ تھانے پہنچے تو سعید اور اس کا باپ وہاں موجود تھے۔ سعید کے کپڑے خون سے لال تھے۔ پتہ چلتا تھا جیسے اسے دو ہی نہیں بلکہ بہت سے زخم آئے ہوں۔ پتہ چلا کہ ساقی نے اسے چاقو مارے تو وہ بچوں کی طرح اپنے گھر گیا اور ماں کو بتایا کہ ساقی نے اسے چاقو مارے ہیں۔

سعید کا باپ اتفاق سے گھر تھا۔ ماں باپ نے سعید کا خون دیکھا تو وہ غصے سے آتش فشاں پہاڑ بن گئے۔ سعید ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ سعید کے باپ نے تو بندوق نکال لی اور بولا کہ وہ ساقی کو گولی مار دے گا۔ سعید کی ماں اسے پکڑ نہ لیتی تو وہ شاید ساقی کو گولی مارنے نکل ہی پڑتا۔

آخر انہوں نے تھانے جانے کا فیصلہ کیا اور سعید کو اسی حالت میں باپ تھانے لے گیا۔ تھانے میں مظلوم اور اصل مجروح اسی کو سمجھا جاتا ہے جس کے کپڑے خون سے زیادہ لال ہوں، زخم خواہ ایک ہی ہو اور معمولی ہی ہے۔

تھانیدار نے یہ سنا کہ سعید کو چاقو مارنے والا بھی اس چوہدری جیسے ہی ایک چوہدری کا بیٹا ہے تو اس نے مقدمہ درج کرنے کی بجائے راضی نامہ بہتر سمجھا اور اے ایس آئی کو بھیجا کہ وہ ساقی کو تھانے لے آئے۔ اس طرح ساقی اور اس کا باپ تھانے پہنچ گئے۔

سعید کا باپ ساقی کے باپ پر برس پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ ساقی پر وہ قاتلانہ حملے کی فردِ جرم لگوائے گا۔ تھانیدار نے دیکھا کہ چاقو چلانے والے کو بھی چاقو لگے ہیں تو اس نے راضی نامے کا فیصلہ کر لیا لیکن سعید کا باپ تو کوئی بات سننے پر آمادہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

ساقی کا باپ کہتا تھا کہ نادان لڑکے ہیں، آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو چاقو مار دیئے اور یہ نہ سوچا کہ ان کے والدین کے آپس میں کتنے گہرے اور پرانے دوستانہ مراسم ہیں۔

"میں نہیں مانوں گا" — سعید کے باپ نے بڑے سخت غصے میں کہا — "ان دوستانہ مراسم پر اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان نہیں کر سکتا"۔

"اللہ معاف رکھے چوہدری صاحب!" — ساقی کے باپ نے کہا — "قربانی تک بات نہیں پہنچے گی"۔

تھانیدار نے سعید کے بازو پر زخم دیکھ لئے تھے اور تھانے کے فرسٹ ایڈ باکس سے

مرہم پٹی بھی کر دی تھی۔

''چوہدری صاحب!''—— تھانیدار نے سعید کے باپ سے کہا—— ''زخم بالکل معمولی ہیں اور ایسا ہی زخم اس لڑکے کے بازو پر بھی آیا ہے۔ معاملہ کوئی ایسا سنگین نہیں۔ ان بیوقوفوں کی اس حرکت پر اپنی دوستی خراب نہ کریں''۔

ساقی کے باپ نے آخر چوہدریوں کے دبدبے جیسے لہجے میں کہا کہ چاقو میرے بیٹے کو بھی لگا ہے اور میں بھی قاتلانہ حملے کا پرچہ کٹوا کر آپ کے بیٹے کو گرفتار کروا دوں گا اور اوپر میرا اثر ورسوخ اتنا ہے کہ ضمانت نہیں ہونے دوں گا۔

تھانیدار عقل مند تھا۔ پاکستان ابھی بچپن کی عمر میں تھا اور پولیس میں فرض شناسی اور دیانتداری موجود تھی۔ ابھی مک مکا اور رشوت خوری نہیں چلی تھی۔ تھانیدار نے اپنی ذہانت اور عقل کا پورا استعمال کرتے ہوئے سعید کے باپ کو ٹھنڈا کر لیا اور آہستہ آہستہ راضی نامے پر لے آیا۔

''یہ تو بتاؤ لڑکو!''—— تھانیدار نے سعید اور ساقی سے پوچھا—— ''تم لڑے کیوں تھے؟...... ایسا کون سا مسئلہ تمہارے درمیان آ گیا تھا کہ تم نے چاقو چلا دیئے؟''

ساقی پہلے بولا۔ اس نے کہا کہ ان کے گھر میں ایک پناہ گزین جوان عورت رہتی ہے اور گھر کا سارا انتظام، باورچی خانہ وغیرہ اس کے سپرد ہے اور وہ روزانہ سودا سلف لینے مارکیٹ جاتی ہے اور سعید اسے چھیڑتا ہے، اس کا پیچھا کرتا ہے اور دھمکیاں دیتا ہے کہ یہ اسے اغوا کر لے گا۔

''یہ جھوٹ بولتا ہے''—— سعید تڑپ کر بولا—— ''یہ لڑکی میری منگیتر ہے۔ میری اس کے ساتھ شادی ہو رہی ہے اور یہ بدمعاش ساقی اسے بری نظر سے ورغلاتا ہے''۔

''یہ کیا معاملہ ہے چوہدری صاحب؟''—— تھانیدار نے سعید کے باپ سے پوچھا۔

سعید کا باپ تو چکرا کے رہ گیا۔ میں پچھلے باب میں سنا چکی ہوں کہ ماں باپ سعید کی منگنی اپنی حیثیت کے ایک خاندان میں کر چکے تھے لیکن سعید اپنے طور پر یہ فیصلہ کئے ہوئے تھا کہ اس کی شادی بختی کے ساتھ ہوگی۔

ساقی کا باپ اپنے گھر میں بیٹھا تھانے کی یہ روداد سنا رہا تھا تو بختی کو یہ اطمینان ہو گیا

کہ اس کے خلاف ایسی کوئی بات تھانے میں سامنے نہیں آئی کہ ان دونوں کو بختی نے لڑایا ہے۔

ساقی کے باپ نے سنایا کہ سعید نے ایسی بے بنیاد سی باتیں شروع کر دیں جیسے دماغی طور پر وہ مفلوج ہو گیا ہو۔ اس کا باپ پریشان ہو گیا تھا۔ تھانے میں وہ کچھ کہنے سے جھجکتا تھا کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ سعید دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ اس نے وہاں سے کھسک جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس طرح بات راضی نامے پر ختم ہوئی۔

''سچی بات یہ ہے بختی بیٹی!''—— ساقی کے باپ نے کہا—— ''میں نے تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ تمہیں اپنے گھر سے رخصت کر دوں گا۔ یہ اس لیے کہ میں تھانے سے یہ تاثر لے کر آیا تھا کہ یہ دونوں لڑکے تمہاری وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں لیکن تمہاری بات سنی تو میں نے اپنا ارادہ بدل ڈالا۔ تمہارے متعلق پہلی بار پتہ چلا ہے کہ تم اصل میں کیا ہو...... تم اب یہیں رہو گی اور اس لڑکے سعید نے پھر کبھی تمہیں پریشان کیا تو ساقی کو بتانے کی بجائے مجھے بتانا''۔

بختی کی جان میں جان آئی۔ اللہ نے اس کے نفل، اس کے آنسو اور اس کی سسکیاں وراس کی نیک نیتی قبول کر لی تھی۔

+++

اسی شام کھانے کے بعد ساقی بختی کے کمرے میں گیا اور اتنا ہی کہا کہ بختی مجھے معاف کر دینا، آج تم نے اپنی ہجرت کی جو داستان سنائی ہے اس کا مجھ پر بہت اثر ہوا ہے...... یہ بات کہہ کر ساقی نے کہا کہ وہ زیادہ دیر اس کے پاس نہیں رکے گا اور وہ اس کمرے سے نکل گیا۔

بختی کی زندگی ایک بار پھر معمولی پر آ گئی۔ وہ اب نوکر کو ساتھ لے کر مارکیٹ جاتی تھی۔ چار پانچ دن سعید اسے مارکیٹ میں نظر نہ آیا۔ ایک روز سعید کی ماں ساقی کے گھر آ گئی اور ساقی کی ماں سے ملی۔ دونوں چوہدرانیوں نے لڑکوں کی اس لڑائی کی بات مختصر طور پر کی اور ہنسی مذاق میں ٹال دی لیکن بختی نے دیکھا کہ سعید کی ماں خاصی پریشان نظر آ رہی تھی۔

ساقی کی ماں نے اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ سعید کی ذہنی حالت زیادہ ہی بگڑ گئی ہے اور وہ کہتا ہے کہ وہ بختی کے ساتھ ہی شادی کرے گا۔ سعید کی ماں اور اس

کے باپ کے لیے سب سے زیادہ پریشانی والی بات یہ تھی کہ وہ سعید کی منگنی اپنی حیثیت سے ذرا اونچے خاندان کی لڑکی سے کر چکے تھے لیکن سعید کہتا تھا کہ اس کی منگیتر بختی ہے۔

سعید کی ماں نے بتایا کہ وہ دو عاملوں کے عمل اور تعویذ وغیرہ آزما چکی ہے لیکن سعید پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ اب اسے کسی نے بتایا تھا کہ بیس بائیس میل دور ایک قصبے میں ایک نیا پیر آیا ہے۔ شاید وہ مشرقی پنجاب کا مہاجر ہے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ اس کے ہاتھ میں اللہ نے روحانی طاقت اور شفا دی ہے۔

سعید کی ماں نے بتایا کہ وہ اسے مل آئی ہے اور پیر نے کہا ہے کہ اس لڑکی کو اس کے سامنے لایا جائے جو لڑکے کے ذہن و دل پر سوار ہو گئی ہے۔ پیر صاحب اس پر اپنا عمل کریں گے اور پھر لڑکا اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرے گا۔

سعید کی ماں بختی کو ساتھ لے جانے کے لیے آئی تھی۔ ساقی کی ماں نے فوراً کہا کہ بختی کو ابھی ساتھ لے جائیں، ہو سکتا ہے اللہ اسی کے ذریعے اپنا کرم کر دے۔ بختی کی چوہدرانی نے اسے فوراً تیار ہونے کو کہا۔ بختی کے لیے یہی اطمینان کافی تھا کہ سعید کی ماں نے اس سے کوئی ایسا گلہ شکوہ نہیں کیا کہ اس کے پیچھے اس کا بیٹا زخمی ہوا ہے۔

بختی تیار ہو کر سعید کی ماں کے ساتھ چلی گئی۔ ایک نوکر کو بھیج کر تانگہ منگوایا گیا تھا۔ بسوں کے اڈے پر پہنچیں تو بس مل گئی جس نے انہیں ظہر کے وقت منزل پر پہنچا دیا۔ وہاں سے وہ تانگے میں بیٹھیں اور پیر کے آستانے پر جا اتریں۔

سعید کی ماں بختی کو پیر کے اس کمرے میں لے گئی جہاں وہ اپنے مریدوں اور سائلوں سے ملا کرتا تھا۔ پیر اطلاع ملتے ہی اس کمرے میں آیا۔ بختی نے اسے اور اس نے بختی کو دیکھا تو دونوں کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ بختی نے اپنے وجود میں برقی جھٹکا محسوس کیا۔ یہ لدھیانے والا وہی پیر تھا جس نے بختی کو اغوا کرایا تھا اور ایک سکھ تھانیدار نے اغوا کرنے والوں کے ساتھ پیر کو بھی گرفتار کر لیا تھا اور یہ پیر سزا سے پہلے ہی وہاں سے بھاگ آیا تھا۔

بختی کا تو رنگ و روپ ہی اڑ گیا لیکن پیر کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آئی وہ ایک ابلیس کی مسکراہٹ تھی۔

* * *

لدھیانہ والے پیر کا پاکستان میں یوں غیر متوقع طور پر سامنے آجانا بختی کو ایسے لگا جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔ اس نے دائیں بائیں، آگے پیچھے دیکھا۔ اسے سعید کی ماں اپنے پاس بیٹھی نظر آئی اور اس نے پھر پیر کو دیکھا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور زیادہ پھیل گئی تھی بلکہ مسکراہٹ اور زیادہ عریاں ہو گئی تھی۔

بختی اپنے آپ کو کوئی فریب نہ دے سکی۔ وہ جو دیکھ رہی تھی وہ حقیقت تھی۔ یہ وہی لدھیانہ والا پیر تھا جو بختی کے قصبے میں رہتا تھا اور اس کی گدی دور دور تک مشہور تھی۔

پیر کی اس ملاقات کو آدھی صدی گزر گئی تھی اور بختی مجھے یہ ملاقات سنا رہی تھی۔ اس کے دل میں اس پیر کی نفرت اتنی زیادہ تھی کہ اس بڑھاپے میں بھی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور میں نے اس کی آنکھوں میں کچھ اور ہی قسم کی بے چینی دیکھی۔ اس سے میرے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ اس وقت بختی کی کیا حالت ہوئی ہو گی جب اس نے اپنے آپ کو ایک بار پھر اس بدکار پیر کے خاص کمرے میں پایا ہو گا۔

''انسان اپنی ہر حالت بیان کر سکتا ہے'' ___ بختی نے اس وقت کو یاد کرتے ہوئے کہا ___ ''لیکن کوئی ذہنی یا جذباتی کیفیت ایسی بھی آجاتی ہے جسے انسان محسوس تو پوری طرح کرتا ہے لیکن الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا...... اس پیر کو دیکھ کر مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی تھی جو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ فوری طور پر تو میرے ذہن میں یہ آئی کہ سعید کی ماں سے کہوں، خالہ جان، کس بدبخت نے آپ کو بتایا کہ اس شخص کو اللہ نے کوئی روحانی طاقت دے رکھی ہے۔ یہ تو اللہ کا دھتکارا ہوا انسان ہے لیکن میں نے اپنے ہونٹ کھلنے نہ دیئے۔ فوراً خیال آگیا کہ لوگ پیروں کو اس طرح مانتے ہیں جس طرح خدا کو بھی نہیں مانتے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چوہدرانی ہی میری دشمن ہو جائے''۔

بختی نے کہا کہ اسے اپنی حالت پر رونا آ گیا۔ اس پر تنہائی، بے بسی اور کسمپرسی کی کیفیت طاری ہوگئی لیکن اس کی فطرت میں قدرتی طور پر خود اعتمادی اور جرأت مندی تھی جو اس وقت اس کے کام آئی۔ اسے رونا تو آ گیا لیکن یوں نہیں کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اس عزم کو بیدار کر لیا کہ وہ اس صورتِ حال کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گی۔

پیر نے اسے کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اس نے چوہدرانی سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر باہر بیٹھے۔ چوہدرانی یوں اچھل کر اٹھی جیسے وہ پیر کے اسی حکم کی منتظر تھی۔ بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ پیر بختی کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تم تو پریشان ہی ہوگئی ہو خوش بخت بیگم!'' ـــــ پیر نے بڑی شگفتہ لہجے میں کہا ـــــ ''مجھے بھول تو نہیں گئی ہوگی!''

''تمہیں تو میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گی'' ـــــ بختی نے اسے آپ کی بجائے تم کہا اور بڑی جرأت سے بولی ـــــ ''ذرا سوچ سمجھ کر بات کرنا میں وہاں بھی مجبور نہیں تھی اور یہاں بھی مجھے ایسی کوئی مجبوری نہیں کہ میں اپنا آپ تمہارے آگے ڈال دوں''۔

''اتنا غصہ خوش بخت بیگم!'' ـــــ پیر نے ایسے پیار سے کہا جس میں طنز نمایاں تھی ـــــ ''یہ چوہدرانی پہلے میرے پاس آئی تھی تو اس نے تمہارے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دیا تھا...... مجھے دلی دکھ ہے کہ تمہارا کوئی بھی اپنا زندہ نہیں رہا اور یہاں تک تم اکیلی پہنچی ہو۔ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھو۔ میرے گھر میں تمہاری جگہ ہے اور میرے دل میں بھی۔ ان چوہدریوں کے کندھوں پر بیٹھ کر اتنی تیزی نہ دکھاؤ۔ یہ کسی کے سگے نہیں ہوتے۔ یہ چوہدرانی جو تمہیں اپنے ساتھ لائی ہے، اپنے گھر سے تمہیں نکال چکی ہے اور اب تم پر تعویذ کروانا چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا تمہارا خیال چھوڑ دے۔ ابھی تو یہ چوہدرانی میرے پاس آئی ہے، اگر اس کے بیٹے نے اپنے دل سے تمہیں نہ نکالا تو یہ چوہدری ایسا غائب کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پتہ نہیں چلے گا تم کہاں غائب ہوگئی ہو''۔

''پھر اپنا کمال دکھا دو'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''تعویذ دو، پھونک مارو، اس کے بیٹے کے دل سے مجھے نکال دو۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ میں اس کے بیٹے سے نفرت کرتی

ہوں۔ وہ پگلا ہے، اس کے دماغ میں کوئی خرابی ہے...... اگر اللہ نے تمہیں کوئی روحانی طاقت دی ہے تو اس چوہدرانی کے بیٹے کو صحیح کر دو لیکن میں جانتی ہوں تمہارے ہاتھ میں بدی کے سوا کچھ بھی نہیں''۔

''میں تمہیں ڈرانا دھمکانا نہیں چاہتا'' ـــــ پیر نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا ـــــ ''لیکن یہ ضرور بتاؤں گا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو میری پیری مریدی کتنی دور دور تک مشہور ہوگئی ہے۔ لاہور کی اتنی بڑی چوہدرانی میری مریدنی بن گئی ہے۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں''۔

''اور میں تمہیں تمہارے مریدوں اور مریدنیوں کے سامنے ننگا کر سکتی ہوں'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''اب دونوں ملکوں میں ڈاک آنے جانے لگی ہے۔ میں اس سکھ تھانیدار کو خط لکھ سکتی ہوں کہ تمہارے جرم کا ریکارڈ یہاں بھیج دے۔ سکھ تھانیدار وہاں نہ ہوا تو اس تھانے کو لکھ کر تمہارا ریکارڈ منگوالوں گی۔ میں ان چوہدریوں سے کہوں گی کہ وہ پاکستان کی پولیس کے بڑے افسروں سے کہہ کر اس تھانے سے تمہاری گرفتاری اور ضمانت پر رہائی کا ریکارڈ منگوالیں''۔

بختی کو یہ توقع تھی کہ پیر کچھ تو ڈرے گا لیکن اس کی مسکراہٹ اور زیادہ کھل گئی اور اس نے سر کو یوں جنبش دی جیسے اسے کوئی پرواہ نہیں اور اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

''کم عقلی کی باتیں چھوڑو خوش بخت!'' ـــــ پیر نے کہا ـــــ ''وہ کفرستان تھا جہاں ایک پیر کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ یہ پاکستان ہے۔ یہاں انگریزوں کی حکومت نہیں۔ یہاں سکھ بھی نہیں اور ہندو بھی نہیں۔ یہ اسلامی ملک ہے جس میں پیروں کا درجہ وزیروں سے بھی اونچا ہے۔ یہاں مجھے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ اب مجھے وہ طاقت بھی حاصل ہوگئی ہے جو وہاں نہیں ہوا کرتی تھی''۔

''اور مجھے بھی کچھ طاقت ہوگئی ہے'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''اب مجھے سرحد پار جیسا کمزور نہ سمجھو''۔

''میری ایک آخری بات سن لو خوش بخت!'' ـــــ پیر نے ذرا سنجیدہ ہو کر کہا ـــــ ''میں تمہیں کہہ چکا ہوں کہ ان چوہدریوں کے بھروسے پر نہ رہنا۔ ان سے بچو۔ باپ بھی تمہارے ساتھ عشق بازی کرے گا اور باپ کا بیٹا بھی اور تمہاری کوئی نہیں سنے گا۔

میں تمہیں سیدھا راستہ بتاتا ہوں۔ میرے ساتھ شادی کرنا چاہو تو کرلوں گا۔ ویسے ہی میرے پاس رہنا چاہو تو رکھ لوں گا۔ اگر یہ منظور نہیں تو میں تمہیں خبردار کر دیتا ہوں کہ ایسا بدنام کروں گا کہ دربدر ٹھوکریں کھاتی پھرو گی اور آخر میرے پاس ہی پناہ لینے آؤ گی...... چاہو تو میں تمہیں دو دن کی مہلت دے دیتا ہوں، سوچ کر جواب دینا''۔

''مجھے کسی چوہدری پر بھروسہ نہیں''۔۔۔ بختی نے اٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ ''مجھے اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے..... میں نے وہاں بھی تمہارے منہ پر تھوکا تھا یہاں بھی تھوکتی ہوں''۔

بختی تو جل بھن رہی تھی۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف گھومی اور باہر نکل آئی۔ چوہدرانی اس کے انتظار میں تھی۔ ابھی بختی چوہدرانی سے کچھ کہہ بھی نہ پائی تھی کہ پیر باہر آیا اور سر کے اشارے سے چوہدرانی کو کمرے میں بلایا۔ چوہدرانی بڑی تیزی سے کمرے میں چلی گئی اور بختی باہر نکل آئی اور چوہدرانی کا انتظار کرنے لگی۔

+++

نصف گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت گزر گیا ہوگا جب چوہدرانی باہر آئی۔ چوہدرانی یعنی سعید کی ماں کا چہرہ بتا رہا تھا کہ پیر نے اپنا زہر اس کے دماغ میں ڈال دیا ہے۔ چوہدرانی نے بختی کو چلنے کا اشارہ کیا۔

''کیا تم اس پیر کو پہلے سے جانتی ہو؟''۔۔۔ چوہدرانی نے پوچھا۔

''خالہ جان!''۔۔۔ بختی نے جواب دینے کی بجائے چوہدرانی سے پوچھا۔۔۔ ''آپ کو کس نے بتایا تھا کہ اس پیر کے پاس آئیں؟''

''اپنے ملنے والی ایک عورت نے بتایا تھا''۔۔۔ چوہدرانی نے کہا۔۔۔ ''اسے ایک اور عورت نے بتایا تھا کہ اس پیر کا باپ مُردوں کو زندہ کر دیا کرتا تھا اور اپنی کرامت اپنے اس بیٹے کو دے گیا ہے''۔

بختی کے جی میں آئی کہ وہ چوہدرانی کو بتا دے کہ وہ اسی پیر کی بیٹی ہے جو مُردوں کو زندہ کر دیا کرتا تھا لیکن بختی چپ رہی۔ اسے خیال آ گیا کہ اس کی یہ بات کوئی نہیں مانے گا اور وہ خود ہی بدنام ہو جائے گی۔

''تمہارے ساتھ اس نے کیا باتیں کی ہیں؟''۔۔۔ سعید کی ماں نے بختی سے پوچھا۔۔۔ ''کچھ پڑھ کر تم پر اس نے پھونک ماری تھی؟''

''خالہ جان!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''اس نے نہ کچھ پڑھا نہ مجھ پر پھونک ماری بلکہ وہی باتیں شروع کر دیں جو سرحد پار اپنے ہاں یہ میرے ساتھ کرتا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اس کے ساتھ شادی کرلوں یا ویسے ہی اس کے گھر میں رہوں اور یہ لوگوں کو بتاتا رہے گا کہ میں اس کی بیوی ہوں...... ابھی میں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ گھر چلیں اور سعید کو پاس بٹھا کر ایک بات سناؤں گی۔ ابھی میں آپ سے صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ لوگ ان پیروں کو نبیوں اور پیغمبروں کا درجہ دیتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ آپ ایک کام کریں، کوئی ورد یا وظیفہ شروع کر دیں اور ہر رات سعید پر دم کر دیا کریں۔ میں لاہور سے ہی چلی جاؤں گی خواہ مجھے دربدر ٹھوکریں ہی کیوں نہ کھانی پڑیں۔ نہ میں سعید کے سامنے آؤں گی نہ وہ اپنا دماغ خراب کرے گا''۔

''مجھے تو کچھ پلے نہیں پڑ رہا''۔۔۔ سعید کی ماں نے کہا۔۔۔ ''اس پیر نے تمہارے خلاف ایسی ایسی باتیں کی ہیں جو میری برداشت سے باہر ہیں...... یہ آخر معاملہ کیا ہے؟''

''میں اپنی زبان سے نہیں بتاؤں گی کہ جواں سال پیر اصل میں کیا ہے''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''یہ تو آپ سن چکی ہیں کہ میں سعید کو جالندھر تک کس طرح لائی تھی۔ یہ تو ایک قدم چلنے کے قابل نہیں تھا۔ چوہدری صاحب اسی لیے مجھ پر مہربان ہوئے تھے اور سعید نے خود مانا ہے کہ میں اسے سہارا دے کر نہ لاتی تو وہ کہیں مر جاتا۔ ایک بات ایسی تھی جو میں نے چوہدری صاحب سے تو کر ڈالی تھی، آپ کے ساتھ یہ بات نہیں ہوئی تھی۔ میں اب بھی یہ بات زبان پر لاتے ڈرتی ہوں کہ آپ برا نہ مان جائیں''۔

''یوں نہ کہا کرو بختی!''۔۔۔ سعید کی ماں نے کہا۔۔۔ ''تمہیں اندازہ نہیں کہ میرے دل میں تمہارا کتنا پیار ہے...... فوراً سناؤ وہ بات کیا ہے!''

یہ میں پہلے بختی کی زبانی سنا چکی ہوں کہ بختی کس طرح معذور سعید کو سہارا دے کر اس خوفناک سفر میں ساتھ لائی تھی۔ وہ جالندھر سے ابھی دور ہی تھے تو سعید اپنے سہارے چلنے کے کچھ قابل ہو گیا تھا۔ ان کی رفتار بہت ہی سُست تھی بلکہ خطرناک حد تک سُست تھی۔ سکھ ہر طرف دندناتے پھر رہے تھے۔ انہیں کئی راتیں راستے میں گزارنی پڑیں۔ سعید نے بختی کے ساتھ پہلے رومانی حرکتیں اور باتیں شروع کیں اور پھر باقاعدہ عشق بازی پر اتر آیا۔ بختی نے اسے اس فحش ارادے سے ہٹانے کے لیے بتایا کہ عصمت

ہی ایک متاع ہے جو وہ بچا کر لائی ہے اور اسے وہ اللہ کی امانت سمجھتی ہے لیکن سعید کے پلے
یہ بات نہیں پڑ رہی تھی۔ بختی نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس سے بچائے رکھا تھا۔

بختی نے یہ ساری بات سعید کی ماں کو سنائی اور اس کی ہر ایک حرکت پوری تفصیل
سے بیان کی اور کہا کہ سعید بختی کو آسمان سے اترا ہوا فرشتہ سمجھنے کی بجائے ایک نوجوان اور
خوبصورت لڑکی سمجھنے لگا تھا جو بالکل تنہا تھی۔

''مجھے کرنا تو یہ چاہئے تھا خالہ جان!'' ــــ بختی نے یہ ساری واردات سعید کی ماں
کو سنا کر کہا ــــ ''کہ سعید کو میں اس کے حال پر چھوڑ کر اکیلی آجاتی اور بہت جلدی
جالندھر پہنچ جاتی لیکن جس طرح میں اپنی آبرو کو اللہ کی امانت سمجھ رہی تھی اسی طرح سعید کو
میں نے امانت ہی سمجھا...... اللہ کی امانت، کیوں کہ یہ کسی مسلمان کا بیٹا تھا اور ایک ماں کی
امانت جو نہ جانے کہاں تڑپ رہی ہوگی...... میں نے سعید کو باتوں میں لگا کر اپنے آپ
سے ایک ہاتھ دور رکھا اور یہ یقین دلانے کے لیے کہ میں کتنی پاکباز ہوں، اس پیر کا ایک
قصہ اسے سنایا تھا...... میں یہ ابھی آپ کو نہیں سناؤں گی۔ گھر جا کر سعید کو پاس بٹھا لینا اور
پوچھنا کہ بختی نے تمہیں راستے میں ایک پیر کی کیا بات سنائی تھی۔''

باتیں کرتے کرتے انہیں تانگہ مل گیا اور وہ اس میں بیٹھیں اور لاری اڈے جا
پہنچیں۔ انہیں بس تقریباً تیار مل گئی۔ لاہور تک ڈیڑھ دو گھنٹے کا سفر تھا۔ دونوں بس میں
بیٹھیں اور باتوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ سعید کی ماں بختی سے کہتی تھی کہ وہ اپنی زبان سے
سنائے کہ پیر نے اس کے ساتھ کیا حرکت کی تھی لیکن بختی کہتی تھی کہ اس طرح سعید کی ماں کو
یقین نہیں آئے گا اور وہ شک کرے گی کہ بختی نے خود ہی ایک بات گھڑ لی ہے...... بختی نے
سعید کی ماں سے پوچھا کہ پیر نے اسے کیا کہا ہے۔

''میں جھوٹ نہیں بولوں گی بختی!'' ــــ سعید کی ماں نے بڑے تحمل سے کہا ــــ
''میں نے اس کی ہر بات کو سچ نہیں مانا لیکن اس نے میرے دل میں وہم ضرور پیدا کر دیا
ہے۔ اس نے تمہارے بارے میں کہا کہ اس عورت کو میں سرحد پار سے جانتا ہوں، یہ بے
پیری اور بددعائی ہوئی عورت ہے اور بدکار تو بہت ہی ہے...... پھر اس نے کہا کہ میں نے
اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ اس خوبصورت عورت نے آپ کے بیٹے پر کسی سے کوئی الٹا تعویذ
کالا عمل کروا دیا ہے ورنہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ اتنے اونچے خاندان کا لڑکا ایک گھٹیا سی عورت

کے چکر میں آ جائے۔''

''خالہ جان!'' ــــ بختی نے سعید کی ماں کی بات کاٹتے ہوئے کہا ــــ ''آپ نے
اسے کہا نہیں کہ یہی عمل تڑوانے کے لیے ہی تو اس عورت کو ساتھ لائی ہوں؟''

''کہا تھا'' ــــ سعید کی ماں نے جواب دیا ــــ ''یہ کہتا ہے کہ اسے دو تین بار
میرے پاس اکیلے بھیجو، سب بد اثرات جائیں گے۔''

''میں کبھی بھی اس کے پاس نہیں آؤں گی'' ــــ بختی نے کہا ــــ ''میں جانتی ہوں
کہ اس کے پاس پلے کچھ بھی نہیں اور یہ اس کی کوشش میں ہے کہ میں اس کی داشتہ بن
جاؤں۔ آپ نے اسے بتا دیا ہے کہ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ اب تو یہ اور شیر ہو گیا ہے۔ یہ
بدکار شخص اب اس قسم کے چکر چلائے گا کہ جس طرح آپ نے مجھے اپنے گھر سے نکال کر
ایک اور گھر میں بھیج دیا ہے اسی طرح وہ لوگ بھی مجھے ایک بدکار عورت سمجھ کر گھر سے نکال
دیں گے۔''

''نہ بختی!'' ــــ سعید کی ماں نے کہا ــــ ''ہم اتنے اوچھے اور تھوڑ دلے لوگ نہیں۔
ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ سنی سنائی پر تمہیں گناہ گار سمجھ لیں اور گھر سے نکال دیں۔''

بختی نے سعید کی ماں سے کہا کہ سعید نے ہجرت کے دوران اسے بتایا تھا کہ وہ
بڑے ہی اونچے خاندان کا لڑکا ہے اور بڑے ہی امیر کبیر چوہدری کا بیٹا ہے۔ اس نے کہا
تھا کہ ہندوستان ہو یا پاکستان، ان کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بختی نے اس چوہدرانی سے کہا کہ وہ دنیا میں تنہا رہ گئی تھی۔ اگر وہ بدنیت ہوتی تو اس
امیرزادے کو وہیں اپنے پنجے میں لے لیتی۔ وہ تو خود اس کے پنجے میں آ رہا تھا۔ بختی کو کوئی
لالچ ہوتا اور اپنی عزت و آبرو کی پرواہ نہ ہوتی تو اپنا آپ وہیں سعید کے سپرد کر کے اس پر
قبضہ کر لیتی لیکن اس کی بجائے اس نے سعید کو اللہ کے راستے پر لانے کی پوری کوشش کر
ڈالی۔

''اور پھر خالہ جان!'' ــــ بختی نے کہا ــــ ''میں آپ کے گھر میں رہی، آپ نے
دیکھ لیا ہوگا کہ میں نے کبھی بھی کوشش نہیں کی کہ سعید کو الگ تھلگ پاس بٹھا لوں۔ یہ میں نے
ہی آپ کو بتایا تھا کہ آپ نے سعید کی جہاں منگنی کی ہے وہاں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا اور یہ
میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اگر نیت میں فتور ہوتا تو میں در پردہ سعید کو اس کی منگیتر کے خلاف

"بھڑکائے رکھتی اوراپنے جال سے نکلنے نہ دیتی"۔

+++

بس چلتی، رکتی، کہیں دو چار سواریاں اتارتی اور پانچ سات سواریاں اٹھاتی لاہور کی طرف چلی جارہی تھی۔ سعید کی ماں اور بختی کو بالکل دھیان نہیں تھا کہ لاہور کتنی دور رہ گیا ہے۔ وہ ایسے مسئلے میں الجھی ہوئی تھیں جو سعید کی ماں کے لیے بہت ہی اہم تھا مگر نا قابل فہم۔

بختی کے لیے اس میں کوئی الجھاؤ نہیں تھا۔ الجھاؤ تھا تو یہ تھا کہ کس طرح ان سب لوگوں کو یقین دلائے گی کہ وہ پاکیزہ چال چلن کی عورت ہے اور یہ پیر بدکار انسان ہے۔ سعید کی ماں کو صحیح طور پر معلوم نہیں تھا کہ بختی ان کے گھر اتفاق سے کس طرح آ گئی تھی۔ اس نے ہلکا سا اس طرف اشارہ کیا۔

بختی نے بڑے صاف الفاظ میں چوہدرانی کو بتایا کہ وہ سعید کو اس قابل سمجھتی ہی نہیں تھی کہ اس کے ساتھ جائز یا ناجائز دوستی جیسا تعلق رکھا جاتا۔ اس نے کہا کہ وہ سعید کو تقریباً اٹھا کر اور اپنی عزت اور جان کو خطرے میں ڈال کر پاکستان میں لے آئی لیکن سعید اسے تن تنہا کیمپ میں چھوڑ کر بتائے بغیر غائب ہو گیا۔

"خالہ جان!"۔۔۔ بختی نے سعید کی ماں سے کہا۔۔۔ "میں جب واپس اپنی بارک میں آئی تو وہاں رہنے والے ایک دو آدمیوں نے مجھے بتایا کہ تمہارا ساتھی تو چلا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سعید نے کہا تھا کہ وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر نہیں جائے گا تو اسے جو آدمی لینے آئے تھے ان میں سے ایک نے کہا، چلو یار، تمہارے لئے لڑکیوں کی کیا کمی ہے۔ سعید نے ہنس کر کہا، یہ ٹھیک ہے، لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں......

"خالہ جان، آپ ہی بتائیں میرے دل پر کیا گزری ہوگی۔ کتنے دن تو میں بارک سے دور جا کر الگ بیٹھتی اور روتی ہی رہتی۔ سعید کے بارے میں یہی کہہ سکتی تھی کہ کسی اوچھے اور احسان فراموش اور خود غرض خاندان کا آدمی تھا۔ اچھا ہوا جلدی میری زندگی سے نکل گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میں دھوکے میں آ کر آپ کے گھر پہنچ گئی"۔

"دھوکے میں؟"۔۔۔ سعید کی ماں نے حیران ہو کر پوچھا۔۔۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟"
بختی نے اسے بتایا کہ کس طرح دو تین آدمی بڑے ہی نیک بندے بن کر اس کے

پاس جاتے رہے تھے اور اسے شادی کا جھانسہ دے کر یہاں لے آئے تھے اور چوہدری صاحب کے سامنے بٹھا دیا۔ پھر اس نے سنایا کہ سعید کی فوٹو دیکھ کر وہ چونکی اور سعید کو اس سے ملوایا گیا۔ بختی نے یہ ساری بات سنائی اور سعید کے باپ کو اس نے بتایا کہ وہ کس طرح سعید کو ساتھ لائی تھی۔ پھر کس طرح چوہدری صاحب مہربان ہو گئے اور اسے گھر رکھ لیا۔

"خالہ جان!"۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ "میں نے آپ کو یہ بات مکمل طور پر نہیں سنائی۔ یہ کبھی چوہدری صاحب کی زبانی سنیں۔ میرا خیال ہے وہ پوری بات نہیں سنائیں گے"۔

"میں تمہیں سچی بات بتاتی ہوں بختی!"۔۔۔ سعید کی ماں نے کہا۔۔۔ "چوہدری نے تم پر مہربان ہونا ہی تھا۔ تم ہمارے اکلوتے بیٹے کو معذوری کی حالت میں زندہ اور سلامت لاہور تک لے آئی تھیں۔ میرے دل میں بھی اسی وجہ سے تمہارا پیار پیدا ہوا تھا۔ یہ تو میں نے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ تم ہمارے گھر کس طرح پہنچی ہو"۔

"میں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ مجھے شادی کا جھانسہ دیا گیا تھا"۔۔۔ بختی نے بچ بچ کر بات کرتے ہوئے کہا۔۔۔ "معلوم نہیں یہ جھانسہ اور دھوکہ تھا یا واقعی میری شادی کروائی جارہی تھی"۔

بختی نے مجھے یہ بات سناتے ہوئے کہا کہ وہ چوہدری پر یہ الزام عائد کرنے سے ڈرتی تھی کہ اسے صاف کہا گیا تھا کہ ایک چوہدری اس کے ساتھ شادی کا خواہش مند ہے۔ سعید کی ماں ہنس پڑی۔

"تم شاید نہیں جانتیں بختی!"۔۔۔ سعید کی ماں نے طنزیہ اور خوشگوار لہجے میں کہا۔۔۔ "میں اپنے اس چوہدری کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ تمہیں اگر معلوم نہیں تھا کہ تمہاری شادی کس کے ساتھ کرائی جارہی تھی تو وہ مجھ سے سن لو۔ کیا میرا بیٹا اور کیا بیٹے کا باپ، دونوں نوجوان لڑکیوں کے ٹھرکی اور شکاری ہیں۔ چوہدری نے تمہیں اپنے لیے کیمپ سے نکلوایا ہوگا لیکن تم نے یہ بات سنا دی کہ تم ہمارے بیٹے کو اس طرح لائی تھیں تو چوہدری کا دماغ دوسری لائن پر چڑھ گیا۔ تم نے شاید دیکھ لیا ہوگا کہ چوہدری اپنے اس بیٹے کے ساتھ دیوانوں جیسا پیار کرتا ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ تم میرے چوہدری سے بچ گئی ہو۔ اس نے تمہارے ساتھ شادی کرنی تھی یا کہیں اور رکھ کر تمہارے ساتھ موج میلہ کرتے رہنا تھا"۔

''سعید مجھے اپنی منگیتر سمجھتا ہے'' ___ بختی نے کہا ___ ''میں اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں بہت سنجیدہ ہوں خالہ جان! ...... میں ایسے شخص کے ساتھ کبھی شادی نہیں کروں گی جو صرف جسمانی تعلق کو جانتا ہے ...... اور خالہ جان، ناراض نہ ہونا، سعید صرف جسمانی لحاظ سے بالغ ہوا ہے، ذہنی طور پر یہ ابھی بچہ ہے اور ابھی تک کھلونے مانگتا ہے۔ میں ایک کھلونا ہوں جو اسے پسند آ گیا ہے۔ میں اتنا تو سمجھ سکتی ہوں کہ یہ جلدی ہی مجھ سے اکتا جائے گا اور کسی اور لڑکی کے پیچھے لپکنا شروع کر دے گا ...... اور تو اور چوہدری صاحب نے بھی مجھے کہا تھا کہ اس لڑکے سے ذرا بچ کر رہنا''۔

''میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے'' ___ سعید کی ماں نے کہا ___ ''ہمارا مقصد یہ نہیں کہ تمہیں بدنام کیا جائے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ سعید اپنی منگیتر کو قبول کر لے۔ میں گھر جا کر سعید سے کہوں گی کہ پیر صاحب نے بتایا ہے کہ بختی بہت ہی گندی اور بدنام عورت ہے اور وہ اسے پاکستان سے پہلے کے جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عورت تمہارے گھر میں رہی تو پورے خاندان کو بدنام کر دے گی اور سعید کے لئے تو یہ بہت ہی منحوس ثابت ہوگی''۔

سعید کی ماں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی تھی کہ بختی بول پڑی۔ وہ جان گئی کہ یہ چوہدرانی کیا چکر چلانا چاہتی ہے، اس نے کہہ دیا کہ ایسے ہی کر کے دیکھ لیں۔ وہ یہ بھی برداشت کر لے گی۔

''لیکن خالہ جان!'' ___ بختی نے کہا ___ ''ایسا نہ ہو کہ ہر طرف اور ہر جگہ مجھے بدنام کر دیا جائے کہ اس عورت کو فلاں پیر جانتا ہے اور اس نے اس کے بارے میں یہ باتیں بتائی ہیں۔ یہ بھی دل میں رکھیں کہ میں نے ابھی اس پیر کے بارے میں وہ باتیں نہیں بتائیں جن کا ابھی صرف اشارہ دیا ہے''۔

سعید کی ماں نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور یہ بات صرف سعید تک محدود ہوگی ...... سعید کی ماں نے بختی سے کہا کہ پوری بات نہ سنائے کچھ تو بتا دے کہ یہ بات کیا تھی!

بس لاہور میں داخل ہو گئی تھی۔ بختی نے مختصراً سنا ڈالا کہ اس پیر نے اسے پھانسنے کے لیے کیا کچھ کیا تھا اور آخر اسے اغوا کر لیا۔ بختی کی ماں نے تھانے جا کر پیر کے خلاف

شک لکھوا دیا اور سکھ تھانیدار نے بختی کو پیر کے گھر سے برآمد کر لیا پھر پیر اور اس کے جرائم پیشہ آدمی کو گرفتار کر لیا۔

''یہ پیر خوش قسمت تھا کہ پاکستان بن گیا'' ___ بختی نے کہا ___ ''یہ وقت سے پہلے بھاگ آیا اور اس کے غنڈے بھی اس کے ساتھ آ گئے۔ اگر پاکستان وجود میں نہ آتا تو اس وقت پیر اپنے غنڈوں کے ساتھ جیل میں ہوتا ...... آگے آپ کی مرضی جو آپ اپنے بیٹے کی بہتری کے لیے ٹھیک سمجھتی ہیں کریں''۔

سعید کی ماں یہ بات سن کر حیران سی ہو گئی جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ بختی نے کہا کہ وہ اپنے چوہدری صاحب سے کہے اور دوسرے چوہدری صاحب کو بھی کہہ دے کہ ضلع لدھیانہ کے اس تھانے کو خط لکھ کر تصدیق کروا لیں کہ میری یہ بات سچ ہے یا جھوٹ۔

یہ بات مجھے سناتے ہوئے بختی نے کہا کہ اس کے دل کچھ ایسا بوجھ آن پڑا کہ اس کے آنسو نکل آئے۔ اسے اپنی تنہائی اور بے بسی کا خیال آ گیا۔ اس کے ذہن میں کچھ اس قسم کی تلخ باتیں آئیں کہ وہاں وہ اس پیر کے ہاتھوں پریشان تھی پھر وہ سکھوں سے اپنا آپ بچاتی تن تنہا ویرانوں اور جنگلوں میں پھرتی رہی اور یہاں وہ ان چوہدریوں کے درمیان آ کر ایسی صورتِ حال میں پھنس گئی ہے جو نہ جانے اسے کس ذلت تک پہنچائے گی۔ ایک ہی خیال آتا تھا کہ وہ بھاگ نکلے لیکن جائے کہاں!

''سعید کی ماں نے میرے آنسو دیکھ لئے'' ___ بختی نے مجھے سنایا ___ ''اس نے بازو میرے کندھوں پر رکھ کر اپنے ساتھ لگا لیا اور بڑے پیار سے تسلیاں دینے لگی کہ وہ اتنی بھی پریشان نہ ہو جائے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ساقی کی ماں یعنی دوسری چوہدرانی کو میں یہ بتاؤں گی کہ پیر نے مجھے اپنے سامنے بٹھا کر کچھ پڑھا اور پھونکا تھا اور دو تعویذ دیئے تھے ...... یہ اس چوہدرانی کی کشادہ ظرفی تھی کہ وہ میری عزت کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی اور شاید دل سے بھی ایسی کوشش میں تھی کہ میں بدنام نہ ہو جاؤں لیکن میرے دل سے یہ ڈر نہ نکلا کہ یہ چوہدرانیاں مل بیٹھیں گی تو مجھے بدنام کر دیں گی''۔

بس لاہور کے اڈے پر آن رکی۔ بختی اور چوہدرانی تانگے میں بیٹھیں اور گھر آ گئیں۔ بختی سعید کی ماں کے ساتھ جانے کی بجائے ساقی کے گھر چلی گئی۔

+++

بختی اپنے روزمرہ معمول پر رواں ہوگئی۔ بہت دنوں سے سعید اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔اس کی باتیں بختی تک پہنچتی رہتی تھیں۔ یہ باتیں دراصل سعید کے والدین کی پریشانی کی تھیں۔سعید نے اعلان کر رکھا تھا کہ اس کی شادی بختی کے ساتھ ہی ہوگی۔ ساقی کی ماں اور اس کے باپ نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ سعید کو ماں باپ کے بے جا لاڈ پیار نے ذہنی مریض بنا دیا ہے۔

پیر کی اس ملاقات کے تیسرے چوتھے روز بختی روزمرہ کی طرح مارکیٹ سودا سلف لینے گئی تو اچانک سعید اس کے سامنے آ گیا اور اسے ایک طرف لے گیا۔

''میرے اس فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا کہ میری شادی تمہارے ساتھ ہوگی''۔۔۔ سعید نے قدرے غصے کی حالت میں کہا۔۔۔ ''لیکن اب ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ میری ماں تمہیں ایک پیر کے پاس لے گئی تھی؟''

''ہاں سعید!''۔۔۔ بختی نے جواب دیا۔۔۔ ''لے گئی تھی اور یہ وہی پیر نکلا جس کی بات میں نے تمہیں اس جنگل میں سنائی تھی''۔

بختی نے مجھے سنایا کہ سعید نے پوچھا کہ پیر نے بختی کے ساتھ کیا باتیں کی تھیں۔ بختی نے یہ نہ سوچا کہ سعید کا ردِعمل کیا ہوگا اور وہ کسی خطرناک حد تک بھی پہنچ سکتا ہے، اسے وہ ساری باتیں سنا دیں جو اس کی پیر کے ساتھ ہوئی تھیں اور جس طرح بختی نے پیر کو دھتکارا تھا وہ بھی سنا دیا۔

''میں اس پیر کو ذلیل وخوار کر کے رکھ دوں گا''۔۔۔ سعید نے کہا۔۔۔ ''اس نے میری ماں کو تمہارے خلاف بہت بھڑکایا ہے اور یہ کہتا رہا ہے کہ بختی بڑی بدکار عورت ہے اور یہ تمہارے خاندان کو بدنام کر دے گی''۔

بختی نے مجھے یہ بات سناتے ہوئے کہا کہ سعید کا غصہ دیکھ کر اس کے اندر بھی غصہ پیدا ہو گیا۔ وہ اس پیر کو کسی قیمت پر بخش نہیں سکتی تھی۔ اس نے پیر کی ایسی باتیں سنائیں کہ سعید اور زیادہ بھڑک اٹھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سعید بختی سے ملا اور اس کے ساتھ کوئی رومانی بات نہ کی نہ یہ کہا کہ چلو کچھ دیر ریسٹورنٹ میں بیٹھتے ہیں۔ غصہ اس کے چہرے اور آنکھوں سے چھلک رہا تھا۔

بختی سمجھ گئی کہ سعید کی ماں نے اپنی سکیم کے مطابق سعید سے کہا ہوگا کہ پیر نے بختی

کے بارے میں یہ کچھ بتایا ہے۔ اسے توقع ہوگی کہ سعید پر یہ اثر ہوگا کہ وہ بختی سے متنفر ہو جائے گا لیکن اثر الٹا ہوا۔ اس نے بختی سے تصدیق کر لی اور غصے کی حالت میں چلا گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بختی کو ادھر اُدھر سے پتہ چلتا رہا اور یہ سب اس نے مجھے بتایا۔ میں اسے ایک کہانی کی صحیح ترتیب میں سناتی ہوں۔

ہوا یہ کہ اگلے ہی روز سعید اپنے ایک ساتھی کے ساتھ صبح کہیں چلا گیا اور دوپہر کے بعد واپس آیا۔ اس کا باپ اسے باہر ہی کہیں مل گیا۔ اس نے سعید کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایک آنکھ کے قریب نیلا سا ابھار تھا۔ ویسے بھی چہرے کی حالت بتا رہی تھی کہ اسے تھپڑ اور گھونسے مارے گئے ہیں۔ ایسی ہی حالت سعید کے دوست کی بھی تھی۔ دونوں کے کپڑے ایک دو جگہوں سے پھٹے ہوئے تھے۔ سعید کا کندھے کے قریب سے تھوڑا سا خون بھی نکلا تھا۔ مختصر یہ کہ ان دونوں کا حلیہ ہی بگڑا ہوا تھا۔

چوہدری نے سعید سے پوچھا کہ وہ کس کے ساتھ لڑ کر آیا ہے اور اس وقت تک کہاں رہا ہے۔ سعید نے باپ کو ٹالنے کی کوشش کی جیسے کوئی خاص بات نہ ہوئی ہو لیکن چوہدری اپنے بیٹے کی یہ حالت برداشت نہ کر سکا۔ اس نے سعید کے دوست کو ڈانٹ کر پوچھا کہ وہ سچ بتائے۔

یہ لڑکا اتنے بڑے چوہدری کا رعب برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اس جگہ کا نام لیا اور پھر بتایا کہ وہاں ایک پیر ہے جس کے گھر گئے تھے اور سعید نے اس پیر کے ساتھ بدتمیزی کی اور اس کے آدمیوں نے ان دونوں کی خوب پٹائی کی ہے۔

اب چوہدری نے سعید سے پوچھا کہ وہ صحیح بات بتائے۔ سعید نے باپ کو بتا دیا کہ اسے ماں نے بتایا تھا کہ اس پیر نے بختی پر بہت برے الزام لگائے ہیں اور اسے بدکار اور نہ جانے کیا کچھ کہا ہے۔ اس طرح سعید نے باپ کو ساری بات بتا دی اور کہا کہ بختی اس کی منگیتر ہے۔

چوہدری سعید اور اس کے دوست کو اپنے گھر لے آیا اور سعید کی ماں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ سعید کی ماں نے بچ بچ کر اسے سنایا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ یہ تو وہ بتانے کی جرأت ہی نہیں کر سکتی تھی کہ اس نے یہ ترکیب استعمال کی تھی کہ سعید کو بتایا جائے کہ پیر کے کہنے کے مطابق بختی بدکردار عورت ہے اور یہ سارے خاندان کو بدنام کر دے گی۔

سعید نے اپنے باپ کو سنایا کہ بختی نے ہجرت کے وقت جالندھر کے راستے میں اسے سنایا تھا کہ اس پیر نے بختی کو اغوا کروایا اور اپنے چار پانچ جرائم پیشہ آدمیوں کے ساتھ گرفتار ہو گیا تھا اور پھر ضمانت پر رہا ہوا اور پاکستان بننے سے پہلے ہی ان آدمیوں کے ساتھ ادھر بھاگ آیا تھا۔

چوہدری تو غصے سے باؤلا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے پہلے تو اپنی بیوی کو ڈانٹ پلا دی کہ وہ بختی کو اس پیر کے پاس لے ہی کیوں گئی تھی اور پھر سعید کو کیوں بتایا کہ پیر نے کیا کہا تھا۔ چوہدری نے کہا کہ ان پیروں کو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ دراصل چوہدری اپنے بیٹے کی پٹائی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ غلطی خواہ اس کے اپنے بیٹے ہی کی کیوں نہ تھی۔

چوہدری نے سعید اور اس کے دوست کی قمیض اتروا کر دیکھا۔ ان کے جسموں پر جو نشان تھے ان سے پتہ چلتا تھا کہ دونوں کی بہت ہی پٹائی کی گئی ہے۔ اب تو چوہدری کا یہ حال تھا جیسے وہ اپنے آپ پر قابو کھو بیٹھا ہے۔ وہ بولتا کچھ بھی نہیں تھا، بڑی ہی بے چینی سے کمرے میں ٹہلتا، رکتا اور بیٹھ جاتا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھا کر زور زور سے ملتا اور مروڑتا تھا۔

بختی کو جو تفصیلات کچھ دن بعد ملی تھیں وہ میں یہیں بیان کر دیتی ہوں...... سعید اور اس کا دوست پیر کے ہاں گئے اور پیر انہیں اپنے مرید یا سائل سمجھ کر خاص کمرے میں لے گیا۔ سعید نے بڑے غصے میں بختی کا نام لیا اور پیر سے کہا کہ اس نے اس نیک عورت کو بدکار اور نہ جانے کیا کیا کہا ہے۔ سعید نے پیر کو صرف دھمکیاں ہی نہیں دیں بلکہ اسے دو چار گالیاں بھی دے ڈالیں۔

پیر باہر نکلا اور جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ تین آدمی تھے۔ پیر نے دونوں لڑکوں کی طرف اشارہ کیا تو تینوں آدمی ان دونوں پر ٹوٹ پڑے۔ پیر نے دروازہ بند کر دیا اور آخر خود بھی اس لڑائی میں شامل ہو گیا۔ سعید اور اس کا دوست بھی آخر جوانی کی عمر میں تھے۔ انہوں نے مقابلہ تو کیا لیکن دو چار آدمی تھے جن میں پیر بھی شامل تھا۔ انہوں نے دونوں کی بہت بری پٹائی کی اور دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔

+ + +

بختی نے یہ واردات مجھے سناتے ہوئے کہا کہ جوں جوں اسے یہ باتیں معلوم ہوتی

ا رہی تھیں اس کا دل ایک اذیت ناک شکنجے میں آتا جا رہا تھا۔ اسے خیال آتا تھا کہ یہ سب رف اس کے پیچھے ہو رہا ہے اور اس کا انجام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیر اور چوہدری اکٹھے ہو ائیں گے اور بختی کی شامت آ جائے گی۔ اس کا ایک ہی علاج تھا کہ بختی وہاں سے غائب ہو جاتی لیکن پھر وہی رکاوٹ کہ جاتی کہاں!

''وہ وقت گزر گیا ہے'' —— بختی نے مجھے بتایا —— ''آدھی صدی گزر گئی ہے۔ میں جوانی کی عمر میں آن پہنچی ہوں کہ کسی بھی لمحے قبر میں اتر جاؤں گی لیکن ایک تلخی اکثر دل و دماغ میں سر اٹھاتی اور بچھوؤں کی طرح ڈنک مارتی ہے۔ تلخی یہ ہے کہ میں آج بھی اس پیر کا نام نہیں لے سکتی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں آدھی صدی پہلے پیر کے خلاف لوگوں کو بتاتی اور لوگ اسے دھتکار دیتے لیکن میں دیکھ اور سن رہی تھی کہ اس پیر کی پیری مریدی کا سلسلہ بڑی تیزی سے وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے اور لوگ اس کی کرامات سنتے اور سناتے ہیں......

''آج اس پیر کا ایک جوان بیٹا گدی نشین ہے اور وہ پیر کبھی کا دنیا سے اٹھ گیا ہے لیکن لوگ اس کے مزار پر جا کر سجدے کرتے ہیں اور اس کی قبر کی مٹی اپنے بچوں کی زبانوں پر رکھتے ہیں۔ یہ گدی اب ایک طاقت بن گئی ہے۔ جس میں سیاسی طاقت بھی شامل ہے۔ لیڈری کی سطح کے بعض لوگ اس گدی کے مرید ہیں اور یہ میں جانتی ہوں کہ اس گدی کے غنڈے اور دہشت گرد مشہور ہیں۔ کوئی اس گدی کے خلاف بات بھی نہیں کر سکتا۔ اس علاقے کی پولیس بھی اس گدی کے پیر کے اشاروں پر ناچتی ہے......

''پیروں کو شہرت اور مقبولیت لوگ دیا کرتے ہیں۔ لوگ اپنے مسائل سے گھبرائے ہوئے یا اپنے مسائل سے بھاگے ہوئے ان پیروں کے آستانوں پر جا ماتھے رگڑتے ہیں۔ آپ خود علم اور تعلیم والی ہیں خود سمجھ سکتی ہیں کہ پیروں کو پاور کون بناتا ہے، اسمبلیوں کے انتخابات میں سیاسی لیڈران پیروں کو استعمال کرتے ہیں اور جب لیڈر برسرِ اقتدار آ جاتے ہیں تو ان پیروں کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی دے دیتے ہیں۔ ہمارے علماء دین تو اس معاملے میں بالکل ہی خاموش ہیں۔ وہ بھی شاید جانتے ہیں کہ یہ پیر سیاسی طاقت رکھتے ہیں اور قانون کو موڑ توڑ لیتے ہیں۔ ہمارا ملک اور اس ملک کے لوگ ان پیروں اور جاگیرداروں کے قبضے میں ہیں اور باتیں ہوتی ہیں اسلام اور شریعت کی۔ یہ ایک گناہ ہے

جس کا ارتکاب ہوتا ہی چلا جا رہا ہے اور اللہ کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہے''۔

بختی نے کہا کہ وہ اپنی زندگی کی جو داستان سنا رہی ہے اس میں آپ دیکھ رہی ہیں کہ جہاں اس پر کوئی مصیبت آن پڑی یا کوئی ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی جس سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا، اس نے اللہ کو پکارا اور اللہ اس کی مدد کو پہنچا۔ بختی نے یہ بھی کہا تھا کہ میں اگر اس کی یہ داستان لکھنا ہی چاہتی ہوں تو یہ ضرور لکھوں کہ اس داستان کے اس پہلو پر پڑھنے والے زیادہ غور کریں کہ اللہ کے سوا کوئی طاقت کسی کا کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتی اور مصائب اور مسائل سے نکالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

میں کہہ رہی تھی کہ بختی کو ایک بات بعد میں پتہ چلی تھی جو میں یہیں بیان کر دیتی ہوں۔ بہتر ہے کہ یہ بھی بتا دوں کہ یہ واقعہ کس طرح معلوم ہوا تھا۔ جس دن سعید اور اس کا دوست پیر کے ہاں جا کر مار کھا کے واپس آئے تھے اس سے چار پانچ روز بعد چوہدری کا پیغام اس چوہدری کے پاس آیا جس کے ہاں بختی رہتی تھی۔ پیغام یہ تھا کہ بختی کو ساتھ لے کر اس کے ہاں آ جائیں اور چوہدرانی بھی ساتھ ہو۔

بختی کو جب یہ پیغام بتایا گیا تو گھبراہٹ سے اس کا تو پسینہ ہی نکل آیا۔ اسے اس کے سوا اور کیا توقع ہو سکتی تھی کہ اس کے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو گئی ہے۔ وہ جانے سے انکار تو نہیں کر سکتی تھی البتہ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس کے خلاف کوئی بات یا کارروائی ہوئی تو وہ کھل کر اور بڑی جرأت سے سب کو سنائے گی کہ پیر نے سرحد پار اس کے ساتھ کیا کیا تھا اور اب وہ پیر کی موجودگی میں اس کی یہ واردات سنانے کو تیار ہے اور پھر وہ یہ بھی کہے گی کہ وہ لدھیانہ ضلع کے اس تھانے کو خط لکھ کر پیر کے اس مقدمے اور ضمانت کا ریکارڈ یا خط کے ذریعے تصدیق منگوائے گی یا کوئی چوہدری یا بڑا آدمی اس کا یہ کام کر دے تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آ جائے۔

یہ چوہدری اپنی چوہدرانی اور بختی کو ساتھ لے کر سعید کے گھر چلا گیا۔ سعید کے گھر چوہدری، چوہدرانی اور سعید بیٹھے تھے وہ انہیں ملے تو اچھی طرح لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ کوئی بڑا ہی سنگین مسئلہ درپیش ہے۔ بختی نے مجھے بتایا کہ اس نے سعید کے باپ کے چہرے پر ایسا تلخ تاثر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

چوہدری نے نوکر کو آواز دی۔ نوکر کمرے میں آیا تو چوہدری نے اسے کہا، انہیں اندر

بھیج دو۔ نوکر کے جانے کے بعد چار آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

ان چاروں میں سے ایک کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی لیکن باقی تین کی حالت بتا رہی تھی کہ ان پر بے پناہ تشدد کیا گیا ہے۔ یہ تینوں چوہدری کے اشارے پر فرش پر بیٹھ گئے اور چوتھا جو بالکل ٹھیک نظر آ رہا تھا وہ چوہدری کے اشارے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''انہیں اچھی طرح دیکھو بختی!''۔۔۔ سعید کے باپ نے ان تین آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے بختی سے کہا۔۔۔ ''کیا تم انہیں پہچانتی ہو؟''

تب بختی نے ان تینوں کو ذرا غور سے دیکھا تو انہیں پہچان لیا۔

''ہاں چوہدری صاحب!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''میں ان تینوں کو اچھی طرح پہچانتی ہوں...... یہ اس پیر کے خاص غنڈے ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے انہوں نے مجھے اغوا کیا تھا۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ پھر ایک تھانیدار نے جو سکھ تھا، مجھے پیر کے گھر سے برآمد کیا اور یہ پیر اور یہ تینوں آدمی گرفتار کر لئے گئے تھے اور پھر ان پر مقدمہ چلا تھا کہ لیکن اس دوران ملک تقسیم ہو گیا اور پیر اور سارے آدمی وہاں سے بھاگ آئے''۔

سعید کے باپ نے ان تین آدمیوں سے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک یہ سنائے کہ انہوں نے بختی کو کیوں اغوا کیا تھا...... ان میں سے ایک آدمی بولنے لگا۔ اس کی آواز سے پتہ چلتا تھا کہ اچھی طرح بول نہیں سکتا۔ آواز میں نقاہت کا تاثر تھا۔

اس شخص نے وہ ساری واردات سنا ڈالی جو بختی پہلے مجھے سنا چکی ہے۔ یہ میں پوری تفصیل سے بیان کر آئی ہوں۔ مختصر یہ کہ اس آدمی نے سنایا کہ پیر بختی کے پیچھے پڑ گیا تھا اور بختی اس کے ہاتھ نہیں آ رہی تھی بلکہ اس نے یہاں تک سنایا کہ بختی پیر کے خاص کمرے میں مردوں کی طرح مقابلے پر اتر آئی تھی۔ پیر کے کہنے پر بختی کو انہوں نے اغوا کیا اور پیر کے گھر کے ہی ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اس طرح اس آدمی نے پوری واردات سنا ڈالی جس سے اس پیر کے سارے پردے اٹھ گئے۔

سب سن کر حیران رہ گئے۔ سب سے زیادہ خوشی تو بختی کو تھی۔ یہ واردات وہ خود سنانا چاہتی تھی لیکن ڈرتی تھی کہ کوئی اس پر اعتبار نہیں کرے گا۔ وہ بات ان جرائم پیشہ آدمیوں نے سنا ڈالی لیکن یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ چوہدری نے اس آدمی سے یہ بات کیوں کہلوائی ہے اور یہ تینوں آدمی چوہدری کے گھر میں کیسے آ گئے ہیں اور یہ چوتھا آدمی کون ہے۔ سعید کا

باپ بہت ہی سنجیدہ صورت بنائے بیٹھا سب کو دیکھ رہا تھا۔ آخر ساقی کے باپ نے سعید کے باپ سے پوچھا کہ یہ بات کیا ہے اور انہیں کیوں بلایا گیا ہے۔

''چوہدری صاحب!''___ سعید کے باپ نے کہا___ ''یہ بات تو میں نے آپ سب کو بتانی ہی تھی۔ میں اس سارے معاملے کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا لیکن اس میں بختی کی عزت اور بے عزتی کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ بختی نے مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میرے اکلوتے بیٹے کو سہارا دے کر یعنی موت کے منہ سے نکال کر لائی تھی۔ میں اسے بڑی اچھی طرح دیکھ چکا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی لیکن ایک پیر نے اسے بدنام کر ڈالا ہے''۔

سعید کے باپ کو اس کی بیوی نے بتا دیا تھا کہ وہ اس پیر کے پاس پہلے گئی تھی اور یہ مسئلہ پیش کیا تھا کہ اس کا بیٹا ایک عورت کی طرف سے ہٹ نہیں رہا۔ پیر نے کہا کہ اس عورت کو اس کے پاس لایا جائے۔ چوہدرانی بختی کو لے گئی اور یہ وہی پیر نکلا جس نے سرحد پار بختی کو اغوا کروایا تھا۔

سعید کی ماں نے اپنے چوہدری کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ پیر نے بختی کو کس قدر بدکار اور بدنام ثابت کیا ہے۔ چوہدری نے سنایا کہ وہ کسی اور طریقے سے انکوائری کرنا چاہتا تھا کہ بختی کے خلاف یہ الزامات کہاں تک صحیح ہیں، صحیح ہیں بھی یا سفید جھوٹ ہیں لیکن سعید کو پتہ چلا تو وہ ایک دوست کو ساتھ لے کر پیر کے ہاں جا پہنچا اور وہاں سے دونوں مار کھا کے آ گئے۔

پھر سعید کے باپ نے اتنا ہی سنایا کہ اس نے پیر کے ان تینوں آدمیوں کو اپنے ذرائع سے پکڑ لیا اور یہاں لے آیا۔ یہاں ان کی مار پٹائی کی گئی تو انہوں نے صحیح بات بتا دی ہے۔

''ایک تو میں نے اپنے بیٹے کی پٹائی کا انتقام لیا ہے''___ سعید کے باپ نے کہا___ ''اور میرا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ سب کو دکھا دوں کہ یہ پیر کیا ہے اور بختی کیا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ بختی کا احسان میں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے کہ کوئی بلاوجہ جھوٹے الزام عائد کر کے اسے بدنام کرے۔ آپ سے یہی درخواست کروں گا کہ اس عورت کی قدر کریں''۔

ساقی کے باپ نے اور اس کی ماں نے بھی کہا کہ انہیں تو معلوم ہی نہیں کہ پیر نے بختی پر یہ الزامات لگائے ہیں۔ یہ سعید کی ماں کی دیانت داری تھی کہ اس نے پیر کی کوئی بات اس چوہدرانی کو نہیں سنائی تھی۔

''اب تم تینوں میری بات غور سے سنو''___ چوہدری نے ان تین آدمیوں سے کہا___ ''یہاں سے چلے جاؤ تمہاری مرضی ہے پیر کے پاس جاؤ یا جہاں کہیں جانا چاہتے ہو غائب ہو جاؤ۔ تم نے میری طاقت دیکھ لی ہے۔ پیر کو جا کر بتانا کہ اس چوہدری نے کس طرح انہیں اپنے پھندے میں لیا تھا اور اسے کہنا کہ اپنے علاقے میں پیری مریدی کا چکر چلاتا رہے اور اگر اس نے کوئی اور گڑبڑ یا بدمعاشی کی تو پیری سے ہاتھ دھو بیٹھے گا...... جاؤ''۔

تینوں اٹھے، جھک کر اور ماتھوں پر ہاتھ رکھ کر چوہدری کو سلام کیا اور چلے گئے۔ چوتھا آدمی کرسی پر بیٹھا مسکراتا رہا۔ چوہدری نے اسے بھی کہا کہ وہ چلا جائے اور شام کو اسے یہیں گھر پر ملے۔ یہ آدمی بھی اٹھا جھک کر سلام کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

بختی نے مجھے سنایا کہ اس پر جذبات کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس کے آنسو نکل آئے جو اس نے پونچھ ڈالے لیکن اس کی تو سسکیاں نکلنے لگیں۔ سعید کی ماں اٹھ کر بختی کے پاس آ بیٹھی اور اسے اپنے بازوؤں میں لے کر پیار سے بہلانے لگی۔

''کیا اسے آپ اللہ کی مدد نہیں کہیں گی؟''___ بختی نے مجھے یہ بات سناتے ہوئے کہا___ ''میں ان چوہدریوں میں آخر تھی ہی کیا؟...... میری حیثیت تو ایک نوکرانی کی سی تھی لیکن اللہ نے ایسی عزت بخشی کہ اتنے بڑے چوہدریوں نے مجھے وہ اہمیت دی جو میری حیثیت کی عورتوں کو شاذ و نادر ہی حاصل ہوا کرتی ہے۔ میں گناہگار نہیں تھی۔ پھر بھی بہت ہی برے انجام کی طرف بڑھی جا رہی تھی اور میں بالکل ہی بے بس تھی۔ راتوں کو میں نے اللہ کے حضور سجدے کیے اور مدد مانگی تھی۔ اللہ سے یہ بھی کہا کہ زمین پر میرے لیے کوئی پناہ نہیں تو مجھے زمین سے اٹھا لے اور اپنے پاس بلا لے...... اللہ نے سنی اور دیکھئے مجھے کیسی عزت ملی''۔

ایک طرف تو بختی اللہ کا شکر ادا کرنے لگی کہ اس کی عزت اور آبرو پر حرف نہیں آیا اور اس کے ساتھ ہی وہ بہت حیران ہوئی کہ ان چوہدریوں کی کتنی طاقت ہے کہ ایک پیر

کے غنڈوں کو اتنی دور سے بلوا کر ان کی پٹائی کروائی اور ان سے سچ اگلوالیا اور پھر پیر کو دھمکی بھیجی اور اسے چیلنج بھی کیا۔ بختی نے کہا کہ اس وقت تو وہ ان چوہدریوں کی بہت مشکور تھی لیکن اسے بالکل پتہ نہ تھا کہ ایک دن اسی نسل کے چوہدری پاکستان پر حکومت کریں گے اور ان میں سے جو حکمران نہیں ہوں گے وہ دیہاتی علاقوں میں اپنی اپنی بادشاہیاں قائم کر لیں گے اور ان کے ہاتھوں کسی کی عزت محفوظ نہیں رہے گی، یہ اپنا قانون چلائیں گے اور ملک میں طوائف الملوکی چلے گی۔

سعید کے باپ کی سب سے بڑی کمزوری سعید تھا۔ وہ یقینی طور پر ذہنی مریض ہو چکا تھا۔ ان غنڈوں کو رخصت کر کے سعید کا باپ نارمل حالت میں آ گیا اور اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس وقت سعید خاموش بیٹھا تھا۔

''میں نے اس پیر سے خود انتقام لینا تھا''۔۔۔ سعید نے کہا۔۔۔ ''اس نے میری منگیتر کو بدنام کیا ہے اور مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا''۔

''بکواس بند کرو حرام زادے!''۔۔۔ اس کے باپ نے گرج کر کہا۔۔۔ ''اس بے چاری بختی کو تم نے بدنام کیا ہے۔ یہ تمہاری منگیتر نہیں، وہ کوئی اور ہے اور تمہاری شادی اس کے ساتھ کی جائے گی''۔

سعید چپ تو ہو گیا لیکن بالکل چھوٹے سے بچے کی طرح روٹھ گیا۔ نہ باپ نے اس کی طرف توجہ دی نہ ماں نے۔ سعید نے انگڑائی لی اور اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ساتھ والے کمرے میں چلا گیا۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''اصل مسئلہ تو یہ ہے جو وہیں کا وہیں ہے۔ میرا اگر کوئی برائے نام بھی ٹھکانہ ہوتا تو میں وہاں چلی جاتی اور سعید کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو جاتی''۔

''فکر نہ کرو بختی!''۔۔۔ سعید کے باپ نے کہا۔۔۔ ''میں یہ مسئلہ بھی نپٹا لوں گا''۔

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے یہ محفل برخاست ہوئی۔ اب بختی نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

+++

بختی کو ساقی سے بھی خطرہ تھا کیونکہ وہ بھی اس کے چاہنے والوں میں سے تھا لیکن

بختی یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ساقی کا رویہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ ساقی ذہنی طور پر نارمل نوجوان تھا۔ اس نے بختی کی زبانی سنا کہ وہ تن تنہا پاکستان تک کس طرح پہنچی تھی اور یہی نہیں کہ وہ اکیلی تھی بلکہ سعید کو بھی ساتھ لائی تھی جبکہ سعید ایک قدم چلنے کے قابل نہ تھا۔ یہ ساری روئیداد سن کر ساقی بختی سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے بختی کے بارے میں اپنی نیت بالکل ہی صاف کر لی اور لوفربازی چھوڑ دی۔

کچھ دن پہلے ساقی نے بختی کو تنہا دیکھ کر کہہ بھی دیا تھا کہ وہ اسے پہلے کچھ اور سمجھتا رہا لیکن اس اسے پتہ چلا کہ وہ یعنی بختی فرشتہ سیرت عورت ہے تو ساقی نے اپنا انداز بالکل ہی بدل لیا۔ بختی نے بتایا کہ ساقی کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

''لیکن بختی!''۔۔۔ ساقی نے یہ بھی کہا تھا۔۔۔ ''اگر سعید نے تمہیں پھر بھی پریشان کیا تو مجھے ضرور بتانا، اب میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔

بختی نے اسے کہہ تو دیا کہ وہ ضرور بتائے گی لیکن عہد کر لیا کہ سعید کی طرف سے اسے کتنی ہی شدید شکایت کیوں نہ ہوئی وہ ساقی کو نہیں بتائے گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شہزادے پھر آپس میں ٹکرا جائیں۔ بہرحال بختی کو یہ اطمینان ہو گیا کہ اب اسے ساقی کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں رہی۔

تین چار دنوں بعد پھر سعید بختی سے مارکیٹ میں ملا۔ وہ بختی کو اپنی منگیتر ہی کہہ رہا تھا۔ اس نے یہ بھی پوچھا کہ ساقی کا اس کے ساتھ اب رویہ کیا ہے۔ بختی نے اسے بتایا کہ ساقی اب بالکل ٹھیک ہے اور اس کی طرف سے اسے کوئی پریشانی یا خطرہ نہیں۔

باتوں باتوں میں سعید نے بختی کو بتایا کہ اس کے باپ نے ان آدمیوں کو کس طرح اپنے گھر میں لانے کا انتظام کیا تھا۔ بختی سعید سے جلدی گلوخلاصی کرانا چاہتی تھی لیکن وہ یہ بھی جاننے کو بے تاب تھی کہ یہ آدمی چوہدری کے اڈے کس طرح چڑھ گئے تھے۔

سعید نے اسے اس سوال کا مفصل جواب دیا...... یہ وقوعہ اس طرح ہوا تھا کہ جس روز سعید پیر کے ہاں پٹائی کروا کر واپس آیا تھا اس سے اگلے روز سعید کا باپ سعید کو اور اپنے ایک خاص آدمی کو اپنے ساتھ لے کر پیر کے ہاں چلا گیا تھا۔ ابھی کاروں کا رواج شروع نہیں ہوا تھا۔ سعید کے باپ کے پاس ابھی کوئی گاڑی نہیں تھی حالانکہ وہ گاڑی خرید سکتا تھا۔ یہ اس نے کچھ عرصہ بعد خرید لی تھی۔ پیر کے ہاں جانے کے لیے اس نے اپنے

ایک دوست کی جیپ منگوائی تھی۔ جیپ کے ساتھ ڈرائیور بھی آیا تھا۔

یہ جو آدمی چوہدری کے ساتھ پیر کے ہاں جا رہا تھا، وہی آدمی تھا جسے بختی نے اس روز چوہدری کے ہاں دیکھا تھا جب پیر کے تینوں آدمیوں کو چوہدری کے کمرے میں لایا گیا تھا۔ یہ چوتھا آدمی تھا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سعید نے بختی کو بتایا کہ اونچے درجے کا غنڈہ اور بدمعاش ہے اور اس نے ایک معزز آدمی کی طرح اپنی حیثیت بنا رکھی ہے۔

چوہدری اس آدمی کو اس مقصد کے لیے ساتھ لے جا رہا تھا کہ اگر سعید اور اس کے دوستوں کی پٹائی کرنے والا کوئی آدمی یا تینوں آدمی پیر کے ہاں مل گئے تو یہ شخص انہیں پہچان لے اور پھر کوئی ایسا چکر چلائے کہ ان تینوں کو چوہدری کے گھر یعنی لاہور لے آئے۔

سعید کے ذمے بھی یہ کام تھا کہ وہ پیر کے ہاں آدمیوں کی شناخت کرے جنہوں نے اسے اور اس کے دوست کو مارا پیٹا تھا۔

اسے اتفاق کہیں یا پیر کا معمول تھا کہ اس کے یہ غنڈے اس وقت پیر کے پاس ہی ہوتے تھے یا رہتے ہی وہیں تھے۔ بہرحال ہوا یہ کہ جب چوہدری وہاں پہنچا تو سعید نے بتایا کہ یہ ہیں وہ تین آدمی۔ پیر کو چوہدری کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ باہر آیا۔ چوہدری نے آگے بڑھ کر اور جھک کر اس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ چوہدری کے آدمیوں نے بھی ایسے ہی احترام سے پیر کے ساتھ مصافحہ کیا۔

سعید نے بختی کو سنایا کہ اسے توقع یہ تھی کہ اس کا باپ پیر پر برس پڑے گا یا کسی نہ کسی طریقے سے غصے کا اظہار کرے گا لیکن باپ نے سعید سے کہا کہ پیر صاحب سے ملو۔ سعید بادلِ ناخواستہ آگے بڑھا اور پیر کے ساتھ ساتھ ہاتھ ملایا۔ پیر چوہدری کو اپنے خاص کمرے میں لے گیا۔ سعید بھی پیچھے پیچھے کمرے میں چلا گیا۔

چوہدری نے معافی مانگنے کے انداز سے پیر سے کہا کہ اس کے بیٹے نے کل بڑی بدتمیزی کی ہے۔ پیر نے جب دیکھا کہ چوہدری تو مرعوبیت کے لہجے میں بول رہا ہے تو اس نے پیروں کے انداز سے بات کی۔ بات یہ کی کہ سعید اور اس کے دوست کی بدتمیزی کا ذکر بڑھ چڑھ کر کیا اور کہا کہ اس کے مرید اس پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اس کے تین مرید آ گئے اور انہوں نے سعید اور اس کے دوست کی خوب پٹائی کی۔

پیر نے دیکھا کہ یہ چوہدری تو بالکل ہی ٹھنڈا ہے، پیر نے اپنے آپ پر جلالی کیفیت طاری کر لی اور سعید کے باپ کو مرعوب کرنے لگا۔ سعید حیران ہو رہا تھا کہ اس کے باپ کو آخر ہو گیا کیا گیا ہے۔

آخر چوہدری وہاں سے اٹھا، سعید کو بھی اٹھایا اور پیر سے جھک کر ہاتھ ملایا اور کمرے سے باہر آ گئے۔ اس کے ساتھ جو آدمی گیا تھا وہ دوسرے عام کمرے میں بیٹھا رہا تھا جہاں پیر کے وہ تینوں غنڈے بیٹھے تھے اور کچھ مرید یا سائل بھی آئے بیٹھے تھے۔ وہ آدمی اٹھا اور سعید کے باپ کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا۔ جیپ میں بیٹھے اور جیپ چل پڑی۔ سعید نے بختی کو مختصر سے وہ مکالمے سنائے جو چوہدری اور اس کے اس آدمی کے درمیان ہوئے تھے۔

”تم نے ان تینوں کو پہچان لیا ہے؟“ ــــ چوہدری نے پوچھا۔

”صرف پہچان ہی نہیں لیا چوہدری صاحب!“ ــــ اس آدمی نے کہا ــــ ”اپنے مطلب کی کچھ اور باتیں بھی ان سے معلوم کر لی ہیں اور کچھ دوستی بھی بنا لی ہے...... پوری امید ہے کہ ہم جس طرح چاہتے ہیں اس طرح کام ہو جائے گا“۔

”لیکن کام جلدی ہونا چاہئے“ ــــ سعید کے باپ نے کہا ــــ ”میں زیادہ انتظار نہیں کر سکوں گا“۔

”ایک دو دنوں میں ہو جائے گا چوہدری صاحب!“ ــــ اس آدمی نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

یہ تو سعید کو بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ شخص کس کس طرح ان تینوں کو ورغلا کر یا نہ جانے کیسا فریب دے کر چوہدری کے ہاں لے آیا۔ یہ دراصل اس کلاس بلکہ اس قماش کے لوگوں کی باتیں ہیں جن تک صرف پولیس پہنچ سکتی ہے یا وہ بڑے چوہدری جو پولیس کو اپنی مٹھی میں رکھتے ہیں۔ سعید کو اتنا ہی معلوم تھا کہ ان تینوں کو کھیتوں میں بنے ہوئے ایک کوٹھے میں رکھا گیا اور چوہدری کا یہ آدمی اور دو اور آدمی وہاں بھیج دیئے گئے جنہوں نے پیر کے ان تینوں آدمیوں پر بہت ہی تشدد کیا۔

ان سے معلوم یہ کیا جا رہا تھا کہ بختی کا پیر کے ساتھ کیا تعلق تھا اور پیر یہ کیوں کہتا ہے کہ بختی بدکار ہے۔

یہ تینوں آدمی پیر کے خاص آدمی تھے اور پیر انہیں پیٹ بھر کر کھلاتا اور ان کی جھولیاں بھر کر رکھتا تھا۔ انہوں نے تشدد برداشت کیا اور پیر سے بے وفائی نہ کی لیکن چوہدری نے اپنے آدمی سے کہہ دیا کہ یہ مرتے ہیں تو مر جائیں، ان کی لاشیں غائب کر دیں گے، ان سے صحیح بات معلوم کرو۔

آخر یہ بول پڑے۔ آخر انسان تھے، کہاں تک برداشت کرتے۔ انہوں نے بتا دیا کہ یہ پیر صرف اس لیے پیر کہلاتا ہے کہ اس کا باپ بھی پیر تھا اور اس کا دادا بھی پیر اور یہ خاندانی پیری چلی آ رہی تھی ورنہ یہ پیر بڑا ہی بدکردار آدمی ہے۔ اس نے جس طرح بختی کو اغوا کروایا تھا وہ ان آدمیوں نے پوری تفصیل سے سنایا۔ تفصیل یہی سنا سکتے تھے کیونکہ اغوا کرنے والے یہی تھے۔

بختی نے یہ بات مجھے سنا کر کہا کہ وہ اس حد تک تو بہت ہی خوش ہوئی کہ وہ بدنامی سے بچ گئی تھی اور اس پیر کے ساتھ سعید کی ماں کا تعلق ختم ہو گیا تھا اور اب پیر کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ بختی دراصل بدنامی سے ڈرتی تھی، وہ بات ختم ہو گئی لیکن بختی نے مجھے کہا کہ سعید والا مسئلہ وہیں کا وہیں تھا وہ اسے اپنی منگیتر سمجھتا تھا اور پھر بختی کے سامنے اپنے مستقبل کے مسائل بھی تھے۔ اس نے کہا کہ اسے صرف ایک پناہ اور دو وقت کی روٹی درکار نہیں تھی بلکہ وہ جوان لڑکی تھی اور شادی کی عمر میں تھی اور وہ اپنی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن ان کے سامنے اس مسئلے کا کوئی حل نہیں آ رہا تھا۔ اس کا ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ ان چوہدریوں کی دنیا سے نکل جانا چاہتی تھی وہ اس لئے کہ اس نے یہ ساری باتیں سنیں کہ سعید کے باپ نے کس طرح پیر کے آدمیوں کو اپنے ہاں بلوایا، ان پر تشدد کیا اور ان کے قتل تک تیار ہو گیا اور اپنا مقصد پا لیا۔

ایسی باتیں کبھی بختی کے تصور میں بھی نہیں آئی تھیں کہ انسان اس حد تک فریب کار اور ظالم ہو سکتا ہے جو وہ دیکھ رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ ان چوہدریوں کے ساتھ اس کا خون کا کوئی رشتہ نہیں اور نہ جانے کس وقت اسے ہی کسی رنگ میں استعمال کرنا شروع کر دیں۔ وہ ان استادیوں اور ان چکر بازیوں کو سمجھتی بھی نہیں تھی اور سمجھنا چاہتی بھی نہیں تھی کیونکہ اسے ان پُراسرار باتوں سے خوف آتا تھا۔ وہ بھلے گھر کی لڑکی تھی۔

ایک روز بختی اپنی فالج زدہ چوہدرانی کے پاس بیٹھی اس کی مٹھی چاپی کر رہی تھی اور

ان کے درمیان گپ شپ بھی ہو رہی تھی۔ کسی بات پر بختی کا دھیان اپنی آئندہ زندگی کی طرف چلا گیا اور اس نے ایسی بے بسی محسوس کی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چوہدرانی نے اس کے آنسو دیکھ لیے اور چونک کر پوچھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے اور اس کا دھیان کہاں چلا گیا ہے!

بختی نے اسے صاف بتا دیا کہ وہ آخر کب تک اس گھر میں اس طرح پڑی رہے گی۔ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہی ہے، اب تک اس کی شادی ہو جانی چاہئے تھی۔

چوہدرانی نے کہا کہ یہاں اسے کسی قسم کی شکایت یا تنگی نہیں، اس کی شادی کروا دی جائے گی لیکن وہ اتنی پریشان نہ ہو جائے کہ مایوسی کا عالم اپنے اوپر طاری کر کے رونا شروع کر دے...... بختی نے کہا کہ اسے گھر میں کوئی شکایت نہیں اور وہ چوہدرانی کی خدمت کر کے دلی خوشی محسوس کرتی ہے لیکن وہ سعید کی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی ہے کہ یہ شہزادہ نہ جانے اسے اور کس طرح خراب کرے گا اور آج نہیں تو کل نہ جانے کیا کر بیٹھے۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اس کی یعنی بختی کی شادی ہو جائے۔

''میں نے تمہیں بتایا نہیں بختی!'' ۔۔۔ چوہدرانی نے کہا ۔۔۔ ''دو جگہوں پر تمہاری شادی کی بات ہو چکی ہے، دونوں نے شکل وصورت اور تمہارے رویے کو بہت ہی پسند کیا ہے لیکن دونوں ٹال مٹول کر گئے ہیں۔ لوگوں میں وہ جذبہ نہیں رہا جو چند ابتدائی مہینوں میں دیکھنے میں آتا تھا۔ لوگ پناہ گزین لڑکیوں کے ساتھ شادی کر کے فخر سے اس کا تذکرہ کرتے تھے لیکن وہ وقت آ گیا ہے کہ پناہ گزین لڑکی کے ساتھ شادی کو لوگ اپنی توہین سمجھنے لگے۔ اب تو لوگوں میں وہ جذبہ رہا ہی نہیں''۔

بختی نے مجھ سے بات کرتے ہوئے کہا کہ یہ چوہدرانی بتاتی یا نہ بتاتی وہ خود لوگوں کا رجحان دیکھ رہی تھی۔ اب لوگوں کی توجہ ایک بار پھر جہیز کی طرف ہو گئی تھی۔ چوہدرانی نے بختی کو بتایا کہ ان دونوں لڑکیوں کی مائیں یہ سمجھ کر آئی تھیں کہ بختی شاید ان چوہدریوں کی اپنی کوئی رشتہ دار ہے اور یہاں سے جہیز ٹھیک ٹھاک ملے گا لیکن انہوں نے یہ تاثر لیا کہ یہ تو چوہدریوں کی نوکرانی ہے۔ اصل میں بات یوں ہوئی تھی کہ قائد اعظم دنیا سے رخصت ہوئے تو پاکستان کا قومی جذبہ بھی رخصت ہونے لگا۔ قائد اعظم کے بعد پاکستان ان لوگوں کے قبضے میں آنے لگا تھا جو قومی جذبے سے سرشار نہیں بلکہ اقتدار کے نشے سے بدمست

ہوئے جا رہے تھے۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی انسان کسی ایسی صورتِ حال میں جا گرتا ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ انتہائی مایوسی کے عالم میں وہ ایسا ذریعہ سوچ لیتا ہے جو کبھی اس کے تصور میں بھی نہ آیا ہوگا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت بختی پر طاری ہو چکی تھی۔ اس نے یہاں تک سوچا کہ وہ مارکیٹ میں تو جاتی ہی رہتی ہے، ایسے ہی گھومتے پھرتے کوئی اپنی پسند کا آدمی دیکھ لے اور اس کے ساتھ دوستی لگا کر اسے شادی کے لئے آمادہ کر لے۔

اس کا مطلب ناجائز دوستی نہیں تھا نہ وہ اس قماش کی عورت تھی لیکن اسے دوستی لگانے کے ڈھنگ آتے ہی نہیں تھے۔ اس نے کبھی ایسی بات سوچی بھی نہیں تھی۔ وہ اتنی خوبصورت تھی اور اس کے جسم میں بھی ایسی کشش تھی کہ دوستوں کی کمی نہیں تھی لیکن اس کے ذہن میں جو دوستی تھی اور اس دوستی کا جو مقصد تھا وہ دوستی اسے نہیں مل سکتی تھی۔ بہر حال اس نے یہ سوچ لیا کہ اپنی شادی کا اہتمام اسے خود ہی کرنا پڑے گا۔ اس آبادی میں تین چار ہم عمر عورتوں کے ساتھ اس کے اچھے مراسم پیدا ہو گئے تھے۔ بختی نے ارادہ سوچا کہ ان کے ساتھ بات کرے گی اور وہ کچھ نہ کچھ مدد ضرور کریں گی۔

اس نے یہاں تک سوچا کہ سعید اسے اپنی منگیتر سمجھتا ہے۔ کیوں نہ وہ سعید کو ہی بھڑکائے رکھے اور اسے کہا کہ وہ اس کے ساتھ عدالت میں جا کر شادی کر لے۔ وہ ماں باپ کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا ہے، اس کے ماں باپ اسے گھر سے نکال تو نہیں دیں گے، قبول کر لیں گے پھر بختی خود ان کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا کر لے گی لیکن اس نے جب سعید پر غور کیا تو اس کا ذہن اس مقام پر آ کر اٹک گیا کہ سعید تو ذہنی مریض ہے اور اس سے اچھائی کی نہیں بلکہ خرابی کی ہی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ سعید کو نفرت کی حد تک ناپسند کرتی تھی۔

+++

دو چار دن بعد کا واقعہ ہے کہ بختی اپنے معمول کے مطابق مارکیٹ گئی تو تین لڑکیوں نے اسے روک لیا۔ تینوں لڑکیاں نوجوان تھیں، خوبصورت بھی تھیں اور ان کے لباس اور انداز بتاتے تھے کہ بڑے ہی امیر خاندان سے ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکی نے پوچھا کہ تمہارا نام خوش بخت بیگم ہے اور تمہیں غالباً بختی کہتے ہیں!

''ہاں یہی میرا نام ہے''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''کیوں، میرے لیے کوئی خدمت!''

ان لڑکیوں نے بختی سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ کچھ باتیں کرنا چاہتی ہیں، بہتر ہے کہ ریسٹورنٹ میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ بختی نے کہا کہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے، یہاں کھڑے کھڑے بات ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے لیکن یہ لڑکیاں اتنی شوخ اور چنچل تھیں کہ بختی کو ہنستے کھیلتے اور کچھ اسے گھسیٹتے ریسٹورنٹ میں لے گئیں اور جاتے ہی چائے وغیرہ کا آرڈر دیا۔

''ڈرو نہیں بختی!''۔۔۔ ایک لڑکی نے کہا۔۔۔ ''ہم جانتی ہیں تم ان چوہدریوں کے گھر کی نوکرانی ہو۔ ہم ایک بات معلوم کرنا چاہتی ہیں، کسی کو پتہ نہیں چلنے دیں گے کہ یہ بات تم نے بتائی ہے''۔

''اور بختی!''۔۔۔ ایک اور لڑکی بولی۔۔۔ ''ہم تمہیں اتنے پیسے دیں گی کہ تم حیران رہ جاؤ گی''۔

اس لڑکی نے اپنا پرس کھولا اور پچاس روپے بختی کے آگے نکال کر رکھ دیئے اور بولی کہ یہ سنبھال لو، کسی کو بتانا نہیں۔

پیسوں کے معاملے میں خیال آتا ہے کہ اس وقت کے پچاس روپے آج کے پانچ سو روپوں سے بھی زیادہ مالیت رکھتے تھے...... بختی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ آ گئی اور اس نے یہ نوٹ اپنے ہاتھ سے اس لڑکی کی طرف سرکا دیئے جس نے اسے یہ پیسے دیئے تھے۔

''تم جیسی اوچھی لڑکیاں مجھے نوکرانی کی بجائے جمعدارنی بھی کہہ سکتی ہیں''۔۔۔ بختی نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔ ''اور یہ سمجھتی ہیں کہ تم ہر کسی کو روپے پیسے سے خرید سکتی ہو۔ میں ان لوگوں کی نوکرانی نہیں۔ انہوں نے مجھے پناہ دی ہے اور اس کے پیچھے ایک کہانی ہے۔ تم نے مجھے نوکرانی صرف اس لیے کہا ہے کہ تم اپنے گھروں میں رہتی ہو اور تمہارے دماغ کو پیسہ چڑھا ہوا ہے اور میں بے گھر اور بے آسرا ہوں۔ میں بھی کبھی گھر بار والی تھی لیکن پورے خاندان میں اکیلی یہاں تک پہنچی ہوں۔ یہ چوہدریوں کے دو خاندان ہیں جن کا احسان میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گی۔ اگر تم ان دونوں خاندانوں میں سے کسی ایک کے بھی گھر کی کوئی بات پوچھنا چاہتی ہو تو میں کبھی نہیں بتاؤں گی۔ میرے آگے دولت

کا ڈھیر لگا دو۔ میں خاندانی عورت ہوں، میرا ایک کردار ہے، ایمان ہے جسے میں کبھی خراب نہیں ہونے دوں گی...... میں جاہل اور پسماندہ بھی نہیں، کچھ پڑھی لکھی بھی ہوں''۔

بختی نے ان لڑکیوں کا ردِعمل یہ بتایا کہ ان چہروں پر کچھ خفت سی نظر آنے لگی۔ یہاں بات وہی بنی، بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

''معاف رکھنا بختی!''۔۔۔ ایک لڑکی نے کچھ بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔۔۔ ''ہم نے جو سنا تھا اس کے مطابق تمہیں نوکرانی کہہ دیا ہے...... پھر ایسے کرو کہ وہ کہانی سنا دو جو تمہیں اس چوہدری صاحب کے گھر لے آئی ہے''۔

''میرا وقت ضائع نہ کرو''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''گھر کے سارے انتظامات میرے ہاتھ میں ہیں۔ میں نے جا کر نوکروں کو کام پر لگانا ہے اور باورچی خانے کا کام بھی کروانا ہے۔ تم جو پوچھنا چاہتی ہو وہ پوچھو اور مجھے جانے دو''۔

بات آخر یہ کھلی کہ ان لڑکیوں میں ایک سعید کی منگیتر تھی۔ اسے پتہ چلا تھا کہ سعید بختی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے اور بختی ان کے گھر کی نوکرانی ہے۔ ان لڑکیوں میں ایک تو اس کی چچازاد بہن تھی اور دوسری بڑی گہری دوست تھی۔ انہوں نے کسی طرح معلوم کر لیا تھا کہ بختی روزانہ صبح مارکیٹ سودا سلف لینے جایا کرتی ہے۔ انہوں نے بختی کو دیکھ لیا تھا۔ اب وہ اس سے پوچھ رہی تھیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے کہ سعید اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنے ماں باپ کی سنتا ہی نہیں۔

بختی کے لیے اس سوال کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس کے ذہن نے فوراً یہ خطرہ دیکھ لیا کہ یہ لڑکیاں مشہور کر دیں گی کہ انہوں نے بختی سے تصدیق کروائی ہے کہ سعید اس پر مرتا ہے۔ اس صورت میں بختی کی شامت آ جاتی۔

تینوں لڑکیوں نے بختی سے اصل بات اگلوانے کے لیے باری باری بہت کچھ کہا لیکن بختی نے اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہی جو سعید کے خلاف جاتی ہو یا خود اس کے لیے پر خطر ہو۔

آخر ان باتوں کا رنگ ڈھنگ اور ان لڑکیوں کا انداز کچھ ایسا بدلا کہ بختی نے محسوس کیا کہ انہیں یہ بتا دے کہ یہ چوہدری اس پر کیوں مہربان ہوئے ہیں۔ اس نے مختصراً سنا دیا کہ ہجرت کے دوران کس طرح سعید اسے ویرانے میں معذوری کی حالت میں پڑا نظر آیا

تھا اور وہ کس طرح اسے اپنے ساتھ لے آئی تھی شاید یہی وجہ ہے کہ سعید اسی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔

یہ سن کر اور پھر یہ معلوم کر کے کہ بختی تو بڑے اچھے خاندان کی لڑکی تھی، ان لڑکیوں نے اچھا تاثر لیا اور بختی کو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ انہیں پتہ چلا تھا کہ بختی بھی سعید کو اسی شدت سے چاہتی ہے جس شدت سے سعید اسے چاہتا ہے۔

بختی نے انہیں بتایا کہ وہ حقیقت پسند عورت ہے اور وہ اپنا مستقبل خود بنائے گی اور اپنی سطح کے کسی آدمی کے ساتھ شادی کرے گی۔ اگر یہ بڑے چوہدری چاہیں گے بھی کہ بختی ان کی بہو بن جائے، وہ نہیں بنے گی۔

لڑکیوں نے، خصوصاً سعید کی منگیتر نے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ سعید کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ لاڈ اور پیار کا بگڑا ہوا ہے اور کچھ ایسا شک ہوتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر ٹھیک نہیں یا یہ کہ اس کی شخصیت میں مردانہ پن اور خود اعتمادی پیدا ہوئی ہی نہیں۔

''دیکھو لڑکیو!''۔۔۔ بختی نے فیصلہ دینے کے لہجے میں کہا۔۔۔ ''میں سعید کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہیں دوں گی، یہ بتا رہی ہوں کہ میں اس کے ساتھ شادی نہیں کروں گی خواہ کتنی ہی قیمت اس کے والدین پیش کریں، اور جہاں تک سعید کی اور میری محبت کا تعلق ہے یہ یک طرفہ ہے میرا ذہن اور دل اس معاملے میں بالکل صاف ہے''۔

یہ لڑکیاں چاہتی تھیں کہ بختی کچھ دیر اور ان کے پاس بیٹھی رہے اور وہ مزید باتیں پوچھیں لیکن بختی اٹھ کھڑی ہوئی اور وہاں سے چلنے لگی تو سعید کی منگیتر نے اس کا بازو پکڑ کر روک لیا۔

''ایک ضروری بات بختی!''۔۔۔ اس لڑکی نے کہا۔۔۔ ''کیا ہم تم پر اعتبار کریں کہ سعید کے گھر یا اس چوہدری صاحب کے گھر یہ ذکر نہیں کرو گی کہ ہم نے تم سے یہ باتیں پوچھی تھیں!''

''میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ میں اوچھی عورت نہیں''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''میں کسی کے ساتھ ذکر نہیں کروں گی اور یہی توقع تم سے بھی رکھوں گی کہ میرے بارے میں زبانیں بند رکھو گی''۔

لڑکیوں نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی ہو گا۔ بختی وہاں سے نکلی آئی۔

+++

تین چار دن گزرے ہوں گے کہ سعید کی ماں اس گھر میں آئی جہاں بختی رہتی تھی۔ ان چوہدریوں کے آپس میں بڑے گہرے مراسم تھے۔ سعید کی ماں بہت ہی پریشان نظر آ رہی تھی۔ بختی کی چوہدرانی نے اس سے پوچھا کہ اب کیا آن پڑی ہے کہ وہ بہت پریشان نظر آتی ہے۔

''کیا بتاؤں بہن!'' ـــــ سعید کی ماں نے کہا ـــــ ''سعید کی منگیتر کی ماں اپنی ایک بہن کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے آتے ہی کہا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کی منگنی جو سعید کے ساتھ کی تھی اسے منسوخ سمجھیں...... منگنی کی تقریب پر جو انگوٹھی پہنائی گئی تھی اور جو کپڑے دیئے گئے تھے وہ ان عورتوں نے واپس دے دیئے۔ یہ چیزیں وہ اپنے ساتھ لائی تھیں...... اس بیٹے نے تو ہمیں کہیں کا رہنے نہیں دیا''۔

اس وقت اتفاق سے بختی اپنی چوہدرانی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ بختی کا تو دل ڈوبنے ہی لگا۔ اسے ڈر یہ محسوس ہوا کہ ابھی سعید کی ماں کہے گی کہ سعید کی منگیتر بختی سے ملی تھی اور بختی نے اسے ایسی باتیں بتائی ہیں کہ ان لوگوں نے منگنی منسوخ کر دی ہے۔

بختی تو اندر باہر سے کانپنے لگی لیکن سعید کی ماں نے ایسی بات کہہ دی جس نے بختی کو سنبھال لیا۔ بات یہ تھی کہ سعید کی ملاقات اپنی منگیتر کے ایک بھائی سے ہو گئی تھی۔ سعید نے بلاتمہید اور بلا سوچے سمجھے منگیتر کے بھائی سے کہہ دیا کہ وہ اس کی بہن کے ساتھ شادی نہیں کرے گا اور منگنی منسوخ سمجھیں۔ سعید نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس کی منگیتر کوئی اور ہے۔

ظاہر ہے کہ اس لڑکی کے بھائی نے سعید کی اس بات میں اپنی توہین سمجھی ہو گی اور اس نے گھر جا کر اپنے والدین کو بتایا ہو گا کہ سعید نے اسے یہ بات کہی ہے۔ ماں باپ نے یہ سوچا ہو گا کہ لڑکا خود کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ ان کی بیٹی کو قبول نہیں کر رہا۔ چنانچہ منگیتر کی ماں اپنی ایک بہن کو ساتھ لے کر سعید کے گھر جا پہنچی اور منگنی کی تقریب میں جو لین دین ہوا تھا وہ واپس کر دیا اور انہوں نے سعید کو جو انگوٹھی پہنائی تھی وہ واپس لے لی۔ سعید کی ماں نے وہ کپڑے بھی واپس کر دیئے جو انہوں نے سعید کو دیئے تھے۔

سعید کی ماں اتنی زیادہ پریشان تھی کہ اس کے آنسو بہہ نکلے۔ بختی اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس چوہدرانی نے اس پر کسی قسم کے شک وشبہ کا اظہار نہ کیا لیکن بختی اب

زیادہ شدت سے محسوس کرنے لگی کہ اسے یہاں سے کہیں اور چلے جانا چاہئے مگر مسئلہ پھر وہی سامنے آن کھڑا ہوا کہ جائے کہاں!

''اب بتاؤ بہن!'' ـــــ سعید کی ماں نے کہا ـــــ ''اس بیٹے کا میں کیا کروں!...... لڑکیوں کی تو کوئی کمی نہیں، اللہ نے ایسی حیثیت دی ہے کہ لوگ گھر آ کر لڑکیاں پیش کریں گے لیکن سعید کسی کو بھی قبول نہیں کرے گا۔ کوئی ماں اپنے اکلوتے بیٹے کے بارے میں ایسی بات نہیں کہے گی لیکن میں کہتی ہوں کہ میرے بیٹے کا دماغ صحیح نہیں رہا''۔

بختی ان دونوں چوہدرانیوں کو تنہا باتیں کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی کہ وہاں سے نکل ہی آئے لیکن سعید کی ماں نے اسے بٹھا لیا۔ اس سے بختی کو اطمینان ہوا کہ اس چوہدرانی کو کم از کم اس پر شک نہیں کہ وہ اس کے بیٹے کو گمراہ کر رہی ہے۔

''میری ایک بات پر غور کرو چوہدرانی!'' ـــــ بختی کی چوہدرانی نے سعید کی ماں سے کہا ـــــ ''اگر بختی کے ساتھ ہی بیٹے کو بیاہ دو تو کیا ہرج ہے!''

سعید کی ماں نے سر جھکا لیا لیکن بختی بول پڑی۔ اس نے کہا کہ وہ اتنے بڑے اور اتنے اونچے گھر کی بہو نہیں بنے گی اور لوگ انہیں کہیں گے کہ نہ جانے کہاں سے مہاجر لڑکی کو پکڑ لائے ہیں اور انہیں تو کوئی رشتہ ہی نہیں دیتا تھا۔

سعید کی ماں نے بختی کی اس بات کو اچھا سمجھا، شاید وہ خود بھی یہی بات کہنا چاہتی تھی...... کچھ دیر اور بیٹھ کر سعید کی ماں جس طرح غمزدہ آئی تھی اسی طرح غمزدہ چلی گئی۔

بختی نے اپنی چوہدرانی کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا کہ آئندہ انہیں ایسا مشورہ نہ دینا۔ سعید کا نہ کوئی کردار ہے اور نہ کوئی دین مذہب ہے۔ وہ تھوڑے ہی عرصے بعد اسے خراب کرنا شروع کر دے گا۔

+++

بختی کے لیے پھر ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی جو بڑی ہی صبر آزما اور روح کش تھی۔ یہ اس کے کردار کی عظمت تھی کہ وہ سعید کو اور اتنے امیر گھرانے کو قبول نہیں کر رہی تھی۔ اگر وہ ان لوگوں جیسی ہوتی جو کہا کرتے ہیں کہ لڑکی کسی خوشحال گھرانے میں بیاہی جائے تو سدا سکھی رہے گی تو وہ سعید کو قبول کر لیتی اور اپنی چوہدرانی یعنی ساقی کی ماں سے کہہ کہلوا کر سعید کے ساتھ شادی کر لیتی لیکن بختی کے تصور میں بھی یہ باتیں نہیں آ رہی تھیں۔

اللہ کو تو وہ کسی وقت بھی نہیں بھولتی تھی لیکن اب وہ کچھ اور ہی زیادہ اللہ کے حضور گڑگڑانے لگی۔ وہ اس ماحول سے ہی نکل بھاگنا چاہتی تھی لیکن اس کا آگے کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری بلکہ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ وہ بھرپور جوانی کی عمر میں تھی اور خوبصورت بھی تھی۔ پھر خطرہ یہ کہ پاکستان کے معاشرے میں وہ پہلی سی بات نہیں رہی تھی۔ نوسربازی اور فریب کاری پھیلتی جا رہی تھی۔

اللہ کے سوا اس کا مددگار کوئی بھی نہ تھا۔ سعید کی منگنی ٹوٹنے کے آٹھ دس دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ بختی صبح مارکیٹ میں گئی۔ سودا سلف لے کر واپس چلی ہی تھی کہ اسے ایک شناسا صورت نظر آئی۔

وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جو والٹن کیمپ کی اسی بارک میں رہتا تھا جس میں بختی نے کچھ عرصہ گزارا تھا۔ یہ شخص بختی کو تنہا سمجھ کر کبھی کبھار اس کے پاس آ بیٹھتا اور اس کی دل جوئی کرتا اور حال احوال پوچھتا تھا۔ وہ بختی کی نقل وحرکت دیکھتا رہتا ہوگا اور یہ بھی کہ بختی کسے ملتی ملاتی ہے اور کون اس کے پاس آتا ہے۔

اسے دیکھ کر بختی کے جذبات امڈ آئے۔ اس کے دل میں اس شخص کی بڑی ہی عزت اور تکریم تھی۔ اس نے پوچھا کہ وہ کہیں آباد ہوا ہے یا نہیں۔ اس آدمی نے بتایا کہ وہ آباد ہو چکا ہے اور اسے زیادہ دلچسپی اس میں تھی کہ بختی کہیں آباد ہوئی ہے یا نہیں۔

اس موضوع اور مسئلے پر دونوں باتیں کرتے رہے اور اس آدمی نے یوں بات کی جیسے اسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو۔

''ہاں بھئی، اللہ کا ایک اور بندہ یاد آ گیا ہے'' ___ اس بھلے آدمی نے کہا ___ ''اگر میں بھولتا نہیں تو اس کا نام پرویز ہے...... جس طرح آج تم مل گئی ہو ایسے ہی ایک روز وہ مل گیا......''

''کہاں ہے وہ؟'' ___ بختی نے بے تابی سے پوچھا۔ وہ تو یہ نام سن کر چونک ہی اٹھی تھی۔

''میں بتاتا ہوں وہ کہاں ہے'' ___ اس ادھیڑ عمر آدمی نے جواب دیا ___ ''وہ بہت ہی خوش تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا پورا خاندان اسے مل گیا ہے...... میں اس کا گھر تو نہیں بتا سکتا۔ اس نے بتایا تھا کہ اسے بڑا اچھا اور کشادہ مکان الاٹ ہو گیا ہے۔ وہ خود پولیس کے

محکمے کے دفتر میں کام کرتا ہے۔ اس نے اپنا دفتر مجھے بتایا تھا اور یہ بھی کہ وہ سی آئی ڈی کے محکمے میں کلرک ہے''۔

بختی کے کہنے پر اس آدمی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ سی آئی ڈی کا دفتر کہاں ہے اور پرویز اسے کہاں اور کس طرح مل سکتا ہے۔ بختی تو پناہیں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ اس نے بلا جھجک مجھے بتایا کہ پرویز کا نام سن کر اسے پہلا خیال یہ آیا کہ اللہ کرے پرویز کی شادی نہ ہو گئی ہو۔ وہ جانتی تھی کہ پرویز مڈل کلاس کا آدمی ہے اور ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔

پرویز کے ساتھ بختی کی جو ملاقاتیں کیمپ میں ہوا کرتی تھیں وہ میں پہلے تفصیل سے سنا چکی ہوں۔ ان کی آپس میں وہ محبت تو نہیں تھی جس کے قصے سنے سنائے جاتے ہیں اور جس پر افسانے بھی لکھے جاتے اور فلمیں بھی بنائی جاتی ہیں لیکن ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی ہمدردی بھری ہوئی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ بختی نے یہ بھی بتایا تھا کہ پرویز نے بختی کو ایسا واضح اشارہ دیا بھی تھا کہ اسے اپنا خاندان مل جائے، وہ کہیں آباد ہو جائے تو بختی کو اپنے گھر لے جائے گا۔ اس کا مقصد شادی سے ہی تھا۔

کچھ دیر اس ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ بختی کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر یہ شخص رخصت ہو گیا۔ بختی نے اپنے وجود میں بے چینی سی محسوس کی جو بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ بے چینی یہ تھی کہ اسے یہ خبر نہ سننی پڑے کہ پرویز نے شادی کر لی ہے۔ بختی دراصل اس زندگی سے اکتا گئی تھی جس میں اس کے لئے مسئلے ہی پیدا ہوتے چلے جا رہے تھے اور کسی بھی خرابی کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔ اس نے پرویز سے ملنے کا ارادہ کر لیا۔

+++

بختی مارکیٹ سے گھر پہنچی تو چوہدرانی سے اس نے جھوٹ بولا کہ آج اتفاق سے اپنے قبضے کی دو عورتیں مل گئی تھیں جو سنت نگر میں آباد ہو گئی ہیں۔ بختی نے کہا کہ انہوں نے بڑی ضد کی ہے کہ بختی ان کے ہاں آئے۔ اس نے کہا کہ وہ کل صبح اس کے یہاں جائے گی۔

بختی کی چوہدرانی بڑی ہی اچھی عورت تھی۔ اس نے بختی سے کہا کہ وہ کوئی اچھے سے کپڑے پہن کر جائے اور اگر اس کے پاس پیسوں کی کمی ہے تو وہ اس سے لے لے۔ بختی

کے پاس پیسوں کی کمی نہیں تھی۔ چوہدرانی اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھی۔

اگلے روز صبح سب کو ناشتہ کروا کے اور باورچی خانے کا کام رواں کر کے بختی گھر سے نکل گئی۔ وہ لاہور سے واقف نہیں تھی لیکن یہ خیال ضرور تھا کہ تانگوں والے سی آئی ڈی کے دفتر سے ضرور واقف ہو گے۔ اس آدمی نے بختی کو دفتر کے علاقے کی موٹی موٹی نشانیاں بھی بتا دی تھیں...... بختی گھر سے نکلی اور کچھ دور جا کر اس نے سالم تانگہ لے لیا۔ تانگے والے کو بتایا کہ اسے سی آئی ڈی کے دفتر پہنچا دے۔ تانگے والا اس دفتر سے واقف تھا۔

اس طرح بختی سی آئی ڈی کے دفتر تک پہنچ گئی اور پرویز کا پوچھتے پوچھتے اس تک جا پہنچی۔ پرویز تو اسے دیکھ کر حیران ہی رہ گیا۔ اس نے پہلی بات یہ پوچھی کہ وہ کہاں غائب ہو گئی تھی۔ بختی نے اسے کہا کہ پہلے وہ اپنی سنائے پھر بختی اپنی سنائے گی۔

پرویز اسے دفتر سے باہر لے آیا اور قریب ہی چھوٹے سے کینٹین نما ہوٹل میں جا بٹھایا۔ چائے منگوائی اور ان کے درمیان باتیں ہونے لگیں۔

بختی تو پرویز کو دیکھ کر خوش ہی تھی، وہ بتاتی ہے کہ پرویز تو پھولا نہیں سماتا تھا اور صاف پتہ چلتا تھا کہ خوشی سے بے قابو ہوا جا رہا ہے۔ اس نے کچھ اس طرح کی بے تابی کا اظہار کیا جیسے وہ بختی کو آسمانوں میں ڈھونڈ رہا تھا اور وہ اسے زمین پر مل گئی۔ بختی نے اسے سنایا کہ وہ کہاں ہے اور وہاں تک وہ کس طرح پہنچی تھی۔ اس نے آخر کہا کہ وہ سمجھی کہ اسے پناہ مل گئی ہے لیکن وہ ابھی تک پناہ ڈھونڈ رہی ہے اور کچھ سمجھ نہیں آتی کہ جائے تو جائے کہاں؟

''تم منزل پر پہنچ گئی ہو''۔۔۔ پرویز نے کہا۔۔۔ ''اس پناہ میں تم آ گئی ہو جس کی تمہیں تلاش تھی۔ مجھے اپنے عزیز مل گئے تو میں دو بار کیمپ میں گیا تھا شاید تم کہیں بھولی بھٹکی مل جاؤ لیکن جو بھی تمہیں جانتے تھے وہ بتاتے تھے کہ تم جا چکی ہو اور شاید تمہاری شادی بھی کہیں ہو گئی ہے''۔

بختی نے اسے بتایا کہ اس پر کیا بیتی ہے۔ پرویز نے آخر اسے فیصلہ سنایا کہ وہ اسے اپنے گھر لے جائے گا اور پھر اس کے ساتھ شادی کر لے گا۔ اس نے کہا کہ بختی واپس چوہدریوں کے ہاں چلی جائے اور انہیں کہہ کر واپس پرویز کے پاس دفتر میں ہی پہنچ جائے اور پھر پرویز اسے اپنے گھر لے جائے گا۔

بختی کو تو جیسے قارون کا خزانہ مل گیا تھا۔ اسے محسوس ہی نہ ہوا کہ وہاں بیٹھے دو گھنٹوں سے زیادہ وقت گزر گیا ہے۔ وہ دونوں بادل نخواستہ اٹھے۔ دن خاصا گزر گیا تھا اس لیے انہوں نے طے یہ کیا تھا کہ بختی اگلے روز اس کے پاس آئے گی۔ پرویز نے بختی کو تانگے میں بٹھایا اور بختی اس سے رخصت ہوئی۔

گھر آ کر بختی نے چوہدرانی کو بتایا کہ اسے صحیح پناہ مل گئی ہے اور وہاں جا رہی ہے۔ چوہدرانی جہاندیدہ عورت تھی اور اسے بختی سے پیار بھی تھا، وہ بالکل ہی مطمئن نہ ہوئی۔ اس نے کہا کہ جب تک پرویز کے گھر بار کو دیکھ نہ لیا جائے گا، بختی کو یوں جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ چوہدرانی نے بختی سے کہا کہ زمانہ بہت برا آ گیا ہے، کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ شخص تو پولیس کے محکمے کا ملازم ہے۔ اس پر اتنی جلدی اعتماد کیا ہی نہیں جانا چاہیے۔

چوہدرانی نے چوہدری سے بات کی اور چوہدری نے بھی کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا اور کہا وہ خود جا کر پرویز سے ملے گا پھر اس کے گھر جائے گا اور اپنی تسلی کر کے بختی کو ان کے حوالے کرے گا۔

بختی نے چوہدری اور چوہدرانی کو صاف الفاظ میں بتا دیا کہ اسے آخر اپنا مستقبل بنانا ہی ہے لیکن وہ سعید سے بھاگ رہی ہے۔ وہ ڈرتی ہے کہ سعید نہ جانے اسے کس انجام تک پہنچا دے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ چلی جائے تو سعید کو پتہ نہ چلنے دیا جائے کہ وہ کہاں چلی گئی ہے۔

بختی کا سامان تھا ہی کیا، کپڑوں کے دو چار جوڑے تھے، وہ اس نے چوہدرانی کے دیئے ہوئے چھوٹے سے ایک اٹیچی کیس میں ڈال لئے۔ وہ اس قدر خوش تھی کہ رات ٹھیک طرح سو بھی نہ سکی تھی...... اگلے روز چوہدری اسے ساتھ لے کر چل پڑا۔ چوہدری نے اپنے ایک ہم عمر دوست کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ وہ تانگے میں بیٹھے اور سی آئی ڈی آفس جا پہنچے۔

انہوں نے بختی کو دفتر کے برآمدے میں بٹھا دیا اور یہ کہہ کر اندر چلے گئے کہ وہ اس محکمے کے بڑے افسر سے ملیں گے۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد واپس آئے۔ پرویز بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے بختی کو ساتھ لیا اور باہر سڑک پر آ گئے۔ پرویز نے ایک تانگہ روکا اور یہ سب اس پر سوار ہو گئے۔

تانگہ سنت نگر کے علاقے میں ایک گلی میں جارکا۔ پرویز کی رہنمائی میں سب ایک مکان کے سامنے رکے۔ پرویز اندر گیا دروازہ کھولا اور دونوں چوہدری اور بختی کو اندر لے گیا۔

یہ ہندوؤں اور سکھوں کا علاقہ تھا۔ انہوں نے یہاں نئے اور نہایت اچھے مکان تعمیر کرائے تھے۔ پاکستان بنا تو وہ سب سرحد پار چلے گئے اور مکان مہاجرین کو الاٹ کردیئے گئے۔ ایسا ہی ایک بڑا اچھا مکان پرویز نے بھی الاٹ کروالیا تھا۔

پرویز نے ان سب کو بٹھایا، خاطر تواضع کا اہتمام کیا اور پھر چوہدری کے کہنے پر اپنے والد، بھائیوں اور ماں سے ملوایا۔ چوہدری اور اس کا دوست دراصل یہ دیکھ رہے تھے کہ یہ کس سطح کے لوگ ہیں اور کیا یہ اس قابل ہیں کہ بختی جیسی عورت کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔

بختی چوہدری اور اس کے دوست سے بہت ہی متاثر ہو رہی تھی کہ وہ اس کی عزت و آبرو اور مستقبل کی حفاظت کے لیے اتنی زیادہ کاوش کر رہے تھے۔ انہوں نے آخر پرویز اور اس کے والدین وغیرہ کو کہہ دیا کہ وہ کسی نہ کسی ذریعے نظر رکھیں گے کہ بختی کو یہاں کوئی پریشانی پیش نہ آئے اور کیا یہ یہاں مطمئن زندگی گزار رہی ہے یا نہیں۔ پرویز نے یہ عقل مندی کی تھی کہ اپنے والدین کو بتا دیا تھا کہ وہ ایک جوان عورت کو گھر لا رہا ہے اور اسے اپنے گھر میں آباد کرے گا اور شاید اس کے ساتھ شادی بھی کرلے۔ یہی وجہ تھی کہ پرویز کے باپ اور بھائیوں نے ان دونوں چوہدریوں کی تسلی کردی اور یقین دلایا کہ وہ ایک بے سہارا اور بے ٹھکانہ عورت کو ایسی عزت سے رکھیں گے جس عزت کی وہ حقدار ہے وغیرہ وغیرہ۔

آخر چوہدری اور اس کا دوست رخصت ہو گئے۔ چوہدری نے جاتے جاتے بختی سے کہا کہ اسے یہاں کوئی تکلیف یا شکایت ہو تو وہ فوراً اس کے گھر پہنچے اور اسے بتائے۔ چوہدری نے کہا کہ اس کے لیے اس کے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔

+ + +

بختی جب اس گھر کے افراد میں بیٹھی اور باتیں ہونے لگیں تو بختی نے ذرا سی بھی اجنبیت محسوس نہ کی بلکہ دلی سکون محسوس کیا جیسے اپنے لوگوں میں آ گئی ہو۔ یہ متوسط طبقے

کے لوگ تھے اور بختی بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ چوہدریوں کے ہاں وہ صرف اس لیے خوش تھی کہ وہاں اسے پیار اور ہمدردی اور خلوص ملتا تھا لیکن ان لوگوں کے طور طریقے اور انداز ایسے تھے جو بختی کے لیے قابلِ قبول نہیں تھے۔

پرویز کی ایک بڑی بہن بھی تھی جس کے سسرال کو اسی آبادی میں مکان الاٹ ہوا تھا۔ اگلی صبح وہ بھی آ گئی۔ پرویز کی ماں اور اس بہن نے بختی کو الگ بٹھا لیا اور اس سے اس کے سرحد پار والے گھر بار کی باتیں پوچھنے لگیں۔ بختی نے انہیں سب کچھ بتایا اور بہت روئی۔

''بختی بیٹی!'' ـــــ پرویز کی ماں نے بڑے پیار سے کہا ـــــ ''ہمارے لیے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہ میں تمہیں بتا دیتی ہوں، تم خود عقل والی ہو، سوچو اور پھر ٹھیک سا جواب دو...... پرویز تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ تھا لیکن مشکل یہ پیدا ہو رہی ہے کہ میری بہن نے اپنی بیٹی اس وقت سے پرویز کے نام لگا رکھی ہے جب یہ دونوں ابھی دودھ پینے کی عمر میں تھے۔ اگر پاکستان نہ بنتا تو ان کی شادی ادھر ہی ہو جاتی لیکن وہ وطن ہی چھوڑنا پڑا اور یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ کون جیئے گا کون مرے گا......

''ہم یہاں آئے لیکن پرویز ہمیں نہیں مل رہا تھا۔ یہ وہاں ہندوستان میں بھی پولیس کے محکمے میں کلرک تھا لیکن پاکستان میں آکر اسے کسی ایسی گمنام جگہ لگا دیا گیا کہ کسی کو پتہ ہی نہ تھا کہ پرویز نام کا کوئی آدمی یہاں ملازم ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ پرویز ہماری تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا ہے۔ ہم لوگ ترن تارن سے کچھ پہلے نکل آئے تھے ورنہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہوتا۔ اللہ نے کرم کیا کہ پرویز ہمیں مل گیا......

''اب پرویز کی خالہ کبھی کی پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ ہم لوگ آباد ہو گئے ہیں اور ہمارے کام کاج چل پڑے ہیں، اب یہ شادی ہو ہی جائے تو اچھا ہے۔ پرویز سے بات ہوئی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ والٹن کیمپ میں اس نے ایک لڑکی دیکھی ہے جو پورے خاندان میں اکیلی رہ گئی ہے اور اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں اور وہ اس قابل ہے کہ اسے ایک عزت دار گھرانے میں آباد کیا جائے۔ پرویز کہتا تھا کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے جو وہ کرنا چاہتا ہے اور اسے وہ ایک صدقہ سمجھے گا جو وہ اپنے پورے خاندان کے زندہ نکل آنے پر دے گا...... یہ لڑکی تم تھیں۔ تم کہیں اِدھر اُدھر ہو گئیں اور یہ تمہیں ڈھونڈتا پھرا۔

سچی بات ہے میں اور میری بہن خوش تھیں کہ تم نہیں ملیں تو اب پرویز کی شادی میری بہن کی بیٹی کے ساتھ ہوگی اور بہن کی ایک مدت کی خواہش پوری ہو جائے گی لیکن تم پرویز کو مل گئیں اور اب پرویز نے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ شادی کرے گا۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں اور یہ بات اپنے دل میں ہی رکھنا کہ میری بہن کبھی اس چوٹ کو برداشت نہیں کرے گی اور اس کے جواب میں ایسی چوٹ لگائے گی کہ تارے دکھا دے گی۔ بڑی سیاست باز اور کایاں عورت ہے......''

''ہماری خالہ بہت خطرناک عورت ہے بختی!''۔۔۔۔ پرویز کی بہن بول پڑی۔۔۔۔ ''یہ ان عورتوں میں سے ہے جو اپنی بات منوانے اور اپنی ناک رکھنے کی خاطر اپنے خاوندوں اور بیٹوں تک کو بھڑکا اکسا کر دشمنوں کے مقابلے میں اتار دیتی اور قتل کروا دیا کرتی ہیں''۔

''یہ تو میں نے سن لیا''۔۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔۔ ''مجھے یہ بتائیں کہ میں کروں۔ کیا میں پرویز سے کہہ دوں کہ میں اس کے ساتھ شادی کروں گی؟...... سچی بات ہے کہ میں اپنی آئندہ زندگی بنانے کی فکر میں ہوں۔ اس کے لیے مجھے شادی کر لینی چاہئے لیکن کسی کو دیکھے بھالے بغیر میں اسے کیسے قبول کر سکتی ہوں!...... پرویز کو آپ خود ہی سمجھائیں اور اپنی بات پر لائیں، وہ میری نہیں مانے گا۔ یہ بات بھی ہے کہ میں جتنی بھی کوشش کر ڈالوں گی آپ کہیں گے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا اور چاہتی ہی پرویز کو تھی''۔

''دیکھ بختی!''۔۔۔۔ پرویز کی ماں نے کہا۔۔۔۔ ''میں نے تمہیں بیٹی کہا ہے اور تم بھی ہماری طرح مہاجر ہو، انشاء اللہ تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں ہوگا، پوری وفا ہوگی، میں قرآن کی قسم کھا کر اور اللہ کے نام پر وعدہ کرتی ہوں کہ ایسی جگہ تمہاری شادی کرواؤں گی کہ ساری عمر مجھے دعائیں دیتی رہو گی...... ایک بار پرویز سے کہہ کر دیکھ لو...... میں سچ کہتی ہوں کہ مجھے اپنی اس بہن سے ڈر لگتا ہے''۔

بختی نے مجھے سنایا کہ اس نے اسی روز پرویز کو الگ بٹھا کر یہ بات کی۔ پرویز نے تو کوئی بات سننے سے ہی انکار کر دیا اور اس نے کہا کہ خالہ نے اگر سر بھی اٹھایا تو میں اسے غائب کرا دوں گا، میں پولیس کے محکمے کا آدمی ہوں۔ مختصر یہ کہ پرویز فیصلہ کئے بیٹھا تھا کہ وہ بختی کے ساتھ ہی شادی کرے گا اور اب جب کہ اس نے بختی کو اپنے گھر کا فرد بنا لیا ہے تو

پھر شادی سے منہ موڑے گا ہی نہیں۔

پرویز نے گھر میں ایک قسم کا ہنگامہ بپا کر دیا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے دونوں بھائی اس کے حامی تھے۔ کسی کے پاس کوئی جواز نہ تھا کہ پرویز بختی کے ساتھ شادی نہ کرے اور خالہ کی بیٹی کو ہی بیاہ لائے۔ پرویز کے باپ نے تو ذرا ادبی زبان میں یہ بھی کہہ دیا کہ پرویز کی اس خالہ کی بیٹی میرے گھر میں نہ ہی آئے تو اچھا ہے۔

آخر فیصلہ ہو گیا کہ چار پانچ دنوں بعد پرویز اور بختی کی شادی ہو جائے گی۔ اس روز یا غالباً اگلے روز شادی کا دن بھی مقرر کر دیا گیا اور ان کے جو رشتہ دار اس آبادی میں رہتے تھے، انہیں اطلاع دے دی گئی۔ خالہ کا پیغام ملا کہ وہ اس شادی میں نہیں آئے گی۔

پرویز کی ماں اور اس کی بہن اس کی خالہ کو راضی کرنے گئیں لیکن ناکام واپس آ گئیں اور پرویز کی ماں نے کہا کہ خالہ تو دھمکیاں دینے پر اتری ہوئی ہے۔ پرویز نے کہا کہ یہ بھی دیکھ لیں گے۔

چار پانچ دنوں بعد ایک مولوی کو بلایا گیا اور چند ایک رشتہ دار تھے جو اس شادی میں شریک تھے اور بڑی سادگی سے نکاح پڑھا گیا اور شادی ہو گئی۔

بختی نے مجھے سنایا کہ شادی کی پہلی رات پرویز نے اسے کہا کہ شادی تو ہو گئی ہے لیکن ہمیں چوکنا رہنا پڑے گا کیونکہ میری خالہ بڑی ہی زہریلی عورت ہے۔

* * *

بختی مجھے اپنی زندگی کی یہ داستان سنا رہی تھی تو اس کے چہرے پر اور خصوصاً آنکھوں میں کبھی ایسا تاثر آ جاتا تھا جیسے وہ تصور میں اپنی جوانی کے دور میں چلی گئی ہو اور وہ زندگی از سر نو گذار رہی ہو۔ اس کے بولنے کا انداز ایسا پُر اثر اور پُر لطف تھا کہ مجھے کبھی یوں لگتا جیسے سکرین پر چلتی ایک فلم دیکھ رہی ہوں۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اپنی تحریر میں وہ چاشنی پیدا نہیں کر سکی جو بختی کے بولنے میں تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بھی ہے کہ میں ہر وہ تفصیل نہیں لکھ رہی جو بختی نے سنائی تھی۔ میں اس کی زندگی کے اہم اور چیدہ چیدہ واقعات سنا رہی ہوں۔

''تم خوش ہو رہی ہو گی کہ میری آخر شادی ہو گئی'' ـــ بختی نے اپنی شادی کی بات سنا کر مجھ سے کہا ـــ ''خوش تو میں بہت ہوئی تھی لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ میری ازدواجی زندگی پر آسیب کا سایہ ہے۔ پرویز نے کہا تھا کہ خالہ بڑی زہریلی عورت ہے۔ میں جان گئی تھی کہ خالہ کوئی اوچھا وار کرے گی لیکن مجھ پر ایک اور آسیبی سایہ تھا جس کا نام سعید تھا۔ میرے ذہن اور دل پر ایسا بوجھ اور کچھ ایسا خوف سا بیٹھ گیا تھا کہ شادی سے پوری طرح لطف اندوز ہو ہی نہ سکی۔ میری خوشی ایسی ہی تھی جیسی صبح کے اجالے پر رات کے سائے ابھی تک منڈلا رہے ہوں۔

بختی نے اس سے آگے بات یوں سنائی کہ پرویز خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا اور اس کی حالت ایسی ہوتی جا رہی تھی جیسے وہ کوئی نشہ پئے ہوئے ہو۔ بختی نہیں چاہتی تھی کہ کوئی ایسی بات اس کے منہ سے نکل جائے جو پرویز کی خوشی کو مجروح کر دے لیکن بختی کو اچانک ماں یاد آ گئی۔ یہ ایک قدرتی بات تھی۔ ماں نے بھی اس کی شادی کروانی تھی۔ اسے یاد تھا کہ ماں کس قدر مطمئن اور خوش تھی۔ آج وہ ماں دنیا سے اٹھ گئی تھی''۔

اسے نہ صرف یہ کہ ماں یاد آئی بلکہ بڑا ہی تلخ خیال آ گیا کہ ماں کو تو کفن اور قبر بھی نصیب نہیں ہوئی تھی نہ جانے اس کی ہڈیاں کہاں بکھر کر مٹی میں مل گئی ہوں گی...... بختی نے بہت

کوشش کی کہ ماں کو ذہن سے نکال دے لیکن ممکن نہ تھا۔ اس کے آنسو بہہ نکلے۔

''کیوں بختی!'' ـــ پرویز نے کہا ـــ ''دلہنیں اپنے گھروں سے رخصت ہو کر رویا کرتی ہیں، تمہارا کون سا گھر ہے جو تم چھوڑ آئی ہو؟...... اب اسی گھر کو اپنا گھر سمجھو''۔

بختی نے اپنے دونوں بازو پرویز کے گلے میں ڈال دیئے اور سر پرویز کے کندھے پر ڈال کر بولی، ماں یاد آ گئی ہے اور اس کے فوراً بعد بختی کی ہچکی بندھ گئی۔

پرویز عقل والا آدمی تھا۔ اس نے ایسا نہ کیا کہ بختی سے کہتا کہ اس خوشی کے موقع پر انہیں یاد نہ کرو جو دنیا سے اٹھ گئے ہیں۔ پرویز نے بختی کو بہلا لیا۔

ازدواجی زندگی کی پہلی رات پیار و محبت کی باتوں اور ہلاروں میں گزر گئی۔ اس رات کے بطن سے صبح نے جنم لیا۔

پرویز کی ماں اور اس کی بہن بظاہر بہت ہی خوش نظر آتی تھیں لیکن بختی کوئی بچی تو نہ تھی، وہ محسوس کر رہی تھی جیسے ان دونوں عورتوں کی خوشی میں کسی وہم اور وسوسہ کی آمیزش ضرور ہے۔ اس آمیزش کا تعلق خالہ کے ساتھ ہی ہو سکتا تھا۔

+++

ازدواجی زندگی کا پہلا دن بھی گزر گیا۔ رات کو بختی نے پرویز سے کہا کہ ان چوہدریوں کا اس پر بڑا ہی احسان ہے، کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ مٹھائی لے کر ان کے ہاں چلیں...... پرویز نے بلا حیل و حجت کہا کہ ضرور چلنا چاہیے۔

چوہدریوں سے بختی کا مطلب سعید کے ماں باپ نہیں تھے بلکہ ساقی کے ماں باپ تھے۔ ان لوگوں نے بختی کو پناہ دی تھی۔ نوکرانی بنا کر بھی اسے نوکرانی نہیں سمجھا تھا۔ چوہدرانی یعنی ساقی کی ماں اس کے ساتھ دل کی بات کیا کرتی تھی۔

پھر اس چوہدری کا یہ احسان کچھ کم نہ تھا کہ وہ خود ایک دوست کو ساتھ لے کر بختی کے ساتھ گیا اور پرویز سے ملا اور اسے دیکھا بھالا تھا۔ اسی کو کافی نہ سمجھا اور پرویز کے گھر جا کر دیکھا کہ یہ لوگ کیسے ہیں اور کیا یہ اس قابل ہیں کہ بختی کو ان کے حوالے کر دیا جائے؟ بختی کو ان لوگوں کے حوالے کر کے چوہدری نے بختی سے کہا تھا کہ اسے کوئی تکلیف یا شکایت ہوئی تو واپس اس کے گھر آ جائے۔

پرویز بھی اس چوہدری سے متاثر تھا۔ وہ ان جیسے چوہدریوں کو خوب جانتا تھا۔ کوئی

چوہدری بختی جیسی خوبصورت اور جوان لڑکی سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس چوہدری نے بختی کو بیٹی کا درجہ دے رکھا تھا۔

بختی نے مجھے پرویز کے خاندان کے متعلق یہ بات خاص طور پر بتائی کہ یہ لوگ مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ پرویز سی آئی ڈی دفتر میں کلرک تھا لیکن آدمی محنتی تھا اور اسے معلوم تھا کہ ہندوؤں اور سکھوں کے چلے جانے کی وجہ سے ترقی کے راستے کچھ زیادہ ہی کھلے ہوئے ہیں۔ پرویز نے ٹائپنگ سیکھی اور پھر شارٹ ہینڈ بھی سیکھ لی اور اتنی محنت کی کہ باقاعدہ سٹینو گرافر بن گیا۔ اس اسے ترقی مل گئی اور تنخواہ میں خاصا اضافہ ہو گیا۔ ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس کا براہِ راست رابطہ بڑے افسروں کے ساتھ پیدا ہو گیا۔ ویسے بھی وہ میل ملاقات رکھنے والا آدمی تھا۔ اس طرح اس نے اپنے دفتر میں ہی نہیں بلکہ اپنے محکمے میں بڑی اچھی پوزیشن بنا لی تھی۔

اگلے روز شام چائے کے بعد پرویز اور بختی مٹھائی کا ڈبہ لے کر چوہدری کے ہاں جا پہنچے۔ بختی نے چوہدرانی کو خبر سنائی کہ اس کی شادی پرویز کے ساتھ ہو گئی ہے اور شادی اتنی سادگی سے ہوئی ہے کہ کسی کو مدعو کیا ہی نہیں گیا ورنہ وہ چوہدری اور چوہدرانی کو ضرور مدعو کرتے۔

"سن بختی!" — چوہدرانی نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا — "میں تو تمہیں کسی قیمت پر نہ چھوڑتی لیکن تمہارے مستقبل کا سوال تھا۔ اللہ تمہیں یہ شادی مبارک کرے، مجھے یہ خوشی بھی ہے کہ تمہاری شادی اس شخص کے ساتھ ہوئی ہے جو تمہیں ہی چاہتا تھا"۔

چوہدرانی نے پرویز اور بختی کی خاطر و مدارات کی اور اِدھر اُدھر کی باتیں چل پڑیں۔

"اس پگلے کا کیا حال ہے؟" — بختی نے چوہدرانی نے سعید کے متعلق پوچھا۔

چوہدرانی نے اسے بتایا کہ سعید کا برا ہی حال ہے۔ چوہدرانی نے اسے تفصیل سے بتایا کہ ماں باپ نے سعید کی جہاں منگنی کی تھی وہاں سے تو انہیں جواب مل گیا تھا لیکن سعید کو اس کا ذرا سا بھی افسوس نہیں بلکہ وہ خوش تھا۔ یہ تو ایک تلخ اور شرم ناک مسئلہ تھا جو سعید کے ماں باپ کے لیے پیدا ہو گیا تھا۔

"میری بات کو ٹالنا نہیں بختی!" — چوہدرانی نے کہا — "سعید سے بچ کر رہنا۔ وہ تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ یہاں بھی آیا تھا اور اس نے تمہارا پوچھا تھا۔ ہم نے کہا کہ وہ ہماری

کچھ نہیں لگتی تھی۔ ہم نے تو اسے مہاجر سمجھ کر پناہ دی تھی۔ اسے کوئی اور پناہ مل گئی ہے اور اپنی مرضی سے چلی گئی ہے۔ سعید ہم پر رعب جھاڑنے لگا کہ ہم نے تمہیں کیوں جانے دیا ہے۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے اسے کہا کہ آئندہ بختی کے پیچھے یہاں نہ آنا"۔

پھر چوہدرانی نے بختی کو بتایا کہ اگلے ہی روز سعید کی ماں اور اس کا باپ آ گئے۔ وہ بہت ہی پریشان تھے۔ انہوں نے بھی بختی کے متعلق پوچھا کہاں ہے۔ چوہدرانی نے انہیں بتایا کہ وہ کہیں چلی گئی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہاں گئی ہے تو چوہدرانی نے کچھ سوچ کر جواب دیا کہ اسے کچھ معلوم نہیں۔ وہ دونوں یہ جواب سن کر کچھ زیادہ ہی مایوس ہو گئے۔

سعید نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ چوہدری جو اپنا سر اونچا رکھتا اور اس کے سامنے کوئی اور سر اونچا کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا، بالکل ہی ہار گیا تھا۔ اس نے کہا کہ اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ سعید کی شادی بختی کے ساتھ ہی کر دی جائے ورنہ یہ لڑکا دماغی توازن کھو بیٹھے گا۔

سعید کے ماں باپ دراصل اسی مقصد کے لیے بختی کی تلاش میں آئے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ بختی یہیں ہو گی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے لیکن انہیں بہت ہی مایوسی ہوئی۔ چوہدری کرید کرید کر پوچھنے لگا کہ بختی کا کوئی سراغ مل جائے لیکن چوہدرانی نے دانشمندی کی کہ بالکل ہی لاعلمی کا اظہار کرتی رہی۔ وہ دونوں کچھ دیر بیٹھے اور مایوسی کے عالم میں چلے گئے۔ اس کے بعد وہ نہیں آئے۔

اب بختی اپنے خاوند کے ساتھ اسی گھر میں بیٹھی تھی لیکن سعید سے وہ محفوظ نہیں تھی۔ چوہدرانی نے ایک بار پھر اسے کہا کہ سعید کبھی سامنے آ جائے تو اس سے منہ نہ لگانا...... کچھ دیر سعید کی باتیں ہوتی رہیں اور اتنے میں چوہدری یعنی ساقی کا باپ آ گیا۔ وہ تو یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ بختی کی شادی پرویز کے ساتھ ہو گئی ہے۔ اس واقعہ میں بختی اور سعید کا کردار ایسا تھا کہ بختی کا ذکر آتا تو سعید کا ذکر لازمی ہو جاتا تھا۔ چوہدری نے بھی سعید ہی کی بات چھیڑ دی اور بختی سے کہا کہ وہ خوش بخت ہے کہ اس پاگل سے بچ گئی ہے۔

"اس کے ماں باپ مانیں یا نہ مانیں" — چوہدری نے کہا — "سعید پکا پاگل ہو چکا ہے اور اسے اس حال تک اس کے اپنے ماں باپ نے پہنچایا ہے۔ سعید کو بختی کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں نہ اسے محبت کہا جا سکتا ہے۔ لاڈ اور پیار کے بگڑے ہوئے بچوں کی فطرت بن جاتی

ہے کہ جو مانگیں وہ مل جائے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان کا دل اس چیز سے بھر جاتا ہے اور وہ کسی اور چیز کی فرمائش کر کے ماں باپ کو پریشان کر دیتے ہیں۔ اس پگلے نے بختی پر نظر رکھ لی اور کہا کہ بختی اسے مل جائے۔ اگر بختی اسے مل جاتی تو ایک دو مہینوں میں وہ اس سے بیزار ہو جاتا اور کسی اور کے پیچھے پھر رہا ہوتا''۔

بختی نے مجھے سنایا کہ وہ چوہدری اور چوہدرانی کے ساتھ سعید کی باتیں کر اور سن رہی تھی۔ اس نے پرویز کی طرف دیکھا تو پرویز کے چہرے پر پریشانی اور کچھ حیرت کا تاثر نظر آیا۔ بختی نے پرویز کو بے چینی کی سی کیفیت میں دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ پرویز نے کیا اثر لیا ہے۔ بات یہ تھی کہ بختی نے پرویز کو اپنی ہجرت کی بات سناتے ہوئے بتایا تھا کہ سعید نام کا ایک نوجوان لڑکا اس کے ساتھ آیا تھا بلکہ اس نوجوان کو بختی سہارا دے کر لائی تھی۔ بختی نے پرویز کو یہ تو بتایا ہی نہیں تھا کہ سعید اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

یہ بتانے کا بختی کو موقع ہی نہیں ملا تھا۔ پیچھے پڑنے والی بات تو اس وقت ہوئی تھی جب بختی سعید کے باپ کے ہاں پہنچی تھی۔ اتفاق سے بختی کو پرویز مل گیا تو بختی اس کے گھر چلی گئی۔ وہاں کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ بختی اسے سناتی کہ وہی نوجوان اسے مل گیا ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ پھر پرویز اور بختی کی شادی ہو گئی۔ اب اس نے دیکھا کہ پرویز پریشان ہوا جا رہا ہے تو وہ فوراً سمجھ گئی۔

''یہ ایک اور ڈرامہ ہے پرویز!'' ___ بختی نے ہنستے ہوئے کہا ___ ''آج تمہیں یہ بھی سناؤں گی، پہلے موقع ہی نہیں ملا۔ یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے''۔

کچھ وقت اور گزار کر پرویز اور بختی جانے کے لئے اٹھے۔ چوہدرانی نے ایک جوڑا کپڑے اور دوپٹہ بختی کو دیا اور پرویز کو نقد سلامی دی اور وہ وہاں سے رخصت ہوئے۔

+++

انہیں ماڈل ٹاؤن سے سنت نگر تک جانا تھا۔ فاصلہ بہت ہی زیادہ تھا اس لیے انہوں نے تانگہ لے لیا۔ تانگے میں سوار ہوتے ہی بختی نے سعید کا قصہ سنانا شروع کر دیا۔ وہی قصہ ہے جو میں پیچھے ایک باب میں پوری تفصیل سے پیش کر چکی ہوں۔ بختی نے پرویز کو بتایا کہ یہ ایک اتفاقیہ اور ڈرامائی ملاقات تھی جو سعید اور بختی کی اس کے گھر میں ہو گئی۔

بختی نے پرویز کو یہ بھی بتایا کہ اسے سعید کے گھر سے کس طرح نکلنا پڑا اور ساقی کے گھر

آ گئی اور یہاں ساقی نے اس پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے لیکن اس لڑکے میں کچھ ایسا کردار تھا کہ جب اس نے سنا کہ بختی نے تن تنہا کس طرح ہجرت کی تھی تو اس نے بختی کو ایک قابلِ احترام عورت سمجھنا شروع کر دیا اور اپنا رویہ ہی بدل ڈالا لیکن سعید کا رویہ اور فیصلہ بالکل ہی نہ بدلا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سعید اور ساقی کی لڑائی ہوئی اور چاقو چل گئے۔

''غور کرو پرویز!'' ___ بختی نے کہا ___ ''میری جگہ کوئی اور ہوتی تو وہ سعید کو اور زیادہ بھڑکاتی اور ورغلاتی اور سعید اپنے ماں باپ کو مجبور کر دیتا کہ اس کی شادی اس لڑکی کے ساتھ کر دیتے۔ میں بڑی آسانی سے اتنے امیر کبیر اور اتنے بڑے چوہدریوں کی بہو بن جاتی۔ ان کے اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی بیوی بن کر میں شہزادی بن جاتی اور عیش موج کرتی لیکن میرے ذہن میں وہی زندگی تھی جو میں نے سرحد پار گزاری تھی۔ اب تم نے خود سن لیا ہے کہ سعید کے ماں باپ آخر اس کی شادی میرے ساتھ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی اور اللہ نے میری سن لی اور تم مل گئے۔ خدا کی قسم میں تو یوں محسوس کرتی ہوں جیسے جنت میں آ گئی ہوں لیکن اس سعید سے بچ کر رہنا پڑے گا۔ پگلا اپنی منگنی تڑوا چکا ہے اور مجھے اپنی منگیتر سمجھتا ہے''۔

''آنے دو'' ___ پرویز نے کہا ___ ''اسے میرے سامنے آنے دو۔ ایسے چکر میں ڈالوں گا کہ پھر کبھی تمہاری طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کرے گا''۔

''میں اس کے باپ سے ڈرتی ہوں'' ___ بختی نے کہا ___ ''اس نے بڑے زبردست غنڈے پال رکھے ہیں''۔

''بختی!'' ___ پرویز نے کہا ___ ''دل سے ہر خوف اور ہر خطرہ نکال دو۔ اس چوہدری کے غنڈے زبردست ہیں تو تم دل میں یہ رکھو کہ میرا جو اللہ ہے وہ سب سے زیادہ زبردست ہے...... البتہ ایک خیال رکھنا۔ معلوم نہیں تم گھریلو سیاست اور سیاست باز عورتوں کو سمجھتی ہو یا نہیں۔ غور اس پر کرو کہ میری امی اور میری خالہ ایک ہی ماں کی دو بیٹیاں ہیں لیکن امی سیدھی سادی عورت ہے اور خالہ اس کے بالکل الٹ...... پکی سیاست باز اور اپنے وقار کی خاطر اور اپنی بات رکھنے کی خاطر انتہائی کارروائی سے بھی گریز نہیں کرتی۔ مجھے ڈر ہے کہ خالہ کوئی نہ کوئی ڈرامہ ضرور بنائے گی جسے نہ تم سمجھ سکو گی نہ ہماری امی۔ اگر گھر میں کوئی ایسی بات ہو جائے تو خود ہی سوال جواب کرنے کی بجائے پہلے مجھے بتانا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہماری خالہ کی

ہسٹری ہی کچھ ایسی ہے"۔

+++

بختی نے پہلے خالہ کی طرف کوئی زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ وہ سمجھی کہ جس طرح بعض عورتیں بدفطرت ہوا کرتی ہیں، اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر لگاتی پھرتی ہیں اور دوسروں میں غلط فہمیاں پیدا کرتی ہیں اسی طرح خالہ بھی کرتی ہو گی۔ ہماری چار دیواری کی دنیا میں اسی ذہنیت کی عورتوں کی کمی نہیں لیکن اب پرویز نے اسے خالہ سے ایک بار پھر خبردار کیا تو بختی کو خیال آیا کہ شادی سے پہلے ہی دو دنوں میں اس نے کم و بیش ایک سو مرتبہ خالہ کا نام سنا ہو گا اور جس نے بھی خالہ کا ذکر کیا ایسے کیا جیسے خالہ کوئی شرشرار کوئی آسیب ہو۔

بختی کو زیادہ خطرہ سعید کی طرف سے محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن سے سعید اور ساقی کی لڑائی نہیں نکلتی تھی۔ سعید نے ساقی کو چاقو مار دئے تھے۔ بختی کا یہ ڈر بجا تھا کہ کبھی سعید سامنے آ گیا تو ایسا حملہ پرویز پر بھی کر سکتا ہے لیکن پرویز نے، اس کی ماں اور اس کی بڑی بہن نے اسے خالہ سے اتنا ڈرایا کہ اس کے دل پر سعید کا جو خوف تھا وہ کم ہونے لگا۔ وہ تفصیل سے سننا چاہتی تھی کہ خالہ آخر چیز کیا ہے اور پرویز نے جس طرح کہا تھا کہ یہ خالہ کی ہسٹری ہے، وہ ہسٹری کیا ہے۔ اسی رات جب بختی اور پرویز اپنے کمرے میں سونے کے لیے گئے تو بختی نے پرویز سے پوچھا کہ یہ خالہ آخر چیز کیا ہے اور اس کی ہسٹری کیا ہے!

"ایک بات بتاؤ بختی!"—— پرویز نے کہا—— "تم نے کبھی یہ محاورہ سنا ہے کہ فلاں آدمی اتنا کایاں اور گھاگ ہے کہ آسمان سے ٹاکی اتار بھی لاتا ہے اور لگا بھی آتا ہے؟...... اگر تم نے ایسا کوئی آدمی دیکھا نہ ہو تو وہ کوئی آدمی نہیں بلکہ ہماری خالہ ہے۔ اس کی فطرت میں جھوٹ اور فریب کاری کے سوا کچھ بھی نہیں"۔

پرویز نے بختی کو تفصیل سے سنایا کہ خالہ اپنی بہن یعنی پرویز کی ماں سے بالکل ہی مختلف کیوں نکلی۔ ہوا یوں کہ خالہ کی شادی ایک بڑے اچھے اور خوشحال زمیندار خاندان میں کی گئی۔ سب کہتے تھے کہ خالہ کی تو قسمت جاگ اٹھی ہے اور بڑے سکھ چین سے زندگی گزارے گی لیکن شادی کے کچھ ہی دنوں بعد خالہ کو پتہ چل گیا کہ اس کا خاوند چرس کا نشئی ہے اور دیسی شراب بھی پیتا ہے۔ خالہ اس وقت نوجوان لڑکی تھی جو ابھی زیادہ ہیرا پھیری نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے خاوند کو اس نشے سے روکا تو خاوند نے بڑے پیار سے وعدہ کیا کہ وہ چھوڑ دے گا۔ خاوند خوبرو جوان

تھا اور ہنس مکھ بھی تھا۔ شاید خالہ کو خوش کرنے کے لیے دوا سے پیسے بہت دیتا تھا۔

دن گزرتے گئے اور نشے میں کوئی کمی نہیں آئی البتہ پہلے سے زیادہ ہو گیا ہو گا۔ خاوند کام کاج کرتا تھا، زمینوں کی دیکھ بھال کرتا تھا اور مزارعوں وغیرہ پر بھی نظر رکھتا تھا لیکن وہ جو رشتہ داری اور برادری میں دنیا داری ہوتی ہے اور جو دیگر معاملات ہوتے ہیں ان کی طرف خاوند کی کوئی توجہ نہیں تھی۔ اس دنیا داری کو عموماً خاندان کے بزرگ نبھایا کرتے ہیں۔ یہ کام خالہ کی ساس کا تھا لیکن وہ کوئی بڑی اچھی عورت تھی۔ اس نے یہ ذمہ داری خالہ کے سپرد کر دی اور اسے کہا کہ وہ رشتہ داری اور برادری میں میل جول رکھے اور سب سے نرمی گرمی بھگتائے۔

خالہ اسی چھوٹی عمر میں ان ذمہ داریوں میں پڑ گئی۔ اس نے رسم و رواج بھی نبھائے اور ان میں جو لین دین ہوتا ہے وہ بھی ٹھیک ٹھاک نبھایا۔ خاوند اس سے بالکل نہیں پوچھتا تھا کہ اس نے فلاں جگہ اتنے پیسے کیوں دے دیئے ہیں یا فلاں کام اس طرح کیوں کیا ہے۔ مطلب یہ کہ خالہ کو پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ سیاہ کرے سفید کرے۔

پھر خالہ کو ایک سہولت اور حاصل ہو گئی۔ وہ خوبصورت لڑکی تھی۔ خوش طبع بھی تھی۔ خاوند تو جیسے اس پر مرمٹا تھا۔ مرمٹنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ خالہ کو خوش رکھنا چاہتا تھا کہ خالہ اسے نشے سے ہٹانا چھوڑ دے۔ دن گزرتے گئے اور خاوند کا نشہ بڑھتا گیا اور خالہ نے رشتہ داری اور برادری میں بڑی اچھی پوزیشن حاصل کر لی۔ برادری میں ایک سے بڑھ کر ایک چالاک اور ہوشیار عورت موجود تھی۔ خالہ نے کبھی کسی عورت کو ناراض نہ کیا اور ان کی فطرت کو سمجھتی چلی گئی اور وہی چالاکیاں اور فریب کاریاں سیکھتی اور استعمال کرتی گئی۔

اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس کا خاوند نشے سے باز نہیں آئے گا اور وہ اسے نشے سے ہٹا نہیں سکے گی۔ خالہ نے یہاں یہ استادی کھیلی کہ خاوند کو یہ کہنا ہی چھوڑ دیا کہ وہ چرس اور شراب چھوڑ دے، بلکہ اس نے کچھ ایسا رویہ اختیار کر لیا جیسے وہ خاوند کی حوصلہ افزائی کرنے لگی تھی کہ وہ نشے میں ڈوبا ہی رہے۔

چار پانچ سال گزر گئے تو چرس کا نشہ خاوند کے جسم پر ایسا اثر انداز ہونے لگا کہ اس میں کمزوریاں پیدا ہو گئیں اور وہ خالہ سے ذرا دور دور رہنے لگا۔ خالہ جان گئی کہ یہ خاوند اب جسمانی طور پر اس کے قابل نہیں رہا۔ خالہ نے یہ بھی برداشت کر لیا اور کبھی شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائی۔ خاوند نے اس کا صلہ یہ دیا کہ گھر کی جتنی آمدنی تھی وہ خالہ کے ہاتھ میں

رہنے لگی۔

پھر خالہ نے مزارعوں پر بھی نگرانی شروع کر دی اور زمینوں کی طرف بھی توجہ دینے لگی۔ ڈیڑھ دو سال بعد خالہ کی ساس فوت ہوگئی تو پھر تو خالہ سارے گھر کی مالک بن گئی۔

خالہ کا خاوند گھر میں اکیلا نہیں تھا اور تمام زمینوں اور جائیداد کا اکیلا وارث بھی نہیں تھا۔ اس کا ایک بڑا بھائی تھا جو بیوی بچوں والا تھا۔ شریف آدمی تھا۔ وہ آمدنی کا برابر کا حصہ دار تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی حویلی میں رہتے تھے۔ خالہ نے خاوند کے بڑے بھائی کی بیوی کے ساتھ کبھی لڑائی جھگڑا کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ اس پر اپنی زبان کا جادو چلاتی رہی اور اسے خوش رکھا۔

سات آٹھ سال گزر گئے تھے۔ خالہ کے خاوند کا اب یہ حال تھا کہ پہلے دن کے وقت کچھ دیر باہر نکلتا تھا، اب وہ بھی نہ رہا اور دن کا بیشتر حصہ وہ گھر میں لیٹا اور سویا رہتا۔ خالہ اس حالت میں بھی خاوند کی مٹھی چاپی کرتی اور اتنی زیادہ خدمت کرتی کہ اس پر چرس کے ساتھ یہ بھی ایک نشہ طاری ہو جاتا۔

بات مختصر یوں تھی کہ خالہ نے استادیاں، چالاکیاں اور فریب کاریاں سیکھ لیں اور کوئی اچھی بات نہ سیکھی۔ خاوند کا بڑا بھائی شاید یہ دیکھ رہا تھا کہ خالہ آمدنی کی حصہ داری میں ڈنڈی مار رہی ہے۔ اس نے دو چار مرتبہ باز پرس کی تو خالہ نے بڑی ہوشیاری سے اسے مطمئن کیا اور ٹال دیا لیکن مجرمانہ حرکتیں چھپی نہیں رہا کرتیں۔ ایک روز بڑے بھائی نے خالہ کے خاوند سے کہا کہ وہ اس نشے سے نکلے اور یہ سارے امور اور معاملات خود دیکھے۔ بھائی نے یہ بھی کہا کہ یہ کام عورتوں کے نہیں مردوں کے ہیں اور عورتوں سے ایسے کام لینے والے مرد بے غیرت کہلاتے ہیں لیکن چھوٹے بھائی پر کچھ اثر نہ ہوا۔

بڑے بھائی کو غالباً کچھ زیادہ شک ہو گیا اور آخر ایک روز اس نے خالہ کے خاوند کو بڑے بھائی کی حیثیت سے ڈانٹ کر کہا کہ وہ خود کیوں ادھر توجہ نہیں دیتا۔ پیشتر اس کے کہ خالہ کا خاوند بولتا خالہ بول پڑی اور کچھ ایسا جواب دیا جو ناگوار تھا۔ بڑا بھائی جو پہلے ہی غصے میں تھا، بھڑک اٹھا اور اس نے پہلی بار خالہ کو ڈانٹ دیا۔ یہاں سے دونوں بھائیوں میں شک شبے پیدا ہو گئے اور وہ پہلے والی بات نہ رہی جب دونوں بھائی بڑے اطمینان اور خلوص سے رہتے تھے۔

پرویز کو یہ ساری باتیں اس کی ماں نے سنائی تھیں اور ماں کو برادری کی عورتوں نے سنائی تھیں۔ یہاں تک انکشاف ہوا کہ خالہ نے درپردہ رشتہ داروں میں سے ہی ایک جوان آدمی کے ساتھ ناجائز مراسم پیدا کر لئے تھے اور یہ رشتہ دار اس کے خاوند کا بڑا ہی گہرا دوست تھا۔ یوں کہہ لیں کہ وہ ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ انہیں ایک دوسرے پر پورا پورا اعتماد تھا۔ خالہ اسی اعتماد سے فائدہ اٹھا رہی تھی اور یہ بات آہستہ آہستہ باہر نکل رہی تھی۔

خالہ نے اپنے خاوند کی آنکھوں پر اپنے حسن، پیار و محبت اور زر خرید لونڈیوں جیسی خدمت گذاری کی پٹی باندھ رکھی تھی۔ خاوند کا بھائی اب اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ وہ کسی بھی کارروائی کے لیے تیار تھا۔ خالہ نے اپنے خاوند کو اس کے بھائی کے خلاف بھڑکا رکھا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ دونوں بھائیوں کے درمیان بول چال بند ہو گئی تھی اور خالہ نے بڑے بھائی کی بیوی کے ساتھ محض رسمی سا تعلق قائم رکھا ہوا تھا جس میں بے رخی نمایاں تھی۔

+++

خالہ کو اللہ سزا دے رہا تھا لیکن خالہ ابلیسیت کے اس مقام تک جا پہنچی تھی جہاں وہ عبرت حاصل کرنے کو اپنی توہین سمجھتی تھی۔ سب سے پہلے اس کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بالکل تندرست اور صحت مند رہی۔ یہی وہ لڑکی تھی جو خالہ پرویز کو دینا چاہتی تھی۔ اس لڑکی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جو ایک مہینہ زندہ رہ کر مر گیا۔ پھر ایک اور لڑکا پیدا ہوا۔ وہ بھی چند گھنٹے زندہ رہ کر مر گیا۔ اس کے بعد ایک بچہ مردہ پیدا ہوا۔ یہ بھی لڑکا تھا۔ یہ سزا نہیں تھی تو اور کیا تھا۔ لڑکا ایک بھی زندہ نہ رہا اور لڑکی اچھی بھلی پلتی بڑھتی گئی۔ یہ بھی تو ایک سزا تھی کہ خالہ کا خاوند اس قدر نشئی ہو گیا تھا کہ خالہ کے لیے تو بیکار ہوا ہی تھا، زمینداری کے انتظامات سے بھی لاتعلق ہو گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ خالہ اس میں اپنی چوہدراہٹ سمجھتی کہ سارے انتظامات اس کے ہاتھ میں ہیں لیکن دیکھنے والے کانوں کو ہاتھ لگاتے اور کہتے تھے کہ اسے کہتے ہیں دنیا میں ہی سزا مل جانا۔

خالہ کے خاوند کی اپنے بھائی کے ساتھ اب باقاعدہ عداوت پیدا ہو گئی تھی۔ ان کا باپ پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ خالہ کے بھڑکانے اکسانے پر اس کا خاوند بڑے بھائی سے مطالبہ کرتا تھا کہ زمینیں تقسیم کر لی جائیں اور حویلی کے درمیان بھی دیوار کھڑی ہو جائے لیکن بڑا بھائی ابھی تک خاندانی وقار کو سینے سے لگائے ہوئے تھا اور وہ پوری کوشش میں رہتا تھا کہ بھائیوں میں از سر نو اتفاق پیدا ہو جائے اور خاندان کی عزت بچ جائے لیکن خالہ اس قسم کے جذبات سے عاری

تھی۔

ایک روز ان کے گاؤں میں بڑا ہی عجیب وغریب اور شرمناک واقعہ ہوگیا۔ ساونی کی فصل کھڑی تھی اور پوری طرح اونچی ہو چکی تھی۔ عام قد کا آدمی اس میں کھڑا ہو جاتا تو اس کا سر نظر نہیں آتا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ بعض کھیت خالی تھے جنہیں اگلی فصل یعنی گندم کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔

اچانک کسی عورت کی چیخ اور پھر شور شرابہ سنائی دیا۔ کھیتوں میں کام کرتے لوگ اس طرف دوڑے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ خالہ اس حالت میں ایک خالی کھیت میں دوڑی آئی کہ اس نے ازار بند ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور اس کی شلوار گری جا رہی تھی۔ اس کی قمیض دو جگہوں سے پھٹی ہوئی تھی۔

''لوگو، یہ ظلم دیکھو'' ـــــ خالہ نے چیختے چلاتے ہوئے کہا ـــــ ''جسے میں اپنا بڑا بھائی اور باپ سمجھتی تھی اس نے میری عزت پر حملہ کیا ہے۔ یہ دیکھو میرے کپڑے پھاڑ دیئے ہیں اور شلوار کھول دی تھی لیکن میں اس سے بچ کر بھاگ آئی''۔

بہت سے لوگ اس کے اردگرد اکٹھے ہوگئے۔ یہ سب اس کے گاؤں کے لوگ تھے۔

خالہ کا یہ واویلا سن کر ان تمام آدمیوں کا خون کھولنے لگا کئی آوازیں اٹھیں کہ ہمیں بتاؤ وہ کون ہے، تمہارے سامنے اس کا قیمہ بنا ڈالیں گے۔

خالہ نے اس فصل کی طرف دیکھا جس میں سے نکل کر وہ دوڑی آئی تھی۔ سب نے ادھر دیکھا۔ خالہ کے خاوند کا بھائی آہستہ آہستہ لوگوں کی طرف چلا آ رہا تھا۔

''وہ آ رہا ہے مردود!'' ـــــ خالہ نے ادھر اشارہ کر کے کہا ـــــ ''دیکھو کیسی معصوم صورت بنائے چلا آ رہا ہے یہ تو اللہ نے اس کافر سے میری عزت بچائی ہے''۔

خاوند کا بھائی آہستہ آہستہ چلتا لوگوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ان آدمیوں پر جو وہاں کھڑے تھے خاموشی طاری ہوگئی۔ اگر وہ اجنبی ہوتا یا کوئی غنڈہ بدمعاش ہوتا تو یہ لوگ اسے زندہ نہ چھوڑتے لیکن یہ شخص اس عورت کے خاوند کا بڑا بھائی تھا اور گاؤں میں اس کی شرافت مشہور تھی۔

''کیا کہہ رہی ہے چوہدری!'' ـــــ ایک معزز سے آدمی نے پوچھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہے؟'' ـــــ خاوند کے بڑے بھائی نے کہا ـــــ ''اسے کہو پھر وہی بات

کہے جو اس نے تم سب سے کہی ہے''۔

خالہ نے اور زیادہ چیخنا چلانا شروع کر دیا اور بڑے بھائی کو دو چار گالیاں بھی دے ڈالیں۔

''تم لوگوں نے اس کی بات سن لی ہے'' ـــــ بڑے بھائی نے کہا ـــــ ''یہ کہتی ہے اسے میں نے گرا لیا تھا، اس کی قمیض پھاڑی اور اس کی شلوار کھولنے کی کوشش کی یہ بڑی مشکل سے مجھ سے اپنی عزت بچا کر بھاگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں میں فصل کے اندر دھینگا مشتی اور کشتی ہوئی ہے۔ سب چلو اور اس سے پوچھو کہ وہ جگہ کون سی ہے۔ ظاہر ہے جہاں اتنی دھینگا مشتی ہوتی ہے وہاں سے بہت ہی فصل ٹوٹی ہوگی۔ اسے ساتھ لو میں تمہارے ساتھ چلوں گا اور اسے کہو کہ وہ جگہ تم سب کو دکھا دے''۔

تین چار معزز قسم کے آدمیوں نے خالہ سے کہا کہ چلو وہ جگہ دکھاؤ پھر دیکھو ہم کیا کرتے ہیں۔ معلوم نہیں خالہ نے پہلے سوچا تھا یا نہیں کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے یا سب کچھ جانتے ہوئے کہ لوگ شاید بات نہ مانیں اس نے یہ واویلا کیا اور اب لوگ اسے جائے وقوعہ پر لے جانا چاہتے تھے تو اس نے پینترا بدلا۔

''میں تم سب میں اکیلی ہوں'' ـــــ خالہ نے کہا ـــــ ''میں اپنے خاوند کو بلانے جا رہی ہوں۔ میرے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی بھی نہیں''۔

خالہ وہاں سے چلنے لگی تو اس کے خاوند کے بڑے بھائی نے اس کا بازو پکڑ لیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ کوئی اور دوڑ کر جائے اور اس کے خاوند کو ساتھ لے آئے۔ خالہ نے اپنا بازو چھڑانے کے لیے ہنگامہ بپا کر دیا۔ وہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن لوگ اسے بھاگنے نہیں دے رہے تھے۔ بڑے بھائی کے کہنے پر ایک آدمی ان کے گھر کی طرف دوڑا گیا۔

''سب یہیں موجود رہنا'' ـــــ بڑے بھائی نے لوگوں سے کہا ـــــ ''میرا بھائی آ رہا ہے اور پھر وہ جگہ چل کر دیکھیں گے لیکن اس عورت کو یہیں رکھنا تمہارا کام ہے۔ یہ میرے بھائی کی بیوی ہے، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اسے یہیں قابو کیے رکھو''۔

خالہ کہاں تھی قابو میں آنے والی، اس نے وہ اودھم مچایا کہ اتنے سارے آدمی گھبرا گئے۔ اسے کوئی پکڑ کر دبوچ تو سکتا نہیں تھا۔ وہ مرد ہوتی تو پھر دو تین آدمی اسے پکڑے رکھتے، اسے گرا بھی لیتے لیکن یہ عورت تھی اور ایک اچھے خاندان سے اس کا تعلق تھا۔ لوگوں نے اسے ہاتھ

لگائے بغیر رو کے رکھا۔ وہ جدھر منہ کرتی تھی، دو تین آدمی اس کے آگے ہو جاتے تھے۔

"ٹھہر جاؤ بیٹی!"۔۔۔ ایک معزز بزرگ نے اس کے آگے کھڑے ہو کر کہا۔۔۔ "تم نے ایک آدمی پر جو الزام لگایا ہے وہ کوئی معمولی الزام نہیں۔ اس بات پر تو خون بہہ جایا کرتا ہے۔ تمہارا ملزم یہیں کھڑا ہے تم بھی یہیں کھڑی رہو۔ انصاف ہم کریں گے"۔

اس طرح خالہ کو کسی نے وہاں سے نکلنے نہ دیا اور اس کا خاوند جھومتا ہوا آ گیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ نشے میں ہے یا نشے کے بعد کے اثر نے اسے نڈھال کر رکھا ہے۔ اسے دیکھ کر خالہ نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

"اپنے بھائی کی کرتوت دیکھ لو"۔۔۔ خالہ نے خاوند سے چلا کر کہا۔۔۔ "ان لوگوں سے پوچھو تمہارے بھائی نے کیا گل کھلایا ہے"۔

"ہم سے کیا پوچھے گا!"۔۔۔ ایک بزرگ نے کہا۔۔۔ "ہم نے جو سنا ہے وہ تمہاری زبان سے سنا ہے۔ ہم نے دیکھا تو کچھ بھی نہیں۔ تم اپنی زبان سے اپنے خاوند کو بتاؤ"۔

لوگ خالہ کے ڈھیٹ پن اور اس کی بے حیائی پر حیران رہ گئے۔ اس نے اب اور ہی زیادہ اونچی آواز میں اپنے خاوند کے بڑے بھائی پر وہی الزام لگانا شروع کر دیا جو وہ پہلے سنا چکی تھی۔ اب اس کا انداز ایسا تھا جیسے خاوند کی غیرت کو بھڑکا رہی ہو اور چاہتی ہو کہ اس کا خاوند بلا سوچے سمجھے اپنے بڑے بھائی کے گلے پڑ جائے اور بھائیوں میں خونریز تصادم ہو۔

ایک اور معزز بزرگ نے خالہ کے خاوند سے کہا کہ وہ اسے کہتے ہیں کہ ہمیں وہ جگہ دکھائے جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا گیا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر وہاں سے بھاگ آئی ہے۔

خالہ کے خاوند نے اسے کہا کہ وہ جگہ دکھا دے۔ خالہ اور ہی زیادہ چیخنے لگی اور اس نے اپنے خاوند کو بے غیرت تک کہہ ڈالا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے بے غیرت آدمی!"۔۔۔ خالہ نے اپنے خاوند سے کہا۔۔۔ "تم نشئی نہ ہوتے تو عزت پر ہاتھ ڈالنا دور کی بات ہے کوئی میری طرف بری نظر سے دیکھنے کی جرأت نہ کرتا۔ تمہارے اپنے بھائی نے مجھے بے آسرا سمجھ کر مجھ پر یہ حملہ کیا ہے جسے میں سب کے سامنے بیان بھی نہیں کر سکتی"۔

خالہ کا خاوند چرس کے قبضے میں تھا اور اس کی سوچوں پر خالہ قابض تھی۔ اس کی اپنی کوئی آزادانہ سوچ جیسے تھی ہی نہیں۔ اس نے خالہ کا واویلا تو غالباً اس نے یہ سوچا کہ کوئی عورت ایسا

ننگا جھوٹ نہیں بول سکتی جیسے خالہ بول رہی تھی۔ وہ بھڑک اٹھا۔ اس کے قریب کھڑے ایک آدمی کے ہاتھ میں کدال تھی۔ خاوند نے لپک کر وہ کدال اس شخص سے چھین لی اور اس کے جسم میں ایسی پھرتی آ گئی کہ وہ اپنے بے بھائی پر جھپٹا۔

وہ کدال اپنے سر سے اوپر لے گیا تھا۔ دو تین سیکنڈ ہی کی دیر رہ گئی تھی۔ دو آدمی اس کے آگے آ گئے اور ایک آدمی نے پیچھے سے کدال پکڑ لی۔ ایک بزرگ دونوں بھائیوں کے درمیان آ گیا۔

"بلا سوچے سمجھے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ ہو جاؤ"۔۔۔ بزرگ نے کہا۔۔۔ "ہمیں پہلے وہ جگہ دیکھنے دو جہاں یہ غلط حرکت ہوئی ہے"۔

"میں ابھی کچھ اور نہیں کہنا چاہتی تھی"۔۔۔ خالہ نے کہا۔۔۔ "لیکن اب اتنے سارے مردوں کے سامنے ساری بات کہہ دیتی ہوں...... میرے خاوند کے اس بڑے بھائی نے مجھے دو تین مرتبہ کہا ہے کہ تمہارا خاوند چرسی اور بھنگی ہے اور تمہارے کام کا نہیں رہ گیا۔ میرے ساتھ دوستی کر لو۔ میں اسے ٹالتی رہی۔ یہ شخص اپنی بیوی کو میکے بھیج دیتا ہے اور پھر مجھ پر جال پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔ آخر میں نے کل اس کا منہ توڑ دیا کہ اب اس نے میرے ساتھ کوئی ایسی بات کی تو میں اس کے چھوٹے بھائی کو بتا دوں گی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج میں اس طرف آئی کہ مجھے دیکھ کر میرے پیچھے پیچھے آ گیا اور جب دیکھا کہ میں اونچی فصل کی مینڈھ پر پہنچ گئی ہوں تو اس نے مجھے پیچھے سے دبوچ لیا اور اٹھا کر فصل کے اندر لے گیا"۔

خالہ نے پھر وہی بات دوہرائی جو شروع سے کہہ رہی تھی۔ دو تین آدمی اسے کہہ چکے تھے کہ انہیں وہ جگہ تو دکھا دے لیکن خالہ ہر بار کوئی اور ہی واویلا شروع کر دیتی تھی۔

یہ خبر گاؤں میں پہنچ گئی تھی اور گاؤں کے بہت سے اور آدمی پہنچ گئے تھے اور اب وہاں ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔

ان میں سے بھی کچھ آدمیوں نے خالہ کے خاوند سے کہا کہ پہلے چل کر وہ جگہ دیکھو لیکن خاوند کا دماغ اس کے اپنے قبضے میں تھا ہی نہیں۔ وہ اتنا بھڑکا اور بپھرا ہوا تھا کہ کسی کی بات سننا ہی نہیں تھا۔ اگر لوگ اسے پکڑ کر نہ رکھتے تو وہ کدال سے اپنے بڑے بھائی کی کھوپڑی کھول دیتا۔ یہ کوئی عام سا تنازعہ یا معمولی سا جھگڑا نہیں تھا کہ لوگ درمیان میں آ کر دونوں بھائیوں کی صلح صفائی کرا دیتے۔ اگر یہ واقعہ صحیح تھا تو یہ نظر انداز کرنے والا جرم نہیں تھا۔ گاؤں کے پنچ اور

بزرگ بھی آ گئے تھے۔

گاؤں کے ان بڑوں نے فیصلہ دیا کہ یہ ایسی بات ہے جو یہاں کھیتوں میں کھڑے کھڑے ختم نہیں ہوسکتی۔ یہ بڑوں کی پنچایت کے آگے رکھی جائے گی اور پھر کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب لوگ برادری کے بڑوں کا حکم مانتے تھے۔

''ایک بات آج بھی میرے دماغ میں اٹکی ہوئی ہے''۔۔۔ بخشی نے مجھے یہ واقعہ سناتے ہوئے کہا۔۔۔ ''میں یہ واقعہ سن کر صرف اس بات پر حیران ہوئی جا رہی تھی کہ خالہ سارے گاؤں کے مردوں میں کھڑی ایسی شرمناک بات کرنے کی جرأت رکھتی تھی۔ عورت تو موت قبول کرلے، مردوں کے سامنے ایسی بات کبھی نہ کرے!''

بخشی کے سنائے ہوئے اس واقعہ سے پہلے میں دو ایسے واقعات سن چکی تھی۔ یہ دونوں پاکستان کے واقعات تھے۔

ان میں سے ایک کا پس منظر دو خاندانوں کی دیرینہ عداوت تھی اور دوسرا واقعہ یوں تھا کہ ایک لڑکی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کردی گئی۔ لڑکی شادی سے پہلے ہی اپنا چال چلن بگاڑ چکی تھی۔ وہ کسی اور کو چاہتی تھی لیکن کسی اور کے ساتھ بیاہ دی گئی۔

اس کا خاوند کسی شہر میں ملازمت کرتا تھا۔ ایک روز دوپہر کے وقت جب لوگ گرمی کے مارے اپنے گھروں میں دبکے ہوئے تھے، گلی میں ایک عورت کی چیخ و پکار سنائی دی۔ لوگ باہر نکلے تو اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ واویلا بپا کیے ہوئے تھی۔

لڑکی سر سے ننگی تھی اور اس نے صرف قمیص پہن رکھی تھی۔ شلوار تھی ہی نہیں۔ وہ کہہ رہی تھی کہ دوپہر کے وقت ابھی وہ سوگئی او راس کے سسر نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا اور اس کی شلوار ازار بند کاٹ کر اتار دی۔

اس کا سسر ایک تو بوڑھا تھا اور دوسری بات یہ کہ انتہائی شریف آدمی تھا۔ بہت سے لوگ اس لڑکی کو پہلے سے جانتے تھے۔ انہوں نے سسر کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی بجائے لڑکی کے سسر سے کہا کہ ابھی اس لڑکی کو ساتھ لو، محلے کے دو آدمی ساتھ جائیں گے اور اسے اس کے ماں باپ کے حوالے کر آؤ اور کہہ آنا کہ اس کو تحریری طلاق اسے جلد ہی مل جائے گی۔ سسر نے ایسے ہی کیا اور اس طرح اس لڑکی نے اپنے خاوند سے نجات حاصل کرلی لیکن اللہ کا شکر تو سسر ادا کرتا ہوگا جس کے خلاف یہ الزام کسی نے بھی سچ نہیں سمجھا تھا۔

اگر میں یہ واقعات پہلے سن نہ چکی ہوتی تو بخشی کی اس بات کو میں قابلِ یقین نہ سمجھتی جو وہ خالہ کے متعلق کہہ رہی تھی۔

بخشی پرویز کی سنائی ہوئی بات مجھے سنا رہی تھی۔ میں نے پہلے بتایا ہے کہ پرویز کو یہ بات اپنی ماں نے اپنے پچھلے گاؤں کے کچھ لوگوں نے بھی سنائی تھی۔

یہ بات آگے یوں چلی کہ پنچوں نے بہت زور لگایا کہ خالہ انہیں فصل کے اندر وہ جگہ دکھائے جہاں اس کے خاوند کے بڑے بھائی نے اس کی عزت پر حملہ کیا تھا۔ خالہ نے سوچ لیا ہوگا کہ لوگ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہاں فصل ٹوٹی ہوئی ہے یا نہیں۔ وہ اپنے ڈھنگ سے ٹالتی رہی اور اس نے اپنے خاوند کو اتنا زیادہ بھڑکا دیا تھا کہ خاوند اسی کی بات مان رہا تھا۔

برادری اور گاؤں کے بڑوں نے یہ سوچا ہوگا کہ یہ تو بڑا معزز خاندان تھا، ایک عورت نے آ کر اس کی عزت ہی برباد کر ڈالی ہے اور دو بھائیوں کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا ہے۔ بڑوں نے آخر یہ فیصلہ کیا کہ بھائی ساری زمین اور حویلی برابر برابر بانٹ لیں اور حویلی کی پیمائش کر کے اس کے نصف میں دیوار کھڑی کرویں۔

خالہ نے ایسا پروپیگنڈا کیا تھا کہ گاؤں کے لوگ دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ زیادہ لوگ تھے جو خالہ کو جھوٹا کہتے تھے لیکن وہ لوگ بھی تھے جو خالہ کے الزام کو سچ مانتے تھے۔ اس کے پیچھے بھی گاؤں والوں کی اپنی سیاست اور اپنی دوستیاں اور دشمنیاں تھیں۔

بہرحال خالہ جو چاہتی تھی وہ ہوگیا۔ زمینیں اور حویلی دونوں بھائیوں نے تقسیم کرلی۔

خالہ کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ کوئی اسے جھوٹا سمجھتا ہے یا سچا، وہ خوش تھی کہ اس نے دونوں بھائیوں کو اس طرح ایک دوسرے سے کاٹ دیا تھا جس طرح ایک جسم کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے۔

پرویز نے بخشی کو سنایا کہ اس وقت خالہ کی بیٹی کی عمر تیرہ چودہ سال ہوچکی تھی۔ پرویز اس لڑکی سے سال ڈیڑھ سال بڑا تھا لیکن وہ گاؤں میں نہیں رہتا تھا اس لیے وہ اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکا تھا۔ پرویز گاؤں سے دور ایک بڑے قصبے کے ہائی سکول میں پڑھتا تھا اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا۔ اس وقت قصبوں میں عموماً ہوسٹل کو بورڈنگ ہاؤس کہا جاتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ پرویز کی اس عمر میں ہوا تھا جب وہ ذہنی طور پر بالغ ہو چکا تھا لیکن عینی شاہد نہ تھا۔ اسے زیادہ تر باتیں ماں نے سنائی تھیں یا وہ کبھی گھر آتا تو اس کے

دوست یہ قصہ سناتے تھے۔

+++

خالہ کے مقابلے میں پرویز کی ماں بڑے اچھے کردار والی عورت تھی اور اس کی فطرت میں کوئی ہیر پھیر نہیں تھا۔ خالہ نے چھ سات بار پہلے پرویز کی ماں سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اس کی بیٹی کی منگنی اپنے بیٹے کے ساتھ کر دے۔ پرویز کی ماں نے کہا کہ منگنی نہ بھی ہو تو کوئی بات نہیں، وہ وعدہ کرتی ہے کہ پرویز کی شادی خالہ کی بیٹی کے ساتھ ہی کرے گی۔ خالہ کو چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ منگنی کے ہی پیچھے پڑی رہتی تھی لیکن پرویز کی ماں نے منگنی والی بات نہ مانی اور آخر حلفیہ وعدہ کیا کہ خالہ کی بیٹی پرویز کی ماں کے گھر ہی بہو بن کر آئے گی۔ اسے زبان دینا کہتے ہیں۔

پرویز نے بختی کو خالہ کی کچھ اور وارداتیں بھی سنائی تھیں لیکن یہ ایک واقعہ بیان کر دینے سے خالہ کی ساری شخصیت اور ذہنیت بے نقاب ہو کر سامنے آ جاتی ہے اور پھر کوئی اور واقعہ بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پرویز کو اس کی ماں نے بتایا تھا کہ وہ اس خالہ سے ڈرتی ہے۔ اگر اس کی بیٹی کی بجائے کسی اور لڑکی کو بیاہ لائے تو پھر بتایا نہیں جا سکتا کہ خالہ کیا کر گزرے۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا چلا گیا۔ پرویز نے گھر سے دور رہ کر ایف اے تک تعلیم حاصل کی اور اسے پولیس کے محکمے میں کلرکی کی نوکری مل گئی۔ پھر پرویز نوجوانی سے جوانی کی سرحد میں داخل ہو گیا۔

"دیکھو بختی!" ___ پرویز نے خالہ کی یہ باتیں سنا کر بختی سے کہا ___ "یہ تو ایک اور بات ہے کہ تم مجھے مل گئی تھیں، تم مجھے نہ ملتیں تو بھی میں خالہ کی بیٹی کے ساتھ شادی نہ کرتا۔ اس ماں کی بیٹی لازمی طور پر ماں جیسی ہی ہو سکتی تھی۔ میں حیران ہوں کہ امی اور آپا مجھے کہتی تھیں کہ میں خالہ کی بیٹی کو قبول کر لوں۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ پاکستان بن گیا اور ہمیں ہجرت کر کے ادھر آنا پڑا"۔

پرویز نے بختی کو بڑی تفصیل سے بتایا کہ وہ جب اپنے ان تمام رشتہ داروں سے ہجرت کے وقت بچھڑ گیا تھا اور انہیں لاہور میں ڈھونڈتا پھرتا تھا اس وقت وہ دل میں دعائیں کرتا تھا کہ اللہ کرے اس کی خالہ اور خالہ کی بیٹی سرحد پار ہی رہ جائیں۔ خالہ کی بیٹی اچھی خاصی

خوبصورت لڑکی تھی لیکن اس کی فطرت میں شیطانیت بھری ہوئی تھی۔

بختی نے مجھے بتایا کہ اس نے بھی خالہ کی بیٹی کو دیکھا تھا اور یہ لڑکی شکل وصورت کے لحاظ سے بختی کو اچھی لگی تھی۔ ان کی یہ ملاقات ایک دعوتِ ولیمہ پر ہوئی تھی۔ بختی اس کی شکل وصورت کے علاوہ اس باتوں سے بھی متاثر ہوئی تھی اور بختی کو ذرا سا بھی شک نہیں ہوا تھا کہ یہ ایک بڑی ہی شیطان ماں کی بیٹی ہے۔ بختی نے پرویز کو بتایا تھا اور اپنی یہ رائے بھی دی تھی اور پرویز نے کہا تھا کہ بچ کے رہنا، یہ میٹھا زہر ہے یا اسے بڑی ہی دلکش چھری کہہ لو۔

اب پرویز اسے خالہ کی ہسٹری سنا رہا تھا۔ خالہ کی جوانی گئی گزری بات ہو گئی تھی لیکن اس کی فطرت جس میں فتنہ وفساد کے سوا کچھ بھی نہ تھا، پہلے کی طرح جوان تھی۔ اس کا خاوند زندہ تھا لیکن وہ زندہ لاش تھا۔ جو کچھ بھی وہ خالہ تھی۔

آخر لاہور پرویز کو اپنے تمام رشتہ دار مل گئے۔ تصور میں لایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنا خوش ہوا ہو گا لیکن خالہ اور اس کی بیٹی کو زندہ سلامت دیکھ کر پرویز کی خوشیوں پر پانی پھر گیا۔ پھر یہ لوگ آباد ہو کر نئی زندگی میں رواں ہو گئے تو خالہ نے پرویز کی ماں سے یہ تقاضا شروع کر دیا کہ پرویز اور اس کی بیٹی کی شادی ہو جائے۔ یہ پرویز کی خوش قسمتی تھی کہ شادی کسی نہ کسی بہانے ٹلتی گئی اور اس عرصہ میں پرویز کو بختی مل گئی۔

بختی جب مجھے یہ داستان سنا رہی تھی تو میرے ذہن میں ایک اور بات اٹک گئی تھی۔ خالہ نے اپنے خاوند کو اس کے بڑے بھائی سے ٹکرا دیا تھا اور خالہ نے جو شرمناک ناٹک کھیلا تھا وہ میں نے مکمل سنایا ہے۔ یہ سب زمین اور جائیداد کی خاطر تھا۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا تھا اور ایک باعزت خاندان کی عزت خاک میں مل گئی تھی۔ خالہ نے آدھی جائیداد وصول کر لی تھی لیکن وہ جائیداد کہاں گئی! اللہ نے ایسے امتحان میں ڈالا کہ گھر سے بے گھر ہوئے اور جان کے لالے پڑ گئے۔ جائیداد کوئی اور لے گیا مگر بھائیوں کی دشمنی قائم رہی۔

ہم لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے ہیں کہ دنیا بھر کی جائیداد اور عیش وعشرت کا سامان ہاتھ آ جائے اور جو چاہو ہاتھ میں آ جاتا ہے لیکن ایک روز لوگ جائیداد کے اس مالک کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور گہرا گڑھا کھود کر جسے قبر کہتے ہیں دفن کر آتے ہیں۔

بختی کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ خالہ نے ذرا سی بھی عبرت حاصل نہیں کی تھی۔ بے شک انہیں اچھی خاصی زرعی زمین الاٹ ہو گئی تھی لیکن اس زمین میں برکت ڈالنے کے لیے

اللہ کی خوشنودی درکار تھی۔ خالہ پھر اپنی ڈگر پر چل پڑی تھی۔

پرویز نے یہ ساری ہسٹری سنا کر بختی کو خبردار کیا کہ خالہ اور اس کی بیٹی سے پوری طرح محتاط ہو کر رہے۔

''خالہ تو پکی ناراض ہوگئی ہے''۔۔۔ بختی نے پرویز سے کہا۔۔۔ ''اس کے ساتھ تو کبھی ملاقات ہوگی ہی نہیں نہ وہ اِدھر آئے گی نہ ہم اُدھر جائیں گے''۔

''یہ نہ سوچو''۔۔۔ پرویز نے کہا۔۔۔ ''تم نے ابھی خالہ کی فطرت کو سمجھا نہیں۔ وہ ہمیں بخشے گی نہیں۔ انتقامی وار ضرور کرے گی۔ اس کے لیے اس نے اگر ضروری سمجھا تو ناراضگی ختم کر کے پہلے سے زیادہ میل جول شروع کر دے گی۔ اگر ایسا ہو جائے تو تم تعلق رسمی رکھنا۔ اس کے ہاتھ کی دی ہوئی کوئی بھی چیز نہ کھانا نہ پینا''۔

ہو سکتا ہے بعض قارئین کرام خالہ کے کردار کو افسانوی سمجھیں۔ اگر آپ اپنے معاشرے اور چاردیواری کی دنیا کا مشاہدہ بڑی گہری نظر سے کریں تو آپ کو ایسے کردار نظر آ جائیں گے۔ ہمارے دیہاتی معاشرے میں خالہ جیسی عورتوں کی کمی نہیں۔ یہ جو آپ دیرینہ دشمنی اور خاندانی عداوت پر قتل و غارت دیکھتے ہیں اس کے پیچھے خالہ جیسی عورتوں کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ بعض اوقات مرد مل بیٹھ کر صلح سمجھوتہ کر لیتے ہیں لیکن وہاں خالہ جیسی کوئی عورت موجود ہو تو وہ اپنے آدمیوں کو بھڑکا کر یا خالہ کی طرح کوئی ناٹک کھیل کر صلح صفائی اور راضی نامے کو دونوں طرفوں کے مردوں کے خون میں ڈبو دیتی ہے۔

یہ کیس جب عدالتوں میں جاتے ہیں تو خالہ جیسی کوئی عورت گواہ کے طور پر پیش ہوتی ہے۔ ایسی عورت ایسی مظلومیت کی ایکٹنگ کر کے گواہی دیتی ہے کہ مجسٹریٹوں اور ججوں کو بھی متاثر کر لیتی ہے۔ انہیں کوئی غم نہیں ہوتا کہ خاوند قتل یا قید ہو گیا ہے یا بیٹا پھانسی چڑھ رہا ہے۔ انہیں اپنی بات اور اپنی ناک رکھنے کا ہی خیال ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ اپنے خاوندوں، بیٹوں اور بھائیوں تک کو قربان کر دیتی ہیں۔

بہت عرصے کی بات ہے، میرے شہر کے قریب کے ایک گاؤں کی ایک عورت سے ملوایا گیا۔ رو رو کر اس عورت کا حال بڑا ہی بُرا ہو گیا تھا۔ وہ بیوہ تھی، صرف ایک بیٹا تھا اور یہ بیٹا بیس سال کا ہوا تو اس نے خاندانی دشمنی کی بنا پر ایک آدمی کو قتل کر دیا اور پھانسی چڑھ گیا۔ میرے دل میں اس عورت کی ہمدردی پیدا ہوئی اور مجھے پتہ نہ چلے کہ میں اس عورت کی دل جوئی کس طرح

کروں۔

بعد میں ان دو خواتین نے جنہوں نے مجھے اس عورت سے ملوایا تھا، مجھے اصل بات بتائی۔ انہوں نے سنایا کہ اس کا خاوند عداوت کی بنا پر قتل ہو گیا تھا۔ اسے قتل کروانے والی یہی عورت تھی۔ بات معمولی سی تھی جس پر دوسرے فریق کے ساتھ صلح سمجھوتہ ہو سکتا تھا لیکن اس عورت نے اپنے خاوند کو اتنا بھڑکایا اور گرمایا کہ خاوند کلہاڑی لے کر نکل آیا اور دوسرے فریق کو للکارنے لگا۔ پھر لڑائی ہوئی، خون خرابہ ہوا اور اس عورت کا خاوند زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔

اس کے خاوند کا قاتل پکڑا گیا لیکن یہ کھلی لڑائی تھی جس میں دونوں طرف کے آدمی زخمی ہوئے تھے اس لیے عدالت کے لیے یہ معلوم کرنا کہ اصل قاتل کون تھا، ممکن نہ تھا۔ آخر سب کو بری کر دیا گیا۔

اس عورت کا ایک بچہ تھا جس کی اس وقت عمر تقریباً دو سال تھی۔ اس عورت نے اپنی جوانی قربان کر دی، دوسری شادی نہ کی اور اسی بچے کو پالتی رہی۔ بچے کا جب شعور بیدار ہوا تو ماں نے اس کے ذہن میں یہ ڈالنا شروع کر دیا کہ تم نے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینا ہے۔

اس نے بچے کی تربیت اسی سبق پر کی اور جب بچہ انیس بیس سال کا ہوا تو ایک روز ماں نے اسے کلہاڑی دی، دعائیں بھی دیں اور کہا کہ اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر آؤ۔ بیٹے نے جا کر گاؤں کے لوگوں کے سامنے اس شخص کو قتل کر دیا۔ اب یہ ماں روتی اور اپنے بال نوچتی تھی۔

اصل کہانی سے ہٹ کر یہ باتیں لکھنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں، خصوصاً دیہات میں، خالہ جیسے کردار موجود ہیں اور انہی کے دم قدم سے خاندانی عداوتیں چل رہی ہیں۔

پرویز نے جب بختی خالہ کی یہ ساری ہسٹری سنائی تو بختی کے دل پر خوف بیٹھ گیا۔ بختی بھلی عورت تھی، ان سیاست بازیوں کو نہیں سمجھتی تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بدزبان عورت اور صاف دل عورت میں کیا فرق ہوتا ہے اور ان کی پہچان کیا ہے۔ بختی نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ بہت ہی خوش تھی کہ اس کی شادی ایک ایسے آدمی کے ساتھ ہو گئی تھی جو اسے چاہتا تھا اور پھر بختی کے لیے یہی خوشی کیا کم تھی کہ دربدر ٹھوکریں کھانے کی بجائے اسے ایک باعزت گھرانہ مل گیا تھا لیکن اس خوشی پر بختی یوں محسوس کرتی تھی جیسے کسی شر شرار کا آسیبی سایہ پڑا ہوا ہو۔ اب تو وہ اور ہی زیادہ ڈرنے لگی اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اللہ کی عبادت میں ایک وقت کی بھی کوتاہی

نہیں کرے گی۔

اس کا یہ عزم کوئی نئی بات نہیں تھی۔ آپ نے بختی کی اس آپ بیتی میں دیکھ لیا ہے کہ وہ ہر مشکل میں اللہ کو پکارتی تھی اور اللہ اس کی مشکل آسان کر دیتا تھا۔ یہ دراصل خلوص نیت کا کرشمہ تھا۔ اللہ ان لوگوں کی مدد نہیں کیا کرتا جو صرف مشکل کے وقت اللہ کو پکارتے ہیں اور جب مشکل آسان اور حالات اچھے ہو جاتے ہیں تو اللہ کو بھول جاتے ہیں۔

+++

بختی کی شادی کو تین چار مہینے ہو گئے تو پرویز نے بختی کو ایک بات سنائی جو پندرہ سولہ دن پہلے کی تھی۔ بختی کو یہ بات ٹکڑوں میں پرویز سنا تا رہا تھا۔ یہ میں ایک واقعہ کی صورت میں پیش کرتی ہوں۔ ہوا یہ کہ ایک روز پرویز اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر غریب آدمی اس کے دفتر میں داخل ہوا۔ دفتر میں سٹاف کے دوسرے اہل کار بھی کام میں لگے ہوئے تھے۔

یہ آدمی دفتر میں داخل ہو کر رک گیا اور بڑی پریشانی کے عالم میں ہر طرف دیکھنے لگا۔

پرویز کی سیٹ دروازے کے ساتھ ہی تھی۔ اس نے اس آدمی کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ وہ کیوں آیا ہے؟ کس سے ملنا ہے؟

اس آدمی کے آنسو آ گئے پھر اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے متعلق معلوم کرنے آیا ہے کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا گزر رہی ہے۔ پرویز نے اسے کہا کہ وہ پوری بات بتائے کہ اس کا بیٹا کہاں ہے اور کیا کرتا ہے اور پھر اسے کچھ بتایا جائے گا۔

پولیس کے اہلکار اتنے ہمدرد اور رحم دل نہیں ہوا کرتے کہ وہ اس قسم کے غریبوں اور ناداروں کی مشکل آسان کرنے کی کوشش کریں لیکن پرویز نیک سیرت انسان تھا۔ اگر پہلے نیک سیرت نہیں تھا تو مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام اور پھر ہجرت نے اسے نیک دل بنا دیا تھا۔ وہ اس غریب آدمی کی مدد اور رہنمائی کرنا چاہتا تھا۔

اس غریب سے آدمی نے پرویز کو بتایا کہ اس کا ایک ہی بیٹا ہے جس کی عمر بیس اکیس سال ہے اور پولیس نے اسے اس جیسے تین چار آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا تھا۔ یہ کوئی ایک مہینہ پہلے کی بات ہے۔ اس کے بعد اسے پتہ نہیں چلا کہ بیٹا کہاں ہے۔ اب اسے کسی نے بتایا تھا کہ اس کا بیٹا اپنے ساتھیوں کے ساتھ سی آئی ڈی کے پاس ہے اور سی آئی ڈی تفتیش کر رہی ہے۔

پرویز نے اس سے پوچھا کہ اس کے بیٹے نے کیا جرم کیا تھا۔ اس آدمی نے بتایا کہ اس کا جرم صرف یہ ہے کہ ان لڑکوں کے ساتھ اس کا یارانہ ہے اور لڑکے مشکوک چال چلن کے ہیں۔

اس دور میں دہشت گردی کا نام و نشان نہ تھا اور بم دھماکے تو کبھی سنے ہی نہیں تھے لیکن تخریب کاری کسی نہ کسی رنگ میں ہوئی تھی اور عام خیال یہی تھا کہ تخریب کاری کی وارداتیں انڈیا کے ایجنٹ کرتے ہیں۔ انڈیا نے تو پاکستان کی پیدائش کے ساتھ ہی پاکستان میں اپنے جاسوس اور تخریب کار بھیج دیئے تھے اور پھر پاکستانیوں کو اپنے ایجنٹ بنانے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔

یہاں میں اس بات کی تائید میں ایک بات کہنا چاہوں گی۔ قائداعظم جب گورنر جنرل کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کے دورے پر گئے تھے تو جہاں بھی انہوں نے کسی اجتماع سے خطاب کیا، یہ بات ضرور کہی کہ یہ مت سمجھو کہ ہندو یہاں سے چلے گئے ہیں۔ ہندو تم میں موجود ہیں اور تخریب کاری اور جاسوسی کر رہے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ قائداعظم نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کیا تھا اور اپنی اس بات پر بہت ہی زور دے کر طلباء کو خبردار کیا تھا کہ وہ ان ہندوؤں سے ہوشیار رہیں جو ان میں موجود ہیں اور پاکستان کی تباہی میں سرگرم ہیں۔

قائداعظم کی وفات کے ساتھ ہی ان کے بعد آنے والے حکمران قائداعظم کی وارننگ فراموش کر بیٹھے اور ہندو کی طرف سے بے خبر ہو گئے۔ ہندو اپنی زمین دوز کارروائیوں میں لگا رہا اور آخر پاکستان کا وہ بازو کاٹ کر ہی لے گیا۔

ایسی ہی تخریب کاری مغربی پاکستان میں بھی شروع ہو چکی تھی۔ پرویز نے بختی کو شاید صحیح طرح نہیں بتایا تھا یا بختی سمجھ نہیں سکی تھی کہ واردات کیا ہوئی تھی جس میں اس غریب آدمی کا بیٹا پکڑا گیا تھا۔ بہر حال ہوا یہ کہ اس کا نوجوان بیٹا پکڑا گیا اور اب کسی نے اسے بتایا تھا کہ وہ سی آئی ڈی یا سی آئی اے والوں کی حراست میں زیرِ تفتیش ہے۔ پرویز کی اس دفتر میں ایسی پوزیشن تھی کہ وہ معلوم کر سکتا تھا۔ اس نے پہلے تو اس آدمی سے کہا کہ اس کے بیٹے نے یہ جرم کیا ہو گا اور اب وہ روتا کیوں ہے!

اس آدمی نے روتے ہوئے کہا کہ اس کا بیٹا ان آدمیوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ضرور ہے لیکن وہ کسی واردات میں شامل نہیں تھا۔ اس شخص نے ذرا لمبی بات کہہ کر پرویز پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس کا بیٹا بے گناہ پکڑا گیا ہے۔ پرویز نے از راہِ ہمدردی سوچا کہ اس کا

بیٹا بے گناہ ہے یا گناہگار، اسے یہ تو پتہ کر دے کہ وہ سی آئی ڈی کے پاس ہے اور سی آئی ڈی اس کا کیا بنا رہی ہے۔

پرویز نے اسے باہر بیٹھنے کو کہا اور اپنے محکمے کے متعلقہ شعبے میں جا کر اس شخص کے بیٹے کا نام بتایا اور پوچھا کہ وہ یہاں ہے یا نہیں۔ وہاں سے اسے ایک خبر تو یہ ملی کہ یہ لڑکا تقریباً ایک مہینے سے ان کے پاس ہے اور دوسری خبر یہ کہ یہ جو پانچ چھ لڑکے پکڑے تھے ان میں صرف دو مشتبہ ہیں اور باقی بالکل بے گناہ اور صاف ہیں۔ ان میں اس شخص کا بیٹا بھی تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ اسی شام یا اگلے روز ان بے گناہ لڑکوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔

پرویز نے باہر جا کر برآمدے میں بیٹھے ہوئے اس شخص کو یہ خوشخبری سنائی کہ اس کا بیٹا بے گناہ ہے اور وہ شام تک یا کل رہا ہو کر اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ پرویز نے اسے یہ بھی کہا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے قابو میں رکھے ورنہ شک شبہے میں ایسا پکڑا جائے گا کہ اس کا نکلنا ممکن نہیں رہے گا...... پولیس کے محکمے میں کوئی اہلکار باہر کے کسی آدمی کو اس طرح صحیح بات اور خبر نہیں سنایا کرتا۔ ٹال مٹول ہوتی ہے اور بندوں کو ٹرخا دیا جاتا ہے لیکن پرویز نے انسانی ہمدردی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اس شخص کے منہ سے دعائیں نکلنے لگیں اور وہ بہت ہی رویا پھر اس نے پرویز کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے اور چلا گیا۔

پرویز نے رات کو گھر میں بختی کو یہ بات سنائی تو بختی نے اسے کہا کہ اللہ اس قسم کی انسانی ہمدردیاں اور نیکیاں ضائع نہیں کیا کرتا، کسی نہ کسی وقت اللہ ان کا صلہ دیتا ہے۔ پرویز نے بختی کو یہ بھی بتایا کہ اس لڑکے کا باپ شاید یہ تاثر لے کر گیا ہے کہ اس کے بیٹے کو پرویز نے رہا کروایا ہے۔

+ + +

اس واقعہ کو پندرہ سولہ دن گزر گئے اور یہ واقعہ پرویز اور بختی کے ذہن سے نکل ہی گیا تھا۔ پرویز نے رات بختی کو ایک ایسی بات بتائی کہ بختی لرز گئی۔ بات یوں ہوئی کہ یہی آدمی پرویز کے دفتر میں گیا اور سیدھا پرویز سے ملا اور اس سے پوچھا کہ اس دفتر میں پرویز نام کا آدمی کون ہے۔ یہ آدمی جب پہلے پرویز سے ملا تھا تو اس نے پرویز کا نام پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس بے چارے کا تو اپنا کام تھا جو ہو گیا اور وہ چلا گیا اب وہی آدمی پرویز کی تلاش میں آیا تھا۔

پرویز نے اسے یہ نہ کہا کہ میں پرویز ہوں بلکہ اس پوچھا کہ پرویز کے ساتھ اسے کیا کام

ہے۔ اس آدمی نے کام تو نہ بتایا، اتنا ہی کہا کہ اسے ملنا ہے اور کسی کا پیغام دینا ہے۔ پرویز سمجھا کہ اس کا بیٹا پھر پکڑا گیا ہوگا اور کسی نے اسے بتایا ہوگا کہ پرویز نام کا ایک آدمی اس کے بیٹے کو چھڑوا سکتا ہے۔ پھر پرویز نے سوچا کہ ایسی بات ہوتی تو وہ سب سے پہلے یہی بات کہتا لیکن وہ تو کسی کے پیغام کی بات کر رہا تھا۔ پرویز نے بہت پوچھا لیکن یہ آدمی نہیں بتا رہا تھا۔

آخر پرویز نے بتایا کہ وہ پرویز میں ہی ہوں جسے وہ ملنا چاہتا ہے۔ یہ سن کر اس آدمی کے چہرے پر ایسی تبدیلی آئی جو چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔ کچھ حیرت کا تاثر بھی پیدا ہوا۔

''نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا''۔۔۔ اس آدمی نے اس طرح کہا جیسے کوئی اپنے دھیان میں بات کرتا ہے۔۔۔ ''میں یہ گناہ نہیں کروں گا''۔

''یہاں بیٹھ جاؤ''۔۔۔ پرویز نے ذرا دبدبے سے کہا۔۔۔ ''سیدھی بات کرو۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ یہ سی آئی ڈی کا دفتر ہے؟ بتاؤ کیا بات ہے!''

وہ آدمی بیٹھ گیا اور اس نے جو بات بتائی وہ سن کر پرویز تو جیسے اندر باہر سے لرز ہی گیا ہو۔

''آپ تو بڑے نیک آدمی ہیں بابو صاحب!''۔۔۔ اس آدمی نے کہا۔۔۔ ''آپ کی کسی کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے!''

''تم سیدھی بات کیوں نہیں کرتے!''۔۔۔ پرویز نے بے تابی اور بے چینی سے کہا۔۔۔ ''فوراً بتاؤ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

اس آدمی نے ایک عورت کا نام لے کر پرویز سے پوچھا کہ اس کی آپ کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟...... اس نے کہا کہ اس کی ایک جوان بیٹی بھی ہے۔ پرویز یہ نام سن کر چونکا۔ یہ اس کی خالہ کا نام تھا اور دوسری نشانی یہ کہ اس کی ایک جوان بیٹی ہے۔

اس آدمی نے پرویز کو جو بات سنائی وہ کچھ اس طرح تھی کہ راوی روڈ کے ایک محلے میں ایک شخص رہتا تھا جو کالا جادو جانتا تھا اور اس آدمی کے کہنے کے مطابق سفلی عمل کا مشہور ماہر تھا۔ یہ آدمی جو پرویز کو بات سنا رہا تھا، اس سفلی عامل کے گھر کے کہیں قریب رہتا تھا اور ان دونوں کی آپس میں سلام دعا بھی تھی۔ یہ غریب آدمی تھا۔ ایک روز اس نے اس عامل سے کہا کہ اسے کوئی روزگار نہیں ملتا اور بیٹا ایک ہی ہے جو بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس عامل نے اسے کہا کہ وہ اسے روزگار تو نہیں دلا سکتا البتہ اتنی مدد کر سکتا ہے کہ وہ کبھی کبھار اسے اپنا کوئی کام بتایا کرے گا اور یہ شخص کام کر دے گا تو اس کی اچھی بھلی اجرت دے دیا کرے گا۔

یہ تین ساڑھے تین سال پہلے کی بات تھی اور یہ آدمی سفلی عامل کے کام کرتا رہتا تھا اور اسے پیسے مل جاتے تھے۔ اس نے اس عامل کے اس قسم کے کام بھی کئے کہ قبرستان میں رات کو جا کر کسی پرانی اور دھنسی ہوئی قبر میں سے مُردے کی ایک دو مخصوص ہڈیاں اٹھا لایا۔ یہ عامل ایسے کاموں کے اسے بہت پیسے دیتا تھا۔

پھر اس قسم کے کام بھی اس نے کئے کہ تعویذ کی طرح تہہ کیا ہوا کوئی کاغذ دیا اور کوئی گھر بتا کر کہا کہ یہ اس گھر کے بیرونی دروازے میں کہیں چھپا دینا ہے یا کوئی خاص جگہ بتائی کہ وہاں دبانا ہے۔ یہ شخص یہ کام بھی کر دیتا اور اجرت وصول کرتا تھا۔ بعض لوگ اس شخص کو بھی عامل سمجھنے لگے تھے کیونکہ یہ عامل کے ساتھ ہوتا تھا اور عامل بھی اپنے کسی سائل سے بھی اسے پیسے دلوا دیا کرتا تھا۔

اس نے بتایا کہ اس عامل کے پاس کوئی زیادہ سائل نہیں آیا کرتے کیونکہ وہ اس کام کے اتنے پیسے مانگتا تھا جو ہر کوئی نہیں دے سکتا۔ زیادہ سائل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں میں مشہور تھا کہ کالا عمل کسی پر نہیں کروانا چاہئے کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کوتاہی سے یہ عمل الٹا اپنے اوپر ہی آ پڑتا ہے۔

اب اس نے بتایا کہ پانچ چھ دن گزرے یہ آدمی عامل کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی اور اس نے اپنا یہ مسئلہ بتایا کہ وہ اپنی بیٹی اپنے بھانجے کو دینا چاہتی تھی لیکن بھانجے نے اپنی مرضی اور پسند کی شادی کر لی ہے اور عامل کوئی ایسا عمل کرے کہ اس کا بھانجا اس لڑکی سے متنفر ہو جائے اور اسے طلاق دے دے اور پھر اس کے دماغ میں یہ خواہش آ جائے کہ اس عورت کی بیٹی کو قبول کر لے۔

عامل نے اس عورت کو بتایا کہ یہ عمل اس طرح کیا جاتا ہے کہ بندش لگا دی جاتی ہے اور متعلقہ آدمی جسمانی طور پر اپنی بیوی کے لیے بیکار ہو جاتا ہے یا بیوی پر یہ عمل چلایا جاتا ہے اور بیوی کے دل میں خاوند کے خلاف نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور میاں بیوی میں لڑائیاں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور بات طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ عامل جو عمل بتائے گا وہ اس لڑکی پر کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

عامل نے مثال کے طور پر ایک عمل بتایا اور اس عورت سے پوچھا کہ وہ اس لڑکی کے گھر جا کر یہ عمل کر سکتی ہے یا نہیں؟...... اس عورت نے کہا کہ اس نے بھانجے کے گھر جانا چھوڑ رکھا ہے اور مشکل نظر آتا ہے کہ اس لڑکی کے پاس بیٹھ کر یہ عمل کیا جائے اور پھر اس عورت کے

ہاتھ میں کوئی ایسی عورت یا لڑکی بھی نہیں جسے ان کے ہاں بھیج کر یہ عمل کروا سکے۔

عمل یہ تھا کہ کاغذ کے ایک پُرزے پر عامل نے کچھ الٹی سیدھی لکیریں ڈال کر یا لکھ کر دینا تھا اور یہ پُرزہ باریک باریک پُرزوں میں پھاڑ لینا تھا اور مٹھی میں لے کر اس لڑکی کے پاس بیٹھنا تھا اور ایک بار مٹھی اس کے سر کے اوپر گھما کر کاغذ کے یہ پُرزے اس طرح بکھر دینے تھے کہ لڑکی اٹھے تو کم از کم ایک بار اس کے دونوں پاؤں کاغذ کے پُرزوں پر آ جائیں۔

عامل نے اس عورت کو بتایا کہ ایسی مشکل ہے کہ لڑکی تک نہیں پہنچا جا سکتا تو یہ عمل اس کے بھانجے پر کیا جائے گا اور عامل کا اپنا آدمی یہ عمل کرے گا اور اس کے اس آدمی کو الگ اجرت دینی ہوگی۔ اس عورت نے کہا کہ وہ عامل کی فیس الگ دے گی اور جو آدمی کام کرنے جائے گا اس کی اجرت الگ دے گی۔ اس گفتگو کے دوران یہ شخص وہاں بیٹھا ہوا تھا اور عام نے اس عورت کے ساتھ اس شخص کا تعارف ایسے انداز سے کرایا جیسے یہ شخص ان کا دست راست ہو اور اس کے بغیر کوئی کام نہ کیا جا سکتا ہو۔

عامل نے عورت کے ساتھ سودا طے کر لیا۔ اس کا نام اور اس کی ماں کا نام بھی لکھ لیا۔ پھر اس سے پوچھا کہ اس کے بھانجے اور بھانجے کی بیوی کا نام کیا ہے۔ اس عورت نے بھانجے کا نام پرویز بتایا اور بیوی کا نام خوش بخت بیگم بتایا۔ پھر عامل کے کہنے پر اس نے اپنی بیٹی کا نام بھی بتایا۔ یہ سارے نام لکھ کر عامل نے اسے اگلے روز سورج غروب ہونے کے بعد بلایا اور پوری تسلی دی کہ اس کا کام ہو جائے گا اور اگر بارہ دنوں تک کام نہ ہوا تو عامل اس سے زیادہ سخت کوئی اور عمل کرے گا یا لئے ہوئے پیسے واپس کر دے گا۔

''پرویز بابو!'' ـــــ اس آدمی نے پرویز سے کہا ـــــ ''یہ عورت آپ کی خالہ ہے یا کوئی بھی ہے، آپ کی دشمن ہے اور میں آپ کو صاف صاف بتاتا ہوں کہ یہ کتنی ناپاک اور گناہگار عورت ہے۔ یہ عامل اسی وقت اپنا عمل تیار کر سکتا تھا یا اس عورت سے کہتا کہ دو تین دنوں بعد آئے اور اس کی مطلوبہ چیز یعنی نقش تعویذ وغیرہ مل جائیں گے لیکن اس نے اس عورت کو اگلے روز سورج غروب ہونے کے بعد ایک خاص مقصد کے لیے بلایا تھا۔ عورتوں کو یہ شخص ایسے ہی بلایا کرتا ہے اور عورتوں کو الگ کمرے میں لے جا کر بدی کرتا ہے اور عورتیں یہ شیطانی عمل کروانے کے لیے اپنا آپ بڑی خوشی سے اس چوہڑے کے حوالے کر دیتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کالا عمل اس صورت میں بڑی جلدی کامیاب ہوتا ہے کہ عامل بھی اور عمل کروانے والا یا عمل

کروانے والی بھی زیادہ سے زیادہ گناہ کرے۔ آپ جانتے ہیں پرویز بابو، کہ مرد اور عورت کیسا گناہ کر سکتے ہیں۔ میں یہ بتا رہا ہوں کہ کالے عمل کو گناہ اور بدی کامیاب کرتی ہے''۔

یہ عورت یعنی پرویز کی خالہ اس آدمی کے کہنے کے مطابق جوان تو نہیں تھی لیکن بڑی اچھی شکل صورت اور رنگ روغن والی ہے۔ وہ اگلی شام عامل کے ہاں جا پہنچی اور عامل اسے الگ کمرے میں لے گیا اور دروازہ بند کر لیا۔

ایسا ایک بار نہیں تین بار ہوا اور چوتھے روز عامل نے اپنا عمل تیار کر کے اس عورت کو دے دیا۔ اس وقت عامل نے اس شخص کو اپنے ہاں بلوا رکھا تھا کیونکہ یہ کام اس کے ہاتھوں کروانا تھا۔ اس عورت نے عامل کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ پرویز کا دفتر کہاں ہے جو عامل نے سمجھ لیا تھا۔ اب عامل نے یہ دفتر اس شخص کو سمجھایا۔

اس شخص کو یاد آ گیا کہ وہ تو پندرہ سولہ دن پہلے اس دفتر میں جا چکا ہے۔ پرویز کی خالہ اتنی تیز اور ہوشیار عورت تھی کہ اس نے نہ جانے کس سے پرویز کے دفتر کی نشانیاں معلوم کر لی تھیں۔ وہ تو لوگوں کو انگلیوں پر نچانے والی عورت تھی۔ اس کا دماغ چلتا شیطانی کاموں کی طرف تھا اس لیے ایسے کام اس کے لیے مشکل نہیں تھے۔ پھر مشکل اس آدمی نے یہ بتا کر آسان کر دی کہ وہ تو اس دفتر میں جا چکا ہے اور وہاں جا کر پرویز کا نام لے گا اور اس سے مل لے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ شخص پرویز سے اپنی ملاقات کی وجہ کیا بتائے گا۔ اس سفلی عامل کا یہی تو کام تھا، ہر ڈھنگ جانتا تھا۔ اس نے اس شخص کو بتایا کہ وہ پرویز سے کہے کہ وہ مہاجر ہے اور اتنے سال گزر جانے کے باوجود بے روزگار ہے اور پھر اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے کہے کہ اس کے دو جوان بیٹے ہندوستان میں شہید ہو گئے تھے اور اب ایک بیٹا بالکل بے روزگار ہے اور اس بیٹے کو وہ زیادہ پڑھا بھی نہیں سکا، اسے اپنے یا کسی دوسرے دفتر میں چپڑاسی ہی لگوا دے۔

''پرویز پوچھے گا کہ اسے کس نے اس کے پاس بھیجا ہے''۔۔۔ اس شخص نے عامل سے پوچھا۔۔۔ ''تو پھر وہ کیا بتائے گا؟''

''کسی کا نام لینا تو ضروری نہیں''۔۔۔ عامل نے کہا۔۔۔ ''کہنا کہ تم نے ایک بڑے ہی معزز بزرگ سے یہی عرض کی تھی تو اس نے آپ کا نام بتایا اور دفتر بھی سمجھایا اور کہا کہ پرویز صاحب بڑے نیک افسر ہیں اور وہ تمہاری ضرور مدد کریں گے، وہ خود مہاجر ہیں اور مہاجروں کا

بہت ہی خیال رکھتے ہیں''۔

یہ عامل اس میدان اور اس کھیل کا چیمپئن تھا۔ اس نے ایسے کئی عمل کئے اور کروائے تھے۔ اس شخص کو مکمل ہدایات دے کر اور خالہ سے پیسے دلوا کر رخصت کر دیا۔

+ + +

یہ شخص خالی ہاتھ نہیں گیا تھا۔ عامل نے اسے جو عمل کرنے کو کہا تھا تقریباً تین انچ چوڑا اور تین انچ ہی لمبا کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پر عامل نے ایک طرف کچھ خانے بنائے اور ان میں نہ جانے کیا حروف اور ہندسے لکھے اور دوسری طرف ٹیڑھی ترچھی اور عجیب وغریب سی لکیریں ڈالیں اور پورا کاغذ ہی ان لکیروں سے بھر دیا۔

عامل کی ہدایت کے مطابق اس شخص نے باہر آ کر اس کاغذ کو بڑے ہی باریک ٹکڑوں میں پھاڑ کر اپنی مٹھی میں دبا لیا۔ یہ اس کی بائیں مٹھی تھی۔ وہ پرویز کے دفتر جا پہنچا اور پرویز سے ہی پوچھا کہ پرویز صاحب کون ہیں۔ بات کھلی تو یہ کھلی جو میں نے اوپر بیان کی ہے۔ پرویز نے یہ سارا قصہ سن کر اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کرنا چاہتا ہے۔

''پرویز بابو!''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''آپ نے مجھ پر جو احسان کیا تھا وہ میں ساری عمر نہیں بھول سکتا۔ میں غریب ضرور ہوں اور یہ سفلی اور شیطانی کام بھی کرتا ہوں لیکن ایسا کمینہ تو نہیں کہ آپ جیسے محسن پر یہ الٹا عمل کروں۔ آپ یوں سمجھیں کہ میں نے احسان کا بدلہ چکا یا ہے اور ساری بات بتا دی ہے''۔

پرویز نے اس سے پوچھا کہ یہ عمل کیا تھا۔ اس شخص نے بائیں مٹھی کھولی جس میں کاغذ کے پُرزے تھے۔ پرویز نے پُرزے اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس شخص نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور پرویز سے کہا کہ اس کاغذ کو وہ چھوئے تک نہیں۔

''آپ نے میرے بیٹے کو صرف رہا ہی نہیں کروایا تھا''۔۔۔ اس شخص نے کہا۔۔۔ ''یہاں سی آئی ڈی پولیس نے اسے اس قدر مارا پیٹا ہے کہ اب اس نے اپنے ان بدچلن دوستوں کا ساتھ ہی چھوڑ دیا ہے اور کسی پرائیویٹ ورکشاپ میں کام ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ مجھ پر یہ کوئی معمولی احسان نہیں تھا''۔

اس نے پرویز کو بتایا کہ کرنا یہ تھا کہ آپ سے یہ درخواست کرنی تھی کہ بیٹے کو نوکری دلا دیں اور اس دوران اپنی بائیں مٹھی آپ کے سر پر رکھنی تھی اور پھر ایک بار سر کے اوپر مٹھی کو ایک

چکر دینا تھا اور پھر کاغذ کے یہ پُرزے آپ کے قریب باتیں کرتے کرتے فرش پر پھینک دیئے تھے تاکہ آپ کے دونوں پاؤں کم از کم ایک بار ان پُرزوں پر آجائیں۔ ضروری نہیں تھا کہ ہر پرزے پر پاؤں آئے، صرف ایک پرزے پر بھی آجاتا تو اس عمل کا اثر ہو جانا تھا۔

''اس عامل سے جا کر کیا کہو گے؟'' ___ پرویز نے اس سے پوچھا۔

''کہوں گا کام کر آیا ہوں'' ___ اس نے جواب دیا ___ ''ہوگا تو یہی ہوگا کہ آپ کی خالہ کا کام نہیں ہوگا تو وہ پھر عامل کے پاس جائے گی اور عامل اپنا کوئی اور عمل کرے گا۔ اب آپ اپنا کوئی ایسا بندوبست کریں کہ کوئی اجنبی آپ کے پاس آئے یا ہو سکتا ہے میں ہی آؤں تو ظاہر ہے میں وہ عمل نہیں کروں گا اور اگر کوئی اور آئے تو اس کی حرکتیں دیکھتے رہنا''۔

''کیا اس عمل کا کچھ اثر ہونا تھا؟'' ___ پرویز نے پوچھا ___ ''یا یہ صرف نوسر بازی ہے اور یہ عامل فراڈ چلا رہا ہے؟''

''کیا آپ نے کبھی کالا جادو اور اس کا اثر نہیں سنا؟'' ___ اس شخص نے پوچھا اور جواب دیا ___ ''یہ عامل اس کام میں ماہر ہے اور میں نے خود اس کے عمل کے اثرات دیکھے ہیں۔ اگر میں یہاں یہ عمل پورا کر جاتا تو بارہ دنوں کے اندر اندر آپ کی اپنی بیوی کے ساتھ بڑی شدید اَن بن ہو جاتی اور بات طلاق تک جا پہنچتی اور اس کے بعد آپ خود خالہ کے پاس جاتے اور منت کرتے کہ وہ اپنی بیٹی کے آپ کے ساتھ بیاہ دے''۔

پرویز نے اس شخص کا صرف شکریہ ہی ادا نہ کیا بلکہ دس روپے جو اس وقت اچھی خاصی رقم تھی، اسے دیئے لیکن اس نے لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اس کی خالہ سے پیسے لے چکا ہے جو وہ واپس نہیں کرے گا اور وہ واپس کرے گا ہی کیوں، وہ تو بتائے گا کہ کام کر آیا ہوں۔

یہاں میں اپنی تھوڑی سی رائے دینا چاہوں گی۔ یہ بات میں نے پہلے بھی سنی تھی پھر اس کی تصدیق بھی ہوئی تھی کہ کالے جادو میں اور تو کئی عمل ہیں جن میں مُردوں کی ہڈیاں استعمال ہوتی ہیں لیکن یہ ایک عام کالا عمل ہے جو اس عامل نے کیا تھا یعنی کاغذ کے پُرزے پر کچھ لکھنا اور اسے چھوٹے چھوٹے پُرزوں میں پھاڑ کر اس شخص کے گھر میں بکھیر دیا جاتا ہے۔ میرے ملنے والوں میں سے ایک کے گھر پر یہ عمل ہوا تھا اور میں نے اس کے انتہائی تباہ کن اثرات دیکھے تھے۔ ایک اور کالے عامل کو گھر بلوایا گیا تو اس نے یہ انکشاف کیا تھا کہ اس عمل کے ایسے ہی اثرات ہوتے ہیں۔ ایک اثر اس نے یہ بتایا تھا کہ جس شخص پر یہ عمل کیا جائے وہ وہی کچھ

سوچنے لگتا ہے جو عمل کرانے والا چاہتا ہے۔

یہ بات بھی کوئی انوکھی بات نہیں کہ یہ عامل پرویز کی خالہ کے ساتھ بدی کا ارتکاب کرتا تھا۔ یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کالا عمل اس طرح زیادہ کامیاب ہوتا ہے کہ اس کے دوران انتہائی گھناؤنے گناہ کئے جائیں۔ اس کے الٹ اگر نوری یا روحانی عمل کیا جاتا ہے تو اس میں اپنے آپ کو اندر باہر سے پاک رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ورد و وظائف وغیرہ نوری اور روحانی عمل میں آتے ہیں بلکہ انہیں عبادت میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اس دوران اپنا من پاک رکھنا لازمی ہوتا ہے۔ ذرا سا بھی جھوٹ بولا جائے تو ورد اور وظیفے کا سارا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ وجہ بڑی صاف ہے۔ وظیفے یا کسی بھی روحانی عمل کے ذریعے انسان اپنا رابطہ براہِ راست اللہ کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ اگر بندہ دل میں بدی لئے رکھے تو صاف بات ہے اللہ اس بندے کو دھتکارے گا اس کی دعا نہیں سنے گا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ وظیفہ الٹ بھی جاتا ہے وہ غلط نہیں کہتے۔ یہ اللہ کو فریب دینے والی بات بن جاتی ہے کہ اس کی ذاتِ باری کے اسم اعظم کا ورد کیا جائے اور ذہن اور دل میں شیطان کو رکھا جائے۔ اللہ الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال سے راضی ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ کالا عمل دوسروں کی تباہی کے لیے یا اپنے مفاد کے لیے کیا جاتا ہے خواہ دوسرے کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے۔ اس کے برعکس نوری اور روحانی عمل اپنی مشکلات اور اپنے مسائل کے حل کے لیے کیا جاتا ہے اور اس مقصد کے لیے اللہ کی مدد مانگی جاتی ہے۔

اب میں بختی کی سنائی ہوئی بات آگے سناتی ہوں۔ پرویز نے اس شخص سے اس کالے جادو کے عامل کے گھر کا پورا ایڈریس لے لیا تھا۔ پرویز نے یہ بات ابھی اپنی ماں بہن اور بختی کو اور اپنے باپ کو بھی نہیں بتائی تھی۔ اس راز داری کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح خالہ تک یہ بات نہ پہنچ جائے کہ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ اگر اسے پہلے پتہ چل جاتا تو وہ دوڑی اس عامل کے پاس جا پہنچتی اور پرویز کا سارا جوابی حملہ بیکار ہو جاتا۔ پرویز نے جوابی حملہ سوچ لیا تھا۔

+++

میں نے پہلے لکھا ہے کہ پرویز نے اپنے دفتر میں بھی اچھی پوزیشن حاصل کر لی تھی۔ پولیس انسپکٹر اور اس سے نیچے درجے کے پولیس کے لوگ اس کی عزت کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سٹینو گرافر تھا اور بڑے افسروں کے ساتھ اس کا قریبی رابطہ رہتا تھا۔ ویسے بھی پرویز دنیاداری اور رکھ رکھاؤ والا آدمی تھا۔ اس نے اسی روز سی آئی ڈی کے ایک سب انسپکٹر کے ساتھ

بات کی۔ اسے پوری کہانی سنائی اور بتایا کہ کالے جادو کے ایک عامل نے اس پر عمل کیا ہے لیکن اللہ نے اسے ایک نیکی کا یہ صلہ دیا ہے کہ اسے اسی آدمی نے بتا دیا ہے جو آدمی اس عمل کو مکمل کرنے کے لیے اس کے پاس آیا تھا۔

سب انسپکٹر نے کہا کہ وہ اس عامل کا ایڈریس بتا دے اور کل صبح وہ یہاں موجود ہوگا۔

پرویز نے اسے پورا ایڈریس دے دیا۔ اس سب انسپکٹر نے اسی وقت اس علاقے کے تھانیدار کو فون کیا اور اسے بتایا کہ کیا ہوا ہے اور کیا کرنا ہے۔ اس نے علاقے کے سب انسپکٹر کو بتایا کہ صاحب کے سٹینو پر اس شخص نے کالا عمل کیا ہے، اس عامل کا دماغ درست کرنا ہے اور کل صبح وہ سی آئی ڈی آفس میں موجود ہو۔

پولیس والے ویسے بھی ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے ہیں لیکن اس علاقے کا سب انسپکٹر اس انسپکٹر کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا اور پھر اس نے سنا کہ اپنے ایک سٹینو کے ساتھ یہ واردات ہوئی ہے تو اس نے بڑی گرمجوشی سے کہا کہ یہ عامل کل سی آئی ڈی کے آفس میں موجود ہوگا۔ اگلی صبح پرویز جب اپنے دفتر میں پہنچا تو برآمدے میں ایک کانسٹیبل کھڑا تھا جس کے ساتھ ایک مکروہ صورت آدمی تھا۔ پرویز اندر اپنے دفتر میں جا بیٹھا اور چپڑاسی نے اسے بتایا کہ فلاں علاقے کے تھانے کا کانسٹیبل ایک آدمی کو ساتھ لایا ہے اور اس سے ملنا چاہتا ہے۔ پرویز نے انہیں اندر بلایا۔ عامل سے اس کا نام پوچھا اور اسے اپنے سامنے بٹھا لیا اور کانسٹیبل سے کہا کہ وہ اب جا سکتا ہے۔

پرویز نے اسی سب انسپکٹر کو بلا لیا اور کہا کہ یہ ہے وہ عامل۔

''یہاں نہیں'' ـــــ سب انسپکٹر نے کہا ـــــ ''میرے ساتھ چلو، اسے تفتیش والے کمرے میں لے چلتے ہیں''۔

عامل کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ گھبرا گیا ہے اور اندر باہر سے ہلا ہوا ہے۔ اس نے دبی دبی زبان میں پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ سب انسپکٹر نے اسے بازو سے پکڑا پھر گھسیٹ کر آگے کیا پھر پیچھے سے دھکا دیا اور کہا کہ چلو، بتاتے ہیں۔

بختی نے مجھے سنایا کہ پرویز نے اسے بتایا تھا کہ تفتیش کا کمرہ ایسا تھا جس میں طرح طرح کی بدبوئیں بھری رہتی تھیں۔ وہاں مشتبہوں اور ملزموں سے ایذا رسانی کے ذریعے پوچھ گچھ کی جاتی تھی۔ بعض کا خون بھی نکل آتا تھا اور بعض کا دہشت سے پیشاب خارج ہو جاتا

تھا۔ اس کمرے کے اندر جاتے ہی ایک اجنبی پر ہیبت سی طاری ہو جاتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ کمرہ کبھی صاف نہ کیا گیا ہو بلکہ ذبح کرنے سے پہلے یہاں مویشی باندھے جاتے ہوں۔

عامل کو وہاں ایک خستہ حال بنچ پر بٹھا کر سب انسپکٹر نے پہلی بات یہ پوچھی کہ اس نام کی عورت سے پیسے لے کر اس نے اس شخص یعنی پرویز پر کالا عمل کیا ہے۔

اتنی سی بات سن کر عامل نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس کے ہاتھ اور بازو نمایاں طور پر کانپ رہے تھے۔ وہ مکروہ صورت انسان تھا۔ اس کے ہونٹ کانپتے تھے لیکن زبان سے کوئی بات نہیں نکلتی تھی۔ سب انسپکٹر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑی زور سے ہلایا اور کہا کہ وہ جواب دے۔

''سرکار!'' ـــــ آخر عامل کے منہ سے لرزتے کانپتے الفاظ نکلے ـــــ ''اپنا یہی روزی کا ذریعہ ہے، کوئی آتا ہے تو اس کا کام کر دیتا ہوں اور چار پیسے مل جاتے ہیں۔ اگر ان بابو صاحب پر کسی نے مجھ سے عمل کروایا ہے تو ان سے پوچھیں کہ ان کے ساتھ میری کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں؟..... اگر ان پر میرا عمل ہو چکا ہے تو میں آج ہی اس کا اثر اتار دوں گا..... میں انکار تو نہیں کر رہا حضور!''

پرویز نے اس سے پوچھا کہ اس کی خالہ نے اسے اپنا کیا مسئلہ بتایا تھا اور اس نے کس مقصد کے لیے عمل کروایا ہے اور اس کا مجھ پر کیا اثر ہوگا۔ عامل نے بالکل وہی بات سنا ڈالی جو عامل کا آدمی پرویز کو پوری تفصیل سے سنا گیا تھا۔

''آپ حضور، میری عرض تو سنیں'' ـــــ عامل نے بدستور ہاتھ جوڑے ہوئے پوچھا ـــــ ''سب سے پہلے تو یہ بتائیں کہ آپ کوئی اثر محسوس کر رہے ہیں؟ کیا آپ کے دل میں اپنی بیوی کے خلاف کوئی شکوہ شکایت پیدا ہوا ہے؟''

''تمہارے پاس عمل ہے اور میرے پاس اللہ ہے'' ـــــ پرویز نے کہا ـــــ ''تم لوگوں کو پیسے لے کر بدی کے راستے پر ڈالتے ہو اور مجھے اللہ نے یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ اس کے بندوں سے ہمدردی کرو اور ان کے کام آؤ۔ آج وہ اللہ میرے کام آ رہا ہے۔ میرے پاس بھی کوئی اللہ کی دی ہوئی طاقت ہے۔ تمہارا عمل مجھ تک پہنچا تھا لیکن مجھے پہلے ہی اشارہ مل گیا تھا اور وہ عمل وہیں زائل ہو گیا''۔

پرویز نے کچھ سوچ کر اس شخص کا نام نہ لیا جو اس عامل کا بھانڈا پھوڑ گیا تھا۔ پرویز نے یہی سوچا ہوگا کہ اس غریب آدمی کی روزی پر کیوں لات ماری جائے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ

خبیث فطرت عامل اسے کوئی نقصان پہنچا بیٹھے۔

''پرویز صاحب!''۔۔۔ سب انسپکٹر نے کہا۔۔۔ ''یہ تو مان گیا ہے کہ اس نے یہ عمل کیا ہے۔ یہ ٹھیک کہتا ہے کہ یہ اس کا روزگار ہے اور آپ کے ساتھ اس کی کوئی دشمنی نہیں۔ اب آپ یہ بتائیں کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے یا آپ اپنی خالہ کے خلاف کچھ کروانا چاہتے ہیں؟...... میرا مشورہ یہ ہے کہ اسی سے آپ کی خالہ پر کوئی ایسا عمل کروایا جائے کہ اس کے دماغ سے آپ کا خیال ہی نکل جائے اور آئندہ آپ کے خلاف کوئی ایسی کارروائی نہ کرے، آپ سیدھے آدمی ہیں اور اس قسم کی عورتوں کو آپ نہیں جانتے۔ اگر آج اسے ہم نے بخش دیا تو کل وہ کوئی اور وار کر گزرے گی''۔

''چاہتا تو میں بھی یہی ہوں''۔۔۔ پرویز نے کہا۔۔۔ ''اس خالہ نے تو میرا گھر برباد کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔ مجھے جو بیوی بڑی مشکل سے ملی تھی اس کے خلاف میرے دل میں دشمنی پیدا کرنے کے لیے عمل کروایا تھا......''

''حضور!''۔۔۔ عامل پرویز کی بات میں ہی بول پڑا۔۔۔ ''ایسی عورتوں کو آپ نہیں میں جانتا ہوں۔ آپ کہیں نہ کہیں میں اس پر ایسا عمل چلا دوں گا کہ اسے اپنی ہی پڑ جائے گی اور آپ اس کے دل اور دماغ سے نکل جائیں گے۔ دس بارہ دنوں بعد وہ میرے پاس یہ شکایت لے کر آئے گی کہ میرے عمل کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ میرے ہاتھ میں اتنی سفلی طاقت ہے کہ میں اس کا دماغ پھیر دوں گا۔ پھر وہ میرے پاس نہیں آئے گی نہ وہ مجھ جیسے کسی عامل کے پاس جائے گی۔ مجھے آج معاف کر دیں پھر آپ اپنی خالہ کا حال دیکھ لینا۔ میں خود کچھ دنوں بعد آپ کی خدمت میں حاضری دے کر پوچھوں گا کہ یہ بلا آپ کے سر سے ٹلی ہے یا نہیں''۔

سب انسپکٹر اور پرویز نے دیکھا کہ یہ عامل تو ہتھیار ڈال کر بالکل ہی قدموں میں گر پڑا ہے تو اسے مزید کچھ کہنا یا اس پر تشدد کرنا ضروری نہ سمجھا۔ اس کی بجائے اس سے کہا کہ خالہ کو کوئی زیادہ نقصان نہ پہنچے لیکن اس کے دماغ سے پرویز کو اور اس کی بیوی یعنی بختی کو نکال دے۔ عامل نے بدستور ہاتھ جوڑ کر پکا وعدہ کیا بلکہ اٹھتے اٹھتے سب انسپکٹر اور پرویز کے پاؤں بھی چھوئے اور پھر وہ چلا گیا۔

+ + +

بختی نے مجھے خاص طور پر سنایا کہ پرویز کہتا تھا کہ اس عامل کا حلیہ یہ تھا کہ چہرے پر

عجیب سی کراہت تھی، آنکھوں میں سرخی اور دانت اتنے پیلے جیسے ان پر مٹی کا لیپ کیا ہوا ہو۔ اس کے جسم سے بدبو اٹھتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ مہینوں سے نہایا ہی نہ ہو نہ اس نے کپڑے بدلے ہوں۔

یہ تو میں نے اکثر سنا ہے کہ کالا جادو کرنے والوں کا حال حلیہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے اور یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ان کے لیے اتنا غلیظ رہنا ضروری ہوتا ہے۔ کالا جادو کرنے والے دانستہ نہانے سے گریز کرتے ہیں اور دانستہ کپڑے تبدیل نہیں کرتے۔ ذرا اس پہلو پر بھی غور کریں کہ کالے جادو میں ہر چیز کالی استعمال ہوتی ہے مثلاً کالا مرغ، کالے بکرے کی سری، کالا کپڑا، کالے ماش اور پھر یہ عمل سیاہ کالی راتوں میں کیا جاتا ہے۔ اگر میں آپ کو بتانے لگوں کہ یہ لوگ کیسے کیسے غلیظ طریقوں سے عمل کرتے ہیں تو بخدا آپ کو متلی ہونے لگے گی۔

اس کے مقابلے میں روحانی اور نورانی عمل کرنے والے یا اللہ کے کلام کا، اللہ کے اسمائے اعظم کا یا کسی قرآنی آیت کا ورد وظیفہ بتانے والے لوگ صاف ستھرے ہوتے ہیں اور ان کے چہرے پر جلالی سی کیفیت یا تاثر رہتا ہے۔ اگر آپ دیکھیں کہ نوری یا روحانی عمل کرنے والے شخص کے چہرے پر کوئی رونق یا جلال نہیں بلکہ چہرہ کچھ مکروہ سا ہے اور وہ شخص تمباکو نوشی یا کوئی اور نشہ کرتا ہے اور اس کے کپڑے میلے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شخص نے محض فریب کاری بنا رکھی ہے اور اس کے بتائے ہوئے روحانی عمل میں ذرا سا بھی اثر نہیں ہوگا۔

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ روحانی عامل یا معالج اگر کاروباری ذہنیت رکھتا ہے اور وہ منہ مانگی فیس لیتا ہے تو اس کے روحانی عمل میں ذرا سا بھی اثر نہیں ہوگا۔ یہ جو گلیوں میں جگہ جگہ عامل بیٹھے نظر آتے ہیں اور جنہوں نے بورڈ لگا رکھے ہیں وہ سب فریب کار ہیں اور اللہ کے نام پر کاروبار کر رہے ہیں۔

سات آٹھ دن گزرے خالہ کے محلے کی ایک عورت پرویز کی ماں کے پاس آئی۔ وہ اکثر آتی جاتی رہتی تھی اور وہ انہی کی برادری کی عورت تھی۔ عورتوں میں میل جول لگا ہی رہتا تھا۔ پرویز کی ماں نے اس عورت سے پوچھا کہ اس کی بہن کس حال میں ہے۔ ماں نے یہ بھی کہا کہ بہن نے یعنی پرویز کی خالہ نے تو تعلق ہی توڑ لیا ہے۔

''معلوم نہیں اسے کیا ہو گیا ہے''۔۔۔ عورت نے بتایا۔۔۔ ''آج چوتھا دن ہے اس کا جسم جواب دیتا جا رہا ہے۔ کہتی ہے کہ چلتی ہے تو چلا نہیں جاتا، کوئی کام کرے تو کام نہیں ہوتا

اور دماغ کی حالت کچھ عجیب قسم کی ہو گئی ہے۔ پرسوں خاوند اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ ڈاکٹر نے دوائیاں تو دی ہیں لیکن یہ بھی کہا ہے کہ ظاہری طور پر اسے کوئی تکلیف نہیں۔ بخار بھی نہیں لیکن یہ میں نے بھی دیکھا ہے کہ خالہ ٹھیک طرح چل پھر نہیں سکتی اور پھر جو عجیب تبدیلی اس میں آئی ہے کہ بات کرتی ہے تو رو پڑتی ہے۔ وہ تو ہنستی کھیلتی عورت تھی لیکن اب ایسے جیسے جلتا چراغ بجھ گیا ہو"۔

"آخر بہن ہے"۔۔۔ پرویز کی ماں نے کہا۔۔۔ "میرا دل تو بے تاب ہے کہ اسے جا کر دیکھوں لیکن اس کا کچھ بھروسہ بھی نہیں، ایسا نہ ہو کہ بے عزتی کر کے گھر سے نکال دے"۔

"اب شاید ایسا نہ ہو"۔۔۔ عورت نے کہا۔۔۔ "کل میں اس کے ہاں گئی تو اسے پلنگ پر پڑے پایا، کہتی تھی کہ اٹھا نہیں جاتا۔ میں نے ویسے ہی کہہ دیا کہ تمہاری بڑی بہن کو خبر نہیں ہوئی ورنہ دیکھنے آ جاتی۔ میں نے اسے کہا کہ اس نے خود ہی ناراضگی مول لے رکھی ہے اور اپنے بھانجے کی شادی پر بھی نہیں گئی تھی۔ بہن کس منہ سے یہاں آئے گی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بولی کہ بہن کو دیکھنے کو بڑا دل چاہ رہا ہے لیکن بہن آئے گی نہیں۔ میں نے خود ہی اسے ناراض کر لیا تھا"۔

پرویز کی ماں آخر بڑی بہن تھی، اس کا دل موم ہو گیا اور اس نے اس عورت سے کہا کہ وہ بہن کو دیکھنے آئے گی۔ بختی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی، اس نے کہا کہ ضرور جانا چاہئے خون کے رشتے چھوڑے نہیں جا سکتے۔ ماں نے کہا کہ پرویز آئے تو اس سے بات کر کے جائے گی۔

بختی کو پرویز نے وہ ساری بات سنا دی تھی کہ اس طرح عامل کو پکڑ کر سی آئی ڈی کے آفس میں بلایا گیا تھا اور اس کے ساتھ کیا باتیں ہوئیں۔ بختی نے یہ باتیں پرویز کے کہنے کے مطابق پرویز کی ماں کو نہیں بتائی تھیں۔ بختی کو خیال آیا کہ یہ اس کالے عامل کے عمل کا اثر ہو گا۔

شام پرویز گھر آیا تو ماں نے اسے اس کی خالہ کی یہ حالت سنائی اور یہ بھی بتایا کہ وہ اسے دیکھنا چاہتی ہے۔ پرویز نے کہا کہ وہ بھی اس کے ساتھ جائے گا، آخر وہ اس کی خالہ ہے۔ ماں نے کہا کہ جانا ہی ہے تو انتظار نہ کیا جائے آج رات کو ہی چلے چلتے ہیں۔

رات کھانا کھا کر پرویز اپنی ماں کو ساتھ لیے خالہ کے گھر چلا گیا۔ پہلے تو انہوں نے سوچا تھا کہ بختی کو ساتھ لیتے چلیں لیکن پرویز نے احتیاط کے طور پر بختی سے کہا ابھی وہ نہ چلے۔

خالہ کے گھر گئے تو اسے بے بسی کے عالم میں پلنگ پر پڑے پایا۔ وہ اٹھی اور بازو پھیلا

دیئے۔ پرویز کی ماں اس کے پاس بیٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ خالہ ہچکیاں لے لے کر روئی اور پھر اس نے پرویز کو گلے لگایا اور بار بار اس کا منہ چوما۔ پرویز اور اس کی ماں نے اس سے پوچھا کہ اسے آخر ہوا کیا ہے۔

"کیا بتاؤں بہن!"۔۔۔ خالہ نے بڑی کمزور آواز میں کہا۔۔۔ "ایک روز اٹھی تو چکر سا آیا، آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور بس پھر پلنگ پر گر پڑی۔ اس کے بعد جسم ایسے ہو گیا جیسے اس میں جان ہی نہ رہی ہو۔ تم مانو گی نہیں میری بہن، اس حالت میں سب سے پہلے مجھے تم یاد آئیں اور میں یہ سوچ کر رو پڑی کہ بہن کو تو میں نے ناراض کر دیا ہے۔ اب تم سے معافی مانگنے کو جی چاہتا ہے اور یہ کہتی ہوں کہ مجھے معاف کر دینا اور میرے لیے دعا کرنا"۔

خالہ پھر رو پڑی اور پرویز کی ماں نے اسے پھر گلے لگا لیا۔ اس کے بعد خالہ کے ساتھ بہت باتیں ہوئیں، کچھ اس نے بھی کیں تو پرویز اور اس کی ماں نے نمایاں طور پر محسوس کیا کہ خالہ وہ خالہ رہی ہی نہیں۔ بہت دیر وہاں گزار کر پرویز اور اس کی ماں واپس آ گئے۔

اگلی صبح پرویز اپنے آفس گیا تو اسی سب انسپکٹر سے ملا اور اسے کہا کہ وہ عامل کے علاقے کے سب انسپکٹر کو فون کر کے اتنا کہہ دے کہ اس عامل کو ہمارے آفس میں بھیج دے۔ سب انسپکٹر نے فون کر دیا اور پھر پرویز نے خالہ کی حالت سب انسپکٹر کو سنائی۔ پرویز کا خیال تھا جس کی تائید سب انسپکٹر نے کی کہ یہ عامل نے کوئی عمل کیا ہے۔

آدھے گھنٹے بعد عامل آ گیا۔ آتے ہی اس نے پرویز سے کہا کہ اپنی خالہ کو جا کر دیکھا ہے یا نہیں؟۔۔۔۔۔ پرویز نے اسے کہا اسی لیے اس نے اسے بلوایا ہے اور وہ بتائے کہ یہ اس کے کسی عمل کا نتیجہ ہے؟

"پہلے یہ بتائیں حضور!"۔۔۔ عامل نے پوچھا۔۔۔ "کیا اس کا جسم بے جان ہو گیا ہے؟ کیا وہ ویسے ہی رونے لگ جاتی ہے؟ اور یا وہ معافیاں مانگنے پر آ گئی ہے؟"

پرویز نے بتایا کہ اس کی ساری علامتیں یہی ہیں۔ عامل نے کہا کہ یہ اس کے عمل کے اثرات ہیں اور جب آپ چاہیں گے یہ اثرات اتار دیئے جائیں گے۔ پرویز نے کہا کہ وہ اسے دو چار دنوں بعد بتائے گا۔ عامل چلا گیا اور پرویز بڑی گہری سوچ میں کھو گیا۔

* * *

پرویز جب اپنی ماں کے ساتھ خالہ کے ہاں گیا تھا اور خالہ کی جسمانی اور ذہنی حالت دیکھی تھی تو واپس آکر اس نے بختی کو تفصیل سے بتایا تھا کہ خالہ پر کیا اثرات کام کر رہے ہیں اور اس کی جسمانی اور ذہنی حالت کیسی ہوگئی ہے۔

''مجھے یقین ہے بختی!'' ـــــ پرویز نے کہا ـــــ ''خالہ کا دماغ درست ہوگیا ہے اور اب وہ اپنی شیطانی حرکتوں سے توبہ کرلے گی...... یہ خیال رکھنا بختی، امی کو پتہ نہ چلے کہ خالہ کی یہ حالت کس طرح ہوئی ہے''۔

''مجھے خوشی نہیں افسوس ہو رہا ہے'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''اگر واقعی یہ کالے جادو کا اثر ہے تو اتروا دیں۔ یہ گناہ ہے''۔

''خالہ نے بھی تو یہی گناہ کیا تھا'' ـــــ پرویز نے کہا ـــــ ''یہ تو اللہ نے ہمیں بچا لیا تھا''۔

''یہ بھی تو سوچیں'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''خالہ نے یہ گناہ کیا اور اللہ نے اسے فوراً پکڑ لیا اور یہ سزا دے دی۔ ہمیں اللہ کے کاموں میں داخل نہیں دینا چاہئے۔ میں نے ہمیشہ اللہ پر بھروسہ کیا ہے اور اللہ نے میری ہر مشکل آسان کی ہے''۔

''تم خالہ کو نہیں جانتی'' ـــــ پرویز نے کہا ـــــ ''تم اپنی فطرت کے مطابق سمجھتی ہو کہ کوئی عورت اتنی بری نہیں ہوسکتی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری خالہ شیطان کی خالہ ہے''۔

''میں کہتی ہوں اللہ سے ڈریں'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''اسے معاف کردیں''۔

''لیکن میں خالہ کو جتاؤں گا ضرور'' ـــــ پرویز نے کہا ـــــ ''میں چاہتا ہوں وہ دو چار دن اور اسی حالت میں پڑی رہے پھر یہ اثر اتروا دوں گا''۔

اس سے اگلے روز پرویز شام خاصی دیر سے گھر آیا۔ اس نے بختی کو بتایا کہ دفتر سے اٹھ کر وہ خالہ کے گھر چلا گیا تھا۔ خالہ نے جیسے اللہ کا شکر ادا کیا کہ پرویز آیا ہے۔ خالہ کی بیٹی ناصرہ

نے پرویز کی خاصی خاطر مدارت کی۔ خالہ تو پلنگ سے اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔ ناصرہ جب باورچی خانے میں تھی تو پرویز نے خالہ سے کہا کہ وہ ایک ضروری بات کرنے آیا ہے، اگر خالہ سچے اور صاف دل سے سنے تو اس کی یہ جسمانی حالت ختم ہوسکتی ہے۔

''میری حالت تو کوئی ڈاکٹر بھی نہیں سمجھ سکا'' ـــــ خالہ نے انتہائی مایوسی کے لہجے میں کہا ـــــ ''تم کیا سمجھو گے''۔

''صرف میں ہوں جو جانتا ہوں کہ یہ کیا ہے'' ـــــ پرویز نے کہا ـــــ ''میں تمہیں یہی بتانے آیا ہوں خالہ!..... تم نے جو کالا جادو مجھ پر کرایا تھا وہ الٹا تم پر پڑ گیا ہے''۔

خالہ یہ سن کر اس طرح چونکی کہ اس کے جسم میں جان ہوتی تو وہ اچھل کر پلنگ سے نیچے جا پڑتی۔ اس نے اتنا ہی کیا کہ بڑی بے بسی کی حالت میں پرویز کی طرف دیکھا۔ اس میں اتنی جرأت اور ہمت نہیں تھی کہ پرویز کو جھٹلا دیتی۔ یہ تو ہوتا ہی ہے کہ ذہن اور ضمیر پر کسی جرم اور گناہ کا بوجھ ہو تو انسان خود اعتمادی اور جرأت سے کسی کا سامنا نہیں کرسکتا۔ خالہ بہت بڑی گناہگار تھی۔ اس کے باوجود خالہ نے دبی دبی زبان میں یہ الزام ماننے سے انکار کردیا کہ اس نے پرویز پر کوئی عمل کروایا تھا۔

''میرے ہاتھ میں بھی کچھ طاقت ہے خالہ!'' ـــــ پرویز نے کہا ـــــ ''تمہیں ایک شیطانی عمل کرنے والے پر بھروسہ تھا لیکن میرا عامل اور میرا پیرومرشد صرف اللہ ہے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ میں پولیس کے محکمے میں ہوں اور میرا تعلق سی آئی ڈی کے شعبے کے ساتھ ہے۔ کہو تو میں اس عامل کو اور اس کے اس آدمی کو بھی تمہارے سامنے لے آتا ہوں جو آدمی میرے دفتر میں مجھ پر عمل کرنے گیا تھا لیکن ہوا یہ کہ وہ ہاتھ جوڑ کر میرے قدموں میں بیٹھ گیا اور اس نے منت کرکے کہا کہ وہ مجھ پر یہ سفلی عمل نہیں کرے گا۔ میں نے تمہارے اس سفلی عامل کو بھی دفتر میں بلوا لیا اور اس نے تو تمہارا کوئی پردہ رہنے ہی نہیں دیا''۔

خالہ کا سر جھک گیا تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ اس نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اس نے سر اٹھا کر پرویز کی طرف دیکھا تو پرویز نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔

''تم نے اپنی ماں کو بھی بتایا ہوگا'' ـــــ خالہ نے بڑے ہی شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

''نہیں خالہ!'' ـــــ پرویز نے کہا ـــــ ''میں اتنا کمینہ اور کم ظرف آدمی نہیں ہوں۔ میں تمہارے پاس صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہاری اپنی کارستانی الٹا تم پر پڑ گئی ہے اور میں چاہتا

ہوں کہ تم اپنی نیت صاف کرلو اور پھر دیکھو تم کس طرح اس اذیت سے نجات حاصل کرتی ہو...... میں نہ امی کے ساتھ کوئی ایسی بات کروں گا اور نہ بختی کو ایسی بات بتائی ہے‘‘۔

’’نہ بتانا‘‘ــــ خالہ نے کہا ــــ ’’میں تمہاری ہر بات مانوں گی‘‘۔

’’بس خالہ!‘‘ ــــ پرویز نے کہا ــــ ’’میں تمہیں اسی بات پر لانا چاہتا تھا۔ پہلے تم نے کچھ اور قسم کی زندگی گذاری ہے، اب شریفانہ طور طریقے اختیار کرلو۔ میں ہر وقت تمہاری کسی بھی قسم کی مدد کرنے کے لیے موجود رہوں گا اور تمہارے پاس آ کر پوچھتا رہوں گا‘‘۔

’’پرویز بیٹے!‘‘ ــــ خالہ نے کہا ــــ ’’اگر میرا خاوند ہوش وحواس میں رہنے والا بندہ ہوتا تو میں عزت دار خاندانوں کی عورتوں کی طرح زندگی بسر کرتی اور اپنے خاوند پر فخر کرتی مگر تم نے دیکھا ہے کہ یہ شخص اس روز سے نشے میں پڑا ہے جس روز میں اس گھر میں بیاہی آئی تھی۔ عورت اپنے خاوند سے کتنی ہی عقل مند اور چست و چالاک کیوں نہ ہو، وہ اپنے خاوند کو اپنا محافظ بلکہ اپنا سب کچھ سمجھتی ہے لیکن میرا خاوند ان مردوں میں سے ہے جو زندگی کی حقیقتوں کے مفرور ہوتے ہیں اور بیویوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ساری ذمہ داریاں نبھائیں......

’’میں نے یہ رونا رونے کی بجائے کہ میرا خاوند نشئی اور غیر ذمہ دار آدمی ہے، گھر کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں۔ افسوس اس بات پر آتا ہے کہ میری جو مجبوریاں تھیں انہیں لوگوں نے عیاشیاں سمجھ لیا۔ اللہ نے مجھے ایسی شکل وصورت اور رنگ روغن عطا کر دیا تھا جسے دیکھ کر اللہ کے بندے کچھ دیر دیکھتے ہی رہتے ہیں اور ایک بار پھر دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں۔ یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں کہ خاوند نے اپنی غیرت کو بیدار کرنے کی بجائے میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے اتنا پیار دیا کہ میں سب کچھ بھول گئی۔ خاوند نے تمام تر آمدنی میرے حوالے کردی تھی اور ہر وہ کام اور انتظام بھی میرے حوالے کر دیا تھا جو مرد کیا کرتے ہیں...... بات بڑی لمبی ہے پرویز بیٹا!...... تمہیں ہر بات سناؤں تو ہی تم سمجھ سکو گے کہ میں بدی کے راستے پر کس طرح چل نکلی تھی لیکن اتنی لمبی بات نہیں سناؤں گی۔ میں نے تمہارے دل میں اپنی محبت اور خلوص دیکھ لیا ہے اس لیے تمہارے ساتھ یہ قصہ چھیڑ بیٹھی ہوں۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ تمہارے ساتھ جھوٹ نہیں بولوں گی۔ میں بدی کے راستے پر چلی اور بڑے ناٹک کھیلے لیکن میرا خاوند روز بروز بے غیرت ہوتا گیا اور نشے میں ڈوبتا گیا......

’’میں نے دیکھا ہے کہ نیکی کا راستہ ذرا مشکل اور ٹیڑھا سا ہوتا ہے لیکن بدی کا راستہ بڑا

آسان اور دلکش ہے۔ میں کوئی فرشتہ تو تھی نہیں، اسی راستے پر چل پڑی اور پھر میرا دماغ ایسا ہوگیا کہ جو کام سیدھے طریقے سے ہوسکتا تھا وہ بھی استادی طریقے سے کیا اور میں بہت خوش ہوتی کہ میں استادوں کو بھی انگلیوں پر نچا سکتی ہوں۔ اللہ نے مجھے سزا بھی دی کہ بیٹے دے کر واپس لے لئے اور صرف ایک بیٹی زندہ رہی‘‘۔

’’سب جانتا ہوں خالہ!‘‘ ــــ پرویز نے کہا ــــ ’’میں تمہیں تمہارے گناہ یاد کرا کے شرمسار نہیں کرنا چاہتا، بھول جاؤ ان باتوں کو۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ سب کچھ اس مجبوری کے تحت کیا کہ تمہارا خاوند نشئی ہے اور اسے دنیا کی اور اپنی ذمہ داریوں کی کوئی ہوش نہیں۔ تمہارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ اب توبہ کرو اور ناصرہ کو کہیں بیاہنے کی سوچو‘‘۔

’’کہاں بیاہوں اسے‘‘ ــــ خالہ نے کہا ــــ ’’برادری کا کوئی خاندان میرے ساتھ رشتہ داری نہیں کرنا چاہتا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ناصرہ کتنی اچھی شکل وصورت کی لڑکی ہے لیکن کوئی اس کا رشتہ مانگنے آتا ہی نہیں۔ میں جانتی ہوں کیوں!...... یہ سب میرے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ ناصرہ کے باپ کو دیکھ لو۔ وہ اندر پڑا سو رہا ہے۔ اسے کچھ ہوش نہیں کہ میں کس حال میں ہوں اور اس وقت کون میرے پاس آیا بیٹھا ہے‘‘۔

’’میں کچھ کروں گا‘‘ ــــ پرویز نے کہا ــــ ’’کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈ نکالوں گا لیکن تم یہ نہ کہنا کہ لڑکی برادری سے باہر نہیں دوں گی‘‘۔

’’میری کوئی شرط نہیں ہوگی‘‘ ــــ خالہ نے کہا ــــ ’’لیکن ایک بات تمہیں بتا دیتی ہوں۔ ناصرہ برادری کے ہی ایک لڑکے کو پسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ اس کی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ میں اس لیے رضامند نہیں ہو رہی کہ اس لڑکے کا خاندان بالکل معمولی سا کسان خاندان ہے۔ ہماری حیثیت کے مقابلے میں کچھ نہیں‘‘۔

’’یہ تو میں دیکھ کر بتاؤں گا‘‘ ــــ پرویز نے کہا ــــ ’’ابھی ایک بات ضرور کہوں گا۔ وہ یہ ہے کہ اپنی حیثیت کو دل سے اتار دو۔ اگر کوئی اچھا لڑکا ملتا ہے تو اسے قبول کر لینا۔ بہرحال یہ بعد میں دیکھ لیں گے‘‘۔

’’میری اس بیماری کا تو کچھ علاج کرو‘‘ ــــ خالہ ے کہا ــــ ’’ایسا نہ ہو کہ میں اسی حالت میں دنیا سے اٹھ جاؤں اور میری بیٹی میرے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے اکیلی رہ جائے‘‘۔

پرویز نے اسے پورے یقین کے ساتھ کہا کہ وہ ایک دو دنوں تک ٹھیک ہو جائے گی لیکن یہ بھی سوچ لے کہ وہ اس سفلی عامل سے کبھی ملی تو پھر اس کی حالت اور زیادہ بگڑ جائے گی۔

خالہ نے آنسوؤں کی روانی میں وعدہ کیا کہ وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ پرویز اسے مزید تسلی دلاسہ دے کر اپنے گھر آ گیا۔

+ + +

یہ تھی وہ بات جو پرویز نے خالہ کے گھر سے آ کر بختی کو سنائی تھی۔ بختی بڑی ہی خوش اور مطمئن ہوئی۔ وہ تو ڈری ہوئی تھی کہ خالہ اس کالے عمل کی ناکامی کے بعد نہ جانے کیا کر گزرے۔ اس خالہ سے تو کچھ بھی بعید نہ تھا۔ پرویز نے بڑی خوبی سے اسے لگام ڈال لی تھی۔

''اب آپ اپنا وعدہ پورا کر دیں'' ۔۔۔ بختی نے پرویز سے کہا۔۔۔ ''اگر اس پر واقعی اس سفلی عمل کا اثر ہے اور آپ اتروا سکتے ہیں تو اتروا دیں۔ اللہ نے ہمیں نہ جانے کتنی بڑی مصیبت سے بچا لیا ہے۔ اس کے عوض آپ خالہ کو بچا لیں اور آپ دیکھیں گے کہ اللہ اس کا کیا اجر دیتا ہے۔ انسان تو کہتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کا خون بہا دے لیکن اللہ اس انسان کو ہی اپنے قریب کرتا ہے جو درگزر کر کے دشمن کا بھی بھلا سوچتے ہیں''۔

اگلے روز پرویز اپنے دفتر گیا تو سب سے پہلے کام یہ کیا کہ جو کانسٹیبل اس سفلی عامل کے گھر جایا کرتا تھا اسے کہا کہ وہ اس عامل کو اپنے ساتھ لے آئے۔

گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد عامل آ گیا۔ وہ اتنا ڈرا ہوا تھا کہ پرویز کے آگے سجدہ تک کرنے کو تیار نظر آتا تھا۔ پرویز نے اسے کہا کہ وہ اب اس عورت سے اپنا اثر اتار دے اور اس کے بعد اس عورت کو بھول جائے اور اگر وہ کبھی اس کے ہاں جا پہنچے تو اسے اپنے گھر میں بیٹھنے تک نہ دے اور اس کے ساتھ ہر قسم کا تعلق توڑ لے۔

''جو حکم سرکار!'' ۔۔۔ عامل نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔۔۔ ''کل شام سورج غروب ہونے کے بعد اپنی خالہ کو دیکھ لینا۔ وہ آپ کو بالکل صحیح اور تندرست حالت میں ملے گی''۔

پرویز نے اسے ایک بار پھر ڈرایا اور کہا کہ اسے پتہ چل گیا کہ خالہ کے ساتھ اس نے پھر وہی چکر چلایا ہے تو پھر عامل کا اللہ ہی حافظ ہے۔

''میں تو یہ کام ہی چھوڑ رہا ہوں سرکار!'' ۔۔۔ عامل نے کہا۔۔۔ ''بڑا ہی خطرناک کام ہے۔ شیطانی کام ہوتے ہی خطرناک ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے مجھ

سے یہ عمل کرواتے ہیں۔ آپ اس عمل کو نہیں جانتے، اس میں اپنی حفاظت کا بھی انتظام کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات اپنا عمل اپنے ہی سر آ پڑتا ہے''۔

''آمدنی تو بہت ہوتی ہوں گی!'' ۔۔۔ پرویز نے کہا۔

''بہت!'' ۔۔۔ عامل نے کہا۔۔۔ ''لیکن میری حالت دیکھ لیں۔ کیا آپ کو یقین آئے گا کہ میں اتنی زیادہ آمدنی کمانے والا شخص ہوں؟...... پتہ ہی نہیں چلتا کہ پیسے کدھر نکل گئے ہیں۔ شراب پی لیتا ہوں۔ کسی طوائف کی جھولی بھر دیتا ہوں یا کہیں جوئے کی بازی لگا کر ساری رقم ہار دیتا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو اس سفلی کام کے متعلق کچھ باتیں بتا دیتا ہوں''۔

پرویز یہ باتیں سننا چاہتا تھا۔ ہمارے ملک میں نہ جانے کب سے کالا جادو چل رہا ہے اور عجیب وغریب کہانیاں اور وارداتیں سننے میں آتی ہیں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ سفلی عامل بہت زیادہ پیسے لیتے ہیں لیکن کسی بھی سفلی عامل کو دیکھو تو یقین نہیں آتا کہ اس شخص کو اتنی زیادہ آمدنی ہے۔ وہ شکل وصورت اور لباس سے بھنگیوں سے بہتر نہیں لگتا۔ اس عامل نے راز کی یہ بات بھی پرویز کو سنائی۔

''میری اپنی قسمت دیکھیں سرکار!'' ۔۔۔ عامل نے کہا۔۔۔ ''مجھے چار بیٹیوں کے بعد خدا نے ایک بیٹا دیا۔ تین مہینوں بعد بیٹا بیمار ہوا۔ میں نے تین ڈاکٹروں پر بے شمار پیسہ بہا دیا لیکن بیٹا مر گیا...... میں جانتا ہوں کہ خدا نے مجھ سے یہ بیٹا کیوں چھین لیا تھا۔ بیٹے کی پیدائش کے تقریباً ایک مہینہ بعد ایک آدمی میرے پاس آیا اور کہا کہ وہ اپنے ایک دشمن کو بہت ہی زیادہ پریشان کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے جو پوچھنا تھا وہ پوچھا اور اسے دو ہزار روپیہ فیس بتائی۔ اس نے یہ رقم اسی وقت دے دی۔ تین چار دنوں بعد اس شخص کے دشمن کے گھر میں کسی نہ کسی کپڑے کو آگ لگ جاتی اور آگ تیزی سے پھیل بھی جاتی اور گھر والے آگ بجھا لیتے۔ اس کے ساتھ ہی گھر میں پتھر گرنے لگتے اور تقریباً آدھا گھنٹہ گرتے ہی رہتے......

''آپ نے ایسے واقعات اکثر سنے ہوں گے۔ جن کے گھروں میں یہ واقعات ہوتے ہیں وہ عاملوں اور پیروں کے پاس جاتے اور منہ مانگے پیسے دے کر یہ سلسلہ رکوانے کو کہتے ہیں۔ یہ پیر اور عامل وغیرہ یہی ایک بات کہتے ہیں کہ یہ جنات ہیں جو شرارت کر رہے ہیں یا

اس گھر کے کسی فرد نے جنات کو کوئی نقصان پہنچایا ہے۔ پھر جو بھی پیر اور عامل آتا ہے وہ اپنے تعویذ وغیرہ گھر میں اِدھر اُدھر دبا کر یا جلا کر اپنے پیسے کھرے کر کے چلا جاتا ہے لیکن پتھر گرتے رہتے ہیں اور آگ بھی لگتی ہی رہتی ہے......

''میری یہ بات لکھ لیں سرکار! جب بھی آپ کسی گھر میں کوئی ایسا واقعہ ہوتا دیکھیں تو فوراً سمجھ لیں کہ یہ اس گھر کے کسی دشمن کی کارستانی ہے اور یہ سفلی عمل ہے۔ کوئی جن بھوت نہیں ہوتا نہ ہی جن لوگوں کو اس طرح تنگ کرتے ہیں...... میں آپ کو اپنی بات سنا رہا تھا۔ میرے عمل سے اس گھر میں آگ لگتی رہی اور پتھر بھی گرتے رہے۔ میں نے اس کی میعاد مقرر کر دی تھی جو اکیس روز تھی۔ اس گھر میں بھی وہ شاہ جی یا عامل وغیرہ آتے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے قبضے میں جنات ہیں اور ان کے سوا کوئی بھی ان جنات کو نہیں بھگا سکتا جو آگ لگاتے اور پتھر پھینکتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا اور آخر میری مقرر کی ہوئی میعاد پوری ہوئی تو اس گھر کو آگ اور پتھروں سے نجات مل گئی......

''ایک مہینہ گزر گیا اور ایک روز میرا بچہ بیمار ہو گیا۔ میرے پاس اس آگ اور پتھروں کے کام کا دو ہزار روپیہ موجود تھا۔ میں نے بڑے مہنگے ڈاکٹروں سے بچے کا علاج کروایا لیکن بچہ مر گیا۔ بچہ بھی نہ رہا اور رقم بھی نہ رہی۔ میں اس سے پہلے اسی طرح نقصان اٹھا چکا تھا۔ اتنی سی بات سوچ لیں کہ میں نے بے انداز پیسہ کمایا ہے لیکن میرے گھر جا کر دیکھیں تو آپ کو غربت کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا......

''اب میں نے آپ پر عمل کیا تھا جو آپ پر ہو تو نہ سکا لیکن میں آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنا کام کر چکا تھا۔ مجھے ذرا سا بھی شک نہیں تھا کہ پولیس میرے گھر پہنچ جائے گی۔ آپ نے تو مجھے گرفتار کر ہی لیا تھا۔ اگر میں آپ کے آگے جھک نہ جاتا تو معلوم نہیں آپ مجھ پر کیا دفعہ لگا کر مجھے جیل بھجوا دیتے۔ اب تو سرکار، میں اتنا ڈر گیا ہوں کہ یہ کام چھوڑ دینے کا پکا ارادہ کر لیا ہے۔ یہ بڑا خطرناک کام ہے''۔

اس عامل نے پرویز کو یہ بھی بتایا کہ لوگ عاملوں کے پاس اپنے مسئلے اور مشکلات لے کر جاتے ہیں تو عامل پہلی بات یہ کہتے ہیں کہ تم پر یا تمہارے گھر پر کسی دشمن نے کچھ کرا دیا ہے۔ اس سفلی عامل نے کہا، میں آپ کو صحیح بات بتاتا ہوں سرکار، یہ کام یعنی کسی کے خلاف کوئی سفلی عمل کروانا آسان نہیں اور نہ یہ اتنا عام بھی نہیں۔ سفلی عامل ایسا عمل کرنے سے ڈرتے بھی

ہیں اور دوسرا یہ کہ پیسے بہت زیادہ لیتے ہیں جو ہر کوئی نہیں دے سکتا۔

+++

اگلے روز سورج غروب ہو گیا تو پرویز خالہ کے گھر گیا۔ عامل کے کہنے کے مطابق خالہ پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ پرویز کے پوچھنے سے پہلے ہی خالہ نے اسے بتایا کہ وہ بالکل ٹھیک ہو گئی ہے اور اس کے جسم میں طاقت واپس آ گئی ہے۔ پرویز نے باتوں باتوں میں یہ اندازہ کر لیا کہ خالہ کا دماغ درست ہو گیا ہے اور اب وہ اپنی فطرت کو بدلنے لگی۔ اس نے خالہ سے کہا کہ وہ اس کے ہاں آیا کرے اور ناصرہ کو بختی کے پاس بھیجا کرے اور بختی بھی کبھی اس کے گھر آئے گی۔

اگلے ہی روز ناصرہ اکیلی بختی کے پاس آ گئی۔ اس سے پہلے ایک ویسے پر ناصرہ کی بختی سے ملاقات ہوئی تھی۔ پرویز بختی کو ہر ایک بات بتاتا تھا جن سے بختی سمجھ گئی تھی کہ خالہ اور ناصرہ کے ساتھ پیار و محبت کا رویہ اختیار کرنا ہے۔ بختی میں زندہ دلی اور کشادہ ظرفی تو فطری طور پر تھی ہی، اس نے ناصرہ کے ساتھ ایسی باتیں کیں جیسے ان میں بڑی پرانی بے تکلفی ہو۔

ناصرہ میں کچھ گھٹن سی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی ماں کی وجہ سے برادری کی لڑکیاں اس کے گھر میں کم ہی جاتی تھیں۔ دراصل لوگ اپنی بیٹیوں کو ناصرہ سے ملنے ہی نہیں دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جیسی اس کی ماں ہے وہ بھی ویسی ہی ہو گی لیکن یہاں معاملہ کچھ مختلف تھا۔ ناصرہ ہنسنا کھیلنا چاہتی تھی لیکن کوئی لڑکی اس کے ساتھ بیٹھتی ہی نہیں تھی۔ اس طرح ناصرہ نفسیاتی مریض بنتی چلی جا رہی تھی۔

ناصرہ کو اپنے گھر میں دیکھ کر بختی کو مسرت سی ہوئی لیکن اس مسرت میں کچھ تلخی سی بھی تھی۔ وہ اس لیے کہ اسے یہ خیال تھا کہ خالہ کی طرح ناصرہ بھی پرویز کو چاہتی ہو گی۔ بختی خدشہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ ماں بیٹی مل کر اس کی اتنی حسین ازدواجی زندگی میں کوئی اور رنگ ہی نہ گھول دیں۔ پرویز بختی کو بتا چکا تھا کہ خالہ کا دماغ درست ہو گیا ہے اور یہ بھی کہ ناصرہ کسی اور کو چاہتی ہے پھر بھی بختی کے دل میں یہ خدشہ موجود رہا کہ خالہ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر کوئی نہ کوئی چال ضرور چلے گی۔ بختی کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ ان لوگوں کی آپس میں خون کی رشتہ داری ہے جو کسی بھی وقت اپنا اثر دکھا سکتی ہے۔ بختی ان میں اکیلی تھی۔ بختی کو توقع کے خلاف ناصرہ بڑی جلدی اس کے ساتھ بے تکلف ہو گئی۔ بختی بھی تو گھٹے ہوئے ذہن کی لڑکی نہیں تھی، اسے

ناصرہ کی بے تکلفی بڑی اچھی لگی اور تھوڑی ہی دیر بعد ایسے نظر آنے لگا جیسے یہ دونوں بچپن سے دوست چلی آ رہی ہوں اور اب لمبی جدائی کے بعد ملی ہوں۔

''میں نے تمہارا حق مار لیا ہے ناصرہ!''۔۔۔ بختی نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا۔۔۔ ''پرویز کے گھر تمہیں آنا تھا لیکن میں آ گئی۔ تمہیں مایوسی تو بہت ہوئی ہو گی اور تمہارے دل میں میرے خلاف زہر بھرا ہوا ہو گا''۔

''بالکل نہیں بختی!''۔۔۔ ناصرہ نے کہا۔۔۔ ''وہ میری ماں ہے جو مجھے پرویز کے گھر آباد کرنا چاہتی تھی۔ میں نے تو ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پرویز مجھے اچھا نہیں لگتا۔ یہ تو بہت ہی اچھا آدمی ہے اور تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں یہ خاوند ملا ہے، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ پرویز کی بیوی بنوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں لڑکپن سے پرویز کو بھائی جان کہتی آ رہی ہوں اور یہ مجھے بھائی کی شکل میں ہی اچھا بلکہ بہت پیارا لگتا تھا اور اب بھی میں اسے ایک بھائی کی حیثیت سے ہی اچھا سمجھتی ہوں''۔

''میں نے تو کچھ اور سنا تھا''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''تمہاری امی تو بری طرح پیچھے پڑی ہوئی تھی کہ تمہاری شادی پرویز کے ساتھ ہی ہو اور جب میں آ گئی تو تمہاری امی نہ خود ہماری شادی میں شریک ہوئی اور نہ تمہیں آنے دیا۔۔۔۔۔ تو کیا تمہاری امی تمہاری مرضی کے خلاف یہ سب کچھ کر رہی تھی؟''

''میں تمہیں یہ کہانی سنا ہی دیتی ہوں بختی!''۔۔۔ ناصرہ نے کہا۔۔۔ ''یہ بات اپنے تک ہی رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ میری امی تک پہنچ جائے۔۔۔۔۔ یہ تو امی میرے اور پرویز کے بچپن سے ہی چاہتی تھی کہ میری شادی پرویز کے ساتھ ہو، یہاں تک کہ وہ پرویز کو میرا منگیتر سمجھنے لگی تھی۔ اگر حالات یہ پلٹا نہ کھاتے تو میری شادی پرویز کے ساتھ ہی ہو جاتی۔ ہر ماں باپ چاہتے ہیں کہ بیٹی اپنوں کے گھر جائے لیکن ہم جوان ہوئے اور پرویز ملازم ہو گیا تو میری امی کے لیے پرویز میں ایک اور کشش یا خوبی پیدا ہو گئی وہ یہ کہ پرویز کو پولیس کے محکمے میں ملازمت مل گئی۔ امی نے مجھے صاف لفظوں میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ اب پرویز کو بالائی آمدنی بہت ملے گی۔ کون نہیں جانتا کہ پولیس میں پیسہ چلتا ہے۔۔۔۔۔

''پاکستان میں آئے تو میری امی کو پتہ چل گیا کہ پرویز سی آئی ڈی کے محکمے میں لگ گیا ہے اور اس نے بڑی اچھی پوزیشن بنا لی ہے۔ امی صرف اس بات پر خوش تھی کہ پرویز کی بالائی

آمدنی بہت ہو گی اور تم عیش کرو گی۔۔۔۔۔ دراصل بختی، میری امی روپے پیسے کا بہت لالچ کرتی ہے۔ حالانکہ ہمیں اللہ نے دل کھول کر دیا ہے لیکن اپنی اپنی نیت ہوتی ہے۔ میری امی کی نیت ایسی ہے جو بڑے ہی گہرے گڑھے کی طرح بھرتی ہی نہیں۔ اس کے سامنے اب پرویز کی یہی ایک خوبی تھی کہ اس کی بالائی آمدنی بہت ہو گی لیکن پرویز نے تمہارے ساتھ شادی کر لی۔ میری امی تو جیسے پاگل ہو گئی ہو۔ وہ پرویز کے ماں باپ سے پکی ناراض ہو گئی۔۔۔۔۔

''میں نے امی کا یہ خیال بدلنے کی بہت کوشش کی لیکن امی اپنی بات منوانے والی عورت ہے، کہتی تھی کہ اسے کوئی سا بھی چکر چلانا پڑا وہ پرویز کا گھر اجاڑ کر ہی رہے گی اور اس گھر میں مجھے آباد کرے گی۔ میں نے امی کو یہاں تک کہہ دیا کہ میں پرویز کے ساتھ شادی نہیں کروں گی کیونکہ میں ایک اور لڑکے کو دل میں بٹھا چکی ہوں اور میری شادی اسی کے ساتھ ہو گی۔ میری امی نے مجھے بہت برا بھلا کہا لیکن میں اپنی بات پر قائم رہی۔ میرے ابو تو ایک بے کار آدمی ہیں، دن رات اونگھتے اور سوتے رہتے ہیں۔ انہیں یہ دیکھنے کی ہوش ہی نہیں ہوتی کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔۔۔۔۔

''ایک مسئلہ اور بھی تھا بختی، تم میری شکل و صورت دیکھ رہی ہو۔ کیا مجھے کوئی بھی پسند نہیں کرتا ہو گا؟ میرا خاندان خوشحال بھی ہے لیکن کوئی بھی میرے رشتے کا پیغام لے کر نہیں آتا تھا۔ میں جانتی ہوں کہ کئی گھرانے اور کئی لڑکے مجھے چاہتے تھے لیکن کوئی میرا رشتہ لینے نہیں آتا تھا جس کی وجہ میری ماں کی کارستانیاں تھیں۔ میں تمہیں صاف بتاتی ہوں کہ میری ماں صحیح اور سچی بات کرے تو بھی لوگ اسے جھوٹ اور فریب کاری سمجھتے ہیں۔ کوئی لڑکا میری امی کا داماد بننے کو تیار نہیں تھا۔ میری امی کے سامنے صرف پرویز تھا۔۔۔۔۔

''میں یقین سے تو نہیں کہتی، مجھے شک ہے کہ میری امی الٹے تعویذ کرنے والے کسی عامل کے پاس جاتی تھی۔ معلوم نہیں کیا ہوا کہ امی اچانک بیمار ہو گئی۔ تکلیف بھی ایسی کہ ڈاکٹر بھی نہ سمجھ سکے کہ یہ کیا بیماری ہے اور اس کی وجہ کیا ہے۔ یہ جو کچھ بھی تھا اس نے امی کو بے بس کر کے چارپائی پر ڈال دیا اور اسے رُلا دیا۔ پرویز دو تین مرتبہ ہمارے ہاں آیا اور امی کے ساتھ ہی راز و نیاز کی باتیں کرتا رہا۔ میرے خیال ہے کہ پرویز نے امی کو کچھ سمجھایا بجھایا ہے۔ جس کا امی نے اثر قبول کیا ہے اور اب اس کا ذہن صاف ہو گیا ہے۔ میں سمجھ نہیں سکی کہ یہ کیا ہوا ہے کہ امی جس طرح اچانک چارپائی پر گر پڑی اور ہلنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی اسی طرح اچانک اٹھ

بیٹھی اور بالکل ہی صحت مند ہوگئی۔ اس نے اس صورتِ حال کو اب قبول کیا ہے کہ پرویز اسے نہیں مل سکتا اور میری شادی کہیں اور ہوگی‘‘۔

’’کیا اس میں تمہاری امی راضی ہے؟‘‘۔۔۔۔ بختی نے پوچھا۔

’’یہ بھی ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے‘‘۔۔۔۔ ناصرہ نے کہا۔۔۔۔ ’’میری امی تو تقریباً رضامند ہوگئی ہے لیکن اس لڑکے کے والدین رضامند نہیں ہو رہے۔ وجہ وہی ہے جو میں پہلے بتا چکی ہوں۔ لڑکا تو میرے ساتھ گھر سے کہیں بھاگ جانے کو تیار ہے۔ مجھے نظر یہی آرہا ہے کہ ہمیں یہاں سے کہیں دور جا کر ہی شادی کرنی پڑے گی‘‘۔

ناصرہ نے کوئی بات پردے میں رہنے نہ دی، سب کچھ ہی کہہ ڈالا۔ بختی کے دل پر جو بوجھ تھا وہ اتر گیا۔ یہ ناصرہ اور اس کی ماں کا مسئلہ تھا کہ ناصرہ کی شادی اس کی پسند کے لڑکے کے ساتھ ہوتی ہے یا نہیں، بختی کو یہ اطمینان ہوگیا کہ ناصرہ اور اس کی ماں کی طرف سے اسے کوئی خطرہ نہیں، پھر بھی بختی کے دل میں ناصرہ کی ہمدردی پیدا ہوگئی تھی اور وہ سوچنے لگی کہ اس کی شادی اس کی پسند کے لڑکے کے ساتھ کس طرح کرائی جائے۔ ناصرہ نے تو فیصلہ کر رکھا تھا کہ کوئی رکاوٹ ہوئی تو وہ گھر سے بھاگ جائے گی۔ بختی نے ناصرہ سے کہا کہ وہ پرویز سے کہے گی کہ اس سلسلے میں کچھ کرے۔

ناصرہ شام کے وقت واپس اپنے گھر گئی۔

+++

ناصرہ کے جانے کے بعد بختی نے پرویز کے ساتھ ناصرہ کی پسند کے لڑکے کے ساتھ شادی کے متعلق بات کی تو پرویز نے وثوق سے کہا کہ وہ کوشش کرے گا کہ اس لڑکے کے والدین رضامند ہو جائیں۔

بختی نے یہ اتنی لمبی بات سنا کر مجھے اپنے تاثرات کچھ اس طرح سنائے کہ خالہ کی طرف سے تو وہ مطمئن ہوگئی کہ اب کوئی خطرہ نہیں رہا لیکن ایک خطرہ ابھی تک اس کے سر پر منڈلا رہا تھا اور وہ تھا سعید۔ سعید کا گھر بہت ہی دور تھا اس لیے اسے معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ سعید کہاں ہے، کیا کر رہا ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں۔ اس نے پرویز کے ساتھ بات کی اور کہا کہ اس بنگلے سے وہ ڈرتی ہی رہتی ہے۔

’’یہ خطرہ بھی دل سے نکال دو‘‘۔۔۔۔ پرویز نے کہا۔۔۔۔ ’’اللہ نے جس طرح ہمیں خالہ

سے بچا لیا ہے اسی طرح اس کی ذاتِ باری سعید کا بھی کچھ بندوبست کر دے گی۔ اگر وہ کہیں سامنے آگیا اور اس نے کوئی بدتمیزی کی تو پھر میں اپنے محکمے کی مدد لوں گا اور اس کا دماغ درست کر دوں گا‘‘۔

بختی کہتی تھی کہ یہ لوگ بڑے چوہدری ہیں اور اوپر تک ان کا اثر ورسوخ ہے اور یہ چوہدری اپنے بیٹے پر کوئی الزام نہیں آنے دے گا۔ پرویز اسے بڑی خوداعتمادی سے تسلیاں دیتا اور کہتا تھا کہ بختی اتنا نہ ڈرے۔

تین چار دن گزر گئے، ایک روز شام چار بجے کے بعد بختی اور پرویز انارکلی شاپنگ کے لیے گئے۔ ملک کی تقسیم کی وجہ سے انارکلی کی رونقیں بجھ کے رہ گئی تھیں۔ اڑھائی تین سال گزر گئے تھے اور پاکستان کی زندگی رواں دواں ہوگئی تھی اور انارکلی کی رونقیں بھی عود کر آئی تھیں۔ خریداروں اور سیر سپاٹے کے لیے آنے والوں کا رش پہلے جیسا ہوگیا تھا۔

پرویز اور بختی آہستہ آہستہ انارکلی کے ہجوم میں چلے جا رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے بختی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے پیچھے کو کھینچا۔ بختی نے سخت گھبراہٹ کے عالم میں دیکھا۔ وہ سعید تھا۔

’’یہاں کیا کر رہی ہو!‘‘۔۔۔۔ سعید نے کہا اور بختی کا بازو پکڑ کر بولا۔۔۔۔ ’’چلو میرے ساتھ‘‘۔

پرویز کو پتہ ہی نہ چلا۔ وہ آگے نکل گیا۔ بختی نے شور شرابہ نہ کیا نہ کسی ایسے ردِعمل کا اظہار کیا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ زیادہ بولی تو انارکلی کا ہجوم اس کا تماشائی بن جائے گا۔ اس نے سعید سے ہنستے ہوئے کہا چلتی ہوں، میرا بازو چھوڑ دو۔ وہ پرویز کو دیکھ رہی تھی جو چند قدم آگے نکل گیا تھا۔ اس نے پرویز کو آواز دینے سے بھی گریز کیا۔

پرویز خود ہی رک گیا اور پیچھے دیکھا۔ یہ دیکھ کر تو پرویز حیران رہ گیا ہوگا کہ ایک جوان آدمی نے بختی کا بازو پکڑ رکھا ہے اور اسے اپنی طرف گھسیٹ رہا ہے۔ بختی نے ہاتھ اوپر کر کے پرویز کو اشارہ کیا اور پرویز تقریباً دوڑتا ہوا اس تک پہنچا۔ بختی نے پرویز کو بتایا کہ یہ سعید ہے اور اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہہ رہا ہے۔

’’لوگوں کو تماشا نہ دکھاؤ سعید!‘‘۔۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔۔ ’’یہ پرویز صاحب ہیں اور ان کے ساتھ میری شادی ہو چکی ہے‘‘۔

"سب جھوٹ ہے"۔۔۔ سعید نے کہا۔۔۔ "تم میری منگیتر ہو، تمہارے شادی کسی اور کے ساتھ نہیں ہو سکتی...... چلو میرے ساتھ"۔

بختی نے دھیمی آواز میں پرویز سے کہا کہ اس سے گلو خلاصی کراؤ، لوگ تماشا بنا لیں گے۔ سعید اس کا بازو نہیں چھوڑ رہا تھا اور وہ پرویز کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا کہ اس کی بھی کوئی حیثیت ہے۔ پرویز نے سعید کے بازو پر زور سے ہاتھ مارا کہ اس کے ہاتھ سے بختی کا بازو چھوٹ جائے۔

"او بے وقوف!"۔۔۔ پرویز نے سعید سے کہا۔۔۔ "یہ میری بیوی ہے، فوراً اس سے ہاتھ ہٹالو"۔

"تم پیچھے کھڑے رہو"۔۔۔ سعید نے ایک ہاتھ پرویز کے سینے پر رکھ کر اور اسے دھکا دے کر کہا۔۔۔ "میری منگیتر تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی"۔

"لوگوں کو تماشا نہ دکھاؤ سعید!"۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ "ہمارے ساتھ چلو، گھر بیٹھ کر بات کریں گے"۔

سعید نے پرویز کو دھکا دے کر بھڑکا دیا تھا۔ پرویز کی برداشت ختم ہو رہی تھی۔ اس نے سعید سے کہا کہ وہ فوراً اسے چھوڑ دے ورنہ وہ بہت پچھتائے گا۔

"ارے جا!"۔۔۔ سعید نے حقارت کے لہجے میں کہا۔۔۔ "تم میری منگیتر کو لے جا رہے ہو اور الٹا مجھ پر رعب ڈالتے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ تمہارے دانت توڑ دوں گا"۔

پرویز نے اس کے منہ پر گھونسہ مارا۔ سعید بھی آخر صحت مند جوان تھا۔ گھونسے کی ضرب سے وہ تین چار قدم پیچھے کو چلا گیا اور اس طرح آیا جس طرح شیر شکار پر جھپٹنے کے لیے آتا ہے۔ اس نے پرویز کو بڑی ننگی گالی دی۔ پرویز نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک اور گھونسہ جڑ دیا۔

بختی اس کوشش میں تھی کہ یہ صورتِ حال پیدا نہ ہو لیکن وہ محسوس نہ کر سکی کہ سعید دماغی توازن کھو چکا ہے۔ لوگوں کو ایسے تماشوں سے بہت دلچسپی ہوا کرتی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بختی خاصی خوبصورت اور جوان عورت تھی۔ کسی کو اس کے ساتھ ہمدردی نہیں تھی لیکن سب بڑے اشتیاق سے اور بے تابی سے منتظر تھے کہ اس ڈرامے سے کس طرح پردہ اٹھتا ہے اور کیا انکشاف ہوتا ہے کہ یہ خوبصورت لڑکی کس کی منگیتر اور کس کی بیوی ہے اور ان دو جواں سال

آدمیوں میں سچا کون اور جھوٹا کون ہے۔

سعید اپنے آپ کو بہت بڑے چوہدری کا بیٹا تو سمجھتا ہی تھا لیکن وہ اپنے آپ کو بدمعاش بھی سمجھتا تھا۔ بدمعاشوں کی طرح چاقو جیب میں رکھتا تھا۔ ساقی کے ساتھ اس کی لڑائی ہوئی تو اس نے نہ صرف یہ کہ چاقو نکال لیا تھا بلکہ نکال کر بڑی تیزی سے ساقی کو چاقو مار بھی دیا تھا۔ اب اس نے پھر چاقو نکال لیا اور پرویز کی طرف آیا لیکن دو آدمیوں نے اسے پکڑ لیا۔ پرویز کو موقع ملا تو اس نے اس کے منہ پر ایک گھونسہ اور جڑ دیا۔

لوگوں نے پرویز سے کہا کہ وہ سعید کو اس لئے پکڑے ہوئے ہیں کہ چاقو نہ چلا دے، پرویز بھی خیال کرے اور ہاتھ نہ چلائے۔ سعید تو لوگوں کے قابو سے نکلا جا رہا تھا اور بختی شرم سے مری جا رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ یہ لوگ اسے کوئی ایسی ویسی عورت سمجھتے ہوں گے جسے ایک اپنی منگیتر اور دوسرا اپنی بیوی کہہ رہا ہے۔ انار کلی کا ہجوم وہاں جام ہو کر رہ گیا تھا اور ہر کوئی پوچھتا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ بعض لوگ کچھ بھی نہ جانتے ہوئے بھی اپنی اپنی رائے دے رہے تھے۔ ان کی رائے میں طنز بھی تھی اور مذاق بھی۔

تین بزرگ اور معزز قسم کے آدمی آگے آئے۔ انہوں نے پرویز اور سعید کو ڈانٹ کر چپ کرا دیا اور بختی سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ بختی نے پرویز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کے ساتھ اس کی شادی ہو چکی ہے اور یہ شخص یعنی سعید ایک بڑے چوہدری کا بیٹا ہے جو اس کے پیچھے پڑا رہتا تھا اور اب اسے اپنی منگیتر کہہ رہا ہے۔

"سب جھوٹ ہے"۔۔۔ سعید نے شدید غصے کے لہجے میں کہا۔۔۔ "ان کی شادی نہیں ہوئی۔ یہ مجھ سے بھاگ رہی ہے"۔

ان معزز آدمیوں نے پرویز اور سعید سے کہا کہ وہ تھانے چلے جائیں اور وہاں اپنا اپنا کیس پیش کریں۔ ایسے معاملات لڑنے جھگڑنے سے طے نہیں ہوا کرتے۔

"یہ ہمارے ساتھ غنڈہ گردی کر رہا ہے"۔۔۔ پرویز نے کہا۔۔۔ "میں اس کی غنڈہ گردی کا جواب دوں گا۔ یہ مجھے چاقو سے ڈرا رہا ہے"۔

پرویز سعید کو للکار رہا تھا اور دو تین آدمی اسے روک رہے تھے اور سعید دو تین آدمیوں کے قابو میں آیا ہوا بدمست بھینسے کی طرح پھنکار رہا تھا۔

+++

چوہدریوں کے گھر رہتی تھی اور جب صبح مارکیٹ جاتی تو سعید اس کے پیچھے لگ جاتا اور تنگ کرتا تھا۔ دوسرے چوہدریوں کے بیٹے نے اسے منع کیا تو اس نے اسے چاقو مار کر زخمی کر دیا اور یہ لڑائی تھانے تک جا پہنچی۔ سعید کے باپ نے ساقی کے باپ کی منت سماجت کر کے راضی نامہ کیا تھا۔

تھانیدار نے جب یہ واقعہ سنا تو اس نے پوچھا کہ یہ واقعہ کب ہوا تھا۔ کوئی زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا تھا۔ بختی نے بتایا۔ تھانیدار نے اسی وقت ماڈل ٹاؤن تھانے فون کیا۔ وہاں کے تھانیدار کو یہ واقعہ یاد دلایا کہ فلاں چوہدری کے بیٹے نے فلاں چوہدری کے بیٹے کو چاقو مارے تھے۔ تھانیدار کو یہ واقعہ یاد تھا۔ دو چار مہینے پہلے کا ہی تو یہ واقعہ تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ لڑکا سعید دماغی لحاظ سے صحیح نہیں۔ مختصر یہ کہ اس تھانے سے جو رپورٹ ملی وہ سعید کے خلاف جاتی تھی۔

بختی نے یہ بھی بتایا کہ سعید کی منگنی ایک گھر میں ہوئی تھی جو سعید کے پاگل پن کی وجہ سے لڑکی والوں نے توڑ دی تھی۔ اس کے بعد سعید نے بختی کو اپنی منگیتر کہنا شروع کر دیا۔ پرویز نے تھانیدار کو اپنے گھر ایڈریس دیا اور اس مولوی کا نام بھی بتایا جس نے نکاح پڑھایا تھا۔

ساری بات کھل کر سامنے آ گئی۔ سعید جو بھی بات کرتا تھا اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ یہ شخص دماغی لحاظ سے ٹھیک نہیں۔ تھانیدار نے اسے باہر بٹھا دیا اور پرویز سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ سعید پر دفعہ لگائی جا سکتی ہے جس میں اسے کم از کم ایک سال سزا بھی مل سکتی ہے اور پرویز چاہے تو سعید کو چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔

پرویز نے کہا کہ وہ بالکل نہیں چاہتا کہ سعید کے خلاف مقدمہ بنے اور اسے سزائے قید ملے، وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ سعید کی ضمانت لی جائے یا کوئی ایسا بندوبست کیا جائے کہ یہ پھر بختی کی طرف نہ دیکھے اور پھر ایسی حرکت نہ کرے جو اس نے آج کی ہے۔

''ایک کام کریں صاحب!'' — سی آئی ڈی کے ہیڈ کانسٹیبل نے کہا — ''اسے آج رات حوالات میں رکھیں اور تفتیش کے بہانے اسے سونے نہ دیں۔ چاہئے تو یہ کہ اس کے باپ کو ابھی اطلاع دی جائے کہ اس کا بیٹا ایک سنگین واردات میں حوالات میں بند ہے لیکن یہ اطلاع آپ کل صبح دیں تا کہ باپ کو بھی کچھ سبق حاصل ہو۔ رات بھر تو وہ اپنے بیٹے کو ڈھونڈتا پھرے گا کہ وہ گیا کہاں!''

''پھر ایسے کرتے ہیں'' — تھانیدار نے کہا — ''پرویز صاحب گھر چلے جائیں اور کل

صبح نو بجے یہاں آ جائیں اور نکاح نامہ لے آئیں۔ ان کی بیگم کو آنے کی ضرورت نہیں۔ میں اس شخص کے باپ کو صبح ہی صبح اطلاع دے کر تھانے بلالوں گا''۔

پرویز بختی کو ساتھ لئے تھانے سے چلا گیا۔

+ + +

یہ تو بختی کو معلوم نہ تھا کہ تھانے میں سعید کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے اور گھر سے سعید کی غیر حاضری پر اس کے ماں باپ کتنے پریشان ہوں گے اور اس کا باپ اسے کہاں کہاں ڈھونڈتا پھرا ہوگا۔

اگلی صبح نو بجے پرویز انارکلی تھانے چلا گیا۔ سعید کا باپ تھانے میں آ گیا تھا۔ تھانیدار نے صبح صبح ہی اسے فون پر اطلاع دے دی تھی۔ پرویز گیا تو تھانیدار نے دونوں کو اپنے کمرے میں بلایا اور تعارف کرایا۔ سعید کا باپ جو اپنے آپ کو اپنے سے کمتر لوگوں کا مہاراجہ سمجھتا تھا جھکا جھکا سا اور بجھا بجھا سا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے بیٹے کو بلاوجہ نہیں پکڑا گیا ہوگا۔ اس بیٹے کو اس نے خود ہی بگاڑا تھا اور اب بیٹا پوری طرح بے لگام ہو گیا تھا۔

''انسپکٹر صاحب مجھے بتا چکے ہیں کہ میرے بیٹے نے کیسی بیہودہ حرکت کی ہے'' — سعید کے باپ نے پرویز سے کہا — ''میں آپ سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے بیٹے کو معاف کر دیں اور میں بھی معافی مانگتا ہوں''۔

''اس جرم پر غور کریں جو آپ کے بیٹے نے کیا ہے'' — پرویز نے کہا — ''میں اکیلا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ خود ہی سوچیں کہ انارکلی جیسے بھرے بازار میں آپ کے بیٹے نے میری بیوی کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹا اور کہا کہ یہ اس کی منگیتر ہے اور اس کی شادی نہیں ہوئی۔ تماشائی میری بیوی کو شک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور آدمیوں کی آوازیں میرے کانوں میں پڑیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ کوئی بازاری عورت ہے جس نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑا دیا ہے''۔

''یہ بھی سوچیں چوہدری صاحب!'' — تھانیدار نے سعید کے باپ سے کہا — ''آپ کا بیٹا پہلے ایک آدمی پر چاقو چلا چکا ہے اور آپ نے اسی طرح منت سماجت کر کے اسے چھڑا لیا تھا۔ اس نے ایک اور سنگین جرم کیا ہے۔ اگر یہ اس کا پہلا جرم ہوتا تو میں پرویز صاحب کی رضامندی حاصل کر کے معاملہ یہیں رفع دفع کر دیتا لیکن یہ اس کا دوسرا جرم ہے''۔

یہ پاکستان کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے جب پولیس نے قانون کو سب کے لیے یکساں رکھا ہوا تھا۔ قانون ابھی ان بڑے چوہدریوں کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ تھانیدار اس لیے بھی دیانتدار اور فرض شناس بنا ہوا تھا کہ پرویز کوئی عام سا شہری نہ تھا بلکہ سی آئی ڈی ہیڈ کوارٹر کا سٹینو تھا جس کا براہِ راست رابطہ بڑے افسروں کے ساتھ رہتا تھا۔

یہ تو گذشتہ روز ہی پرویز اور سی آئی ڈی کے ہیڈ کانسٹیبل نے طے کر لیا تھا کہ سعید کے خلاف مقدمہ نہیں بنائیں گے لیکن سعید اور اس کے باپ کو اس حال تک پہنچا دیں گے کہ سعید آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

تھانیدار ایسا تاثر دے رہا تھا جیسے وہ سعید کو چھوڑے گا نہیں اور پرویز کہتا تھا کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل پرسوں سعید پھر کہیں میاں بیوی کو مل جائے اور اس سے بھی زیادہ بے ہودہ حرکت کر گزرے۔ سعید کا باپ منت سماجت کے سوا کچھ بھی نہیں کہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ معاملہ سنگین ہے۔ تھانیدار نے اسے کہہ دیا تھا کہ اس کے بیٹے کا یہ کیس کورٹ میں جائے گا تو ماڈل ٹاؤن تھانے کا ریکارڈ بھی پیش کیا جائے گا جس سے یہ ثابت ہوگا کہ سعید عادی مجرم ہے۔

چوہدری کیسے برداشت کر لیتا کہ اس کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا جیل یا پاگل خانے میں بند ہو جاتا۔ اس نے دیکھا کہ منت سماجت کام نہیں کر رہی تو نقد نذرانے پیش کرنے پر آ گیا..... تھانیدار کو الگ اور پرویز کو الگ...... دونوں نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ آخر پرویز نے محسوس کیا کہ چوہدری بالکل ہی قدموں میں بیٹھ گیا ہے تو اس نے تھانیدار سے کہا کہ وہ دیکھ لے کہ معافی کی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں۔ پرویز اپنے ساتھ نکاح نامہ لے گیا تھا لیکن اس کا ذکر ہی نہ آیا۔ ذکر تو تب آتا کہ چوہدری یہ کہتا کہ وہ ثبوت چاہتا ہے بختی کے ساتھ پرویز کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو جانتا تھا کہ وہ انتہائی گھٹیا حرکت تک پہنچ سکتا ہے۔

آخر تھانیدار نے چوہدری سے کہا کہ وہ ذاتی مچلکہ لکھ دے کہ اپنے بیٹے کی ہر مجرمانہ حرکت کا ذمہ دار ہوگا اور اگر اس کے بیٹے نے پھر کوئی ایسی حرکت کی تو چوہدری دس ہزار روپیہ زرِ ضمانت تھانے میں جمع کروائے گا۔

چوہدری کی جان میں جان آئی۔ اس نے مچلکہ لکھ دیا اور اسے قانونی حیثیت دینے کے لیے تھانیدار نے جو کاغذی کارروائی کرنی تھی وہ کر دی اور ایک کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ سعید کو

حوالات سے نکال لائے۔ تھوڑی سی دیر میں سعید کانسٹیبل کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا سر ڈول رہا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ رات کو اسے کسی نے سونے نہیں دیا۔ چوہدری جب تھانے میں آیا تھا تو اسے سعید سے ملنے نہیں دیا گیا تھا۔ وہ سعید کو اب دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی باپ نے اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

سعید نے پرویز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے مجھے انارکلی میں گھونسے مارے تھے۔ گھونسوں کے نیلے نیلے نشان سعید کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔

''تو کیا یہ تمہارے گلے میں ہار ڈالتے؟''۔۔۔ چوہدری نے سعید سے کہا۔۔۔ ''تم نے انارکلی میں ان کی بیگم کی بے عزتی کی ہے......''

''وہ اس کی بیگم نہیں ہے''۔۔۔ سعید نے بھڑک کر کہا۔۔۔ ''وہ میری منگیتر ہے''۔

چوہدری نے اسے ڈانٹا اور گالیاں بھی دیں اور کہا کہ اس نے اس کی اور سارے خاندان کی بے عزتی کر ڈالی ہے لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ سعید پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا اور اسے تو جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور یہ معاملہ کس قدر سنگین ہے اور اس کے نتائج اس کے لیے بڑے ہی بھیانک ہو سکتے ہیں۔

تھانیدار نے کانسٹیبل کو اشارہ کیا کہ وہ سعید کو ابھی باہر لے جائے۔ کانسٹیبل اسے لے گیا۔ سعید یہ کہتا ہوا تھانیدار کے کمرے سے نکلا کہ وہ اپنی منگیتر کو ساتھ لے کر ہی یہاں سے جائے گا۔

''چوہدری صاحب!''۔۔۔ تھانیدار نے سعید کے باپ سے کہا۔۔۔ ''اللہ نے آپ کو بہت دیا ہے۔ اس کا علاج کروائیں۔ دماغی امراض کے کسی سپیشلسٹ کو دکھائیں ورنہ یہ لڑکا کسی روز سرکاری طور پر پاگل خانے میں پہنچا دیا جائے گا یا آپ کو کسی اور مصیبت میں ڈال دے گا۔ پرویز صاحب بھلے آدمی ہیں۔ میں اب آپ کو بتاتا ہوں کہ ان کا تعلق سی آئی ڈی سے ہے۔ یہ تو آپ کے خلاف بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن خاندانی آدمی ہیں اس لیے انہیں ہم نے جیسا کہا انہوں نے ویسا ہی مان لیا''۔

''آپ نے خود دیکھ لیا ہے چوہدری صاحب!''۔۔۔ پرویز نے کہا۔۔۔ ''آپ کے بیٹے کو ذرا سا بھی احساس نہیں کہ اس نے کیا کیا ہے اور اب وہ کہاں ہے اور اس کے معزز باپ کی بے عزتی ہو رہی ہے۔ اس کا علاج بہت ضروری ہے۔ ہر کوئی میری طرح نہیں ہوتا کہ برداشت

کرے گا۔ کسی اور کے ساتھ ایسی حرکت کر بیٹھا تو یہ کوئی نہیں دیکھے گا یہ بے چارا ذہنی طور پر معذور ہے''۔

چوہدری بالکل خاموش تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ دوسروں پر حکومت کرنے والا اپنے بیٹے کے آگے مجبور اور بے بس ہو گیا تھا۔ آخر تھانیدار نے اسے کہا کہ وہ بیٹے کو لے جائے۔ چوہدری آہستہ آہستہ اٹھا۔ وہ تھک ہار گیا تھا۔ اس نے تھانیدار سے پھر پرویز سے ہاتھ ملایا اور چلا گیا۔ سعید کو بھی ساتھ لے گیا۔

پرویز نے شام کو گھر جا کر یہ ساری باتیں بختی کو سنائیں۔ بختی نے یہ سارا واقعہ مجھے سنا کر کہا کہ اسے اس سے ذرا سا بھی سکون اور اطمینان نہ ملا کہ تھانے میں سعید اور اس کے باپ کی چوہدراہٹ مٹی میں ملا دی گئی تھی اور اتنی زیادہ بے عزتی کے بعد سعید کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہو گی۔ دراصل بختی سعید کو اتنی باریکی سے جانتی تھی جتنا اسے اس کا اپنا سگا باپ بھی نہیں جانتا تھا۔ بختی نے پرویز سے کہا کہ وہ پھر بھی اس پگلے سعید سے ہوشیار رہے۔ پاگل آدمی تو انتہائی خطرناک حرکت بھی کر سکتا ہے۔ ہوش و حواس ٹھکانے رکھنے والا دشمن اتنا خطرناک نہیں ہوتا۔ وہ کوئی کارروائی کرتا ہے تو سوچ سمجھ کر اور نتائج کو سامنے رکھ کر کرتا ہے۔

پرویز بختی کو تسلیاں دیتا تھا کہ وہ اتنا بھی پریشان نہ ہو جایا کرے، سعید اور اس کا باپ کوئی جن بھوت تو نہیں!

+++

اس سے آگے بختی نے مجھے جو بات سنائی وہ ایک اور خطرناک واردات تھی۔ رات دس بجے کا وقت ہو گا۔ موسم سردیوں کا تھا۔ سب لوگ کمروں میں رضائیوں میں دبکے ہوئے تھے۔ باہر والے دروازے پر دستک ہوئی۔ پرویز اور بختی اپنے کمرے میں تھے۔ ان کا کمرہ ڈیوڑھی کے ساتھ تھا اس لیے پرویز یہ کہتا ہوا اٹھا کہ نہ جانے اس وقت کون آیا ہے۔ وہ دروازہ کھولنے کے لیے چلا گیا۔

بختی اس انتظار میں رہی کہ پرویز آ کر بتائے گا کہ یہ کون تھا۔ پرویز کے گھر کے دیگر افراد سو گئے تھے۔ خاصا وقت گزر گیا، پرویز واپس نہ آیا۔ آخر بختی کچھ پریشان سی ہو کر باہر نکلی۔ دروازہ کھلا تھا۔ گلی میں جا کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ بختی اس خیال سے واپس آ گئی کہ پرویز کا کوئی دوست ہو گا اور پرویز کو کہیں لے گیا ہو گا اور وہ ابھی آ جائے گا۔

بختی پرویز کے انتظار میں جاگتی رہی وقت گزرتا چلا گیا، پرویز واپس نہ آیا۔

پورا ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اب بختی پریشان ہونے لگی۔ پرویز نے ایسے کبھی نہیں کیا تھا۔ رات کو تو وہ باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ اگر کبھی کچھ دیر کے لیے جانا ہوتا تو بختی کو بتا دیتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کتنی دیر بعد واپس آئے گا۔ اگر اسے دوست کے ساتھ زیادہ دیر کے لئے جانا ہوتا تو بختی کو بتا کر جاتا۔ بختی سوچنے لگی کہ وہ کیا کرے۔ وہ زیادہ سے زیادہ پرویز کے باپ کو بتا سکتی تھی لیکن یہ سوچ کر چپ رہی کہ وہ سوئے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے کہ پرویز بچہ تو نہیں، واپس آ جائے گا۔

بختی کو یقین کی حد تک شک ہو رہا تھا کہ پرویز کا یوں لاپتہ ہو جانا خیریت والی بات نہیں۔ وہ کسی کے ساتھ گیا نہیں بلکہ اسے لے جایا گیا ہے۔ اپنا یہ شک وہ گھر والوں کو بتاتی تو کوئی بھی نہ مانتا۔ سعید کے متعلق پرویز اور بختی نے اپنے والدین کو اتنی زیادہ باتیں کبھی بتائی ہی نہیں تھیں۔

آدھی رات گزر گئی اور پھر ایک بج گیا۔ اب تو بختی کو یقین ہو گیا کہ معاملہ مشکوک ہے۔ اس وقت تک بختی دس بارہ مرتبہ باہر جا کر گلی میں دیکھ چکی تھی۔ گلی سنسان پڑی تھی۔ آخر اس نے پرویز کی ماں کو جگایا اور بتایا کہ دس بجے کوئی آیا تھا، پرویز نے جا کر دروازہ کھولا اور وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔

ماں بھی پریشان ہو گئی۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا تھا کہ پرویز کو رات دفتر بلایا گیا ہو۔ اگر اسے دفتر سے ہی پیغام آیا تھا وہ بتا کر جاتا کہ دفتر میں بلایا گیا ہے۔ دونوں عورتیں بیٹھی سوچتی رہیں کہ پرویز گیا کہاں۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اتنی دیر میں پرویز کا باپ پیشاب کے لیے اٹھا تو ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر پوچھا کہ وہ کیوں بیٹھی ہیں۔ انہوں نے باپ کو بتایا۔

باپ بھی سوچ میں پڑ گیا۔ سوچ سوچ کر باپ نے کہا صبح تک پرویز نہ آیا تو وہ اس کے دفتر جائے گا اور پھر دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔ بختی اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ تو اندر سے کانپ رہی تھی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ خیریت نہیں۔ اس نے وضو کیا اور نفل پڑھنے لگی۔ آٹھ دس رکعت نماز نفل پڑھ کر وہ پرویز کی سلامتی اور واپسی کی دعا کرتی تھی اور اس کے بعد پھر نفل پڑھنے لگتی تھی۔

فجر کی اذان ہوئی تو بختی نے نماز پڑھی اور پھر صبح کا اجالا نکھرنے لگا۔ پرویز کا باپ بھی

جاگتا رہا تھا۔ جب سورج طلوع ہوا تو باپ نے کہا کہ وہ پرویز کے دفتر جا رہا ہے۔ وہ تیار ہو کر گھر سے نکل گیا اور پرویز کے دفتر جا پہنچا۔ دفتر کا سٹاف اور افسر بھی پرویز کے باپ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ پہلے تو سٹاف کے آدمیوں نے اس سے پوچھا کہ پرویز کیوں نہیں آیا اور وہ اتنا پریشان کیوں لگتا ہے۔

باپ نے انہیں بتایا کہ پرویز رات دس بجے گھر سے نکلا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔ سارے سٹاف کو معلوم تھا کہ ایک بڑے چوہدری کے بیٹے کے ساتھ پرویز کا دنگا فساد ہوا تھا اور بات تھانے تک پہنچ گئی تھی۔ پرویز نے خود ہی اپنے ساتھیوں کو سنایا تھا کہ یہ معاملہ کیا تھا۔ اب انہوں نے سنا کہ پرویز لاپتہ ہو گیا ہے تو تقریباً سب نے کہا کہ پرویز کو اگر لاپتہ یعنی اغوا کیا گیا ہے تو یہ اس چوہدری کا یا اس چوہدری کے اس بیٹے کا ہی کام ہے۔ پرویز کا باپ پورے یقین کے ساتھ کہتا تھا کہ پرویز کی کسی اور کے ساتھ دشمنی نہیں۔

ایک انسپکٹر آ گیا اور پھر وہ ہیڈ کانسٹیبل آ گیا جس نے پرویز کو انارکلی میں سعید کے ساتھ لڑتے جھگڑتے دیکھا تھا۔ ان دونوں کو پتہ چلا تو ہیڈ کانسٹیبل نے کہا کہ چوہدری کا بیٹا وار کر گیا ہے۔ دفتر میں اس مسئلے پر بحث شروع ہو گئی۔ ہیڈ کانسٹیبل نے تو سعید کو اچھی طرح دیکھا تھا اور اس کی باتیں بھی سنی تھیں۔ اس نے کہا کہ اس طرح کا پاگل آدمی کوئی بھی حرکت کر سکتا ہے جو ہوش و حواس والا آدمی کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

یہ لوگ سی آئی ڈی کے تجربہ کار آدمی تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ سعید کا باپ جس بڑی حیثیت کا چوہدری ہے، اس حیثیت کے چوہدری اپنے ساتھ دو چار غنڈے رکھتے ہیں اور انہیں اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اس طرح کے پالے ہوئے غنڈے بدمعاش اور جرائم پیشہ لوگ چوہدریوں کے گھروں کے دیگر افراد کے کام بھی کرتے ہیں۔

انسپکٹر اور ہیڈ کانسٹیبل نے پرویز کے باپ کو اپنے ڈی ایس پی سے ملوا دیا۔ ڈی ایس پی کو باپ نے پرویز کی گمشدگی کی اطلاع دی۔ ہیڈ کانسٹیبل بغیر بلائے ڈی ایس پی کے آفس میں چلا گیا اور اسے بتایا کہ چند روز پہلے پرویز کے ساتھ ماڈل ٹاؤن کے فلاں چوہدری کے بیٹے نے بہت بڑا جھگڑا کیا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے اس لڑائی جھگڑے کی تفصیل سنائی تو ڈی ایس پی نے بھی یہی رائے دی کہ پرویز اگر اغوا ہوا ہے تو چوہدری کے اس بیٹے نے کروایا ہے۔

’’لیکن ہم اسے اندھا دھند نہیں پکڑیں گے‘‘ ۔۔۔ ڈی ایس پی نے کہا ۔۔۔ ’’کچھ نہ کچھ شہادت ہونی چاہئے‘‘۔

’’میری بہو یعنی پرویز کی بیوی کچھ زیادہ باتیں جانتی ہے‘‘ ۔۔۔ پرویز کے باپ نے کہا ۔۔۔ ’’رات اس نے کچھ ایسی باتیں کی تھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کچھ اندر کی باتیں بھی معلوم ہیں۔ چوہدری کے اس بیٹے کے ساتھ میری بہو کا تعلق زیادہ رہا ہے اور وہ ان کے ہاں کچھ دن رہ بھی چکی ہے‘‘۔

ڈی ایس پی نے یہ بات سنی تو پرویز کے باپ سے پوچھا کہ اس کی بہو اس چوہدری کے گھر کیوں رہی تھی۔ کیا اس کی اس خاندان کے ساتھ رشتہ داری ہے؟...... پرویز کے باپ نے بتایا کہ بختی کس مجبوری کے تحت اس چوہدری کے گھر رہی تھی۔

پرویز کے باپ سے جب ڈی ایس پی نے باتیں پوچھنی شروع کیں تو اسے محسوس ہوا کہ اس باپ کو ان باتوں کا علم نہیں جو پرویز کا سراغ لگانے کے لیے معلوم ہونی چاہئیں تھیں۔ دراصل پرویز اور بختی نے یہ سب باتیں اپنے ماں باپ کو نہیں بتائی تھیں۔ باپ نے ایک بار پھر کہا کہ اس کی بہو ایسے سوالوں کے جواب دے سکتی ہے جو وہ نہیں دے سکتا۔

’’کیا آپ کی بہو یہاں آ سکتی ہے؟‘‘ ۔۔۔ ڈی ایس پی نے پوچھا اور کہا ۔۔۔ ’’ہم جسے چاہیں اور جہاں چاہیں بلا سکتے ہیں لیکن پرویز کی ہم بہت عزت اور قدر کرتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ایک انسپکٹر کو گھر بھیج دیتا ہوں اور جو کچھ پوچھنا ہے وہ پوچھ لے گا‘‘۔

’’نہیں جناب!‘‘ ۔۔۔ پرویز کے باپ نے کہا ۔۔۔ ’’میں ابھی گھر جا کر بہو کو ساتھ لے آتا ہوں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے بات کرنے والی لڑکی ہے‘‘۔

+++

پرویز کا باپ گھر گیا اور یہ ساری باتیں بختی کو سنائیں اور اسے کہا کہ وہ ابھی اس کے ساتھ پرویز کے آفس چلے۔ بختی نے کہا کہ اس کا شک صرف اس پاگل سعید پر ہے۔ بختی فوراً تیار ہوئی اور پرویز کے باپ کے ساتھ چلی گئی۔ ڈی ایس پی کو اطلاع ملی تو اس نے فوراً انہیں بلا لیا۔

اب تو یقین ہو گیا تھا کہ پرویز کو غائب کیا گیا ہے۔ دن کے بارہ بج رہے تھے اور پرویز ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ اگر وہ خود گیا ہوتا تو اس وقت تک اسے واپس آ جانا چاہئے تھا۔

بختی نے ڈی ایس پی کو بتایا کہ اسے شک ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ پرویز کو چوہدری کے بیٹے سعید نے اغوا کروایا ہے۔ اس شک کی وضاحت کے لیے بختی کو تفصیلی بات سنانی پڑی۔

بختی یہ واضح کر رہی تھی کہ سعید ذہنی لحاظ سے کیسا آدمی ہے اور اس کے یعنی بختی، کے معاملے میں وہ کس قدر حساس ہے۔ اس نے بتایا کہ اس قدر حساس ہے کہ پاگل پن تک پہنچ جاتا ہے۔

بختی نے اس کا ایک ثبوت یوں پیش کیا کہ ساقی اور سعید کی لڑائی کا واقعہ سنایا اور کہا کہ ساقی نے سعید کو منع کیا تھا کہ بختی کو مارکیٹ میں یوں نہ روکا کرے اور اس کا خیال ذہن سے نکال دے۔ اس کے جواب میں سعید نے چاقو نکال لیا اور ساقی کو صرف ڈرایا ہی نہیں بلکہ اسے چاقو مار کر زخمی کر دیا۔ اس کے جواب میں ساقی نے بھی چاقو نکال لیا اور سعید کو چاقو مارا اور یہ معاملہ تھانے تک چلا گیا۔ سعید تو ساقی کو قتل کی دھمکیاں دیتا تھا۔

''میرے سوا اس پگلے سعید کو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''اس نے تو اپنا آپ اس حالت میں بھی ننگا کر دیا تھا جب میں اسے قتلِ عام کے دوران انسانی ہمدردی کی خاطر سہارا دے کر لاہور کی طرف لا رہی تھی۔ یہ اپنے آپ کو شہزادہ سمجھتا تھا جس کا ہر طرف حکم چلتا ہو''۔

پھر بختی نے ڈی ایس پی کو سنایا کہ کس طرح سعید نے ایک خاندان میں کی ہوئی منگنی تڑوا لی تھی۔

''میں نے اپنے دماغ کو حاضر رکھا تھا صاحب!''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''میں جان گئی تھی کہ سعید کے دل میں میری وہ محبت نہیں جسے روحانی یا دلی محبت کہتے ہیں۔ وہ میرے جسم کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کوئی کھلونا کسی بچے کو اچھا لگے تو وہ اس سے کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہوتا...... میری اس وقت کی پوزیشن کو تصور میں لانے کی کوشش کریں صاحب!...... مجھے پناہ کی اور پھر آئندہ زندگی کے لیے بڑی اچھی بنیاد کی ضرورت تھی۔ میں تو خوش قسمت تھی کہ اتنے بڑے چوہدری کا بیٹا میرے ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ شادی کرنے کے لیے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ مجھے اپنے روشن مستقبل کے لیے اس کے ساتھ شادی کر لینی چاہیے تھی لیکن میں اس شخص سے بھاگی بھاگی پھر رہی تھی۔ میں جان گئی تھی کہ یہ شخص ذہنی مریض ہے، اسے اپنے آپ پر کنٹرول حاصل نہیں اور کسی وقت ذرا سا بھی مشتعل ہو کر یہ شخص کسی کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ میں نے اس کے مقابلے میں مڈل کلاس کے ایک آدمی کے ساتھ

شادی کر لی۔ یہ ہے پرویز جسے آپ اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ یہ آپ کا ماتحت ہے''۔

''میں کسی اور شک میں پڑا ہوا ہوں''۔۔۔ ڈی ایس پی نے کہا۔۔۔ ''اگر چوہدری کا یہ بیٹا سعید دماغی لحاظ سے معذور ہے تو اس نے اغوا کی واردات کس طرح کر لی؟...... اغوا کوئی عقلمند آدمی ہی کر سکتا ہے۔ اگر پرویز کو اغوا ہی کیا گیا ہے تو اس واردات کی پلاننگ کسی تجربہ کار آدمی نے کی ہوگی۔ مثلاً پرویز کو باہر بلایا گیا۔ ایسا بالکل نہیں ہوا ہوگا کہ اسے اٹھا کر لے گئے ہوں بلکہ اسے باتوں باتوں میں ذرا دور لے گئے اور اسے کچھ سونگھا دیا ہوگا یا منہ پر کپڑا باندھ کر اٹھا لیا ہوگا۔ ہم نے ایسی وارداتیں دیکھی ہیں، تفتیش کی ہے اور اندازہ کیا ہے کہ اس واردات کے مجرم کتنے ذہین ہوتے ہیں''۔

''سعید اتنا ذہین ہو ہی نہیں سکتا''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''اس کا دماغ اتنا ہی کام کرتا ہے کہ چاقو چلا دیا، لاٹھی چلا دی یا منہ میں جو آیا کہہ دیا لیکن اس کے باپ کے ہاتھ میں کچھ ایسے آدمی ہیں جن میں یہ اوصاف موجود ہیں جو آپ نے بتائے ہیں۔ یہ میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتی ہوں''۔

بختی نے ڈی ایس پی کو اس پیر کا نام لے کر سنایا کہ وہ کس طرح لدھیانہ میں اس کے پیچھے پڑ گیا تھا اور پھر پیر نے اسے اغوا کروایا تھا۔ میں یہ پورا واقعہ پہلے سنا چکی ہوں...... پھر بختی نے سنایا کہ یہاں آ کر سعید کے سلسلے میں ہی سعید کی ماں بختی کو ایک پیر کے پاس قصور لے گئی۔ بختی یہ دیکھ کر حیران اور پریشان ہو گئی کہ یہ وہی لدھیانہ والا پیر ہے۔ اس پیر نے ایک بار پھر بختی کو اپنی گرفت میں لینے کے جتن شروع کر دیئے۔

میں یہ سارا واقعہ بھی پہلے سنا چکی ہوں اور یہ بھی کہ سعید اپنے ایک دوست کے ساتھ اس پیر کے پاس جا پہنچا تھا اور پیر نے اسے اپنے پالے ہوئے بدمعاشوں سے سعید کو پٹوایا تھا۔ بختی نے یہ سارا واقعہ پوری تفصیل سے اس ڈی ایس پی کو سنایا اور بتایا کہ سعید کے باپ کو پتہ چل گیا کہ پیر نے اس کے بیٹے کو پٹوایا ہے۔

چوہدری اپنے ایک دو خاص آدمی لے کر پیر کے ہاں گیا۔ اتفاق سے وہ تین غنڈے وہیں موجود تھے۔ چوہدری کے آدمیوں نے انہیں پہچان لیا۔

''اب دیکھئے صاحب!''۔۔۔ بختی نے ڈی ایس پی سے کہا۔۔۔ ''اس چوہدری کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں اور یہ کیا کچھ کر سکتا ہے۔ مجھے پتہ چلا کہ پیر کے وہ تینوں آدمی چوہدری کی قید

میں ہیں اور چوہدری نے ان کی ہڈی پسلی ایک کروادی ہے...... جو تجربہ آپ کو حاصل ہے وہ مجھے تو نہیں، میں آپ کو کچھ باتیں بتا سکتی ہوں جن سے آپ کوئی نتیجہ یا سراغ حاصل کر سکتے ہیں۔ چوہدری نے پیر کے غنڈوں کو اغوا کروایا ہوگا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پاس ایسے عقل مند جرائم پیشہ موجود ہیں جن کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ اب یہ دیکھنا آپ کا کام ہے کہ پرویز کو چوہدری نے اغوا کروایا ہے یا انہی آدمیوں کو سعید نے اپنے طور پر استعمال کیا اور پرویز کو اغوا کروایا ہے۔ میں کوئی رائے نہیں دے سکتی، یہ ضرور سوچتی ہوں کہ چوہدری اپنے اس بیٹے سے تنگ آچکا ہے۔ دوبار تو اس بیٹے نے اسے تھانے پہنچایا اور چوہدری کو تھانیداروں کی منت سماجت کرنی پڑی۔ پرویز کی بھی اس نے منتیں کیں اور پرویز مان گیا۔ اگر پرویز نہ مانتا اور اس کے بیٹے کے خلاف مقدمہ دائر کرا دیتا تو پھر چوہدری کے پاس انتقام لینے کا جواز آسکتا تھا، وہ سوچ سکتا تھا کہ مقدمہ کرنے والے کو ہی غائب کردو اور مقدمہ خود ہی ختم ہو جائے گا''۔

اس تفتیش اور سراغ رسانی کے متعلق ہر بات بختی کو اسی وقت معلوم نہیں ہوئی تھی نہ ہی کسی کو معلوم ہو سکتا تھا کہ سی آئی ڈی اور دوسری پولیس کیا کارروائیاں کر رہی ہے۔ بختی کو بعد میں یہ ساری باتیں معلوم ہوئی تھیں جو اس نے مجھے سنائیں۔ میں یہ باتیں یہیں لکھ دیتی ہوں تاکہ کہانی کا تسلسل قائم رہے۔

یہ معلوم کرنا پولیس کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا کہ چوہدری نے جو غنڈے بدمعاش پال رکھے ہیں وہ کون کون ہیں۔ ڈی ایس پی بختی اور پرویز کے باپ سے کہا کہ وہ اپنے تھانے میں پرویز کی گم شدگی کی رپورٹ لکھوادیں اور چوہدری اور اس کے بیٹے کے خلاف اپنا شک بھی لکھوائیں۔ پھر ڈی ایس پی خود ہی یہ کیس تھانے سے کرائمز برانچ میں لے آئیگا۔ پھر ڈی ایس پی نے بختی سے کچھ اور ضروری باتیں پوچھیں اور اسے گھر بھیج دیا۔

+++

بختی پرویز کے باپ کے ساتھ وہاں سے اپنے علاقے کے تھانے میں چلی گئی اور پرویز کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوائی۔ تھانیدار نے انہیں بتایا کہ ابھی ابھی کرائمز برانچ کے ڈی ایس پی کا فون آیا ہے اور انشاء اللہ پرویز مل جائے گا۔ بختی نے مجھے سنایا کہ تھانیدار نے ایک ایسی بات کہہ دی جس نے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔

''ہمیں بڑی تیزی سے حرکت کرنی پڑے گی''۔۔۔ تھانیدار نے کہا۔۔۔ ''ایسا نہ ہو کہ وہ

لوگ پرویز کو قتل ہی کر دیں''۔

بختی نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔ تھانیدار نے یہ بات کہہ دی تو بختی کو خیال آیا کہ پرویز کو اگر چوہدری یا سعید نے اغوا کرایا ہے تو وہ قتل بھی کر سکتے ہیں۔ سعید کی کوشش یہی ہوگی کہ پرویز دنیا سے اٹھ جائے اور پھر وہ کوئی چکر چلا کر بختی پر قبضہ کر لے۔ بختی تو اندر باہر سے کانپنے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو فریب دینے کی بہت کوشش کی لیکن جو حقیقی خطرہ تھا وہ ہزار دھکیلنے کے باوجود اس کے ذہن میں آجاتا تھا۔

تھانے میں کیس رجسٹرڈ ہونے کے دو تین دن بعد یہ کیس کرائمز برانچ میں چلا گیا۔ یہ پرویز کے ڈی ایس پی کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ ڈی ایس پی نے ایک تجربہ کار پولیس انسپکٹر کو یہ کیس دے دیا۔ اس زمانے میں پولیس میں ابھی فرض شناسی اور دیانتداری موجود تھی اس لیے یہ کیس سرد خانے میں نہ ڈال دیا گیا بلکہ فوری طور پر تفتیش شروع کر دی گئی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ پرویز ان کے اپنے محکمے کا ایک اہم فرد تھا اور اس محکمے کا ہر افسر اپنی توہین سمجھتا تھا کہ محکمے کے ایک آدمی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔

مخبروں کو بلا کر انہیں ہدایات دی گئیں اور کہا گیا کہ وہ بڑی تیزی سے یہ کام کریں۔ ایک تو یہ معلوم کرنا تھا کہ چوہدری کے وہ خاص غنڈے کون کون ہیں۔

دو دنوں میں ہی پتہ چل گیا کہ وہ کون ہیں۔ مخبروں نے ان کے نام اور ان کی ہسٹری بھی معلوم کر لی تھی...... میں نے پہلے کہا ہے کہ تفتیش کی باتیں بہت بعد بختی کو معلوم ہوئی تھیں جو میں یہیں لکھ رہی ہوں...... ان خاص آدمیوں کی نشاندہی ہو گئی تو انہیں شامل تفتیش کر لینا چاہئے تھا۔ سی آئی ڈی والے انہیں تفتیشی کمرے میں تھوڑی سی دیر کے لیے رکھتے تو وہ سب کچھ اگل دیتے لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ یہ اس لیے کہ انہیں پکڑا جاتا تو چوہدری یا اس کا بیٹا پرویز کو قتل کر دیتے اور اس کی لاش بالکل ہی غائب کر دیتے۔

سی آئی ڈی کے افسروں نے آپس میں بات چیت اور بحث مباحثہ کر کے یہ سوچ لیا تھا کہ چوہدری کے پاس پرویز کو اغوا کرنے کا کوئی جواز موجود نہ تھا لیکن ایک ایسی بات معلوم ہوئی جو چوہدری کے خلاف شک پیدا کرتی تھی۔ بات یہ تھی کہ سعید کی ماں نے ایک دو عورتوں سے کہا تھا کہ اس کا بیٹا بختی کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کر رہا، اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ بختی مل جائے تو وہ اپنے بیٹے کی شادی بختی کے ساتھ ہی کر دے گی۔

یہ بات عورتوں سے مردوں تک پہنچی۔ یہ بھی پتہ چل گیا کہ سعید کے باپ کا بھی یہی خیال ہے لیکن بختی انہیں نہیں مل سکتی تھی کیونکہ وہ پرویز کی بیوی تھی۔ اسے پرویز سے آزاد کرانے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ پرویز کو دنیا کے تختے سے اٹھالیا جاتا۔ تفتیش کرنے والوں نے تو یہ فرض کر بھی لیا تھا کہ پرویز قتل ہو چکا ہے۔

سعید کے باپ کو بڑے آرام سے شاملِ تفتیش کیا جاسکتا تھا۔ سی آئی ڈی کے پاس اقبالِ جرم کروانے کے طریقے موجود تھے لیکن وہی خطرہ سامنے آتا تھا کہ چوہدری کو بلوایا جاتا تو وہ یہ حکم دے کر تھانے آتا کہ پرویز کو بالکل ہی غائب کر دو۔

+++

بختی تنہائی میں رونے اور وضو کر کے اللہ کو یاد کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی تو نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ رات کا زیادہ تر وقت عبادت اور دعا میں گزرتا تھا۔ ہر مشکل میں اللہ نے اس کی مدد کی تھی اور اب بھی اسے اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ تھا۔

بختی کے لیے ایک اور ہی ذہنی اذیت پیدا ہو گئی۔ محلے کی دو لڑکیوں نے اسے بتایا کہ اس کی ساس اور پرویز کی بڑی بہن یہ کہتی پھرتی ہیں کہ ان کے گھر میں بختی کا قدم منحوس ثابت ہوا ہے۔ پرویز کو منع کرتی رہیں کہ کسی اجنبی لڑکی کو بیاہ کر گھر میں نہ لاؤ لیکن اس نے اپنی مرضی کی اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

بختی نے دوسری عورتوں کی زبانی یہ باتیں سنیں تو وہ جل بھن کر رہ گئی لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ جانتی تھی کہ گلی محلوں میں رہنے والی عورتوں کے ذہن اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتے۔ پرویز کی خالہ بھی آئی تھی۔ بختی کو اس عورت سے خطرہ تھا کہ خالہ کو اب موقع ملا ہے کہ بختی کو جی بھر کے رسوا کرے اور پرویز کی ماں کو احساس دلائے کہ اس نے اپنے بیٹے کو بختی کے ساتھ بیاہ کر کتنی بڑی غلطی کی ہے لیکن خالہ بختی کے پاس علیحدگی میں جا بیٹھی اور ایسی باتیں کیں کہ بختی حیران رہ گئی۔ خالہ نے اسے کہا کہ اس کی ساس اور اس کی بیٹی اس کے یعنی بختی کے خلاف زہر اگل رہی ہیں اور بختی اس کی پرواہ نہ کرے اور اللہ کو یاد کرتی رہے۔ بہر حال یہ ایک اور محاذ تھا جو بختی کے خلاف کھل گیا۔ اس نے سوچا کہ پرویز نہ ملا تو یہ عورتیں اسے گھر سے نکال دیں گی اور پھر وہ کہاں جائے گی۔ اسے ہر طرف سے اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا تھا۔ بختی اب نماز اور نفل پڑھتی تو جہاں وہ پرویز کی رہائی کی دعا مانگتی تھی وہاں اب اس نے یہ دعا بھی مانگنی شروع کر

دی کہ اللہ ان عورتوں کو عقلِ سلیم عطا فرما۔

بختی دیکھ رہی تھی کہ پرویز کی ماں اور بہن، عاملوں، پیروں اور خانقاہوں کی طرف چل پڑی تھیں۔ اللہ کے ساتھ انہوں نے جیسے کوئی تعلق رکھا ہی نہیں تھا۔ بختی انہیں کہنا چاہتی تھی کہ سب سے بڑا پیر اور مرشد اللہ ہے اور سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اللہ کے حضور جھکیں اور ان پیروں اور خانقاہوں کو ذہن سے اتار دیں لیکن اس میں اتنی جرات نہیں تھی اور ان میں اتنی عقل نہیں تھی کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرتیں۔

تفتیش کرنے والے سی آئی ڈی انسپکٹر کو اپنے کسی مخبر نے یہ اطلاع دی کہ سعید شام کے بعد جب رات گہری ہو جاتی ہے تانگے میں کہیں چلا جاتا ہے اور پھر معلوم نہیں کس وقت واپس آتا ہے۔ مخبر نے یہ بھی بتایا کہ اس کے ساتھ اس کے باپ کے غنڈوں میں سے ایک آدمی ہوتا ہے۔

انسپکٹر نے اس مخبر سے کہا کہ وہ سعید پر نظر رکھے اور شام کو جب باہر جائے تو سائیکل پر کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے جائے اور دیکھے کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کب واپس آتا ہے۔

اگلا روز گزر گیا۔ اس سے اگلے روز یہ مخبر صبح سویرے سی آئی ڈی کے دفتر میں آیا اور انسپکٹر کو یہ اطلاع دی کہ گذشتہ رات سعید گھر سے نکلا۔ کچھ دور گیا تو اسے وہی غنڈہ ملا جو اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ سعید نے تانگہ روکا اور اس آدمی کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ تانگہ ان لوگوں کا اپنا تھا۔

تانگہ پھر چل پڑا۔ مخبر اتنی دور تھا کہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ویسے بھی رات کا وقت تھا جس میں اندھیرے کا پردہ بہت فائدہ دے رہا تھا۔ مخبر محفوظ فاصلہ رکھ کر تانگے کے پیچھے گیا۔ تانگہ ماڈل ٹاؤن کے علاقے سے نکل گیا۔ ان دنوں وہاں کوئی گنجان آبادی نہیں تھی۔ آج کل ماڈل ٹاؤن اتنا زیادہ پھیل گیا ہے کہ یہ ایک الگ شہر بن گیا ہے۔ اس زمانے میں یہاں سے تھوڑی دور آگے چھوٹا سا ایک گاؤں ہوا کرتا تھا جس کا اب نام و نشان نہیں ملتا۔ اب وہاں کوٹھیاں اور بنگلے کھڑے ہیں۔

تانگہ اس گاؤں میں داخل ہوا۔ مخبر گاؤں تک چلا گیا اور سائیکل ایک فصل میں چھپا دی۔ چھپتا چھپاتا گاؤں میں گیا۔ تانگہ رک گیا تھا اور سعید اور اس کا ساتھی تانگے سے اتر رہے تھے۔ مخبر ایک موزوں جگہ چھپ کر دیکھتا رہا۔ رات تاریک تھی۔ آدمیوں کے صرف سائے

سے نظر آتے تھے۔ سعید نے ایک دروازے پر بڑی آہستہ سے دستک دی۔

دروازہ کھلا اور یہ دونوں اندر چلے گئے۔ مخبر انتظار کرتا رہا۔ کم و بیش ایک گھنٹہ گزر گیا سعید اور اس کا ساتھی باہر آئے۔ مخبر کے کانوں میں سعید کی یہ آواز پڑی ـــــ ''کل پھر آئیں گے''ـــــ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دونوں تانگے میں بیٹھے اور تانگہ گاؤں سے نکل گیا۔

+++

اچھا ہوا یہ پتہ چلا گیا کہ سعید کل پھر یہاں آئے گا۔ اگلی رات سعید اسی تانگے پر اپنے اسی غنڈے کے ساتھ اس گاؤں میں داخل ہوا اور تانگہ وہیں رکا جہاں گذشتہ رات رکا تھا۔ دونوں تانگے سے اترے اور اسی دروازے پر دستک دی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ سعید اور اس کا ساتھی اندر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد سی آئی ڈی کا انسپکٹر پانچ چھ کانسٹیبلوں کے ساتھ گاؤں میں داخل ہوا اور اس دروازے پر دستک دی۔ دروازہ نہ کھلا تو انسپکٹر نے اور زیادہ زور سے دستک دی۔ دروازہ پھر بھی نہ کھلا۔ یہ گاؤں کا کچا سا مکان تھا جس کی بیرونی دیوار کوئی زیادہ اونچی نہیں تھی۔

انسپکٹر نے ایک کانسٹیبل کو اس طرح دیوار کے ساتھ کھڑا کیا کہ اس کی پیٹھ دیوار کے ساتھ تھی۔ انسپکٹر نے ایک اور کانسٹیبل سے کہا کہ وہ اس کانسٹیبل کے ہاتھوں اور کندھوں پر پاؤں رکھ کر دیوار پر چلا جائے اور اندر کود کر دروازہ کھول دے۔ یہ کانسٹیبل اس طریقے سے فوراً دیوار پر پہنچ گیا اور اندر کود گیا۔ اس نے دوڑ کر دروازے کی زنجیر کھول دی۔

ایک آدمی کمرے سے نکلا اور دوڑ کر دیوار پر چڑھنے لگا۔ کانسٹیبل کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس نے رائفل لاٹھی کی طرح اس آدمی کے کولہوں پر ماری اور وہ آدمی دیوار پر چڑھتے چڑھتے نیچے آپڑا۔ اتنے میں انسپکٹر اپنے تمام کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اس کے ساتھ یہی کانسٹیبل نہیں تھے۔ کچھ کانسٹیبلوں کو اس نے چھوٹے سے اس گاؤں کے اردگرد پھیلا دیا تھا تاکہ کوئی آدمی بھاگے تو اسے پکڑ لیں۔

اس مکان کے دو کمرے تھے ایک کے دروازے کی درزوں میں سے دیے یا لالٹین کی روشنی باہر آ رہی تھی۔ انسپکٹر نے اس دروازے پر بڑی زور سے پاؤں مارا اور دروازہ کھل گیا اندر جا کر دیکھا پرویز چارپائی پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک تو سعید کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ تیسرا آدمی بھاگتے ہوا پکڑا گیا تھا۔ چارپائی پر دو تین سفید کاغذ پڑے ہوئے

تھے اور ایک پن ان کاغذوں پر رکھا تھا۔

انسپکٹر پرویز کو پہچانتا تھا۔ اس نے سعید کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انسپکٹر کے اشارے پر سعید اور اس آدمی کو کانسٹیبلوں نے پکڑ لیا۔ سعید پر خاموشی طاری تھی۔ اسے تو جیسے پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ کیا کہے اور کیا کرے۔ پرویز اٹھ کھڑا ہوا۔ انسپکٹر نے اس سے ہاتھ ملایا اور پوچھا کہ یہاں تک کس طرح پہنچا ہے۔ پرویز نے اتنا ہی کہا کہ اسے ان لوگوں نے اغوا کیا تھا۔

انسپکٹر نے گاؤں کے تین چار آدمیوں کو بلایا اور انہیں گواہ بنایا کہ اس نے پرویز کو یہاں سے برآمد کیا ہے۔ بہرحال یہ پولیس کی کارروائیاں تھیں جو انسپکٹر نے پوری کی ہوں گی۔ میں آپ کو مختصر بات سناتی ہوں جو ان سب کے بیانات سے سامنے آئی۔

یہ واردات اس طرح ہوئی تھی کہ سعید نے اپنے باپ کے تین غنڈوں کو بہت زیادہ رقم دی، ولایتی شراب کی دو بوتلیں بھی دیں اور کہا کہ پرویز کو اغوا کر کے اس جگہ پہنچانا ہے جہاں سے اسے برآمد کیا گیا تھا۔ پیر کے آدمیوں کو ان تینوں غنڈوں نے ہی اغوا کیا تھا اور اس گاؤں میں اور اسی مکان میں رکھا تھا۔

یہ تینوں لالچ میں آ گئے۔ انہوں نے پرویز کو دیکھا اور اس کے گھر کو بھی دیکھ لیا۔ واردات والی رات ان میں ایک آدمی نے رات دس بجے پرویز کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ پرویز نے کھولا۔ اس آدمی نے پرویز سے کہا کہ سی آئی ڈی کا سب انسپکٹر یہاں ایک گھر میں آیا ہوا ہے وہ پرویز کو تھوڑی سی دیر کے لیے بلا رہا ہے۔

پرویز نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ اس سب انسپکٹر کا نام کیا ہے۔ وہ ساتھ چل پڑا۔ تھوڑا ہی آگے ایک اندھیری گلی میں گئے۔ وہاں دو آدمی کھڑے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر پرویز کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ تیسرے آدمی نے پرویز کی ناک پر ایک رومال رکھ دیا پھر اسے ہوش نہ رہی۔ ہوش میں آیا تو وہ اس کمرے میں چارپائی پر پڑا تھا۔

ملزموں کے بیانات سے پتہ چلا کہ کچھ آگے تانگہ کھڑا تھا۔ پرویز کو وہاں تک لے گئے اور تانگے میں ڈال کر اس گاؤں میں لا پھینکا۔ پرویز نے بتایا کہ سعید ہر رات اس کے پاس آتا تھا اور یہ کاغذ اور پن دے کر اسے کہتا تھا کہ بختی کے نام طلاق لکھ دو۔ پرویز نہیں مانتا تھا۔ اس پر یہ پرویز کو مارتے پیٹتے تھے۔ آخر سعید نے اسے کہا کہ اسے وہ صرف دو دنوں کی مہلت دیتا ہے۔ اگر ان دو دنوں میں اس نے طلاق نہ لکھی تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس کی لاش کا کسی کو

نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔

اس رات سعید کے ساتھ دو آدمی پکڑے گئے تھے۔ ان کی نشاندہی پر اگلی صبح تک دو اور آدمیوں کو پکڑ لیا گیا۔

صبح ابھی گہری دھندلی تھی جب پرویز کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ پرویز کے باپ نے دروازہ کھولا۔ دیکھا، اس کے سامنے پرویز کھڑا تھا۔ باپ نے پرویز کو گلے لگا لیا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے گھر میں کس طرح خوشیاں منائی گئی ہوں گی۔

جس وقت پرویز کے گھر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں اس وقت سعید کے گھر فون کی گھنٹی بجی۔ سعید کے باپ نے فون اٹھایا۔ اسے آواز سنائی دی ـــــ ''میں کرائمز برانچ کا ایک انسپکٹر بول رہا ہوں''۔

''فرمائیے!'' ـــــ چوہدری نے گھبرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ وہ زیادہ گھبرایا ہوا اس لیے تھا کہ سعید بمعہ تانگہ رات بھر گھر سے غائب رہا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

''آپ کا بیٹا سعید ہماری حراست میں ہے'' ـــــ ادھر سے آواز آئی ـــــ ''اسے اغوا کے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ ہم نے آپ کو اطلاع دینا ضروری سمجھا''۔

فون بند ہو گیا اور چوہدری کی حالت ایسی ہو گئی جیسے اس کی حرکتِ قلب بند ہو گئی ہو۔

* * *

پرویز کو یوں زندہ وسلامت اپنے سامنے دیکھ کر بختی کو جو خوشی ہوئی ہو گی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پرویز ہی تو ایک واحد شخص تھا جو بختی کا سب کچھ تھا۔ پرویز اگر زندہ نہ ملتا تو بختی کو کسی نے اس گھر میں نہیں رہنے دینا تھا۔ وہ ان کی لگتی ہی کیا تھی!...... پرویز کی ماں بہنوں نے تو فیصلہ دے دیا تھا کہ بختی کا قدم منحوس ہے جس نے اس کے بیٹے کو ہی گم کر دیا ہے۔

بختی خوشی سے آپے سے باہر ہوتی جا رہی تھی لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہو گئی تھی۔ یہ ایک سنگین واردات تھی جسے عدالت میں جانا تھا اور بختی کو بھی عدالت میں پیش ہونا تھا۔ پرویز نے اسے بتانا شروع کر دیا کہ عدالت میں وہ کیا بیان دے گی اور اس پر کس طرح جرح ہو گی اور وہ کیا کیا جواب دے گی۔

پرویز تھا تو عام سا شہری لیکن اس کا پولیس کے محکمے کے ساتھ جو تعلق تھا اس سے پرویز کی ایک خاص حیثیت بن جاتی تھی۔ اسے ایک عام شہری کی طرح ٹرخایا نہیں جا سکتا تھا۔ سی آئی ڈی کا پورا محکمہ اس کی پشت پر تھا لیکن سعید بھی کوئی عام سا ملزم نہیں تھا۔ اس کا باپ روپے پیسے والا آدمی تھا اور اثر ورسوخ بھی رکھتا تھا۔ اثر ورسوخ نہ چلتا تو پیسہ اتنا تھا کہ وہ پاکستان کے سب سے زیادہ قابل اور مہنگے وکیل کو عدالت میں لا سکتا تھا اور وہ لایا بھی۔

پرویز کا ڈاکٹری معائنہ کرایا گیا۔ اس پر تشدد تو ہوا ہی تھا لیکن پولیس نے ڈاکٹر سے کئی گناہ زیادہ تشدد لکھوا لیا۔ یہ اُس وقت کا پُر ہنگامہ کیس تھا۔ بختی چونکہ اس کیس میں اہم گواہ تھی اس لیے اسے زیادہ تر پیشیوں میں عدالت میں جانا پڑا تھا۔ کچھ کارروائی تو اس نے خود اس طرح دیکھی اور جو خود نہ دیکھی وہ پرویز نے اسے سنائی تھی۔ یہ ساری روئیداد ہے تو دلچسپ لیکن میں اسے تفصیل سے سنانا غیر ضروری سمجھتی ہوں، انتہائی اہم اور زیادہ دلچسپ

باتیں سناؤں گی۔

استغاثہ نے ماڈل ٹاؤن تھانے کے تھانیدار کو بھی طلب کر لیا تھا۔ یہ وہ واقعہ تھا جس میں سعید نے ساقی کو چاقو مارے تھے اور پھر راضی نامہ ہو گیا تھا۔ انارکلی کے علاقے کے تھانیدار کو بھی طلب کیا گیا۔ یہ اس واقعہ کے سلسلے میں جس میں سعید نے انارکلی میں بختی کو پکڑ لیا تھا اور یہ معاملہ تھانے تک جا پہنچا تھا۔ یہ کوئی پرانے واقعات نہیں تھے، چند ماہ پہلے ہی کی وارداتیں تھیں۔

پولیس نے عدالت میں یہ تفصیل پیش کی کہ پرویز کو کہاں سے اور کس طرح برآمد کیا گیا ہے۔ پرویز نے بیان دیا کہ اسے کس طرح اغوا کیا گیا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ سعید اس سے بختی کی طلاق لکھوانا چاہتا تھا اور پھر اس کے قتل کا دن مقرر کر دیا گیا تھا۔

سعید کا وکیل بہت ہی تجربہ کار تھا۔ اس نے پولیس اور پرویز کو جھٹلانے کے لیے اپنی قابلیت استعمال کر ڈالی لیکن سعید اپنے وکیل کے راستے میں روڑے اٹکاتا رہا۔ عدالت میں ملزم کو بولنے کی اجازت نہیں ہوتی مگر سعید بار بار بول پڑتا تھا۔ مثلاً اس کا وکیل یہ ثابت کر رہا تھا کہ پرویز کا یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے کہ اس سے سعید طلاق لکھوانا چاہتا تھا۔ پرویز ابھی اس وکیل کا جواب دے ہی نہیں پاتا تھا کہ سعید بول پڑتا۔ وہ کہتا تھا کہ ہاں میں اس سے طلاق لکھوانا چاہتا تھا کیونکہ بختی میری منگیتر ہے اور پرویز نے اس کے ساتھ زبردستی شادی کر لی ہے۔

مجسٹریٹ نے اسے ہر بار ڈانٹ کر چپ کرایا لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر نارمل نہیں اور اسے یہ بھی احساس نہیں کہ یہ عدالت ہے۔ یہاں صرف قانونی طور طریقے چلتے ہیں۔

سعید کے وکیل نے اس کی ضمانت پر رہائی کی درخواست دی لیکن عدالت نے سرکاری وکیل کے دلائل سن کر درخواست نامنظور کر دی۔ سرکاری وکیل کہتا تھا کہ ملزم اثرورسوخ والے باپ کا بیٹا ہے اور یہ یکے بعد دیگرے تین سنگین وارداتیں کر چکا ہے۔ یہ اس کے باپ کے اثرورسوخ کا نتیجہ تھا کہ پہلی دو وارداتوں میں راضی نامہ ہو گیا۔

بختی نے سنایا کہ اس کیس میں بھی سعید کے باپ نے انتہائی کوشش کر ڈالی تھی کہ پرویز راضی نامے پر رضامند ہو جائے لیکن پرویز نہ مانا۔ اس امیر کبیر چوہدری نے پرویز

سے یہاں تک کہا کہ وہ پرویز کو خالی چیک دستخط کر کے دے دے گا اور پرویز جتنی چاہے رقم لکھ کر لے لے لیکن پرویز غیرت مند آدمی تھا۔ اس نے چوہدری سے کہا کہ اس کے بیٹے کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کل پرسوں نہ جانے وہ کیسی حرکت کر گزرے۔

چوہدری پرویز کے بڑے افسروں سے بھی ملا وزیروں کی سفارشیں بھی لے گیا لیکن ان افسروں نے کہا کہ وہ اتنی سنگین واردات پر راضی نامہ ہونے ہی نہیں دیں گے۔

بختی یہ بات سناتے سناتے ہنس پڑی اور کہنے لگی ـــــ ''آج تو میں یہ بات اس طرح سنا رہی ہوں جیسے کسی اور کی آپ بیتی سنائی جاتی ہے لیکن اس مقدمے میں ایسا وقت آیا کہ میں دعا کرنے لگی کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں گم ہو جاؤں''۔

یہ صورتِ حال اس طرح پیدا ہوئی کہ بختی نے اپنا بیان دیا۔ یہ اتنا لمبا تھا کہ کئی گھنٹے بیان جاری رہا اور عدالت نے کیس اگلی پیشی کے لیے ملتوی کر دیا۔ بیان تو لمبا ہونا ہی تھا کیونکہ بختی نے اپنا بیان ہجرت سے شروع کیا تھا اور پھر تفصیل سے بتایا کہ سعید اسے کہاں ملا تھا، کس حال میں ملا تھا اور پھر بختی کس طرح اسے جالندھر تک لائی تھی۔

بختی سے غلطی ہوئی یا سرکاری وکیل اسے نہ بتا سکا کہ اپنے بیان میں بختی کون سی بات چھپائے رکھے۔ بختی نے یہ بھی بیان کر دیا کہ سعید کی نیت اس پر ہجرت کے سفر میں ہی خراب ہو گئی تھی اور وہ بڑی گھٹیا رومانی حرکتوں پر اتر آیا تھا۔

پھر بختی نے یہ بھی بیان دیا کہ والٹن ریفیوجی کیمپ میں آ کر سعید نے بختی سے پکا وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کرے گا لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ سعید کا وکیل کچھ اور ہی سوچ رہا ہے۔

اگلی پیشی پر بختی کا باقی بیان مکمل ہوا اور سعید کے وکیل نے جرح شروع کر دی۔ وکیلوں کو قانون پوری پوری اجازت دیتا ہے کہ اپنے ملزم کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے وہ کسی بھی گواہ سے خواہ وہ مرد ہے یا عورت جو جی میں آئے پوچھے۔

بختی سعید کے وکیل کے ہر سوال کا جواب پوری دیانتداری سے دیتی چلی گئی اور سعید کا وکیل اوچھی باتوں پر اتر آیا۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو'' ـــــ وکیل نے بختی سے کہا ـــــ ''تمہیں معلوم ہو گیا تھا کہ سعید بڑے ہی امیر کبیر باپ کا بیٹا ہے اس لیے تم نے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کر

لئے تھے اوراس سے مال کھاتی رہی ہو''۔

بختی تڑپ اٹھی۔اس نے مجسٹریٹ سے کہا کہ انہیں کہیں کہ یہ اتنی ذلیل اور شرمناک باتیں نہ کریں لیکن مجسٹریٹ نے بختی سے کہا کہ اسے ہر سوال کا سامنا کرنا پڑے گا اور صحیح جواب دینا ہوگا۔وکیل کو روکا نہیں جا سکتا۔

وکیل اور زیادہ شیر ہوگیا اوراس نے بختی پر بڑے شرمناک الزامات کی بوچھاڑ کر دی لیکن اس موقع پر سعید بول پڑا۔

''یہ بالکل غلط ہے''۔۔۔ سعید نے کہا۔۔۔''اس کے ساتھ میرے تعلقات کبھی بھی ناجائز نہیں ہوئے، یہ میری منگیتر ہے اور میری اس کے ساتھ شادی ہونی تھی لیکن پرویز نے اسے ڈرا دھمکا کر شادی پر راضی کر لیا''۔

مجسٹریٹ نے ایک بار پھر سعید کو ڈانٹ دیا کہ وہ نہ بولے اوراس کا عدالت میں اس طرح بولنا توہین عدالت ہے جو ایک جرم ہے اور اسے اس کی سزا دی جا سکتی ہے لیکن سعید چپ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

بختی نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ سعید کی منگنی فلاں خاندان میں ہوگئی تھی اور پھر کس طرح سعید نے وہ منگنی خود توڑ دی اور بختی کے پیچھے پڑ گیا کہ میری اصل منگیتر یہ ہے۔ اس لڑکی کے باپ کو بعد میں عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔اس نے بختی کے بیان کی تصدیق کر دی اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ سعید کو ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے اپنی بیٹی کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔اس لئے منگنی توڑ دی گئی۔

بختی نے مجھے اپنا بیان پوری تفصیل سے سنایا تھا اوراس پر سعید کے وکیل نے جو جرح کی وہ بھی سنائی تھی جس کی ایک نمایاں جھلک دکھا چکی ہوں۔ بختی نے کہا کہ سعید کا وکیل بختی کو بدچلن ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔

بختی کو یہ خدشہ صاف نظر آنے لگا کہ پرویز کو شک ہو جائے گا کہ سعید کا وکیل بختی پر غلط الزام نہیں لگا رہا بلکہ ان میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہوگی۔ بختی کی خوش قسمتی یہ تھی کہ سعید خود ہی اپنے وکیل کو جھٹلا رہا تھا۔آخر مجسٹریٹ نے وکیل سے کہا کہ وہ اس طرح کی جرح بند کر دے کیونکہ اس کا اپنا ملزم اس کے خلاف بول رہا ہے۔

آخر مجسٹریٹ نے تمام گواہوں کے بیانات سن کر کیس سیشن کورٹ میں بھیج دیا کیونکہ

یہ کیس سنگین نوعیت کا تھا۔بختی کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوگیا کہ پرویز نے اس کے چال چلن پر ذرا سا بھی شک نہیں کیا تھا بلکہ بختی کی حوصلہ افزائی کی اور کہا تھا کہ مخالف وکیل ایسی ہی جرح کیا کرتے ہیں اس لئے وہ بالکل نہ گھبرائے۔

تھوڑے عرصے بعد سیشن کورٹ میں اس مقدمے میں سماعت شروع ہوگئی اور گواہوں کو ازسرِنو کورٹ میں بیان دینے پڑے۔اب تو سعید کے وکیل نے بختی کو کورٹ میں ذلیل وخواہ اور بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن وہاں بھی سعید کا رویہ وہی رہا جو مجسٹریٹ کی کورٹ میں تھا۔

اس مقدمے میں کوئی الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں تھی۔کورٹ میں سعد کا جو رویہ تھا وہی سب سے بڑا ثبوت تھا کہ اس نے پرویز کو اغوا کرنے کا جرم کیا ہے۔سیشن جج نے لمبی لمبی تاریخیں دی ہی نہیں، تھوڑے تھوڑے وقفے کی تاریخ دے کر کیس کی سماعت مکمل کر لی اور تمام ملزموں کو تین تین سال سزائے قید دے دی۔

سعید کے باپ نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ پانچ چھ مہینوں بعد اپیل کی تاریخ نکلی۔بختی قانونی باتوں کو تو نہیں سمجھتی تھی اس لیے مجھے بتا نہ سکی کہ ایسا کیوں ہوا اور وہ کون سا نکتہ تھا جو سعید کے وکیل نے پکڑا اور ہائی کورٹ میں پیش کیا۔اس نے ایسی مہارت سے بحث کی کہ ہائی کورٹ نے سعید کی سزا کم کر کے ایک سال رہنے دی اور باقی ملزموں کی سزائیں پوری پوری قائم رکھیں۔

+++

بختی کی زندگی کا یہ تلخ دور ختم ہوگیا۔اس نے سکھ چین کا سانس لیا اور ایسی پُرسکون ازدواجی زندگی کا آغاز کیا جس کے اس نے کبھی خواب دیکھے تھے لیکن ایک خطرہ ہر وقت اس کے سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔وہ یہ تھا کہ اس کے محلے کی عورتیں اپنے آدمیوں کی باتیں سن سن کر بختی کو خبردار کرتی رہتیں تھیں کہ وہ اس سعید سے چوکنی رہے۔بختی نے جب بھی پرویز کے ساتھ اس معاملے پر بات کی تو پرویز نے ہنس کر ٹال دیا۔پرویز کو اپنے محکمے پر بڑا ہی ناز تھا۔اس نے تین چار مرتبہ بختی سے کہا تھا کہ اس نے اگر ضرورت محسوس کی تو وہ سعید کو ایسے طریقے سے قتل کروا دے گا کہ قاتل کا سراغ ہی نہیں ملے گا لیکن لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے جو بختی کے کانوں تک پہنچتی رہتی تھیں۔بعض آدمی تو یہ بھی کہتے تھے کہ اب یہ

چوہدری اپنے بیٹے کو لگام ڈال کر رکھے گا اس کا بیٹا اسے بہت ہی ذلیل وخوار کر چکا تھا لیکن اکثر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ بڑے چوہدری اپنی بے عزتی برداشت نہیں کیا کرتے خواہ یہ بے عزتی ان کی اپنی ہی کسی غلطی کی وجہ سے ہوئی ہو۔ مختصر یہ کہ خطرہ موجود تھا کہ سعید کا باپ انتقامی کارروائی ضرور کرے گا اور جب سعید جیل سے نکلے گا تو وہ بھی کوئی نہ کوئی اوچھی حرکت کرے گا۔ یہ تو سب جان گئے تھے کہ سعید دماغی لحاظ سے ٹھیک نہیں اور وہ حقیقت اور اصلیت کو نہیں سمجھے گا۔

یہاں بختی نے ایک اور کردار کا ذکر کیا۔ اس کا نام اختر حسین تھا اور وہ سی آئی ڈی کے محکمے میں اے ایس آئی تھا۔ یہ تو سب جانتے ہوں گے کہ اے ایس آئی اسسٹنٹ سب انسپکٹر کو کہتے ہیں اور عام طور پر اے ایس آئی کو چھوٹا تھانیدار کہا جاتا ہے۔

بختی نے بڑی بے تکلفی سے بتایا کہ پرویز کی نسبت اختر زیادہ خوش وضع اور خوش شکل اور خوش مزاج آدمی تھا۔ دیکھتے ہی دل کو اچھا لگتا تھا اور بظاہر پولیس افسروں والی اس میں کوئی بات یا ہیرا پھیر نظر نہیں آتی تھی۔ پرویز کا تو وہ بڑا گہرا دوست تھا۔ اس نے ابتلا کے اس دور میں پرویز کی اور بختی کی بہت ہی مدد کی تھی۔ پرویز کو اختر پر اتنا بھروسہ تھا کہ بختی اگر اختر کے پاس تنہا بیٹھی ہوتی تو بھی پرویز پرواہ نہیں کرتا تھا بلکہ بختی کے سامنے اختر کی تعریفیں کیا کرتا تھا۔

خصوصاً اس وقت جب پرویز لاپتہ ہو گیا تھا، اختر نے بختی کا بہت ہی ساتھ دیا تھا۔ پرویز کی گمشدگی کی تفتیش ایک سب انسپکٹر کر رہا تھا لیکن اختر نے اپنے طور پر اس تفتیش اور سراغ رسانی میں اتنی دلچسپی لی اور بھاگ دوڑ کی کہ یوں لگتا جیسے اس تفتیش کا ذمہ دار اختر ہی ہو۔ پرویز کے ماں باپ وغیرہ کو تو اختر پر بہت ہی بھروسہ تھا۔ وہ ان کے گھر بڑے ہی قریبی رشتہ دار کی طرح بے تکلفی سے آتا جاتا تھا۔

ایسا وقت بھی آ گیا تھا کہ بختی کوئی اور پناہ ڈھونڈنے لگی تھی۔ یہ اس لیے کہ پرویز کی ماں اور بہنوں نے بختی کے خلاف یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ ان کے گھر میں بختی کا قدم بدبختی لایا ہے۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ بختی کی نحوست کا نتیجہ ہے کہ پرویز بالکل ہی غائب ہو گیا ہے۔

بختی نے یہ باتیں اختر کو بتائی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ دنیا میں اس کا کوئی بھی نہیں۔

اگر پرویز زندہ وسلامت نہ ملا تو اس کے گھر والے بختی کو گھر سے نکال دیں گے اور وہ سوچتی ہے کہ جائے گی کہاں۔

''اپنے آپ کو اتنا بھی بے آسرا اور بے سہارا نہ سمجھو بختی!''۔۔۔ اختر نے کہا تھا۔۔۔ ''خدانخواستہ ایسی صورت پیدا ہو گئی تو میں موجود ہوں اور تمہیں ایسی پناہ میں رکھوں گا کہ تم پرویز کو اور اس کے گھر کو بھول جاؤ گی لیکن مجھے پوری امید ہے کہ پرویز مل جائے گا''۔

بختی اللہ سے مدد مانگتی تھی، رات بہت دیر تک نفل پڑھتی رہتی اور اللہ سے پرویز کو مانگتی تھی۔ بختی نے ہمیشہ اللہ پر بھروسہ کیا تھا لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ وہ مایوس اور ناامید ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اسے خیال یہ آتا تھا کہ پرویز زندہ نہیں ہوگا۔

اس میں تو اسے کوئی شک نہیں تھا کہ پرویز کو سعید نے غائب کیا ہے لیکن اس کے کانوں میں کسی ذریعے سے یہ بات پڑ گئی تھی کہ سعید کا باپ بھی اس کوشش میں ہے کہ پرویز اسے طلاق دے دے اور سعید کی شادی بختی کے ساتھ کر دی جائے۔ یہی وہ خطرہ تھا جو بختی کو تڑپا رہی تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ سعید کا باپ بھی پرویز کے اغوا میں شامل ہے۔

اس ناامیدی اور مایوسی میں وہ اختر کو ہی سب کچھ سمجھنے لگی تھی۔ اختر میں اس نے ایک خوبی یہ بھی دیکھی تھی کہ اس نے بختی کو کسی دن بھی ایک خوبصورت اور جوان عورت نہیں سمجھا تھا نہ کبھی کوئی ایسی بات کی تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ اختر کی نیت کچھ اور ہے۔ بختی میں بھی تو یہی خوبی تھی کہ وہ اپنی نسوانیت اور عصمت کو اپنے ایمان جیسا مقدس اور عزیز سمجھتی تھی۔

+++

بختی کو آخر پرویز زندہ اور سلامت مل گیا۔ بختی مقدمے کی بڑی ہی تلخ اور شرمناک کارروائی میں سے بھی گزر گئی اور اغوا کے ملزموں کو سزا بھی ہو گئی۔

پرویز از سرِ نو زندگی کے رستے پر چل پڑا۔ وہ اور بختی ازدواجی زندگی ہنسی خوشی گزارنے لگے لیکن بختی نے مجھے بتایا کہ اس کی ساس اس پر پہلے جیسی خوش نہیں تھی۔ وہ اسے ابھی تک منحوس سمجھ رہی تھی۔ پرویز کی بہنوں کا رویہ بظاہر ٹھیک لگتا تھا لیکن پہلے والی بات نہیں تھی۔ اس کی ایک اور وجہ بھی پیدا ہو گئی تھی وہ یہ کہ بختی میں ابھی تک بچی بچے کی پیدائش کے آثار پیدا نہیں ہوئے تھے۔ بختی کو محلے کی دو عورتوں نے اسے بتایا تھا کہ پرویز کی ماں اور بہنیں اس کے متعلق کیا باتیں کرتی ہیں۔ بختی کو ایسی باتیں سن کر افسوس تو ہوتا تھا لیکن جب

لئے تھے اور اس سے مال کھاتی رہی ہو''۔

بختی تڑپ اٹھی۔ اس نے مجسٹریٹ سے کہا کہ انہیں کہیں کہ یہ اتنی ذلیل اور شرمناک باتیں نہ کریں لیکن مجسٹریٹ نے بختی سے کہا کہ اسے ہر سوال کا سامنا کرنا پڑے گا اور صحیح جواب دینا ہوگا۔ وکیل کو روکا نہیں جا سکتا۔

وکیل اور زیادہ شیر ہوگیا اور اس نے بختی پر بڑے بڑے شرمناک الزامات کی بوچھاڑ کر دی لیکن اس موقع پر سعید بول پڑا۔

''یہ بالکل غلط ہے''— سعید نے کہا— ''اس کے ساتھ میرے تعلقات کبھی بھی ناجائز نہیں ہوئے، یہ میری منگیتر ہے اور میری اس کے ساتھ شادی ہونی تھی لیکن پرویز نے اسے ڈرا دھمکا کر شادی پر راضی کر لیا''۔

مجسٹریٹ نے ایک بار پھر سعید کو ڈانٹ دیا کہ وہ نہ بولے اور اس کا عدالت میں اس طرح بولنا توہینِ عدالت ہے جو ایک جرم ہے اور اسے اس کی سزا دی جا سکتی ہے لیکن سعید چپ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

بختی نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ سعید کی منگنی فلاں خاندان میں ہوگئی تھی اور پھر کس طرح سعید نے وہ منگنی خود تڑا دی اور بختی کے پیچھے پڑ گیا کہ میری اصل منگیتر یہ ہے۔ اس لڑکی کے باپ کو بعد میں عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔ اس نے بختی کے بیان کی تصدیق کر دی اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ سعید کو ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے اپنی بیٹی کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے منگنی توڑ دی گئی۔

بختی نے مجھے اپنا بیان پوری تفصیل سے سنایا تھا اور اس پر سعید کے وکیل نے جو جرح کی وہ بھی سنائی تھی جس کی ایک نمایاں جھلک دکھا چکی ہوں۔ بختی نے کہا کہ سعید کا وکیل بختی کو بدچلن ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔

بختی کو یہ خدشہ صاف نظر آنے لگا کہ پرویز کو شک ہو جائے گا کہ سعید کا وکیل بختی پر غلط الزام نہیں لگا رہا بلکہ ان میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہوگی۔ بختی کی خوش قسمتی یہ تھی کہ سعید خود ہی اپنے وکیل کو جھٹلا رہا تھا۔ آخر مجسٹریٹ نے وکیل سے کہا کہ وہ اس طرح کی جرح بند کر دے کیونکہ اس کا اپنا ملزم اس کے خلاف بول رہا ہے۔

آخر مجسٹریٹ نے تمام گواہوں کے بیانات سن کر کیس سیشن کورٹ میں بھیج دیا کیونکہ

یہ کیس سنگین نوعیت کا تھا۔ بختی کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوگیا کہ پرویز نے اس کے چال چلن پر ذرا سا بھی شک نہیں کیا تھا بلکہ بختی کی حوصلہ افزائی کی اور کہا تھا کہ مخالف وکیل ایسی ہی جرح کیا کرتے ہیں اس لئے وہ بالکل نہ گھبرائے۔

تھوڑے عرصے بعد سیشن کورٹ میں اس مقدمے میں سماعت شروع ہوگئی اور گواہوں کو از سرِ نو کورٹ میں بیان دینے پڑے۔ اب تو سعید کے وکیل نے بختی کو کورٹ میں ذلیل وخواہ اور بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن وہاں بھی سعید کا رویہ وہی رہا جو مجسٹریٹ کی کورٹ میں تھا۔

اس مقدمے میں کوئی الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں تھی۔ کورٹ میں سعد کا جو رویہ تھا وہی سب سے بڑا ثبوت تھا کہ اس نے پرویز کو اغوا کرنے کا جرم کیا ہے۔ سیشن جج نے لمبی لمبی تاریخیں دی ہی نہیں، تھوڑے تھوڑے وقفے کی تاریخ دے کر کیس کی سماعت مکمل کر لی اور تمام ملزموں کو تین تین سال سزائے قید دے دی۔

سعید کے باپ نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ پانچ چھ مہینوں بعد اپیل کی تاریخ نکلی۔ بختی قانونی باتوں کو تو نہیں سمجھتی تھی اس لیے مجھے بتا نہ سکی کہ ایسا کیوں ہوا اور وہ کون سا نکتہ تھا جو سعید کے وکیل نے پکڑا اور ہائی کورٹ میں پیش کیا۔ اس نے ایسی مہارت سے بحث کی کہ ہائی کورٹ نے سعید کی سزا کم کر کے ایک سال رہنے دی اور باقی ملزموں کی سزائیں پوری پوری قائم رکھیں۔

+++

بختی کی زندگی کا یہ تلخ دور ختم ہوگیا۔ اس نے سکھ چین کا سانس لیا اور ایسی پُرسکون ازدواجی زندگی کا آغاز کیا جس کے اس نے کبھی خواب دیکھے تھے لیکن ایک خطرہ ہر وقت اس کے سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس کے محلے کی عورتیں اپنے آدمیوں کی باتیں سن سن کر بختی کو خبردار کرتی رہتیں تھیں کہ وہ اس سعید سے چوکنی رہے۔ بختی نے جب بھی پرویز کے ساتھ اس معاملے پر بات کی تو پرویز نے ہنس کر ٹال دیا۔ پرویز کو اپنے محکمے پر بڑا ہی ناز تھا۔ اس نے تین چار مرتبہ بختی سے کہا تھا کہ اس نے اگر ضرورت محسوس کی تو وہ سعید کو ایسے طریقے سے قتل کروا دے گا کہ قاتل کا سراغ ہی نہیں ملے گا لیکن لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے جو بختی کے کانوں تک پہنچتی رہتی تھیں۔ بعض آدمی تو یہ بھی کہتے تھے کہ اب یہ

چوہدری اپنے بیٹے کو لگام ڈال کر رکھے گا اس کا بیٹا اسے بہت ہی ذلیل و خوار کر چکا تھا لیکن اکثر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ بڑے چوہدری اپنی بے عزتی برداشت نہیں کیا کرتے خواہ یہ بے عزتی ان کی اپنی ہی کسی غلطی کی وجہ سے ہوئی ہو۔ مختصر یہ کہ خطرہ موجود تھا کہ سعید کا باپ انتقامی کارروائی ضرور کرے گا اور جب سعید جیل سے نکلے گا تو وہ بھی کوئی نہ کوئی اوچھی حرکت کرے گا۔ یہ تو سب جان گئے تھے کہ سعید دماغی لحاظ سے ٹھیک نہیں اور وہ حقیقت اور اصلیت کو نہیں سمجھے گا۔

یہاں بختی نے ایک اور کردار کا ذکر کیا۔ اس کا نام اختر حسین تھا اور وہ سی آئی ڈی کے محکمے میں اے ایس آئی تھا۔ یہ تو سب جانتے ہوں گے کہ اے ایس آئی اسسٹنٹ سب انسپکٹر کو کہتے ہیں اور عام طور پر اے ایس آئی کو چھوٹا تھانیدار کہا جاتا ہے۔

بختی نے بڑی بے تکلفی سے بتایا کہ پرویز کی نسبت اختر زیادہ خوش وضع اور خوش شکل اور خوش مزاج آدمی تھا۔ دیکھتے ہی دل کو اچھا لگتا تھا اور بظاہر پولیس افسروں والی اس میں کوئی بات یا ہیرا پھیر نظر نہیں آتی تھی۔ پرویز کا تو وہ بڑا گہرا دوست تھا۔ اس نے ابتلا کے اس دور میں پرویز کی اور بختی کی بہت ہی مدد کی تھی۔ پرویز کو اختر پر اتنا بھروسہ تھا کہ بختی اگر اختر کے پاس تنہا بیٹھی ہوتی تو بھی پرویز پرواہ نہیں کرتا تھا بلکہ بختی کے سامنے اختر کی تعریفیں کیا کرتا تھا۔

خصوصاً اس وقت جب پرویز لاپتہ ہو گیا تھا، اختر نے بختی کا بہت ہی ساتھ دیا تھا۔ پرویز کی گمشدگی کی تفتیش ایک سب انسپکٹر کر رہا تھا لیکن اختر نے اپنے طور پر اس تفتیش اور سراغ رسانی میں اتنی دلچسپی لی اور بھاگ دوڑ کی کہ یوں لگتا جیسے اس تفتیش کا ذمہ دار اختر ہی ہو۔ پرویز نے ماں باپ وغیرہ کو تو اختر پر بہت ہی بھروسہ تھا۔ وہ ان کے گھر بڑے ہی قریبی رشتہ دار کی طرح بے تکلفی سے آتا جاتا تھا۔

ایسا وقت بھی آ گیا تھا کہ بختی کوئی اور پناہ ڈھونڈنے لگی تھی۔ یہ اس لیے کہ پرویز کی ماں اور بہنوں نے بختی کے خلاف یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ ان کے گھر میں بختی کا قدم بدبختی لایا ہے۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ بختی کی نحوست کا نتیجہ ہے کہ پرویز بالکل ہی غائب ہو گیا ہے۔

بختی نے یہ باتیں اختر کو بتائی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ دنیا میں اس کا کوئی بھی نہیں۔

اگر پرویز زندہ و سلامت نہ ملا تو اس کے گھر والے بختی کو گھر سے نکال دیں گے اور وہ سوچتی ہے کہ جائے گی کہاں۔

''اپنے آپ کو اتنا بھی بے آسرا اور بے سہارا نہ سمجھو بختی!''۔۔۔ اختر نے کہا تھا۔۔۔ ''خدانخواستہ ایسی صورت پیدا ہو گئی تو میں موجود ہوں اور تمہیں ایسی پناہ میں رکھوں گا کہ تم پرویز کو اور اس کے گھر کو بھول جاؤ گی لیکن مجھے پوری امید ہے کہ پرویز مل جائے گا''۔

بختی اللہ سے مدد مانگتی تھی، رات بہت دیر تک نفل پڑھتی رہتی اور اللہ سے پرویز کو مانگتی تھی۔ بختی نے ہمیشہ اللہ پر بھروسہ کیا تھا لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ وہ مایوس اور ناامید ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اسے خیال یہ آتا تھا کہ پرویز زندہ نہیں ہو گا۔

اس میں تو اسے کوئی شک نہیں تھا کہ پرویز کو سعید نے غائب کیا ہے لیکن اس کے کانوں میں کسی ذریعے سے یہ بات پڑ گئی تھی کہ سعید کا باپ بھی اس کوشش میں ہے کہ پرویز اسے طلاق دے دے اور سعید کی شادی بختی کے ساتھ کر دی جائے۔ یہی وہ خطرہ تھا جو بختی کو تڑپا رہی تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ سعید کا باپ بھی پرویز کے اغوا میں شامل ہے۔

اس ناامیدی اور مایوسی میں وہ اختر کو ہی سب کچھ سمجھنے لگی تھی۔ اختر میں اس نے ایک خوبی یہ بھی دیکھی تھی کہ اس نے بختی کو کسی دن بھی ایک خوبصورت اور جوان عورت نہیں سمجھا تھا نہ کبھی کوئی ایسی بات کی تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ اختر کی نیت کچھ اور ہے۔ بختی میں بھی تو یہی خوبی تھی کہ وہ اپنی نسوانیت اور عصمت کو اپنے ایمان جیسا مقدس اور عزیز سمجھتی تھی۔

+++

بختی کو آخر پرویز زندہ اور سلامت مل گیا۔ بختی مقدمے کی بڑی ہی تلخ اور شرمناک کارروائی میں سے بھی گزر گئی اور اغوا کے ملزموں کو سزا بھی ہو گئی۔

پرویز از سرِ نو زندگی کے رستے پر چل پڑا۔ وہ اور بختی ازدواجی زندگی ہنسی خوشی گزارنے لگے لیکن بختی نے مجھے بتایا کہ اس کی ساس اس پر پہلے جیسی خوش نہیں تھی۔ وہ اسے ابھی تک منحوس سمجھ رہی تھی۔ پرویز کی بہنوں کا رویہ بظاہر ٹھیک لگتا تھا لیکن پہلے والی بات نہیں تھی۔ اس کی ایک اور وجہ بھی پیدا ہو گئی تھی وہ یہ کہ بختی میں ابھی تک بچی بچے کی پیدائش کے آثار پیدا نہیں ہوئے تھے۔ بختی کو محلے کی دو عورتوں نے اسے بتایا تھا کہ پرویز کی ماں اور بہنیں اس کے متعلق کیا باتیں کرتی ہیں۔ بختی کو ایسی باتیں سن کر افسوس تو ہوتا تھا لیکن جب

وہ دیکھتی کہ اس کے ساتھ پرویز کا رویہ بڑا ہی پیارا ہے اور اسے بختی سے کوئی گلہ شکوہ نہیں تو وہ مطمئن ہو جاتی تھی۔

اپیل میں ہائی کورٹ نے سعید کی سزا کم کر کے ایک سال کر دی تھی۔ اپیل کا فیصلہ ہونے تک سعید پانچ چھ مہینے سزا قید کاٹ چکا تھا۔ ہائی کورٹ کے فیصلہ کے مطابق اب اسے پانچ چھ مہینے اور ہی جیل میں رہنا تھا۔

یہ پانچ چھ مہینے جیسے پلک جھپکتے گزر گئے ہوں۔ سعید رہا ہو کر آ گیا۔ بختی کو پرویز نے بتایا تھا کہ سعید رہا ہو گیا تھا۔ بختی نے کچھ خطرے کا اظہار کیا لیکن پرویز نے اسے تسلی دی کہ اب وہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرے گا۔

تین چار دن ہی گزرے تھے کہ پرویز نے بختی کو بتایا کہ آج سعید نے اسے فون پر دھمکی دی ہے کہ وہ بختی کو طلاق دے دے ورنہ وہ پرویز کو اب قتل کر دے گا۔ پرویز نے اپنے ڈی ایس پی کو بتایا کہ اسے سعید کا یہ فون ملا ہے۔

ڈی ایس پی نے اسی وقت سعید کے باپ کو ایک کانسٹیبل بھیج کر بلا لیا اور اسے بتایا کہ اپنے بیٹے کو وہ اپنے قابو میں رکھے ورنہ اس کے لیے بہت برا ہو گا۔ سعید کے باپ نے وعدہ کیا کہ آئندہ سعید کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

چار پانچ دن اور گزرے تو پرویز کو پھر سعید کا فون ملا اور اس نے یہی دھمکی دہرائی جو وہ پہلے پرویز کو دے چکا تھا۔ پرویز نے پھر اپنے ڈی ایس پی کو بتایا۔ ڈی ایس پی نے پھر سعید کے باپ کو بلایا اور کہا کہ اب اگر سعید نے فون کیا تو اس کی نیک چلنی کی نقد ضمانت لی جائے گی۔ ڈی ایس پی نے یہ بھی کہا کہ پرویز پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ حملہ آور خواہ کوئی بھی ہوا لیکن سعید کو گرفتار کر لیا جائے گا۔

سعید کے باپ نے کہا کہ اس نے اپنے بیٹے کو ڈرایا دھمکایا تھا لیکن بیٹا قسمیں کھاتا ہے کہ اس نے پرویز کو فون نہیں کیا۔

تین چار دنوں بعد پھر پرویز کو ایسا ہی فون ملا اور پرویز نے پھر ڈی ایس پی کو بتایا۔

اب ڈی ایس پی غصے میں آ گیا اور اس نے سعید اور اس کے باپ کو بلوا کر قانونی طریقے سے نقد ضمانت لے لی سعید کے باپ نے اس قانونی کارروائی کو قبول تو کر لیا لیکن وہ بڑے یقین کے ساتھ کہتا تھا کہ سعید نے پرویز کو کبھی ایسا فون نہیں کیا لیکن سعید کی پچھلی ہسٹری دیکھ کر ڈی ایس پی نے اس پر اعتبار نہ کیا۔

+ + +

آج سنت نگر کا علاقہ بہت ہی دور دور تک پھیل گیا ہے۔ یہ ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی کا محدود سا علاقہ تھا۔ انہوں نے یہاں بڑے اچھے مکان بنائے تھے۔ اس سے آگے دریائے راوی تک تمام علاقہ خالی تھا۔ کہیں کہیں زمین بنجر تھی اور کھیت بھی تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے یہ مقام شہر سے باہر بنائے تھے لیکن آج سنت نگر یوں لگتا ہے جیسے شہر کے درمیان میں آ گیا ہو۔ جن لوگوں نے پاکستان کے ابتدائی دور کا سنت نگر نہیں دیکھا وہ شاید نہ سمجھ سکیں کہ اس آبادی کے آگے علاقہ کیسا ہوا کرتا تھا۔ شام کے بعد لوگ اس طرف جانے سے ڈرتے تھے۔

جب سعید کی نقد ضمانت لی گئی، اس سے آٹھ دس دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ شام کے وقت پرویز اے ایس آئی اختر حسین کے ساتھ کہیں سے واپس آ رہا تھا۔ بختی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئے تھے۔ ان کا اکٹھے جانا کوئی عجیب بات نہیں تھی کیونکہ ان کی بڑی گہری دوستی تھی۔

ایک جگہ سے ان کا راستہ ایک نشیب میں اتر کر گزرتا تھا۔ بختی کو بعد میں جو باتیں معلوم ہوئیں ان میں ایک یہ تھی کہ اس نشیب میں آ کر اختر پیشاب کرنے کے لیے پرویز سے لگ ہو گیا۔ پرویز اس کے انتظار میں رک گیا۔ اچانک کہیں سے ایک بندوق کے یکے بعد دیگرے دو کارتوس فائر ہوئے جو پرویز کی پیٹھ میں کندھوں سے ذرا نیچے لگے۔ پرویز گر پڑا۔ اختر دوڑ کر اس تک پہنچا۔ پرویز مر چکا تھا۔ دو کارتوسوں کے چھرے اس کی پیٹھ میں لگے اور سینے میں سے گزر گئے تھے۔

اختر حسین نے ہر طرف دیکھا۔ اُسے کچھ دور ایک آدمی نظر آیا۔ اختر نے اس آدمی کو بلایا اور وہ آدمی دوڑا آیا۔ اختر نے اس آدمی سے کہا کہ وہ لاش کے قریب کھڑا رہے۔

اختر دوڑتا ہوا سنت نگر کے علاقے کے تھانے میں پہنچا اور وہاں کے تھانیدار کو بتایا کہ کیا وقوعہ ہو گیا ہے۔ بختی کو یہ ساری باتیں بعد میں معلوم ہوئی تھیں۔ اختر نے تھانیدار کو بتایا کہ وہ قاتل کو جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ قاتل کے پاس بارہ بور کی دونالی بندوق ہے۔ پھر اس نے اس واردات کا سارا پس منظر بتایا۔ وہ دراصل تھانیدار کو بتا رہا تھا کہ پرویز

کا قاتل سعید ہے اور وہ کتنے بڑے چوہدری کا بیٹا ہے اور وہ لوگ ماڈل ٹاؤن میں رہتے ہیں۔

+ + +

اختر بڑا ہی ہوشیار آدمی تھا۔ علاقہ تھانیدار اختر کا بہت ہی مشکور ہوا کہ اس نے قاتل کی نشاندہی کر دی تھی۔ تھانیدار اپنے کام کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اختر نے اسے کہا کہ وہ جائے وقوعہ پر چلا جائے اور اے ایک اے ایس آئی اور چند ایک کانسٹیبل دے دے تا کہ وہ فوراً اس چوہدری کے گھر پر چھاپہ مارے اور بندوق برآمد کرے۔

یہ سارا انتظام بڑی تیزی سے ہو گیا۔ اختر نے اس تھانے کے اے ایس آئی کو ساتھ لیا اور چار کانسٹیبل بھی ساتھ لے لئے اور ایک تانگہ روکا اور اس میں سوار ہو کر چوہدری کے گھر پہنچے۔

سعید کا باپ دستک پر باہر نکلا تو ظاہر ہے پولیس کو دیکھ کر حیران رہ گیا ہوگا۔ اختر نے کہا کہ اس کا بیٹا کہاں ہے۔ پتہ چلا کہ سعید گھر میں نہیں ہے۔ اختر نے کہا کہ وہ اپنی دونالی بندوق دکھائے۔

چوہدری ان سے پوچھتا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ وہ کوئی معمولی سا آدمی تو نہیں تھا کہ پولیس کے سامنے کانپنے لگتا۔ اختر اسے کچھ بتا نہیں رہا تھا۔ اتنے میں سعید آ گیا۔ وہ کہیں باہر سے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دونالی بندوق تھی۔

"کام کر آیاں ہوں" ___ سعید نے بڑی خوشی کے لہجے میں اختر حسین سے کہا۔

"کیا کام کر آئے ہو؟" ___ اختر نے اس سے پوچھا۔

"دشمن کو ڈھیر کر آیا ہوں" ___ سعید نے کہا ___ "اب میں آپ کی جھولی بھر دوں گا"۔

"کون سے دشمن کو ختم کر آئے ہو؟" ___ سعید کے باپ نے اس سے پوچھا۔

"آپ فکر نہ کریں ابو!" ___ سعید نے جواب دیا ___ "اب مجھے کوئی نہیں پکڑ سکتا"۔

سعید کا باپ تو چکرا کے رہ گیا۔ تصور میں لایا جا سکتا ہے کہ اپنے بیٹے کی یہ بات سن کر اس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ اختر نے باہر جا کر دو معزز افراد کو پکڑا اور انہیں چوہدری کے ڈرائنگ

روم میں لے گیا۔ جہاں سعید بمعہ بندوق اور اس کا باپ بیٹھے ہوئے تھے۔

ان دو گواہوں کی موجودگی میں سعید سے بندوق لی گئی اور اس سے کہلوایا گیا کہ وہ پرویز کو قتل کر آیا ہے...... بظاہر یہ بات بڑی ہی عجیب لگتی ہے لیکن دماغی لحاظ سے سعید بے کار ہو چکا تھا اور اسے ذرا سا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ کیا کر آیا ہے اور اب اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ میں آگے چل کر بتاؤں گی کہ بختی کو یہ ساری باتیں کس طرح معلوم ہوئی تھیں۔

بندوق دیکھی گئی دونوں نالیوں میں سے کارتوس فائر ہوئے تھے۔ سعید اپنے بالکل نارمل موڈ میں تھا لیکن اس کا باپ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

پولیس آلۂ قتل کی برآمدگی پر اور اس صورتِ حال میں جو کاغذی کارروائی کیا کرتی ہے وہ اختر اور تھانے والے اے ایس آئی نے کی اور دونوں گواہوں کے دستخط کرا لئے۔ پھر چوہدری کے بھی دستخط لئے گئے تھے۔ وہ دستخط نہیں کر رہا تھا۔ اس کی بجائے وہ بار بار ان دونوں پولیس افسروں کو دوسرے کمرے میں لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ ظاہر ہے وہ انہیں رشوت پیش کرنا چاہتا تھا لیکن یہ دونوں اے ایس آئی اس کی طرف توجہ نہیں دے رہے تھے۔

سعید کو گرفتار کر لیا گیا اور بندوق قبضے میں لے لی گئی۔ چوہدری کا اپنا تانگہ تھا۔ اختر نے اسے کہا کہ وہ تانگہ تیار کرائے کیونکہ وہاں جانا ہے جہاں سے سعید نے فائر کیا تھا۔

اس طرح یہ ساری پارٹی اس جگہ پہنچی اور وہاں سے فائر کئے ہوئے دونوں کارتوس برآمد کر لئے گئے۔ سعید کو وہیں سے تھانے لے کر جا کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔

قیامت تو پرویز کے گھر میں بپا ہوئی جب انہیں اطلاع پہنچی کہ پرویز کو کسی نے گولی ماردی ہے۔ سارا خاندان اٹھ دوڑا۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی گئی۔

+ + +

جن کا جوان بیٹا مارا گیا تھا ان کی غم زدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن بختی کو صرف یہ غم نہیں تھا کہ اس کا خاوند قتل ہو گیا تھا بلکہ یہ غم بھی تھا کہ اس کا کوئی گھر گھاٹ نہیں تھا اور اب وہ کہاں جائے گی۔ اس نے مجھے سنایا کہ پرویز کی ماں اور بہنوں کے بَین جگر چاک کر رہے تھے لیکن انہوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا تھا کہ اس چڑیل نے نہ جانے کہاں سے آ کر ہمارا بیٹا ہی کھا لیا ہے۔ وہ تو پہلے ہی بختی کو منحوس کہہ رہے تھے۔ بختی کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔

اپنی اُس وقت کی کیفیت سناتے ہوئے بختی نے کہا کہ وہ اندر ایک کمرے میں بیٹھ گئی اور محسوس کرنے لگی جیسے اس پر سکتہ طاری ہو رہا ہو۔ بختی کی اصل بدقسمتی تو یہ تھی کہ وہ جوان اور خوبصورت عورت تھی۔ وہ ڈرتی تھی کہ کسی غلط بندے کے ہاتھ چڑھ گئی تو نہ جانے اسے کہاں پہنچا دے گا۔

اس نے یہ بھی سوچ لیا کہ پرویز دفن ہو جائے گا تو وہ ساقی کے ماں باپ کے پاس چلی جائے گی اور انہیں کہے گی کہ وہ کسی شریف گھرانے میں اسے ملازمت دلوا دیں یا اپنے گھر پر واجبی سی تنخواہ ملازم رکھ لیں۔ اس طرح اس نے نہ جانے کیا کیا سوچ لیا۔ اس کا مستقبل تو بالکل ہی تاریک ہو گیا تھا۔ ایسے خیالوں میں بھٹک بھٹک کر اس کے ذہن میں اختر حسین آتا تھا لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ اختر اسے پناہ دے دے گا۔ اختر کے متعلق وہ جانتی تھی کہ کچھ عرصہ پہلے اس نے شادی کی تھی لیکن بیوی کے ساتھ بن نہیں سکی تھی اور اب وہ تنہا رہتا تھا۔ اس کے ذہن میں بار بار یہی خیال آتا تھا کہ اس گھر سے بھاگ جائے اور اختر کے قدموں میں جا گرے لیکن ہر بار نہ جانے اسے یہ خیال کیوں آ جاتا تھا کہ اختر اسے قبول نہیں کرے گا۔ شاید اس لیے کہ اختر پرویز کا دوست تھا اور پرویز دنیا سے اٹھ گیا تھا۔

بختی ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔ وقت رات کا تھا پھر بھی اس کا گھر محلے کی عورتوں سے بھر گیا تھا۔ یہ کوئی عام اور طبعی سی موت ہوتی تو شاید یہ سماں نہ ہوتا۔ پرویز قتل ہو گیا تھا اور یہ بڑی سنسنی خیز واردات تھی۔ اُس زمانے میں لوگ یوں قتل نہیں ہوا کرتے تھے جیسے آج کل ہو رہے ہیں۔ پورے پورے خاندان کٹ رہے ہیں۔ راہ جاتے کہیں سے گولی آتی ہے اور بندہ ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اتنی زیادہ عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بختی کے پاس نہ جا بیٹھی کہ رسمی ہمدردی کے ہی دو کلمے کہہ دیتی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ پرویز کی ماں اور بہنیں بین کرتیں، چیختی چلاتی اور بار بار یہی کہتی تھیں کہ اس چڑیل نے ہمارا جوان بیٹا کھا لیا ہے۔

یہ تو ہماری چار دیواری کی دنیا کا دستور ہے کہ ایسی بہو مل جائے جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو یا وہ غریب گھرانے سے آئی ہو تو اسے گھر میں نوکرانیوں جیسا درجہ دیا جاتا ہے اور اسے بولنے کے حق سے بلکہ تمام حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بختی کے متعلق تو سب جانتے تھے کہ تن تنہا ہے، بے آسرا ہے اور بے ٹھکانہ ہے اور پناہ گزین ہے۔

مجھے وہ دور یاد ہے جب پناہ گزین یا مہاجر ایک طعنہ بن گیا تھا۔

اگلے روز پرویز دفن ہو گیا۔ بختی گھر کا کوئی کام کرنا چاہتی تھی لیکن اسے ٹوک دیا جاتا یا کوئی اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ بعض اوقات تو اسے ٹوک دیا جاتا کہ اس نے یہ کام خراب کر دیا ہے۔ گھر کی عورتوں کے اس رویے کا مطلب بڑا صاف تھا کہ بختی اس گھر سے نکل جائے اور جہاں جی چاہے چلی جائے۔ بختی میں اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ وہ ان عورتوں سے کہتی کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور پرویز کی موت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ تو پرویز کو ہی اپنا سب کچھ سمجھتی تھی۔ بختی کو چپ لگ گئی تھی۔ اب تو اسے کوئی اتنا بھی نہیں کہتا تھا کہ آؤ کھانا کھا لو، پانی پی لو یا فلاں کام کر دو۔

+ + +

وہ رات بختی کی زندگی کی انتہائی تلخ رات تھی۔ اس نے ہجرت کا سفر تن تنہا کیا تھا اور ویرانوں اور جنگلات میں کئی راتیں آئی تھیں۔ ہر لمحہ موت کا خطرہ تھا بلکہ بختی موت کے سائے میں سفر کر رہی تھی لیکن اس نے یہ خوف اور یہ تلخی محسوس نہیں کی تھی۔ شاید اس لیے کہ اسے اپنی شخصیت پر اور اخلاقی جرأت پر اعتماد تھا کہ وہ ہر صورتِ حال کا مقابلہ کر سکے گی لیکن اپنے مرحوم خاوند کے گھر اتنے اچھے مکان میں اور چھت کے نیچے وہ جو رات اس نے گزاری وہ بڑی بھیانک اور ہولناک رات تھی۔

وہ پرویز کو ذہن میں لاتی تو اس کے سینے سے آہ و بکا کا طوفان اٹھ آتا لیکن وہ ہونٹ جکڑ لیتی اور اپنے خونِ جگر سے سینے میں اٹھتے ہوئے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں ہلکان ہونے لگتی۔

اس کے سامنے مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ وہ بیوہ ہو گئی تھی بلکہ مسئلہ یہ کہ وہ کہاں جائے۔ اب تو صرف اتنی سی کسر رہ گئی تھی کہ پرویز کی ماں، باپ یا بہنیں اسے کہہ دیں کہ وہ اس گھر سے نکل جائے۔ اس نے خودکشی تک کی سوچ لی پھر اس نے اللہ سے گلے شکوے کیے۔ وہ رو رو کر اللہ سے پوچھتی تھی کہ اسے کس گناہ کی اتنی زیادہ اذیت ناک سزا دی جا رہی ہے۔

رات جاگتے اور تڑپتے گزر گئی۔ صبح طلوع ہوئی تو وہ باہر نہ نکلی۔ گھر میں کام کرنے والی ایک عورت اس کے لیے ناشتہ لائی۔ بختی نے اسے کہا کہ وہ ناشتہ واپس لے جائے۔ عورت ناشتہ لے گئی۔ کسی نے بھی اس کے کمرے میں آکر نہ پوچھا کہ اس نے ناشتہ کیوں

نہیں کیا۔ سورج طلوع ہوا تو بختی کو کمرے سے نکلی اور گھر سے ہی نکل گئی۔ نہ اس نے کسی کو بتایا نہ کسی نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جارہی ہے۔

اس کے پاس کچھ پیسے تھے۔ سی آئی ڈی کا دفتر بہت دور تھا۔ بختی ایک تانگے میں بیٹھی اور سی آئی ڈی آفس میں جا پہنچی۔ دفتر ابھی ابھی کھلے تھے۔ اے ایس آئی اختر حسین ابھی نہیں آیا تھا۔ دفتر والوں نے اسے بڑے احترام سے بٹھایا اور کوئی آدھے گھنٹے بعد اختر آ گیا۔

اختر نے اس سے حال احوال پوچھا تو بختی کے جذبات کا بند ٹوٹ گیا۔ یہ ایک ہی شخص تھا جس کے دل میں بختی کی ہمدردی تھی۔ بختی کو اچھا نہ لگا کہ وہ دفتر میں ہی ماتم شروع کر دے۔

''کہیں اور چل کے نہ بیٹھیں!'' — بختی نے کہا۔ ''میں نے بہت سی باتیں کرنی ہیں جو دفتر میں نہیں ہو سکیں گی...... کل سے میں نے کچھ نہیں کھایا اور صبح ناشتہ بھی نہیں کیا''۔

اختر فوراً اٹھا اور بختی کو اسی دفتر کے ایک کمرے میں لے گیا جو اکثر خالی رہتا تھا۔ اس کمرے میں ملزموں اور مشتبہوں سے تفتیش اور پوچھ گچھ کی جاتی تھی۔ وہاں ایک میز اور دو تین کرسیاں پڑی تھیں۔ اختر نے بختی کو وہاں بٹھایا اور باہر نکل گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ واپس آیا اور بختی کے پاس بیٹھ گیا۔

بختی پر پرویز کے گھر میں اس کی موت کے بعد جو گزری تھی وہ سنانی شروع کر دی۔ بختی کی سسکیاں اور ہچکیاں نکل رہی تھیں۔ اس نے ہر عورت کا ایک ایک لفظ سنایا۔

''میں آخر اس گھر کی عزت ہوں'' — بختی نے کہا۔ ''میں صبح سویرے گھر سے نکلی تو کسی نے پوچھا تک نہیں کہ کہاں جارہی ہو بلکہ کسی نے میری طرف دیکھا تک نہیں۔ صاف بات ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہی یہی ہیں کہ میں ان کے گھر سے غائب ہو جاؤں۔ اب آپ مجھے بتائیں میں کہاں جاؤں۔ مجھے ایک ہی راستہ نظر آتا ہے کہ راوی میں جا کر ڈوب مروں۔ اب تو کوئی بہتا دریا ہی مجھے اپنی پناہ میں لے سکتا ہے''۔

''میں تم سے ملنے کے لیے بے تاب ہوا جارہا تھا'' — اختر نے کہا۔ ''لیکن تمہارے گھر میں ماتمی فضا بنی ہوئی ہے اور پرویز کے رشتہ دار بھی آئے ہوئے ہیں اور محلے کی عورتیں بھی آتی رہتی ہیں۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ اس فضا اور ماحول میں تمہارے گھر آکر میں تم

سے ملتا۔ تم جانتی ہو میں تنہا زندگی بسر کر رہا ہوں۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں ایک عورت کا ڈسا ہوا آدمی ہوں۔ کیا تم یہ جرأت کر سکتی ہو کہ اس گھر سے نکل کر میرے گھر میں آ جاؤ؟''

''میرے سسرال والے تو چاہتے یہی ہیں کہ میں ان کے گھر سے نکل جاؤں'' — بختی نے کہا — ''میں آج ہی آ جاتی ہوں لیکن سوچتی ہوں کہ تمہارے گھر میں میری حیثیت کیا ہوگی۔ لوگ طرح طرح کی کہانیاں گھڑ لیں گے''۔

''ایک بات کہوں بختی!'' — اختر نے کہا — ''اگر مجھے قبول کر لو تو میں تمہارے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں بلکہ میرے دل کی بات سننا چاہو تو میری خواہش ہے کہ میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں''۔

''اس کے لیے بھی تو تین مہینے انتظار کرنا پڑے گا'' — بختی نے کہا — ''عدت کا عرصہ پورا کرنا ضروری ہے''۔

''تو کیا تم یہ تین مہینے اپنے سسرال میں گزار لوگی؟'' — اختر نے پوچھا۔

''تین مہینے؟'' — بختی نے کہا — ''وہاں تو تین منٹ گزارنا بھی ممکن نہیں''۔

''تو پھر فوراً بلکہ آج ہی میرے پاس آ جاؤ'' — اختر نے کہا — ''میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا اور یہ تین مہینے وہیں پورے کر لینا''۔

''پھر وہی بات!'' — بختی نے کہا — ''لوگ نہ جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے''۔

''انہوں نے پہلے تمہاری کیا عزت کی ہے!'' — اختر نے کہا — ''لوگوں نے کسی کو کبھی اچھا نہیں کہا۔ کوئی بات کرے گا تو میں سنبھال لوں گا۔ میں تو کہتا ہوں کہ ابھی میرے ساتھ چلی چلو''۔

''گھر سے اپنے کپڑے تو لے آؤں'' — بختی نے کہا — ''میرا جہیز تو ہے کوئی نہیں۔ زیور کی دو چار چیزیں ہیں جو انہی لوگوں کی ہیں میری نہیں۔ صرف کپڑے ہیں جو میں لانا چاہتی ہوں''۔

اختر نے اسے کہا کہ وہ ابھی جائے اور اپنے کپڑے لے کر واپس آ جائے۔

+++

بختی اپنے گھر گئی۔ گھر کی عورتوں نے اسے گھور گھور کر دیکھا لیکن یہ نہ پوچھا کہ وہ کہاں گئی تھی۔ بختی نے اپنے کپڑے اور چار پانچ جوڑے سینڈل اٹیچی میں ڈال لئے۔

اس اٹیچی میں اس نے تھوڑا سا زیور رکھا ہوا تھا اور زیور کی دو تین چیزیں پہنی ہوئی تھیں۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے جھمکے تھے، انگلی میں انگوٹھی تھی۔ اس کا اپنا تو کوئی زیور تھا ہی نہیں۔ یہ تھوڑا سا زیور اسے سسرال نے دیا تھا۔ اس نے کانوں سے جھمکے اور انگلی سے انگوٹھی اتاری اور اٹیچی سے زیورات کی دو چار چیزیں تھیں وہ نکالیں اور اپنی ساس کے آگے جا رکھیں۔

ساس نے حیرت زدہ سی ہو کر اس کے منہ کی طرف دیکھا۔ بختی نے اٹیچی کھول کر اس کے آگے رکھ دیا۔

''اٹیچی کی اچھی طرح تلاشی لے لیں''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''آپ کا زیور آپ کو دے چلی ہوں اور یہ جو کچھ لے جا رہی ہوں یہ میرے اپنے کپڑے اور جوتے ہیں۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ یہ بھی آپ کے دیئے ہوئے ہیں تو یہ بھی رکھ لیں''۔

''تم جا کہاں رہی ہو؟''۔۔۔ ساس نے پوچھا۔

''اللہ کہیں تو پناہ دے دے گا''۔۔۔ بختی نے جواب دیا۔۔۔ ''مجھ منحوس کو آپ نے دھتکار دیا ہے تو کسی جنگل بیابان میں پناہ مل جائے گی''۔

وہاں پرویز کی بہنیں اور محلے کی دو تین عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اپنی ناک رکھنے کی خاطر ساس نے بختی سے کہا کہ وہ انہیں اس طرح ذلیل و خوار نہ کرے، لوگ نہ جانے کیسی کیسی باتیں بنائیں گے۔

''آپ سب نے مجھے جو باتیں کہہ ڈالی ہیں وہ تو میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گی''۔۔۔ بختی نے کہا۔۔۔ ''نہ مجھے لڑنا آتا ہے نہ میں بحث میں الجھوں گی۔ میں نے کہا ہے کہ اٹیچی دیکھ لیں ایسا نہ ہو کہ میں چلی جاؤں تو آپ پیچھے مجھے بدنام کرتی پھریں کہ میں آپ کی فلاں چیز چوری کر کے لے گئی ہوں''۔

''تیرا دماغ تو صحیح ہے؟''۔۔۔ ایک رشتہ دار عورت نے بختی سے کہا۔۔۔ ''عزت اور آبرو والیاں یوں گھروں سے نہیں جایا کرتیں...... چل اندر چل کے بیٹھ''۔

بختی نے سنی اَن سنی کر دی، اٹیچی بند کیا، اٹھایا اور اس گھر سے نکل گئی۔ کسی نے اس کے پیچھے جا کر نہ پکڑا۔ اسی سے ان کی ذہنیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہ بختی کو اپنے خاندان کی عزت سمجھتیں تو اس کے راستے میں آ کر روک لیتیں اور دھکیل دھکیل کر واپس لے آتیں۔

گھر سے کچھ دور جا کر اسے تانگہ مل گیا اور وہ پھر سی آئی ڈی کے دفتر میں جا پہنچی۔ اختر کو بتایا کہ وہ آ گئی ہے اور اسے یہ بھی بتایا کہ وہ کس طرح آئی ہے اور اس کے گھر کی عورتوں کا رویہ کیا تھا۔

''لعنت بھیجو بختی!''۔۔۔ اختر نے کہا۔۔۔ ''اب تمہاری نئی زندگی کا آغاز ہو گا جس میں تمہیں کوئی دکھ نہیں ہو گا نہ کوئی تکلیف ہو گی''۔

اختر اسے اپنے گھر لے گیا۔ یہ درمیانہ درجے کا ایک صاف ستھرا مکان تھا۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر نوکر بھی تھا۔ اختر اس گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ اختر نے نوکر کو بختی کے متعلق کچھ باتیں بتائیں اور اسے بختی سے کہا کہ اسے وہ کوئی ایسی ویسی عورت نہ سمجھے اور پوری عزت اور احترام سے اس کا خیال رکھے۔

+++

بختی کی نئی زندگی کا آغاز تو ہو گیا۔ اسے سب سے زیادہ خوشی یہ دیکھ کر ہوئی تھی کہ اختر نے اسے دلی محبت اور ہمدردی سے اپنی پناہ میں لیا تھا۔ اس کے انداز میں دنیا داری کی بناوٹ نہیں تھی البتہ ایک بات تھی جو بختی کو کبھی کبھی پریشان کر دیتی تھی۔ وہ یہ کہ وہ خوبصورت عورت تھی اور اختر بھی خوبرو جوان آدمی تھا اور وہ زندہ دل تھا۔ بختی ڈرتی تھی کہ کبھی اختر کی نیت بگڑ نہ جائے۔ بختی شادی سے پہلے جسمانی تعلق رکھنے کو کبیرہ گناہ سمجھتی تھی اور جیسا کہ پہلے میں نے بتایا کہ وہ اپنی آبرو اور عصمت کو اپنے ایمان کی طرح مقدس و عزیز سمجھتی تھی۔

بختی یہ بھی سوچتی تھی کہ اختر نے کبھی ایسی ناروا فرمائش کر دی تو وہ کیا کرے گی۔ انکار کی صورت میں اختر اسے گھر سے نکال سکتا تھا اور پھر بختی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

بختی نے باورچی خانہ سنبھال لیا اور اس گھر کو اپنا گھر سمجھ کر بنانے سنوارنے لگی۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ ایک دو مرتبہ اسے خیال آیا کہ نوکر سے پوچھے کہ اختر کی پرائیویٹ زندگی کس طرح گزرتی ہے اور وہ اخلاقی لحاظ سے کیسا ہے۔ بختی کو اس لیے اعتبار نہیں آتا تھا کہ پولیس والوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ شریف لوگ نہیں ہوا کرتے لیکن بختی عقل والی عورت تھی۔ اس نے نوکر کے ساتھ ایسی کوئی بات نہ کی کیونکہ وہ اختر کا نوکر تھا۔ وہ اختر کو بتا سکتا تھا کہ یہ عورت اس کے متعلق یہ باتیں پوچھ رہی ہے۔ اس لیے غلط فہمی کا امکان تھا۔

بختی نے اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل کو اللہ کے حوالے کر دیا اور اللہ سے ہی مدد کی

دعائیں کرنے لگی۔ بہرحال ایک خدشہ تھا جو ہر لمحہ اس کے دل پر سوار رہتا تھا۔

کوئی ایک مہینہ گزر گیا۔ اختر نے اس ایک مہینے میں کوئی ناروا بات یا قابلِ اعتراض حرکت نہ کی۔ اگر اختر کی نیت بد ہوتی تو وہ اتنا انتظار نہ کرتا۔ بدنیت آدمی جب دیکھتا ہے کہ یہ عورت اس کے رحم و کرم پر ہے تو پھر وہ زیادہ انتظار نہیں کرتا۔ ایسی عورت کی مجبوری سے وہ پورا پورا فائدہ اٹھایا کرتا ہے۔ بختی کو کچھ اطمینان ہو گیا لیکن رات کے وقت باہر ذرا سی آہٹ ہوتی تو وہ چونک پڑتی اور سمجھتی کہ اختر اس کے کمرے میں آ رہا ہے لیکن ایسا کبھی بھی نہ ہوا۔

آخر تین مہینے بخیر و خوبی گزر گئے۔ ایک روز اختر نے بختی سے پوچھا کہ اب اس کا کیا ارادہ ہے۔ اگر وہ چاہئے تو کسی بھی دن نکاح پڑھوایا جا سکتا ہے۔

بختی تو چاہتی تھی کہ جلد سے جلد نکاح ہو جائے۔ دو روز بعد اختر ایک نکاح خواں کو اور اپنے تین چار دوستوں کو ساتھ لے آیا اور بختی اور اختر کا نکاح ہو گیا۔

+++

بختی اختر کے کردار سے متاثر نہ ہوتی تو کیوں نہ ہوتی۔ وہ تین مہینے اس کے ساتھ رہی اور اختر نے اسے ایک جوان اور خوبصورت عورت سمجھا ہی نہیں۔ بختی تو اس کی غلام اور مرید ہو گئی۔ اختر نے اس کا پرس پیسوں سے بھر دیا اور اسے کہا کہ وہ پیسے جہاں چاہے اور جتنے چاہے خرچ کیا کرے اور اختر اس سے کوئی حساب نہیں لے گا۔

''اختر صاحب!'' ___ بختی نے کہا ___ ''مجھے پیسے کی نہیں پیار کی ضرورت ہے۔ پیار کی خاطر میں فاقہ کشی کرنے کو تیار ہوں''۔

''بختی!'' ___ اختر نے کہا ___ ''میں نے آج تک تمہیں وہ بات نہیں کہی جو میرے دل میں ہمیشہ تڑپتی رہی ہے۔ تم پہلی عورت ہو جس کے ساتھ مجھے دلی محبت نہیں بلکہ عشق ہوا ہے۔ میں محبت اور عشق کے صرف نام سے ہی واقف تھا لیکن پہلی بار تمہیں دیکھا تو اس وقت میرے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔ تم شاید سمجھتی رہی ہو کہ پرویز میرا دوست ہے اس لیے میں تمہاری ذات میں اتنی زیادہ دلچسپی لیتا ہوں لیکن یہاں معاملہ بالکل ہی کچھ اور تھا۔ ایسی بات تو میں کبھی نہیں کہوں گا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ پرویز مر گیا ہے اور ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ تم میرے پاس آ گئی۔ یہ تو اللہ کی باتیں ہیں۔ جیسا اس کا حکم ہوتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اللہ نے آسمان میں ہماری جوڑی بنا دی تھی لیکن حالات نے

ایک دوسرے سے دور رکھا''۔

یہ تو مختصری ایک بات ہے جو میں نے لکھ دی ہے۔ بختی نے اختر کی ایسی بہت سی باتیں سنائی تھیں جن میں بختی کا پیار موجزن تھا۔ بختی نے کہا کہ وہ کوئی ایسی بچی تو نہ تھی کہ اختر کی باتوں میں آ جاتی۔ اختر کی باتوں میں ذرا سی بھی بناوٹ نہیں تھی بلکہ ایک ایک لفظ اس کے دل سے نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

''اپنے متعلق تمہیں ایک اور بات بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں بختی!'' ___ اختر نے کہا ___ ''میں دنیا کا پھٹکارا اور دھتکارا ہوا انسان ہوں۔ مجھے محبت نہیں نفرت ملتی رہی ہے۔ میں آج جو کچھ ہوں یہ میں خود بنا ہوں۔ میرے جسم پر بہت تشدد ہوا ہے اس لیے میں یہی سمجھ بیٹھا کہ پیار کا تعلق بھی جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور پیار جسمانی اذیتوں کو سہلا لیتا ہے لیکن تمہیں دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ روح بھی کچھ چیز ہے اور میری روح پیاسی ہے اور صرف تم میری روح کی پیاس بجھا سکتی ہو''۔

بختی کے ساتھ پرویز کو بھی محبت ہی تھی لیکن اب اسے پتہ چلا کہ پرویز کی محبت میں وہ بات نہیں تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بختی نے پرویز کو ذہن اور دل سے نکال پھینکا تھا۔ پرویز نے اسے پناہ دی تھی، پیار دیا تھا اور اپنے گھر میں آباد کیا تھا۔ بختی نے مجھے یہ باتیں سناتے ہوئے کہا کہ اختر کے پیار میں دیوانگی سی تھی۔

دن گزرنے لگے۔ بختی کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اسے جہنم میں سے نکال کر جنت میں جگہ دے دی گئی ہو...... ابتدا میں بختی نے اختر سے نہ پوچھا کہ اس پر ظلم و تشدد کس نے کیا تھا۔ ایک روز بختی نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اپنی گزری ہوئی زندگی کی داستان سنائے۔

+++

اختر نے اپنے ماضی سے پردے اٹھا دیئے۔ میں اختر کے ماضی کی پوری داستان نہیں لکھوں گی کیونکہ یہ ایسی کہانی ہے جو آپ نے ایک سو ایک بار سنی ہو گی کہ ہمارے معاشرے کی ایک عام سی واردات ہے۔ کوئی نئی بات نہیں۔ میں یہ مختصر کر کے سناؤں گی۔

اختر حسین جہلم کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ انگریزوں کی ہندوستانی فوج میں حوالدار تھا۔ جنگِ عظیم شروع ہوئی اور پھر جاپان بھی جنگ میں شامل ہو گیا اور حملہ کر کے برما تک آن پہنچا۔ اختر کے باپ کی بٹالین کو برما فرنٹ پر بھیج دیا گیا اور وہ وہیں مارا گیا۔ یہ جنگ

کے ابتدائی دور کا حاشہ ہے۔

اس وقت اختر کی عمر چودہ پندرہ سال تھی۔ اس کی دو چھوٹی بہنیں بھی تھیں۔ یہ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اختر کو اپنے باپ کی موت کا کس قدر دکھ ہوا ہو گا لیکن ماں نے اسے ایک اور دکھ دے دیا وہ یہ کہ پانچ چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی۔

اختر نے بختی کو بتایا کہ اس کی ماں کو شادی کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ بتانا تو بہت ہی مشکل ہے کہ اس کی ماں کو دوسری شادی کی ضرورت تھی یا نہیں لیکن اصل معاملہ یہ تھا کہ اختر کسی اور کو اپنا باپ تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے پسند تھا کہ اس کی ماں کسی اور کی ہو جائے۔

سوتیلا باپ اور خصوصاً سوتیلی ماں ہمارے معاشرے کے جانے پہچانے اور بڑے ہی مشہور کردار ہیں۔ سب کی کہانی ایک ہی جیسی ہے جو نہ جانے کب شروع ہوئی تھی اور ابھی تک ختم نہیں ہوئی...... اختر اس وقت ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس کے سوتیلے باپ کے پہلے ہی دو بچے تھے۔ جیسا کہ سوتیلے پن میں ہوتا ہے ویسا ہی اختر کے ساتھ ہوا۔ گھر میں اس کی اہمیت ختم ہو گئی اور اس نے محسوس کیا کہ اسے سوتیلے بھائیوں کا نوکر بنا دیا گیا ہے۔ سوتیلا باپ اسے نوکروں کی طرح ہی استعمال کرتا تھا۔

دوسری شادی کے فوراً بعد اختر اپنی ماں کے خلاف ہو گیا تھا اور سوتیلے باپ کو تو وہ کوئی اہمیت دیتا ہی نہیں تھا۔ وہ اس کا ہر حکم تو مان لیتا تھا لیکن اس کے اندر بغاوت پیدا ہو گئی تھی۔ ابھی اس نے اس بغاوت کا عملی طور پر اظہار نہیں کیا تھا۔ ماں کے ساتھ تو اس کی بول چال ہی بند ہو گئی تھی۔ اس گھر کا ماحول اتنا خراب ہو گیا تھا کہ کوئی بچہ پڑھ ہی نہیں سکتا تھا لیکن اختر نے آٹھ جماعتیں پاس کر لیں۔ یوں سمجھیں کہ وہ اسی عمر میں جوان ہو گیا۔ اس کے کہنے کے مطابق اس میں خود اعتمادی تھی اور یہ یقین کہ اس کا یہ رویہ بالکل صحیح ہے......

ایک روز سوتیلے باپ نے اس کی ایک بہن کو گالیاں دیں اور پھر اس کے منہ پر تھپڑ بھی مارا۔ اختر برداشت نہ کر سکا۔ اسے بھی باپ نے کئی بار مارا پیٹا تھا لیکن وہ برداشت کرتا رہا تھا۔ اب اس کی بہن کو سوتیلے باپ نے تھپڑ مارا تو اختر اٹھ کھڑا ہوا اور باپ کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ باپ ویسے بھی کچھ غصیلا آدمی تھا۔ وہ اختر کو مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ اختر نے

قریب پڑا ایک ڈنڈا اٹھا لیا۔

''خبردار!''___ اختر نے باپ سے کہا۔ ''آج کے بعد میرے قریب نہ آنا اور میری کسی بہن پر ہاتھ نہ اٹھانا''۔

ماں نے اس کے ساتھ یہ زیادتی کی کہ پیچھے سے پکڑ لیا اور باپ نے اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ اچھا خاصا ہنگامہ ہوا۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا، اس سے پہلے کئی بار باپ نے اس کی پٹائی کی تھی اور انتہائی معمولی باتوں پر کی تھی۔ اب اختر مکمل طور پر باغی ہو گیا تھا۔ اگر ماں اس کا ساتھ دیتی تو شاید وہ کچھ مطمئن رہتا لیکن ماں بھی اختر کے سوتیلے باپ کے ساتھ تھی اور اختر نے بختی کو بتایا کہ اس روز یہ پٹائی ماں نے ہی اس کی کرائی تھی۔

رات اختر نے موقع دیکھ کر کچھ پیسے چوری کیے اور گھر سے نکل گیا۔ وہ گھر سے ہی نہیں جہلم سے بھی نکل گیا تھا اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ پیچھے اس کے باپ نے اسے کہاں کہاں تلاش کیا اور کیا کچھ کیا۔ اگلی صبح وہ راولپنڈی تھا۔

+ + +

یہاں میں پھر کہوں گی کہ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بختی کو بھی اختر نے اتنی لمبی چوڑی باتیں نہیں سنائی تھیں سوائے اس کے کہ ایک سال تک اس نے چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں میں نان بائیوں کی دکانوں پر نوکری کی جس سے اسے تھوڑے سے پیسے بھی ملتے رہے اور روٹی بھی ملتی رہی۔ اس نے بختی کو صاف الفاظ میں بتایا کہ وہ اب شریف لڑکا نہیں رہا تھا۔ جہاں موقع ملتا وہ چوری چکاری کر لیتا تھا۔

کچھ وقت اور گزرا تو جنگِ عظیم ختم ہو گئی اور پھر تحریکِ پاکستان شروع ہو گئی۔ اختر کو ایک اچھے گھر میں نوکری مل گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ واقعی بہت اچھے تھے۔ اس گھر میں اس نے کوئی چوری نہ کی اور نہ کوئی بدتمیزی کی اور بڑی دیانتداری سے نوکری کرتا رہا۔

اس گھر کا مالک کوئی بڑا نیک آدمی تھا اور روپے پیسے والا بھی تھا۔ اختر نے اپنے متعلق اسے سب کچھ بتا دیا اور کہا کہ وہ آگے پڑھنا چاہتا ہے۔ اس شخص نے اپنے دو بیٹوں سے کہا کہ وہ اسے کچھ نہ کچھ پڑھاتے رہا کریں۔ اختر دراصل اس قسم کی نوکریوں سے بچنا چاہتا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ کوئی اچھا سا مستقبل بنائے۔

یہ آدمی پکا مسلم لیگی تھا۔ بلکہ مقامی لیڈر کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ اس نے مسلم لیگ کا دفتر کھول لیا اور مسلم لیگی نوجوان اور کالج سٹوڈنٹ اس دفتر میں جا کر تحریکِ پاکستان کا باقاعدہ کام کرتے تھے۔ اس نے اختر پر یہ کرم کیا کہ اسے گھر سے ہٹا کر اس دفتر میں رکھ لیا اور اب وہ اسی دفتر میں رہتا اور جو کام اسے دیئے جاتے وہ کرتا تھا۔

یہاں میں ایک بات کہنا چاہوں گی۔ مسلم لیگ کے دفتر سے آپ کے سامنے آج کل کی سیاسی پارٹیوں کے دفتر نہیں آنے چاہئیں۔ تحریکِ پاکستان ایک منظم طریقے سے چلائی جا رہی تھی۔ لاہور ہائی کمانڈ سے احکام ملتے تھے اور اس کے مطابق ورکر کام کرتے تھے۔ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ لیڈر اپنے آپ ہی بیان دیتے پھرتے۔

جی میں آتی ہے کہ تحریکِ پاکستان کے متعلق پوری باتیں سناؤں اور اختر کے متعلق بھی بہت کچھ لکھوں لیکن اس طرح میں اصل کہانی سے ہٹ کر بہت دور نکل جاؤں گی۔ مختصر یہ کہ اختر تحریکِ پاکستان کے کام بڑی دیانتداری سے کرتا تھا بعض اوقات کوئی خفیہ پیغام کسی جگہ پہنچانا ہوتا تو وہ اختر کو دیا جاتا تھا۔ وہ بھلے لوگوں کا زمانہ تھا۔ قائداعظم نے قوم کو ایک پرچم تلے متحد کر کے ایک جسم بنا دیا تھا۔ اس جسم کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی تھی تو سارا جسم اسے محسوس کرتا تھا۔ آج تو وہ وقت ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ ایک مسلمان کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا تو کوئی نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچ جاتا اور اس کی مشکل آسان کر دیتا تھا۔

اختر ایک کالج سٹوڈنٹ کی مدد اور تعاون سے پڑھتا بھی رہا اور تحریکِ پاکستان کے کام بھی کرتا رہا۔ اس طرح اس نے میٹرک پرائیویٹ طور پر پاس کرنے کے لیے پوری تیاری کر لی۔

آخر اللہ نے قوم کی قربانیوں کو قبول فرمایا اور پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ اس کے ایک سال بعد اختر نے سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس کر لیا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً بائیس سال ہو گئی تھی۔

تقریباً ایک سال اختر مختلف دفتروں میں نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ وہ بے روزگاری کا زمانہ نہیں تھا۔ سرکاری دفتروں میں کام کرنے والوں کی اکثریت ہندوؤں اور سکھوں کی تھی۔ مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ ہندو اور سکھ سرحد پار چلے گئے تھے اور دفتروں میں بے شمار جگہیں خالی تھیں۔ اختر کو آسانی سے نوکری مل سکتی لیکن وہ اپنی مرضی اور پسند کی

نوکری چاہتا تھا۔ اختر میں خاص قسم کی ذہانت اور ملنساری تھی۔ اس نے ایک ایسا معزز آدمی ڈھونڈ نکالا جس کا اثر و رسوخ خاصا وسیع تھا۔ وہ اختر کو کسی حد تک جانتا تھا اور اختر کے متعلق اسے جو باتیں معلوم نہیں تھیں وہ اس نے بتا دیں۔ اس بھلے آدمی نے غالباً یہ سوچا ہو گا کہ اس نوجوان کو اس کے مطلب کی نوکری نہ ملی تو یہ آوارہ ہو جائے گا۔ اس نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا اور اختر کو پولیس میں ڈائریکٹ اے ایس آئی بھرتی کروا دیا۔

اس وقت ابھی نوکریوں کے لیے رشوت کے ریٹ مقرر نہیں ہوئے تھے۔ پاکستان نیا نیا بنا تھا اس لیے لوگوں میں قومی جذبہ موجود تھا۔

اختر نے بختی کو سنایا کہ وہ جب پولیس میں گیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ پولیس میں ہی سروس کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آ گئیں۔ سوتیلے باپ نے اس میں مجرمانہ رجحانات بھی پیدا کر دیئے تھے۔ ذاتی نقطۂ نگاہ سے دیکھیں تو اختر کو پیشہ ور مجرم بن جانا چاہئے تھا۔ پھر جن میں چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں اور نانبائیوں کی دکانوں میں اس نے نوکری کی تھی ان کے مالکوں نے بھی اختر کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ صبح سے رات دس گیارہ بجے تک اس سے کام لیتے تھے۔ اگر کوئی برتن ٹوٹ جاتا تو یہ مالک اس کی اس قدر پٹائی کرتے تھے جیسے اس کے جسم کو اسی طرح توڑ پھوڑ دیں گے جس طرح اس نے برتن توڑا ہے۔

اختر پر اللہ کا یہ خاص کرم تھا کہ اس کی ذاتِ باری نے اس میں کوئی ایسی صلاحیت یا کوئی ایسا عنصر پیدا کر دیا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو ان مجرمانہ رجحانات کے آگے جھکنے نہ دیا بلکہ اس نے اپنی عقل کو قائم رکھا اور کسی حد تک خوش ہوا کہ اسے ہر قسم کا، اچھا اور برا، تجربہ حاصل ہو گیا ہے جو اس کے لیے پولیس سروس میں مدد اور معاون ثابت ہو گا۔

+++

اس نے ٹریننگ بڑی دلی سے مکمل کر لی۔ چونکہ پولیس سروس اس کی فطرت اور پسند کے عین مطابق تھی اس لیے اس نے ٹریننگ نمایاں کامیابی سے پوری کی اور وہ بڑے افسروں کی توجہ میں آ گیا۔

اسے یکے بعد دیگرے دو تھانوں میں تعینات کیا گیا۔ دونوں تھانوں کے انچارج سب انسپکٹر اس سے بہت متاثر ہوئے۔ اب تو اس کی صلاحیتیں اور بھی زیادہ ابھر آئیں اور

انہیں اس نے بڑی دانشمندی سے استعمال کیا۔ اس طرح اس نے ذہانت اور تجربہ کاری میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔

دونوں تھانوں میں اس نے بعض ایسی سنگین وارداتوں کی تفتیش کر کے ان کے ملزم پکڑ لئے تھے جن کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ ملزموں نے چونکہ واضح سراغ نہیں چھوڑا اس لیے نہیں پکڑے جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اختر کو سی آئی ڈی میں بھیج دیا گیا تھا۔ اختر نے جاتے ہی جاسوسی اور سراغ رسانی کی مزید اہلیت حاصل کر لی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ اس کی خداداد صلاحیتیں تھیں جنہوں نے اسے اس کے محکمے میں بہت اونچا مقام دلا دیا اور بڑے بڑے افسر بھی اسے عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

+ + +

آپ یقیناً اس انتظار میں ہوں گے کہ پتہ چلے پرویز کے قتل میں سعید کو کیا سزا ملی تھی...... یہ تو میں بیان کر آئی ہوں کہ سعید کی پچھلی مجرمانہ ہسٹری صاف بتاتی تھی کہ وہ پہلے ساقی کو پھر پرویز کو اپنا دشمن سمجھتا تھا اور یہ شخص قتل تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ عدالت میں اس کا ایک سال سزا کا ریکارڈ بھی پیش کیا گیا۔ ایک بار پھر ماڈل ٹاؤن کے تھانے کے تھانیدار اور انارکلی کے علاقے کے تھانیدار کو کورٹ میں طلب کیا گیا۔ یہ میں پہلے بیان کر آئی ہوں کہ ان دونوں تھانیداروں کو کیوں طلب کیا گیا تھا۔

ماڈل ٹاؤن کے تھانیدار نے بیان دیا کہ کس طرح سعید نے ساقی پر چاقو چلا دیا تھا اور انارکلی کے تھانے کے تھانیدار نے بیان میں کہا کہ سعید نے انارکلی میں بختی کو پکڑ لیا تھا۔ اگر لوگ بیچ بچاؤ نہ کرا دیتے اور سی آئی ڈی کا ایک کانسٹیبل اتفاق سے نہ آ جاتا تو سعید پرویز پر بھی قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا۔

پھر پرویز کے اغوا کی واردات کوئی معمولی واردات نہیں تھی۔ پرویز آخر سعید کے قبضے سے برآمد ہوا تھا اور مقدمے میں اس کا یہ سنگین جرم ثابت ہو گیا تھا۔ اس مقدمے کا پورا ریکارڈ کورٹ میں پیش کیا گیا اس علاقے کے تھانیدار کو بھی عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔ اس نے پورا بیان دیا تھا کہ سعید نے پرویز کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کس طرح اغوا کیا اس سے کیا مطالبہ کرتا رہا اور آخر کار اسے کہا کہ دو دونوں کے اندر پرویز نے بختی کو طلاق نہ لکھی تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

سعید کو قتل کا ملزم ثابت کرنے کے لیے یہی وارداتیں کافی تھیں لیکن اے ایس آئی اختر نے اپنے بیان میں بتایا کہ پرویز پر کس طرح گولی چلی تھی اور تھوڑی دور ایک آدمی کہیں جا رہا تھا جسے اختر نے بلایا اور پرویز کی لاش کے پاس کھڑا کیا تھا۔ پھر اختر سعید کے گھر گیا اور اس کی بندوق برآمد کی تھی۔ اختر نے بڑی محنت کر کے اس واردات کا سراغ لگا لیا تھا۔ شہادت بھی اس نے اکٹھی کی تھی۔ یہ میں پہلے بتا چکی ہوں کہ اس نے کس قدر تیزی سے ساری کارروائی کی تھی۔

اس آدمی کو بھی عدالت میں پیش کیا گیا جو کچھ دور جا رہا تھا اور اختر نے اسے لاش کے پاس کھڑا کیا تھا۔ اس شخص نے بیان دیا کہ وہ ملزم کا چہرہ تو نہیں دیکھ سکا تھا لیکن ڈیل ڈول کپڑے قد کاٹھ بالکل ایسا ہی تھا جیسا سعید کا ہے۔

اختر نے بختی کو یہ دلچسپ بات سنائی کہ جب اختر کا کورٹ میں بیان ہوا تو سعید بول پڑا۔

''یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے'' ـــــ سعید نے کہا ـــــ ''بے شک بندوق میں نے فائر کی تھی لیکن اے ایس آئی اختر نے میرے ساتھ پہلے سودا طے کر لیا تھا۔ اس نے مجھ سے پانچ ہزار روپیہ نقد لیا تھا اور کہا تھا کہ یہ پرویز کو اس جگہ کسی بہانے لے جائے گا۔ سعید اس جگہ کہیں چھپا رہے اور اس مقتول کو قتل کر دے''۔

میں نے پہلے بتایا ہے کہ ملزم کو مقدمے کے دوران بولنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ پہلے تو سعید خاموش رہا تھا لیکن وہ اچانک پھٹ پڑا۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ابتدا میں سیشن جج نے اسے سے پوچھا تھا، کیا اس نے اس مقتول کو قتل کیا ہے؟ سعید نے جواب دیا تھا کہ اس نے یہ جرم نہیں لیکن اب اس نے اختر کو جھٹلانے کے لئے کہہ دیا کہ یہ فائر اسی نے کیا تھا لیکن اختر کے ساتھ اس کا سودا ہو گیا اور اختر نے اس سے رقم بھی لے لی تھی۔

بجائے اس کے کہ کورٹ سعید کے اس واویلے پر توجہ دیتی، جج نے اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔ بہر حال جج نے اس کے منہ سے یہ سن لیا کہ پرویز پر کارتوس اسی نے فائر کئے تھے۔

اس نکتے پر سرکاری وکیل اور سعید کے وکیل کے درمیان بڑی گرما گرم بحث ہوئی لیکن جج نے اس بحث کو غیر قانونی قرار دے کر دونوں کو چپ کرا دیا۔

میں تو قانون کی ان باریکیوں سے واقف نہیں، بختی نے مجھے وہ باتیں سنائیں جو اسے اختر نے سنائی تھیں۔ اس نے بتایا کہ قانون میں ایک اجازت موجود ہے کہ ملزم اگر بیان دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ غالباً اس کی کچھ شرائط ہیں۔ سعید کے وکیل نے کورٹ میں درخواست دے دی کہ ملزم کو بیان دینے کی اجازت دے دی جائے۔ جج نے اجازت دے دی اور سعید نے اپنا بیان دیا۔

جج نے یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ ملزم ذہنی طور پر صحیح نہیں۔ اس پر سرکاری وکیل نے جرح کی تو سعید نے عجیب اوٹ پٹانگ سے جواب دیئے پھر جج نے اس سے سوال پوچھے تو سعید نے اور ہی زیادہ بے معنی باتیں شروع کر دیں۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ اے ایس آئی اختر نے اس سے پیسے لیے تھے اور کہا تھا کہ وہ پرویز کو گولی مار دے اور اسے گرفتار نہیں کیا جائے گا۔

ملزم اگر کہے کہ فلاں نے اسے فلاں کے قتل پر اکسایا تھا اور پیسے دیئے تھے یا کوئی اور لالچ دیا تھا تو کوئی جج اس الزام کو صحیح نہیں مان سکتا جب تک ٹھوس ثبوت پیش نہ کیا جائے۔

سعید کے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں تھا بلکہ اس کی جو پچھلی ہسٹری تھی وہ بتاتی تھی کہ سعید پرویز کو قتل کر کے بختی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا۔ پرویز کے اغوا کی واردات سو فیصد اس کے خلاف جاتی تھی۔

آخر سیشن جج نے صاف طور پر محسوس کیا کہ ملزم دماغی طور پر صحیح نہیں۔ اس کے ساتھ ہی سعید کے وکیل نے درخواست دے دی کہ ملزم کا ذہنی معائنہ کرنے کے لیے ڈاکٹروں کا بورڈ تشکیل دیا جائے۔ جج نے یہ درخواست مان لی اور دو تین ماہرینِ نفسیات کو کورٹ میں طلب کیا گیا۔ انہوں نے اسی روز اپنے طریقے سے جیل میں جا کر سعید کا معائنہ شروع کر دیا اور آخر انہوں نے متفقہ فیصلہ دیا کہ ملزم پاگل پن کی حالت تک پہنچا ہوا ہے اور اسے کچھ احساس نہیں کہ اس نے کیا کیا ہے اور اس کے کیا نتائج ہوں گے وغیرہ۔

جج نے آخر یہ فیصلہ دیا کہ ملزم سعید دماغی لحاظ سے اپنے اعمال کا ذمہ دار نہیں اس لیے اسے مینٹل ہسپتال یعنی پاگل خانے میں داخل کرا دیا جائے۔ سعید کے وکیل نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی حالانکہ اس نے خود درخواست کی تھی کہ اس کا ملزم دماغی طور پر صحیح حالت میں نہیں۔ ہائی کورٹ نے اس کی اپیل مسترد کر دی۔

اس طرح سعید کا یہ کیس یہیں پر ختم ہو گیا اور اسے ہمیشہ کے لیے پاگل خانے میں بھیج دیا گیا۔

+ + +

بختی کی زندگی سے سعید کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا اور اس کی ازدواجی زندگی رواں ہو گئی۔ یہ تو میں بتا چکی ہوں کہ اختر اس پر جان چھڑکتا تھا۔ بختی نے اس سے پوچھا کہ اس کی پہلی شادی کہاں ہوئی تھی۔ اختر نے اسے بتایا کہ وہ کسی کے کہنے پر ایک لڑکی سے شادی کر بیٹھا۔ لڑکی شکل صورت کی جیسی تیسی تھی لیکن اس میں ایک تو گھٹن تھی اور ذہنی طور پر وہ بالکل ہی محدود سی تھی۔ اختر نے دو اڑھائی سال بعد اسے طلاق دے دی تھی اور اس کے بعد اس نے ارادہ کر لیا تھا اب اپنی پسند اور مرضی کی شادی کرے گا۔

پرویز کے قتل کا مقدمہ ختم ہوا تو بختی کے ہاں پہلی بچی پیدا ہوئی۔ دو سال بعد ایک اور بچی پیدا ہوئی۔ اڑھائی پونے تین سال بعد اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ یہ وہی بیٹا تھا جسے میں نے اس کے گھر میں دیکھا تھا۔

دو سال سے اختر سب انسپکٹر ہو گیا تھا۔ اسے سی آئی ڈی سے ہٹا کر ایک تھانے کا انچارج بنا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اسے مختلف تھانوں میں تعینات کیا جاتا رہا۔ کبھی کسی قصبے کا ایس ایچ او بنا دیا جاتا اور ایک دو مرتبہ اسے لاہور سے دور دیہاتی علاقے کے تھانے میں بھی تعینات کیا گیا۔

بختی نے مجھے بتایا کہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اختر کوئی شریف آدمی نہیں۔ وہ رشوت بھی لیتا تھا اور در پردہ کچھ اور غلط کام بھی کرتا تھا جس سے اسے حرام کی بہت آمدنی ہو جاتی تھی لیکن بختی نے کبھی اسے نہ کہا کہ وہ بچوں کو حلال کی آمدنی کھلائے اور حرام خوری سے باز آ جائے لیکن بختی اس خیال سے چپ رہی کہ اس نے اختر سے جھگڑا مول لے لیا اور اختر نے اسے گھر سے ہی نکال دیا تو وہ کہاں جائے گی۔

اختر نے اس سے کبھی کچھ نہیں چھپایا تھا۔ آمدنی جتنی ہوتی تھی وہ بختی کے حوالے کر دیتا تھا۔ بختی کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس قسم کے آدمی عورت باز بھی ہوتے ہیں لیکن بختی نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہ دی۔ وہ اپنے بچوں کو صحیح تربیت دے رہی تھی تاکہ وہ باپ کی لائن پر نہ چل پڑیں میں کئی سال پھلانگ کر بہت آگے چلی جاتی ہوں۔ وہ وقت آ گیا جب بختی کی

بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچ گئیں۔ اختر اپنی بیٹیوں کی ذمہ داریوں سے کسی وقت بھی لاتعلق نہ ہوا تھا۔ اس نے بیٹیوں کے لیے بہت کچھ بنالیا تھا۔

پہلے بڑی بیٹی کی شادی کی گئی اور دو یا تین مہینوں بعد اس سے چھوٹی بہن کی بھی شادی کر دی گئی۔

+++

پیچھے زبیر رہ گیا تھا۔ اس نے دس جماعتیں پاس کرلیں۔ اسے پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ باپ اسے اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتا تھا لیکن زبیر نے صاف انکار کر دیا۔ وہ کوئی ایسا آوارہ لڑکا نہیں تھا لیکن اس کے کچھ اپنے ہی خیالات تھے اور اپنی من مرضی کرنے والا تھا۔

بختی امیرانہ زندگی گزار رہی تھی لیکن یہ خلش ہر وقت اسے پریشان رکھتی تھی کہ یہ حلال کی کمائی نہیں۔ پھر بختی کو یہ پریشانی بھی لاحق رہتی تھی کہ حرام اپنا آپ ضرور دکھائے گا۔ بختی کو اللہ نے ایک ہی بیٹا دیا تھا جسے وہ زیادہ سے زیادہ تعلیم دلانا چاہتی تھی لیکن بیٹے نے دس جماعتوں سے آگے پڑھنے سے صاف انکار کر دیا۔ بختی کو یہ خیال آیا کہ یہ حرام کی کمائی کا اثر ہے۔

عموماً یوں ہوتا ہے کہ جس آدمی کی اتنی زیادہ حرام کی کمائی ہو وہ گناہوں اور عیاشیوں میں گم ہو جاتا ہے اور اپنی بیوی کو تو جیسے پہچاننے سے ہی انکار کر دیتا ہے لیکن اختر کا رویہ یہ نہیں تھا۔ باہر وہ نہ جانے کیا کچھ کرتا تھا اور کیسی کیسی عیاشیوں کا عادی ہو گیا تھا لیکن اس نے بختی کو دل سے نہ اتارا۔

پھر حرام کا دوسرا وار یہ ہوا کہ اختر کو اب تک انسپکٹر ہو جانا چاہئے تھا لیکن اختر نے ایک سنگین واردات کے ملزموں سے رشوت لے کر ان کا کیس کمزور کرنا چاہا تا کہ وہ بری ہو جائیں لیکن پکڑا گیا اور اسے معطل کر دیا گیا۔ دو تینوں مہینوں بعد اس کے خلاف محکمانہ کارروائی ہوئی اور اس کی ترقی سزا کے طور پر تین سالوں کے لیے ملتوی کر دی گئی۔

اختر کی سروس اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ کچھ عرصے بعد اسے ریٹائر ہو جانا تھا لیکن اختر کے گھٹنوں کے جوڑوں میں درد شروع ہو گیا۔ ابتدا میں تو اس درد کو معمولی سمجھا گیا لیکن درد میں کمی نہ آئی اور کہنیوں کے جوڑوں میں بھی درد شروع ہو گیا۔ اختر نے بڑے قابل ڈاکٹروں سے علاج کروایا لیکن درد کم ہونے کی بجائے بڑھتا جا رہا تھا۔

تقریباً ایک مہینے بعد انکشاف ہوا کہ اختر گنٹھیا کا مریض ہو گیا ہے۔ اس کے جسم کے دوسرے جوڑوں میں بھی درد شروع ہونے لگا تھا اور بڑی جلدی حالت یہاں تک پہنچی کہ اختر کے لیے چلنا پھرنا محال ہو گیا۔ اختر نے کوئی ڈاکٹر اور کوئی حکیم نہ چھوڑا لیکن افاقہ ہونے کی بجائے مرض میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

بختی کے ذہن میں ایک ہی خیال آتا تھا کہ یہ حرام خوری کی سزا ہے اور اختر نے ساری عمر جتنا حرام کمایا تھا وہ اس بیماری پر نکل جائے گا۔ عورتیں اسے کبھی کی خانقاہیں اور مزار دکھا رہی تھیں اور کہتی تھیں کہ وہ اختر کو وہاں لے جائے۔ بختی اس طرف توجہ نہیں دے رہی تھی۔ وہ اللہ کو یاد کرتی اور راتوں کو نفل پڑھتی اور اللہ سے اختر کے گناہوں کی معافی مانگتی تھی۔

ایسا تو اکثر ہوتا ہے کہ انسان اس قدر مایوس اور بے بس ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ سے ہٹ کر اللہ کے بندوں کے بتائے ہوئے توہمات میں جا الجھتا ہے۔ یہی حالت بختی کی ہوئی۔ وہ اختر کو خانقاہوں اور مزاروں پر لے جانے لگی لیکن کوئی معجزہ نہ ہوا۔ پھر کسی عورت نے کسی بزرگ کی کرامات سنائیں اور کہا کہ وہ دم کرتا ہے اور بڑے پرانے روگ ختم ہو جاتے ہیں۔ بختی اختر کو لئے اس بزرگ کے پاس جا پہنچی، دم کرایا، نذرانہ دیا اور واپس آ گئی لیکن روگ جہاں تھا وہیں رہا۔

چھ سات مہینے یوں گزرے کہ بختی کو کسی نے کوئی عامل یا کوئی شاہ جی بتایا تو وہ اختر کو اس کے پاس لے گئی۔ کسی نے کہا کہ کسی دشمن نے اس پر کوئی کالا جادو یا الٹے تعویذ کروا دیئے ہیں اور کسی نے کہا کہ اس نے کسی جن کو نقصان پہنچایا ہے پھر انہوں نے اپنی اپنی تشخیص کے مطابق بختی کو کچھ عمل بتائے اور طرح طرح کے تعویذ دیئے لیکن نہ کسی عمل نے اثر دکھایا نہ کسی تعویذ نے۔ بختی نے ان عاملوں اور شاہوں پر دولت لٹا دی مگر حاصل کچھ بھی نہ ہوا سوائے اس کے کہ اختر بالکل ہی چارپائی سے لگ گیا اور اس کا اٹھ کر کھڑا ہونا بھی محال ہو گیا۔

+++

ایک رات آئی کہ اختر کی حالت بہت ہی بگڑ گئی۔ ٹھیک طرح بول بھی نہیں سکتا تھا۔

"میری ایک بات مانیں"۔۔۔ بختی نے اختر سے کہا۔۔۔ "آپ نے جس طرح

زندگی گزاری ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ وہ کون سا گناہ ہے جو آپ نے نہیں کیا۔ میں اگر آپ سے خفا نہیں ہوئی اور آپ کے پیار کی خاطر سب کچھ برداشت کرتی رہی تو یہ نہ بھولیں کہ خدا یقیناً ناراض ہوا ہے۔ میں نے پوری پوری رات عبادت کی اور اللہ سے آپ کی صحت مانگی ہے لیکن اللہ شاید مجھ سے ناراض ہے۔ آپ آج اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگیں اور توبہ کریں کہ آئندہ آپ کوئی گناہ نہیں کریں گے۔"

"بختی!"___ اختر نے کہا___ "میں صاف محسوس کر رہا ہوں کہ یہ رات میری زندگی کی آخری رات ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ آخری وقت توبہ قبول نہیں کرتا۔ تم نے ٹھیک کہا ہے کہ میری زندگی گناہوں میں گزری ہے، لیکن میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جو اللہ شاید معاف نہیں کرے گا اور تم بھی معاف نہیں کرو گی۔ میں تمہیں اپنا یہ گناہ بتا دیتا ہوں۔ اللہ نے معاف کرنا ہوا تو کر دے گا۔ میرے ضمیر پر اس کا بہت بڑا بوجھ ہے اور میں جان گیا ہوں کہ مجھے اللہ اسی گناہ کی سزا دے رہا ہے۔"

"ایسا نہ کہیں کہ میں آپ کو معاف نہیں کروں گی"___ بختی نے کہا___ "ضمیر سے یہ بوجھ اتار دیں۔ مجھے بتائیں یہ کیا گناہ تھا۔ میں اللہ سے بخشش مانگوں گی۔"

"پھر سنو بختی!"___ اختر نے کہا___ "پرویز کو گولی تو سعید نے ہی ماری تھی لیکن یہ گولی میں نے مروائی تھی اور سارا میرا انتظام تھا۔ مجھے تم سے اتنی محبت تھی کہ میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتا تھا۔ تمہیں حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ پرویز کو دنیا سے اٹھا دیا جائے۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ سعید پرویز کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے عدالت میں مجھ پر یہ جو الزام لگایا تھا کہ میں نے اس سے پیسے لے کر اس کے لیے موقع پیدا کیا تھا کہ وہ پرویز کو گولی مار دے اور پکڑا نہیں جائے گا۔"

بختی کی تو یہ حالت ہو گئی جیسے اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو یہ تو اختر کی محبت تھی جس نے اسے سنبھال لیا۔ اختر نے ساری عمر اسے ذرا سی بھی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ اختر بختی کو دیوانہ وار چاہتا تھا۔ اس نے بختی کو گھر کی ملکہ بنا کر رکھا ہوا تھا۔

اختر نے اسے پرویز کے قتل کی واردات سنائی کہ اختر سعید سے ملا اور اسے کہا کہ وہ اسے اتنی رقم دے اور وہ سعید کے لیے موقع پیدا کر دے گا کہ وہ پرویز کو قتل کر دے گا اور وہ پکڑا نہیں جائے گا۔ اختر نے اسے اپنی سکیم بتائی۔ سعید دماغی طور پر تو تھا ہی معذور، اس نے

گھر سے رقم چوری کی اور اختر کو دے دی۔

قتل کی شام اختر پرویز کو اس طرف کسی بہانے لے لیا۔ ان میں بڑی گہری دوستی تھی اور پرویز اس کے ساتھ جانے سے انکار کر نہیں سکتا تھا۔ دراصل اختر کی زندگی پوری ہو چکی تھی اور موت نے سبب بنا دیا تھا۔ اختر نے بختی کو سنایا کہ سعید بندوق لے کر ایک جگہ چھپ گیا تھا۔

اختر پرویز کو اس نشیبی جگہ لے گیا۔ وہاں جانے کا کوئی اور جواز نہیں تھا سوائے اس کے کہ راستہ اس نشیب سے گزرتا تھا۔ دونوں اس نشیب میں گئے تو اختر نے کہا کہ تم ٹھہرو، میں پیشاب کر لوں۔ وہ دراصل پرویز سے دور ہٹنا چاہتا تھا۔ جونہی اختر پرویز سے ذرا دور گیا تو وہ دو کارتوس فائر ہوئے۔ یہ سعید نے فائر کیے تھے اور خطا نہیں گئے تھے۔ چھرے پرویز کی پیٹھ میں لگے اور پرویز گر پڑا۔

اختر نے پھر یہ انکشاف کیا کہ وہ آدمی نشیب کے اوپر اوپر کہیں جا رہا تھا وہ اختر کے لیے اجنبی نہیں تھا بلکہ اختر کا ہی آدمی تھا۔ اسے اختر نے اپنا گواہ بنانا تھا۔

اختر نے اس آدمی کو بلا کر پرویز کی لاش کے قریب کھڑا کیا اور بڑی ہی تیزی سے علاقے کو تھانے میں پہنچا اور پھر سعید کے گھر پر چھاپہ مارنے کا بندوبست کیا، یہ تو میں آپ کو سنا چکی ہوں۔ یہ اختر کی پہلے ہی سوچی ہوئی باتیں تھیں جو اس کی مرضی کے مطابق ہوتی گئیں۔

"اور بختی!"___ اختر نے کہا___ "مجھے یقین تھا کہ تم میرے ساتھ شادی کر لو گی۔ تمہارا کوئی گھر گھاٹ اور کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ میری سکیم کامیاب ہو گئی...... تم اگر مجھے معاف کر سکتی ہو تو کر دو اور اللہ سے میں میرے لیے معافی مانگو میں نے اپنی روح کا بوجھ تمہارے قدموں میں ڈال دیا ہے۔"

بختی نے مجھے بتایا کہ اختر بڑی ہی مشکل سے بول رہا تھا۔ ایک دو جملے کہتا تو کچھ دیر سانس لینے لگتا تھا۔ آخر میں اس کی آواز بالکل ہی دب گئی پھر یوں لگا جیسے وہ بڑی ہی دور کھڑا بول رہا ہو اور وہ بڑی مشکل سے اس کی آواز سن رہی ہو۔ بختی نے اسے کہا کہ وہ زبیر کو جگا لیتی ہے اور اسے ہسپتال لے چلتے ہیں۔

اختر نے انکار میں سر ہلایا اور دایاں ہاتھ اوپر کر کے بختی کی طرف کرنے لگا تو ہاتھ

اس کے سینے پر گر پڑا اختر نے ہچکی لی اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ وہ بختی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا تھا۔

بختی کی تو چیخیں نکل گئیں۔ زبیر جاگ اٹھا اور دوڑا دوڑا آیا۔ بختی نے اسے بتایا کہ اس کا باپ فوت ہو چکا ہے۔

''حرام کا تمام پیسہ حرام میں نکل گیا تھا'' ـــــ بختی نے مجھے سنایا ـــــ ''میں اللہ سے مایوس ہو کر اللہ کے بندوں کے پاس جانے لگی اور انہوں نے مجھے خوب لوٹا۔ اختر کے علاج معالجے پر بے پناہ خرچ ہوا پھر بھی مجھے کوئی محتاجی نہیں تھی۔ زبیر ملازم ہو چکا تھا اور اتنی بڑی حویلی میرے نام تھی''۔

تھوڑے ہی عرصے بعد بختی کے حالات کچھ زیادہ ہی بگڑ گئے۔ اس نے کہا کہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس حویلی میں رہنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اسے ہر طرف پرویز نظر آتا تھا۔ بختی نے یہ حویلی بیچ ڈالی اور یہ مکان خرید لیا جہاں وہ اب رہتی تھی اور میں اس کی یہ آپ بیتی سن رہی تھی۔

''اپنے بیٹے زبیر کے متعلق تو پہلے پوری تفصیل سے سنا چکی ہوں کہ وہ کس لائن پر چل پڑا تھا'' ـــــ بختی نے کہا ـــــ ''ایسے باپ کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا لیکن میں نے تمہیں پہلے بتایا ہے کہ زبیر لوفر لفنگا اور بدمعاش سہی لیکن اس نے اپنے وقار کو قائم رکھا ہوا ہے اور وہ مجھ پر اپنی جان بھی قربان کرنے کو تیار رہتا ہے''۔

❊ ختم شد ❊